دار العلوم دیوبند کے
شیخ الحدیث سید العلماء حضرت

مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ
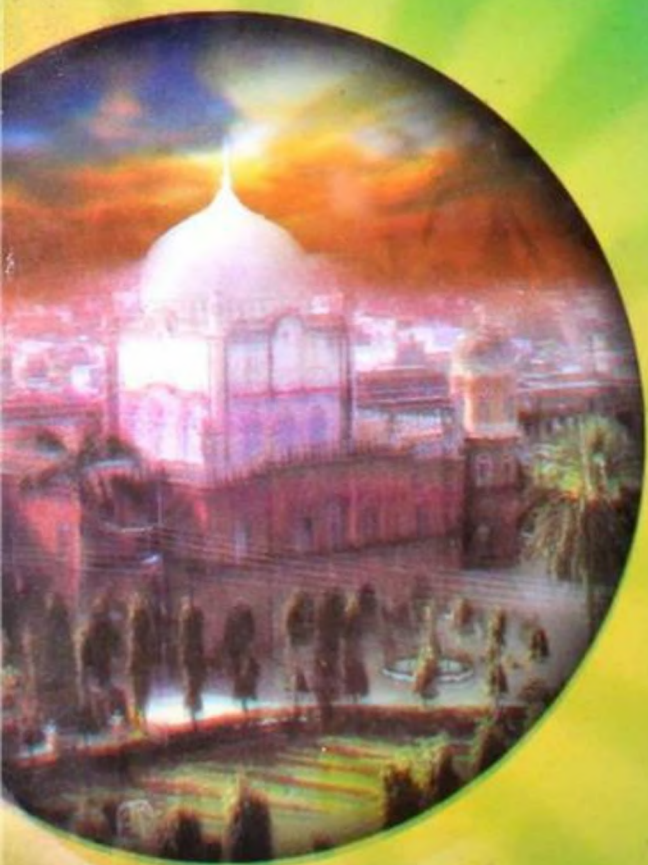
احوال و آثار

تحقیق و تصنیف
پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

مکتبہ رشیدیہ

أنتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن)

تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن صادق ہو۔

شیخ الحدیث اول دار العلوم دیوبند

سید العلماء حضرت

مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی رح

احوال و آثار

تحقیق و تصنیف

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

نبیرہ سید العلماء

مکتبہ رشیدیہ، عائشہ منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

مطبوعہ المزن پرنٹرز کراچی

حرف ناشر

حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے وجودِ مسعود سے ملت اسلامیہ ہند کے دور آخر میں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس کے کئی پہلو نہایت اہم ہیں۔

۱۔ حضرت مرحوم کی اعلیٰ ہمتی نے ایک اسلامی مدرسے کی بنیاد و تعمیر کے ذریعے ایک ایسا مرکز قایم کر دیا جو ایشیا میں اسلامی علوم و فنون کے درس و تدریس اور فروغ و اشاعت کا سب سے بڑا دار العلوم بنا اور اپنے نصاب، طرز تعلیم اور نظام کے خصایص کے لحاظ سے دنیا کی عظیم اسلامی یونی ورسٹیوں میں ممتاز اور دار العلوم دیو بند کے نام سے مشہور ہوا۔

۲۔ حضرت قاسم العلومؒ نہ صرف ایک متبحر عالم دین تھے، ان کا شمار اصحاب عزیمت، رجال کار اور وقت کے مدبرین میں ہوتا ہے۔ ان کے افکار عالیہ اور تربیت اصحابِ استعداد کی بدولت تحریک آزادی ہند پاکستان کے نئے دور کا آغاز ہوا اور ایک نئے سیاسی مکتب فکر کی بنیاد پڑی، جس کے اسلاف کے ایثار و خدمات نے تحریک آزادی کو کامیابی سے ہم کنار کیا اور آزادی کی تاریخ اور وطن کی تعمیری مہمات میں اپنی رہنمائی اور عملی خدمات سے مسلمانوں کا سر اونچا کر دیا۔

۳۔ حضرت قاسم العلومؒ علمائے حق کی جس جماعت کے گل سرسبد تھے اس کے ارکان دینی ذوق، رسوخ علمی، سلامتی طبع، فہم و بصیرت، پختہ و بلند فکری، سلامت روی، اعتدال پسندی اور علم و عمل میں عدل و قسط کے ایسے مقام پر تھے جس نے حسن اخلاق، محاسن سیرت، مواعظ حسنہ، فیضان تعلیم و تربیت اور فکر و نظر سانچوں میں ڈھل کر ایک دینی مکتب فکر کی صورت اختیار کر لی اور جس کے اسلاف نے اپنی ہمہ جہت دینی خدمات سے ایک ایسا پختہ سراپہ فلک محل بنا دیا جس پر حیرت خانہ یونان و فاراب کو رشک آئے اور اس کے اسلاف اس پر نازاں ہوں۔

حضرت قاسم العلومؒ کی تعلیم و تربیت اور فیضان محبت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر علمائے دین کی جو پہلی جماعت نکلی تھی اس کے ارکان کا شمار دیو بند کے دار العلوم اور مکتب فکر کے مشاہیر علمائے رجال کبار میں ہوتا ہے۔ اس جماعت کی ایک ممتاز اور اہم شخصیت حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کی تھی۔ حضرت امروہوی علیہ الرحمۃ حضرت قاسم العلومؒ کے بہت سے تلامذہ

ہی میں نامور نہیں تھے بلکہ حضرت کے تین محبوب اور نامور تلامذہ میں سے ایک تھے۔ یہ تین حضرات محمود حسن، فخر الحسن اور احمد حسن رحمہم اللہ اس جماعت کے ستون تھے۔ ان علمائے ثلاثہ نے اپنی خدمات دینی وملی سے اس حق کو ادا کیا جو شاگردان رشید پر واجب ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے استاد کے نام نامی کو روشن کیا اور اپنے استاد گرامی کے لیے موجب فخر بنے۔

زیرِ نظر تالیف حضرت قاسم العلومؒ کے اسی نامور تلمیذ رشید اور مذکورہ جماعت کے اصحاب ثلاثہ کے ایک رکن مولانا سید احمد حسن امروہویؒ کے سوانح وخدمات کے تذکار میں ہے۔ جس کی تالیف وتدوین کا اعزاز، اس کے مصنف حضرت کے لائق پوتے پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد رضوی کے حصے میں آیا ہے اور اس کی طباعت واشاعت کا فخر مکتبہ رشیدیہ (کراچی) کو حاصل ہوا ہے۔

حضرت امروہوی نور اللہ مرقدہ حضرت قاسم العلومؒ کے تلامذہ میں بلند پایہ، نہایت فاضل، جامع علوم وفنون، محاسن اخلاق اور خصائص سیرت سے مزین شخصیت تھے۔ انھوں نے اجرائے مدارس کی تحریک میں حصہ لیا۔ مدرسہ شاہی مراد آباد کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور دار العلوم دیوبند میں خدمات انجام دیں۔ ان کا بڑا کارنامہ مدرسہ اسلامیہ امروہہ کا قیام ہے۔ اس کے قیام واجرا اور خدمات کی پوری تاریخ حضرت امروہویؒ کی رہین منت ہے۔ انہوں نے درس وتدریس کے ذریعے اسلام ومعارف اسلامیہ کی اشاعت کا موجب ہونے اور رشد وہدایت کے ذریعے اسلام کے فیضان کو عام کیا۔ یہ فیضان حضرت کی ذات گرامی ہی پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ حضرت مرحوم کے پچاسوں صاحب علم وعمل شاگردوں اور حضرت کے خلف وجانشین صادق مولانا سید محمد رضویؒ کی خدمات اور ان کے تلامذہ کی بدولت صدقہ جاریہ کی مثال ہے اور اب تک ہندوستان اور پاکستان کے دور دراز گوشوں تک جاری ہے۔

مکتبہ رشیدیہ کو علمائے حق خصوصاً دیوبند مکتب فکر کے بزرگوں کے تذکار وسوانح کی اشاعت سے خاص دلچسپی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس سلسلے میں دیوبند کے ایک نامور بزرگ کے سوانح وخدمات کی اشاعت کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اس عمل کو قبول فرمائیں اور اس تالیف کو قبول عام بخشے۔ آمین

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث رحمتہ اللہ علیہ۔

احوال و آثار

فہرست

عنوان	صفحہ

باب دوم

تصانیف:

مناظرے:

باب سوم

تصانیف:

باب چہارم

باب پنجم

تلامذہ:

مسودات:

باب ششم

متوسلین:

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

باب دہم

مقدمہ

یہ کتاب میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے۔ اس میں ان کی دینی خدمات اور آثار وتصانیف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ میرے دادا ایک ایسی ہستی تھے جو مذہب اسلام کے تابعین، محدثین، مجتہدین، مفسرین اور علماء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کی ذات جامع کمالات تھی۔ وہ عالم وفاضل اور محدث کامل تھے۔ وہ فلک علم وذکاوت اور رشد وہدایت کا آفتاب تھے۔ وہ ساری عمر اپنی ذہانت، علمیت وحکمت، تحریر اور علمی بصیرت کے خزانے لٹاتے رہے۔ وہ علوم اسلامیہ پر دسترس رکھتے تھے۔ ان میں تقویٰ اور دینداری تھی۔ وہ علوم فقہ وشریعت کے جید عالم تھے۔ ان کا زیادہ تر انہماک درس وتدریس میں تھا۔ ایسے عظیم، جید اور مستند عالم کی سوانح حیات لکھنا آسان کام نہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اس عظیم شخصیت کی سوانح لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا کی علمی اور دینی خدمات سے لوگ مستفید ہوئے۔ ان کا زمانہ ۱۸۵۰ء-۱۹۱۲ء ہے۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ کوئی ان کو جانتا بھی نہیں۔ میں نے اکثر موجودہ علماء سے ان کا نام لیا تو یہی سوال آیا کہ یہ کون ہیں؟ اتنی بڑی نابغۂ روزگار، شخصیت کو کوئی نہیں جانتا۔ نہ انکا نام لیا جاتا ہے۔ یہی سبب اس کتاب کی تصنیف کا ہوا۔ تاکہ طبقۂ علماء متعارف ہو سکے کہ ان کی جماعت میں ایسا عظیم محدث بھی پیدا ہوا۔

مجھے اپنے دادا کی سوانح حیات لکھنے میں سخت جدوجہد، کوشش بلیغ اور محنت کرنا پڑی۔ مواد کی فراہمی، کتابوں کی دستیابی کا یک بڑا مرحلہ تھا۔ بڑی مشکلوں سے ان کی ایک مکمل سوانح عمری مرتب کی ہے تاکہ ان کے علمی، تعلیمی کوائف ایک جا ہو سکیں۔ میں نے جب اپنے دادا پر قلم اٹھایا تو مواد کی کمی اور واقف کار حضرات کی عدم دستیابی سے قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے دادا کا وصال ۱۹۱۲ء کو

ہوا۔ ان کے انتقال کے تقریباً ایک صدی بعد ان کی سوانح لکھی جا رہی ہے تو مشکلات تو درپیش تھیں۔ پھر یہ کہ ان کے قائم کردہ دارالعلوم مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کا وہ تمام ریکارڈ تلف ہوگیا۔ جس میں ان کے زمانہ کے طلبہ کا اندراج واخراج تھا۔ گھر کا ریکارڈ میرے والد صاحب حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کے باہر حیدرآباد دکن رہنے کی وجہ سے خرد برد ہوگیا۔ باقی جو بچا تھا وہ نذر آتش ہوا۔ اس میں ان کے نام بڑے بڑے علماء کے خطوط تھے۔ لے دے کے ان کے فتاویٰ کا ایک رجسٹر بچا جو راقم الحروف کو ورثہ میں ملا۔ میں نے اس کو بڑی حفاظت سے رکھا اور جو اس کتاب کے آخر میں افادات احمدیہ غیر مطبوعہ حصہ دوم کے نام سے شامل ہے۔

میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی نے موتمر الانصار کے اجلاس مرادآباد منعقدہ ۱۹۱۱ء کی صدارت فرمائی تھی۔ اس موقع پر تمام علماء ان کی قومی مذہبی اور سیاسی قیادت کے پرچم تلے جمع ہوگئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا عبیداللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قاضی شوکت حسین رئیس شہر مرادآباد، حکیم اظہر الدین، منشی فضل حسین ایڈیٹر ضیاء الاسلام، ایس ابن علی ایڈیٹر منیر اعظم، مولوی سراج احمد، مولوی ہادی حسن، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا عبدالرحمٰن سیوہاروی رکن مجلس علماء بھوپال، مولوی محمد ابراہیم واعظ دہلوی، ہیں۔

یہ سب علماء اس وقت طلبہ تھے۔ اس موقع پر حضرت دادا صاحب نے عربی میں خطبہ صدارت دیا تھا۔ روداد میں لکھا ہے کہ مولانا سید احمد حسن صاحب قبلہ امروہوی صدر جلسہ کی عربی تقریر بڑی فصیح و بلیغ اور موثر تھی۔ اس خطبہ میں مولانا نے دہریت، تثلیث، فلسفہ جدید کے تمام اعتراضات کے متعلق وجود باری تعالیٰ اور ضرورت نبوت ورسالت پر زور دیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو ہر قسم کی خرابیوں سے مبرا ہے اور ایک واحد حقیقی خدا کو واجب الوجود

تسلیم کرتا ہے۔اس جلسہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے پہلے مسلمانوں کا کوئی اتنا بڑا سیاسی جلسہ منعقد نہیں ہوا تھا۔اس پلیٹ فارم پر تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور یہیں سے مسلمانوں کی سیاسی حکمت عملی کے محاذ کا تعین ہوا۔دوسری بات یہ کہ موتمر الانصار سے پہلے مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی۔جمیعتہ العلماء ہند، مجلس احرار اور خاکسار تحریک سب جماعتیں بعد میں بنیں۔یہی وجہ ہے کہ موتمر الانصار کا پہلا اجلاس جب مرادآباد میں میرے دادا کی صدارت میں منعقد ہوا تو انگریزی سامراج کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔غرض میرے دادا نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔اور استعماری طاقتوں کو للکارا۔اس جلسے کے بعد پورے ہندوستان میں حریت کی لہر دوڑ گئی۔طلبہ میں جو سیاسی بیداری آئی۔وہ موتمر الانصار کے اسی جلسے سے آئی۔اتحاد اسلام کی منظم تحریک، ریشمی رومال تحریک، موتمر الانصار سے ہی پیدا ہوئی۔جس نے انگریزوں کے دل ودماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

افسوس ہے کہ میرے دادا نے موتمر الانصار کے اس جلسے میں جو عربی میں خطبہ صدارت ارشاد فرمایا تھا، وہ بھی حاصل نہ ہو سکا۔

میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا مولانا سید احمد حسن حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔اس کا ذکر عم محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تاریخ دیوبند میں کیا ہے۔اس کے علاوہ جن دوسری کتابوں میں حضرت دادا صاحب کے حالات ہیں ان کے نام یہ ہیں: تذکرہ علمائے ہند از رحمٰن علی، نزہتہ الخواطر از حکیم عبدالحئ لکھنوی، تذکرہ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن نہٹوری، تاریخ دیوبند از محبوب رضوی، تذکرۃ الکرام ثانی تاریخ امروہہ از محمود احمد عباسی، امیر الروایات از امیر شاہ خان

میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن، دارالعلوم دیوبند میں اول شیخ الحدیث رہے۔وہ مدرسہ شاہی مرادآبادی میں بھی پہلے شیخ الحدیث تھے۔وہ خورجہ بلند شہر، مدرسہ عبدالرب دہلی میں بھی صدر مدرس رہے۔شیخ الہند مولانا محمود الحسن

۱۸۷۳ء کو فارغ التحصیل ہوئے۔ خیال ہے اسی سال مولانا سید احمد حسن کو بھی دستار فضیلت بندھی۔ مولانا سید احمد حسن مناظرہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ نگینہ ضلع بجنور ۱۹۰۵ء میں آریا ساجیوں سے ان کا مناظرہ ہوا، ایسی تقریر کی کہ آریوں کو شکست ہوئی اور بہت سے ہندوان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رد قادیانیت میں بھی سید العلماء نے بڑا کام کیا اور رامپور کے مناظرہ میں قادیانیوں کو شکست دی۔ انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مباہلہ کی بھی دعوت دی تھی۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے مدرسہ عربیہ میں بھی سید العلماء صدر مدرس رہے۔

غرض دیوبند نے سید العلماء اور شیخ الھند جیسے علماء پیدا کیئے۔ سید العلماء نے طب کی تعلیم بھی دی۔ وہ ابن سینا کا قانون اور الشفاء کا درس دیتے تھے۔ بڑے بڑے اطباء ان کے شاگرد تھے۔ امروہہ میں طب کا چراغ سید العلماء نے جلایا۔

الحاصل میرے دادا اکابر دیوبند میں سے تھے اور وہ برصغیر پاک و ہند کے صف اول کے علماء میں تھے۔ دیوبند تحریک، شاہ ولی اللہ تحریک کا تکملہ تھی۔ تبلیغی جماعت تحریک دیوبند کی شاخ ہے کیونکہ مولانا الیاس کاندھلوی کا سلسلہ علمائے دیوبند سے ملتا ہے۔ مولانا الیاس کاندھلوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے شاگرد تھے۔

یوں تو سوانح عمریاں بہت لکھی گئی ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے مولانا یعقوب نانوتوی نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح پر مختصر رسالہ لکھا تھا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے حکیم الامت سوانح (مولانا اشرف علی تھانوی) لکھی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا الیاس کی سوانح لکھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی پر مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے سوانح لکھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ہی تذکرۃ الخلیل لکھا۔ حیات شیخ الھند میاں اصغر حسین نے لکھی۔

مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی شفیع دیوبندی، مفتی محمود پر بینات کراچی، البلاغ کراچی ار ترجمان الاسلام لاہور نے ضخیم نمبر شائع کیے ہیں۔ لیکن سید العلماء مولانا سید احمد حسن کی سوانح نہیں لکھی گئی۔ میرے دادا مولانا احمد حسن چونکہ تحریک

دیوبند کے نامور عالم، استاد اور محدث تھے۔ اس لئے راقم الحروف نے ان کی مستند سوانح مرتب کی ہے اور ان کے آثار و تصانیف کو بھی جمع کر دیا ہے تاکہ علماء واقف ہو سکیں کہ وہ کس پایہ کے عالم اور محدث تھے۔ مجھے امید ہے کہ علمی حلقوں اور علماء کے طبقے میں اس کتاب کو پسند کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

جہاں تک ان کی اولاد و احفاد کا تعلق ہے۔ آخر میں ان پر بھی ایک باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ سب احفاد ماشاء اللہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرے اوپر کے چار بھائی گزر گئے۔ ان کے بعد کے ہم چار ہیں۔ کچھ کراچی، کچھ دہلی اور چاندپور میں قیام پذیر ہیں۔ میرے بڑے بھائیوں کا خاندان خوب پھولا پھلا۔ اب احفاد بھی سب اولاد والے ہیں۔ ان کے بھی پوتے نواسے ہیں۔ سب خوش و خرم ہیں۔ خدا کی شان ہے کہ میرے دادا کے ایک ہی اکلوتے فرزند میرے والد حافظ قاری سید محمد رضوی تھے۔ ان سے نسل چلی۔ ان کے آٹھ بیٹے ہوئے۔ سب احفاد نے خوش حال ارفارغ البالی کی زندگی بسر کی۔ اب ان کی اولاد خوب پھل پھول رہی ہے۔ پورا خاندان برصغیر پاک و ہند میں شاد و آباد ہیں۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ میرے دادا اور ان کے تمام متوسلین اور ان کی اولاد پر اپنی خصوصی مہربانی فرمائے۔ وہ ایک خصوصی حیثیت کے حامل تھے۔ وہ علوم قاسمی کے نقیب ترجمان تھے۔ امید ہے میری یہ کتاب سرمایۂ چشم ارباب بصیرت ہوگی۔

فقط

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

نبیرۂ سید العلماء

کراچی

از: پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

باب اول

سید العلماءٔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدّث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

راس الاذکیاء سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے نامور محدث تھے۔ ان کا شمار اکابر دیوبند میں ہوتا ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ انھوں نے شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے سند حدیث حاصل کی تھی۔ جن کا تعلق خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سلسلے سے تھا۔ اس لحاظ سے مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کی سند حدیث کی اہمیت یہ ہے کہ ان کے پاس حدیث کی سند متواتر تھی۔ جو ان کے معاصرین میں کسی کے پاس نہ تھی۔ اس لیے حدیث میں ان کا مرتبہ بلند تھا۔ حدیث متواتر کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سلسلہ بغیر انقطاع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح تصوف میں مولانا احمد حسن محدث امروہوی کو حاجی امداداللہ مہاجر مکی مدنی سے خرقہ ٔ خلافت حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحب کا سلسلہ برصغیر کے صوفیاٗ میں بڑا معتبر مانا جاتا ہے۔
غرض سید العلماءٔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ایک جامع کمالات علمی و دینی شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے امروہہ (مرادآباد یو پی، انڈیا) میں ایک دارالعلوم قائم کیا تھا۔ جو جامع مسجد امروہہ میں تھا اور الحمد للہ آج بھی اس کا فیض جاری ہے۔ جامع مسجد کے مشرق میں کسی زمانے میں کھیت تھے۔ مولانا نے وہ زمین خرید کر وہاں بڑی درسگاہیں تعمیر کرائی تھیں جو اب بھی موجود ہیں۔ ان میں ایک بڑا ہال ہے جس میں حضرت مولانا درس دیا کرتے تھے۔ بانی ٔ درس گاہ ہونے کے تعلق سے جامع مسجد کے صحن (جنوب کی طرف) حضرت مولانا کا مزار مبارک ہے۔ جس پر جمعہ کی نماز کے بعد اہل شہر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ عالم جلیل وفقیہہ کبیر مولانا احمد حسن

اپنے وقت کے ممتاز علماً میں سے تھے۔ جو بیان و ایضاح کی قدرت و مہارت اور تجربہ علمی میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اپنے معاصرین میں بہت سے علوم وفنون میں فوقیت و برتری لے گئے تھے۔ حسن صورت و حسن سیرت کے مالک، شیریں گفتار، پُرکشش اخلاق و شمائل سے متصف، عمل کے میدان میں عالی ہمت اور صاحب عزیمت، درس و تدریس اور افادۂ خلائق میں ہمہ تن معروف رہتے تھے۔ حضرت محدث امروہوی کی ولادت ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں ہوئی اور وفات ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ ۱۸۵۰ء - ۱۹۱۲ء تک ۶۲ سال کی عمر ہوئی۔ حضرت شاہ عبداللہ عرف شاہ سید ابّن قدس سرہ العزیز ۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء جو سادات رضویہ امروہہ میں سے تھے، حضرت محدث امروہوی کے مورث اعلیٰ تھے، جن کا تذکرہ برصغیر کی حسب ذیل مشہور تواریخ میں ملتا ہے:

(۱) منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی

(۲) اسراریہ از سید کمال سنبھلی

(۳) اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

(۴) مآثر الکرام از آزاد بلگرامی

حضرت محدث امروہوی کا شجرۂ نسب حضرت شاہ سید ابّن تک یہ ہے:

سید احمد حسن بن سید اکبر حسین بن سید نبی بخش بن سید محمد حسین بن پیر سید محمد حسن بن سید سیف اللہ بن سید ابوالمعالی بن سید المکارم بن سید ابوالقاسم بن حضرت شاہ سید ابّن بدر چشتی قدس سرہ العزیز۔

حضرت مولانا احمد حسن محدث کا شجرۂ نسب امام رضا سے ملتا ہے۔ جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ اس طرح حضرت محدث امروہی حسینی سید تھے۔ مولانا احمد حسن کی علمی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جناب محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب تاریخ امروہہ کا انتساب امروہہ کی جن بڑی شخصیات یعنی (۱) شاہ ولایتؒ (۲) شاہ ابّنؒ (۳) شاہ عبدالہادیؒ سے کیا ہے اس میں مولانا احمد

حسن کا نام بھی شامل ہے۔ مولانا کے مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی
(۲) بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی
(۳) مولانا سید علی زینبی۔ وہ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ اور ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث تھے۔
(۴) حافظ احمد صاحب ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی
(۵) مولانا قمر الدین سہنسپوری
(۶) مولانا ظہور الحسن ناظم سیوہاروی
(۷) حکیم ظہور الحق صدیقی
(۸) شاہ سلیمان احمد سجادہ نشین درگاہ شاہ عبدالہادی
(۹) استاذ القراء قاری ضیاء الدین الہ آبادی
(۱۰) حکیم مختار احمد صدیقی امروہوی، نزیل بریلی
(۱۱) حکیم احسان الحق
(۱۲) حکیم سید حامد حسن افسر الاطباء نظام دکن
(۱۳) حکیم اسرار الحق صدیقی
(۱۴) مولانا غلام یحییٰ ہزاروی' سابق صدر مدرسہ الہیات کانپور
(۱۵) حکیم امین الدین شاہ آبادی ثم امروہی' پرنسپل طبیہ کالج دہلی
(۱۶) مولوی محمد حسن سہوانی
(۱۷) مولانا خان زمان
(۱۸) مولانا نور الزماں پنجابی کالا باغ
(۱۹) قطب الوقت مولانا حافظ عبدالغنی ساکن پھلاودہ ضلع میرٹھ
(۲۰) مولانا رضا حسن شیخ الحدیث دارالعلوم جامع مسجد امروہہ
(۱۲) مولانا یحییٰ شاہجہاں پوری مرتب: قادات احمدیہ (قلمی)

حضرت محدث اگر چہ خود طبیب نہ تھے لیکن درس حدیث کے علاوہ طب کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ امروہہ کے مشہور اطباء حکیم ظہور الحق، حکیم احسان الحق والد حکیم اسلام الحق، حکیم فرید احمد عباسی خود ان کے چھوٹے بھائی حکیم سید حامد حسن جو بعد میں ریاست حیدرآباد میں افسر الاطباء ہوئے سب ان کے شاگرد تھے۔ اس طرح امروہہ میں حدیث و تفسیر کے علاوہ طب کا چراغ مولانا احمد حسن نے جلایا۔

درس حدیث میں ان کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دور دور سے طلبہ ان کے درس میں شرکت کے لئے آتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ جب آسام، برما، بنگال، سرحد، پشاور، ہزارہ، کابل، قندھار، تاشقند سمرقند، بخارا، سے تشنگان علوم آتے تھے اور اس بحر ذخار سے اپنی تشنگی کو بجھا کر سند حدیث لے کر جاتے تھے۔ علمائے دیوبند میں مولانا احمد حسن کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان کے درس حدیث میں جنات بھی شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ اہل شہر کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ جب آپ درس دیتے تھے تو پورا ہال انسانی شکلوں سے بھرا ہوتا تھا اور جیسے ہی درس ختم ہوتا تھا تو ہال خالی ہونا شروع ہوجاتا تھا۔ اس بات کا تذکرہ مولانا نے اپنی استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو تمہارے درس میں جنات بھی شریک ہوتے ہیں۔

وعظ و تبلیغ کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ علوم اسلامی کی تشریح و توضیح میں آپ کا زیادہ وقت گزرتا تھا چونکہ درس و تدریس میں انہماک زیادہ تھا اس لئے آپ کو تصنیف و تالیف کی فرصت نہ مل سکی۔ تاہم آپ کے مواعظ و ملفوظات کے علاوہ آپ کے مکاتیب اور فتاوے علمی جواہر پاروں سے معمور ہیں۔ چنانچہ آپ کی ایک کتاب 'افادات احمدیہ' شائع ہوچکی ہے۔ جس کی اشاعت میں مفتی کفایت اللہ دہلوی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جو خود بہت بڑے عالم، شیخ الحدیث اور ہندوستان کے مفتی اعظم تھے۔ حضرت محدث امروہوی ایک بلند پایہ محدث، مفسر اور فقیہہ تھے۔ تمام مضامین حکمیہ اور فنون معقولہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کی تصانیف میں افادات احمدیہ کے

علاوہ تقریر ترمذی، درس تفسیر قرآن ، مکاتیب سید العلماء ، بیاض احمدی اور فتاویٰ ہیں ۔ درس تدریس کے علاوہ مولانا احمد حسن زبردست مقرر بھی تھے اور مناظرہ بھی کرتے تھے ۔ ان کا ایک مشہور مناظرہ 'مناظرۂ نگینہ' ہے ۔ جو ۵ رجون ۱۹۰۴ء کو علمائے اسلام اور آریا سماجی پنڈتوں کے درمیان نگینہ ضلع بجنور یو پی میں ہوا تھا ۔ مناظرے کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ جب مولانا احمد حسن صاحب امروہوی مدظلہ العالی نے مذہب اسلام کی خوبیاں ظاہر کیں تو تمام پنڈال پر ایک سکتے کا عالم طاری تھا ۔ حاضرین کی نگاہیں مولانا موصوف کی طرف لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف سے سبحان اللہ کے نعروں کی آوازیں آرہی تھیں ۔ اس تقریر کا اس قدر اثر ہوا کہ وہیں پنڈال میں ایک ہزار ہندوؤں نے مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ اسی طرح مناظرہ رامپور بھی ہوا تھا جو نواب رامپور نے قلعہ رامپور میں منعقد کیا تھا ۔

حضرت مولانا کا تفصیلی ذکر رحمٰن علی نے اپنی کتاب 'تذکرۂ علمائے ہند' میں حکیم عبدالحیٔ نے نزہتہ الخواطر میں کیا ہے ۔ اس کے علاوہ تاریخ دیوبند، تاریخ امروہہ اور تاریخ مشاہیر علمائے دیوبند میں ان کے حالات بیان کیے ہیں ۔ مولانا کے قائم کردہ مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی مجلس شوریٰ میں عمائدین شہر کے علاوہ نواب وقار الملک بھی مجلس شوریٰ کے رکن تھے جو بڑی باقاعدگی سے شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوتے تھے ۔ مدرسے میں جن نامور طلبہ نے تعلیم حاصل کی ان میں پاکستان کے مفتی محمود ، مولانا طس (مجلس علمی کراچی) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیتہ علمائے ہند ، علامہ عبدالعزیز میمن سابق صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ، مولانا سید اعزاز علی (دیوبند) مولانا ابراہیم بلیاوی (فلسفہ) کے نام شامل ہیں ۔

نواب حافظ احمد سعید ،نواب آف چھتاری جو مسلم یونیوسٹی علیگڑھ کے چانسلر تھے وہ مولانا احمد حسن سے بیعت تھے ۔ مولانا احمد حسن محدث امروہوی کو نظام حیدرآباد نے اپنی ریاست میں صدر الصدور امور مذہبی کے عہدے کی پیش کش کی تھی ۔ جو آپ نے یہ کہہ کر قبول نہیں کہ میں طلبہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں ۔

مولانا احمد حسن کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ یوپی کا گورنر جو اس زمانے میں ایک انگریز تھا اور اس کا نام گورنر مسٹن تھا۔ وہ امروہہ آیا تو اس نے مولانا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ وہ مدرسہ جامع مسجد مولانا سے ملنے آیا۔ تمام عمائدین شہر نواب وقار الملک مدرسے کے دروازے پر گورنر کے استقبال کے لئے موجود تھے لیکن مولانا چونکہ اس وقت درس حدیث دے رہے تھے۔ آپ کو گورنر کے آنے کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہو دفتر میں تشریف رکھیں میں درس ختم کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ جب درس ختم ہو گیا تو آپ نے آفس میں ان سے ملاقات کی۔ گورنر بجائے ناراض ہونے کے ان کی فرض شناسی سے بے حد متاثر ہو۔ یہ تھی مولانا احمد حسن محدث کی شان اور عظمت۔

مولانا کے اکلوتے صاحبزادے مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی عرف بنے میاں اپنے والد کے نقش قدم پر چلے۔ وہ صحیح معنوں میں مولانا کے جانشین تھے۔ اس طور پر کہ انھوں نے اپنی تمام عمر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے کاموں میں حصہ لیا۔ وہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ انھوں نے دوسرا مدرسہ، مدرسہ اسلامیہ عربیہ چلہ قائم کیا تھا۔ دونوں مدرسے ابھی تک موجود ہیں اور اس خاندان کا صدقۂ جاریہ ہیں۔ مولانا کے صاحبزادے مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کی زوجہ فہمیدہ خاتون صحیح معنوں میں حضرت محدث امروہوی کی بہو تھیں۔ اس طور پر کہ انھوں نے گھر پر لڑکیوں کے لئے مدرستہ البنات قائم کیا تھا۔ جس میں وہ محلے کی اور خاندان کی لڑکیوں کو ناظرہ قرآن مجید اور دینی تعلیم دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ جلسوں میں دینی اور مذہبی تقریریں کرتی تھیں۔ جو شہر کے مختلف محلوں میں منعقد ہوتے تھے۔ ان دینی جلسوں میں خواتین جوق در جوق آتی تھیں اور ان کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتی تھیں۔ وہ مبلغۂ اسلام کہلاتی تھیں۔

راقم الحروف پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد رضوی کو نبیرۂ مولانا احمد حسن محدث امروہوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میری ایک دینی کتاب 'محاضرات القرآن'

شائع ہوئی ہے۔ جس کو میں نے اپنے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہوی کے نام انتساب کیا ہے۔ مناجات مقبول میں مولانا اشرف علی تھانوی نے عربی منظوم شجرہ کا اردو شعری ترجمہ کرتے ہوئے کہا ۔

برسبیل مرشدنا مولانا احمد حسن کے — کہ ظاہران کا مثل باطن کے ہے نور میں

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی کی مناجات میں ہے ۔

بہ حق مولوی احمد حسن عالی نسب فاضل — کہ جن کا آستانہ ہے فضیلت بار یا اللہ

جس طرح نظام الملک طوسی نے بغداد میں نظامیہ یونیورسٹی ۱۰۶۷ء میں قائم کی تھی۔ اسی طرح امروہہ میں مولانا احمد حسن کے قائم کردہ دارالعلوم جامع مسجد امروہہ کو اسلامی یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا۔ جہاں سے دنیائے اسلام کی نامور علمی شخصیات پیدا ہوئیں۔ مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے زمانے میں امروہہ کو دینی اور روحانی علوم میں دنیائے اسلام میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ امروہہ بغداد بنا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علم نحو وصرف میں اخفش، فراء نحوی اور سیبویہ پر بحثیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ کتاب السیبویہ اور مغنی اللبیب پڑھائی جاتی تھی۔ فراء نحوی اور سیبویہ کے مسلک بیان کئے جاتے تھے۔ اسی طرح فلسفہ میں ہدیۂ سعیدیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ، صدرئی، شمس بازغہ پڑھائی جاتی تھی اور منطق میں ایساغوجی، قطبی، سلم، قال اقول، ملا مبین، ملا حسن، حمداللہ، قاضی مبارک ملا جلال، میرزاہد پڑھائی جاتی تھی۔ غرض عقل استقرائی، رواقیت، عینیت، وجدان، وجود واجب، زمان ومکان، حکمت اشراق، اشاعرہ، معتزلہ، طبیعیات، الہیات، ظلمت ونور، حرکت وتغیر وہ فلسفیانہ افکار ہیں جو اس یونیورسٹی یعنی دارالعلوم جامع مسجد امروہہ میں زیر بحث لائے جاتے تھے۔ اس طرح امروہہ کی یہ عظیم ترین درس گاہ تعقل وتفکر کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

مولانا کے صاحبزادے اور راقم الحروف کے والد مولانا سید محمد رضوی نے حجۃ الاسلام مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

اور حافظ احمد صاحب ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سرپرستی میں دارالعلوم چلہ امروہہ قائم کیا تھا۔ جہاں طلبہ کی تحقیقی کاموں کی طرف رہنمائی کی جاتی تھی۔ عرفی، نظیری کو پڑھایا جاتا تھا۔

تاریخ امروہہ کی جلد دوم 'تذکرۃ الکرام' کے مولف محمود عباسی نے مولانا احمد حسن محدث کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: ''سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث روح اللہ روحہ، علامۂ زمان، افتخار زمانیاں، استاد الاساتذہ، افضل الفضلاء، امام المحدثین، ذہین وفطین، خوش رو، خوش خو، خوش تقریر، صاحب وجاہت بزرگ عہد تھے۔'' ☆

حضرت مولانا محدث کو ہر چہار سلسلہ سلاسل طریقت میں بیعت وخلافت حاصل تھی۔ وہ تصوف کے اونچے مقام پر فائز تھے۔ فراغت تعلیم اور انتساب فضائل و معارف کے بعد آپ نے درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ ابتداء میں کچھ عرصے تک خورجہ ضلع بلند شہر یوپی، دہلی اور سنبھل بہ سلسلہ تدریس قیام فرمایا۔ پھر مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشنگان علم کو سیراب کیا۔

خورجہ کا واقعہ

خورجہ کی ایک رئیس اور مخیر بیگم نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ بیگم کو مدرسہ کی فلاح و بہبود کے ساتھ اپنے صاحبزادوں کی تعلیم وتربیت کی بھی فکر تھی۔ بیگم موصوفہ کے خواب کا واقعہ مولانا نسیم احمد فریدی نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میں نے مولانا عبدالرحمٰن خورجوی سے براہ راست واقعہ سنا کہ ان کی دادی نے مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کو خورجہ آمد سے پہلے سرور کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ہمارا لڑکا تمہارے یہاں آئے گا۔ اس کا خیال رکھنا۔ ان نیک نہاد خاتون نے آنحضرت سے عرض کیا کہ یہ صاحبزادے حضرت حسنؓ کی اولاد ہیں یا حضرت حسینؓ کی فرمایا حسین کی اولاد سے ہیں۔ اس کے بعد حضرت محدث امروہوی

☆ تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۶

خورجہ تشریف لائے۔ تو مولانا خورجوی کی دادی نے مولانا کی دعوت کی۔ مولانا ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان خوش بخت مسمات نے پردے میں سے کسی ضرورت کے لئے باہر نظر ڈالی تو وہی شکل مبارک آنکھوں کے سامنے تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔''

حضرت مولانا محدث بیگم موصوف کے مدرسے کے صدر مدرس مقرر کئے گئے اور بچوں کی تعلیم بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ جب تک آپ خورجہ میں رہے بیگم اور ان کے شوہر نواب صاحب اور تمام اہل خانہ آپ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ نواب صاحب ہاتھی پر کہیں سے آرہے تھے۔ سامنے سے حضرت مولانا پیدل آتے نظر آئے تو نواب صاحب فوراً ہاتھی سے کود پڑے جس سے ہاتھوں اور گھٹنوں میں سخت چوٹ آئی۔ جب دریافت کیا تو نواب صاحب نے جواب دیا کہ آل رسول کو دیکھ کر جس کے متعلق خود سرکار دو عالم نے بشارت دی، ہاتھی پر ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹھا رہنا اور ہاتھی کو بٹھائے جانے کا انتظار کرنا میرے دل نے گوارا نہ کیا۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند شوال ۱۳۷۳ھ)

مولانا احمد حسن محدث ۱۳۰۱ھ سے امروہہ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔ تاحیات آپ ہی اس مدرسے کے مہتمم اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کے نظام میں شامل تھے، تعلیم دیتے تھے۔ جہاد حریت کے لئے علمائے اسلام کی جماعتی تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ چنانچہ ایک جماعت جمعیۃ الانصار کے نام سے قائم کی گئی۔ جس کا پہلا اجلاس اپریل ۱۹۱۱ء میں مرادآباد میں ہوا۔ حضرت محدث امروہوی نے اس جلسہ کی صدارت فرمائی۔ اس جلسے نے حکومت برطانیہ کو چوکنا کر دیا۔ اس وقت ملک ایسے جلسوں سے آشنا نہ تھا۔ آپ کا طرز بیان اس قدر دل پذیر اور دل نشین ہوتا کہ آخر تک سامعین یکساں دلچسپی اور شوق سے سنتے رہتے۔ معاصر علماء میں آپ کو درجہ امتیاز حاصل تھا۔ علمی اور فقہی مسائل میں علماء کو جب شکوک شبہات ہوتے تو حل مشکلات کی

خاطر آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کی رائے اور آپ کا فتوی علماء کے لئے سند ہوتا۔ حضرت موصوف علوم ظاہری کے علاوہ کمالات باطنی سے بھی متصف تھے۔ آپ کے کشف و کرامات کے اکثر واقعات مشہور ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے دو واقعات بھی درج کیئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرہ بدر چشت

وصال سے چند روز قبل حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اچانک ارشاد فرمایا ہمارا وقت قریب آ گیا ہے۔ ہمیں مرنے کے بعد مدرسے ہی میں جگہ دی جائے۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ چار روز کی علالت کے بعد علم و عرفان کا یہ مہر منور دامن اجل میں روپوش ہو گیا۔ آپ کی وصیت کے مطابق جسد خاکی کو جامع مسجد امروہہ کے جنوبی صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازے کے ساتھ اس قدر اژدہام تھا کہ امروہہ کی سرزمین پر چشم فلک نے بھی یہ منظر اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ شہر امروہہ مولانا محدث کے عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضرت موصوف کی نماز جنازہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند فرزند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے پان باڑی کے میدان میں پڑھائی۔ دفن کے وقت کفن کی چادر کو معتقدین نے پارہ پارہ کر کے تبرک کے طور پر رکھ لیا۔

حضرت مولانا مرحوم بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ نورانی چہرہ، خوب سیرت، نہایت غیور، خوددار، بے طمع، منکسر المزاج تھے۔ آپ کے حادثہ وفات سے دنیائے اسلام کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ مصر، ترکی، عرب، وغیرہ ممالک میں غائبانہ نماز ادا کی گئی اور تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ علامہ شبلی نے آپ کی وفات کی خبر سن کر کہا کہ ہندوستان سے حدیث کا چراغ گل ہو گیا۔ آپ کی وفات پر بے شمار مرثیے اور قطعات تاریخ لکھے گئے۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا تحریر کردہ مرثیہ اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے عربی مرثیہ سے ان کے صدمے کا اندازہ ہوتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند اور مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ حضرات کے مقالات رسالہ القاسم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوئے۔ مولانا احمد حسن کے

دارالعلوم جامع مسجد امروہہ میں جلال الدین رومی کی شہرۂ آفاق مثنوی معنوی، فریدالدین عطار کی تصنیف منطق الطیر، حافظ شیرازی کا دیوان، امام غزالی کی احیاء العلوم، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات پڑھائی جاتی تھی۔ ابن سینا کی کتاب الشفاء اور قانون کا درس دیا جاتا تھا۔ فخرالدین عراقی اور جلال الدین دوانی کے نظریہ زمان ومکان سے بحث ہوتی تھی۔ غرض امروہہ مولانا احمد حسن کے عہد میں اسلامی تہذیب کے گہوارے کی حیثیت سے اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اس لئے مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے ۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

وہی آب وگل ایران وہی تبریز ہے ساقی (اقبال)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تاریخ دیوبند میں لکھا ہے: ''یوں تو حضرت قاسم العلوم والمعارف کے شاگردوں کی تعداد بہت کچھ ہوگی لیکن یہ تین شاگرد بہت مشہور ہوئے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن، سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ، فخرالعلماء حضرت فخرالحسن صاحب گنگوہی۔ (۱)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے 'سوانح قاسمی' میں، مولانا رحمان علی نے 'تذکرۂ علمائے ہند' میں، مولانا عبدالرحمٰن امرتسری (مولف کتاب الصرف و کتاب النحو) نے اپنے 'سفرنامۂ بلاد ہند' میں، مولانا حکیم عبدالحیٔ نے 'نزہتہ الخواطر' جلد ہشتم، مولانا محمود احمد عباسی نے تاریخ امروہہ جلد سوم تذکرۃ الکرام میں، مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے 'تذکرۂ مشائخ' میں، سید محبوب رضوی نے 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' میں، سید العلما سید احمد حسن کا تذکرہ کیا ہے۔ مولوی رحمان علی نے 'تذکرۂ علمائے ہند' میں مولانا سید احمد حسن کے بارے میں لکھا ہے:

''مولانا احمد حسن بن اکبر حسین ۱۸۵۰ء/ ۱۲۶۷ھ میں امروہہ میں پیدا

---

(۱) تاریخ دیوبند از قاری محمد مہتمم دارالعلوم دیوبند

ہوئے۔شروع میں مولوی رافت علی، مولوی کریم نخشبی، مولوی محمد حسین جعفری سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر دیو بند پہنچ کر مولانا محمد قاسم نانوتوی سے اخذ علوم کیا۔ ان کے اساتذہ میں حکیم امجد علی خان، مولانا احمد علی سہارنپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی وغیر شامل ہیں۔ جب حجاز تشریف لے گئے تو مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے حدیث کی سند لی اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے بیعت درست کی۔ تاعمر مشغلہ تبلیغ و تدریس جاری رہا۔ خورجہ دہلی اور سنبھل میں درس دیا۔ ایک مدت تک مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد میں صدر مدرس رہے۔ ۱۸۸۳ء/۱۳۰۱ھ سے وطن میں قیام فرمایا اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد میں درس دیا۔ آپ کے مضامین کا ایک مجموعہ 'افادات احمدیہ' کے نام سے طبع ہوا۔ ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔'' (۲)

مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنی نے اپنی کتاب 'نزہۃ الخواطر' جلد ہشتم میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے بارے میں لکھا ہے:

''السید احمد حسن الامروہوی: الشیخ العالم الفقیہ احمد حسن بن اکبر حسین الحسینی الحقی الامروہوی، احد العلماء المشہورین بسعۃ التقریر والتبحر فی الکلام، ولد ونشاء ببلدۃ امروہہ۔ واشتغل بالعلم ایاما فی بلدتہ ثم سافر الی دیوبند ولازم الشیخ قاسم بن اسد علی النانوتوی واخذ عن غیرہ من العلماء ایضا وفاق اقرانہ فی کثیر من العلوم والفنون، ثم أسند الحدیث عن شیخ احمد علی بن لطف اللہ السہارنپوری و الشیخ عبدالرحمٰن بن محمد الانصاری الپانی پتی و الشیخ الکبیر عبدالقیوم بن عبدالحیٔ البکری البرہانوی وسافر الی الحجاز فحج و زار واخذ الطریقۃ عن الشیخ امداداللہ التھانوی المہاجر الی مکۃ المشرفۃ واسند عن الشیخ عبدالغنی بن ابی سعید الدہلوی المہاجر الی المدینۃ المنورۃ، ثم رجع الی الھند و ولی التدریس فی المدرستہ العربیۃ ببلدۃ امروہہ۔

---

(۲) ('تذکرۂ علمائے ہند' از مولوی رحمان علی صفحہ ۶۸ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سن اشاعت ۱۹۶۱ء)

وكان حسن الصورة حلو الكلام، مليح الشمائل، قوي العمل، كثير الدرس والافادة،
لقيته بامروهه غير مرة، مات لليلة بقيت من ربيع الاول سنة ثلاثين وثلاث مأة و
الف (۳)۔ فقد ورد المدرسة العربية الاسلامية الواقعة في امروهه في مسجد جامعه من
مضافات مراد آباد، ميمن عبدالعزيز فقراً غالباً من شيخ وقته، وحيد عصره الاستاد مولانا السيد احمد
حسن المحدث الامروہی في سنة ۱۹۰۸م الی ۱۹۰۹م وسكن في سكن المدرسة"

مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنی نے اپنے سفرنامے 'دہلی اور اسکے اطراف' میں
بھی مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کا دو مرتبہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

''مولانا احمد حسن صاحب: مجھ کو اس اتفاقیہ ملاقات پر عجیب مسرت ہوئی
اور مولانا احمد حسن صاحب نے بھی نہایت اظہار مسرت کیا اور اپنی اولوالعزمی کی وجہ
سے اس انکسار و تواضع سے ملے کہ مجھ کو ویسے ہی شرمندگی ہوئی۔ جیسے دیوبند میں ہوئی
تھی۔ مولوی صاحب نہایت وسیع الاخلاق، خندہ پیشانی، خوش رو و خوش پوش ہیں۔
چائے جب مولوی صاحب۔کے سامنے آئی تو انھوں نے میرے سامنے بڑھائی۔ میں
نے معذرت کی۔ آخر الامر انکار اصرار کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحب نے
اس بار پر مجبور کر دیا کہ صرف ایک قاشق اس میں سے پی لوں اس روسیاہ سیاہ کار نے
پینے کو تو پی لی لیکن از بس شرمندگی و ندامت کی وجہ سے گرانی ہوئی۔ کچھ دیر تک صحبت
رہی اس کے بعد مولوی صاحب رخصت ہوئے۔ یہ حضرت مدرسہ (نگینہ) میں امتحان
لینے کی غرض سے تشریف لائے ہیں۔ امتحان ہو چکا ہے کل تشریف لے جائیں گے۔ اگر
خیریت رہی تو کل ارادہ ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی قیام گاہ جاؤں گا۔'' (۴)

اس سفرنامے کے صفحہ ۹۲ پر مولانا سید احمد حسن کا ذکر اس طرح ہے۔

---

(۳) نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۴۱، ۴۲ از مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنی (المتوفی
۱۹۲۳ء) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی ۱۹۷۶ء

(۴) صفحہ ۱۲۷ سفرنامہ 'دہلی اور اس کے اطراف' از حکیم سید عبدالحیٔ اردو اکادمی دہلی
سن اشاعت ۱۹۸۸ء مرتبہ ڈاکٹر صادقہ ذکی۔

''مولوی صاحب نے کہا دو آدمی ہیں۔ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی ایک اور شخص تھے۔ ان سے کہا کہ تم باہر چلے جاؤ۔ جب وہ باہر نکلے تو کواڑ بند کر لئے۔ دو گھنٹے اندر رہے۔ معلوم نہیں کیا معاملات ہوتے رہے۔ مولوی احمد حسن صاحب نقل کرتے تھے کہ ہم نے کواڑوں میں بہت کان لگائے مگر کچھ معلوم نہ ہوا۔'' (۵)

مولانا حکیم سید عبدالحئی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے والد گرامی تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے والد کے بارے میں اپنی کتاب 'حیات عبدالحئی' میں لکھا ہے کہ ان کے والد حکیم سید عبدالحئی اپنے وقت کے مشاہیر علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے درس میں شرکت کی، حدیث کی اجازت حاصل کی اور علمی و باطنی استفادہ کیا۔ ان علماء و مشائخ میں مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولانا عبدالعلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبدالرب، مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبند (والد مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، میاں محمد حسین صاحب رفیق خادم حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی (تلمیذ رشید مولانا قاسم صاحب نانوتوی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔'' (۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم سید عبدالحئی حسنی نے سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ سے اخذ علوم اور استفادہ کیا۔

سید محبوب رضوی نے اپنی کتاب تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''مولانا سید احمد حسن امروہیؒ: امروہہ کے مشہور خاندان سادات رضویہ سے تعلق تھا۔ ان کے اجداد میں حضرت شاہ ابن، اکبری دور کے مشائخ میں تھے۔

---

(۵) صفحہ ۹۲ سفرنامہ 'دہلی اور اسکے اطراف' از حکیم سید عبدالحئی اردو اکادمی، دہلی سن اشاعت ۱۹۸۸ء مرتبہ ڈاکٹر صادقہ زیدی۔ (۶) حیات عبدالحئی از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۱۸ مجلس نشریات اسلام کراچی سن اشاعت ۱۹۸۵ء)

۱۸۵۰ء/۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم امروہہ کے بلند پایہ عالم مولانا سید رافت علی، مولانا کریم بخش اور مولانا محمد حسین جعفری سے حاصل کی۔ طب کی کتابیں امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خاں سے پڑھیں۔ بعدازاں حضرت نانوتوی کی خدمت میں رہ کر علم حدیث اور دوسرے علوم و فنون کی تکمیل کر کے ۱۲۹۴ھ میں فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی سے اجازت حدیث حاصل کی اور آخر میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے سند حدیث حاصل کرنے کا شرف پایا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت اور خلافت بھی حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً خورجہ کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر سنبھل او دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے۔ جب ۱۲۹۶ھ میں مراد آباد میں حضرت نانوتوی کے ایماء سے مدرسہ شاہی قائم ہوا تو اس کے صدر مدرس بنائے گئے۔ ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوئے اور اپنے وطن امروہہ کی جامع مسجد میں ایک پرانے مدرسہ کی تشکیل جدید کی۔ یہ مدرسہ معمولی حالت میں تھا۔ آپ نے اس کو باقاعدہ قائم کر کے اس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم جاری کی۔ مولانا امروہیؒ کی شخصیت کی بناء پر بہت جلد دور ونزدیک کے طلبہ مدرسہ میں آئے۔ انھوں نے جامع مسجد میں مدرسہ کے لئے مزید عمارتیں تعمیر کرائیں۔ دارالحدیث، درسگاہیں، مدرسے اور طلبہ کے لئے حجرے بنوائے اور اس طرح انھوں نے امروہہ کی قدیم دور کی علمی روایات کو نشاۃ ثانیہ بخشی۔ ان کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ جو آگے چل کر ملک کے طبیب حاذق کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ مشہور حکیم فرید احمد عباسی انہی کے تلامذہ میں سے تھے۔

حضرت مولانا امروہیؒ کی تقریر نہایت جامع، شستہ اور پر مغز ہوتی تھی۔

جس سے طلباء کا دامن گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ تقریر میں وہ اپنے استاد کا مکمل نمونہ تھے۔ اپنی مخصوص صلاحیتوں کے لحاظ سے علوم قاسمی کے امین اور مجسم تصویر تھے۔ علوم قاسمی کی ترویج میں عمر بھر مشغول رہے۔ ان کا علمی فیضان دور دور تک پہنچا اور سینکڑوں طالبان علم ان کے درس سے فاضل ہوکر نکلے۔ صاحب تذکرۃ الکرام نے ان کے طریقۂ تعلیم اور افادۂ درس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کے نظام تعلیم میں شامل ہیں تعلیم دیتے تھے لیکن زیادہ توغل حدیث وتفسیر وفقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے سنا گیا ہے کہ بیان ایسا واضح، پرشوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلباء کی سمجھ میں بہت سہولت سے آجاتے۔ اس کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین ہو جاتی۔''

('تذکرۃ الکرام')

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے حضرت مولانا امروہیؒ کی جامعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے''اور ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوئے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دستگاہ حاصل ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول وفلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولانا میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کردیئے گئے تھے۔ مولانا کی تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم و الخیرات کے دقیق اور غامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرز ادا میں صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔(۷)

---

(۷) مجلہ القاسم، ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں مناظرۂ نگینہ جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فریق مخالف سے مناظرہ کیا تھا۔ اس مناظرے میں مولانا امروہیؒ نے جو تقریر فرمائی افادات احمدیہ میں یہ تقریر دعوت الاسلام کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں توحید، رسالت، مقصود زندگی، سیرت رسول اور سیرت صحابہ پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ اس تقریر میں حضرت نانوتوی کی تقریروں کا پورا پورا رنگ جھلک رہا ہے۔ تقریر کا یہ اثر تھا کہ مجمع میں بعض نومسلموں نے تقریر سن کر کہا کہ اگر کسی تقریر پر ایمان لے آنا چاہئے تو یہ تقریر ایسی ہی تھی۔

۱۳۲۹ھ میں موتمر الانصار کا جو پہلا جلسہ مرادآباد میں ہوا۔ وہ انہی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ پوری عمر درس و تدریس، وعظ و پند، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں گزاری علم کا وقار اور دین کی عظمت قائم رکھنے کے لئے نہایت خودداری کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے مضامین کا ایک مجموعۂ افادات احمدیہ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ۲۸، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بمرض طاعون انتقال ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جامع مسجد امروہہ کے صحن کے جنوبی گوشے میں دفن کیا گیا۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے لیٹے لیٹے وعظ فرمایا۔ جب روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تو یہ کلمات زبان پر جاری تھے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ مولانا امروہیؒ نے جو مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں قائم فرمایا تھا وہ اب تک جاری ہے۔(۸)

مشہور مورخ اور تاریخ امروہہ کے مصنف مولوی محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب 'تذکرۃ الکرام' (تاریخ امروہہ کی جلد ثالث) میں سید العلماء مولانا سید احمد حسن کے بارے میں حسب ذیل طویل تحریر لکھی ہے۔(۹) جو بہت موثر ہے۔ یہی

(۸) تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی، ماہنامہ الرشید، ساہیوال اشاعت خصوصی ۱۹۸۰ء صفحہ ۱۸۹ (۹) تذکرۃ الکرام (جلد ثانی تاریخ امروہہ) از محمود احمد عباسی مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس، دہلی، صفحہ ۳۱۷ تا ۳۲۳، سن اشاعت ۱۹۳۲ء مطابق ۱۳۳۲ھ

بنیادی ماخذ ہے:

''سید العلما مولانا سید احمد حسن محدث روح اللہ روحہ''

علامہ زمان، افتخار زمانیاں، استاد الاساتذہ، افضل الفضلاء، امام المحدثین، ذہین وفطین، خوش رو، خوش تقریر، صاحب وجاہت بزرگ تھے۔ شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے پوتے، پیر اکبر حسین کے بیٹے۔ ۱۲۶۷ھ میں ولادت ہوئی۔ اوائل عمر میں مولانا سید رافت علی، مولوی کریم بخش نخشبی اور مولوی سید محمد حسین جعفری سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر دیوبند پہنچ کر حجتہ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی سے اخذ علوم کیا۔ دوران تکمیل جب حضرت مولانا بعزیمت سفر حج حجاز تشریف لے گئے تو آپ وطن چلے آئے اور اس زمانہ میں بعض کتب طبیہ حکیم امجد علی خان سے پڑھیں۔ مولانا کی واپسی پر پھر دیوبند گئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد سند حدیث حاصل کی۔ کمالات وفضائل علمی کا ذخیرہ وافر فراہم کر کے تبحر علمی میں وہ درجہ پایا کہ محترم استاد کو اپنے شاگرد رشید بلکہ مرید و جانشین کی ذات گرامی پر بجا طور سے فخر و ناز تھا۔ حضرت مولانا نانوتوی کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا احمد علی سہارنپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولوی عبدالقیوم دہلوی نزیل بھوپال جیسے علمائے ربانی ومحدثین شامل ہیں۔ حج بیت اللہ کی غرض سے جب حجاز تشریف لے گئے۔ تو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی مہاجر مدنی سے بھی حدیث کی سند حاصل کی اور عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی مکی سے نسبت بیعت وارادت درست کی۔

اکتساب علوم ومعارف کے بعد تاحیات مشغلہ تبلیغ وتدریس جاری رکھا۔ ابتداً کچھ عرصہ خورجہ، دہلی اور سنبھل بسلسلہ تدریس قیام فرمایا۔ پھر مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشنگان علم کو سیراب کیا ۱۳۰۱ھ سے وطن مالوف میں قیام رہا۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد محلہ ملانہ کو جس کی بنیاد آپ کے محترم استاد حضرت مولانا نانوتوی کے مبارک ہاتھوں (مطلب افتتاح کیا) پڑی

تھی۔ آپ کی ذات مستجمع الصفات سے وہ استحکام اور عروج حاصل ہوا کہ آج تک اس درسگاہ کا فیض برابر جاری ہے۔ آپ اس مدرسہ کے تاحیات عملاً خود ہی مہتمم اور خود ہی صدر مدرس رہے۔ آپ کی علمی شہرت اور ذاتی کشش سے ہندوستان کے گوشے گوشے سے طالبان علم جوق درجوق یہاں آتے اور علم سے بہرہ ور ہوتے۔ ایک طرف سرحد و افغانستان بلکہ بخارا و ترکستان سے دوسری طرف بہار و بنگال بلکہ سلہٹ و آسام اور برما سے اور تیسری طرف دکن و مدراس سے طلبہ یہاں آتے اور سالہا سال تحصیل علم کر کے واپس چلے جاتے رہے چنانچہ بحمداللہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

آپ کی توجہ زیادہ تر تدریس کی جانب مائل رہی۔ تصنیف و تالیف کی آپ کو نہ فرصت ملی اور نہ اپنی توجہ آپ نے اس طرف مائل کی لیکن آپ کے مضامین کا مختصر سا مجموعہ موسومہ افادات احمدیہ طبع ہوگیا ہے۔ آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کے نظام تعلیم میں شامل ہیں۔ تعلیم دیتے۔ مگر زیادہ توغل حدیث و تفسیر و فقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے اکثر سنا گیا کہ بیان ایسا واضح و جامع اور پر شوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلبہ کی سمجھ میں بہت سہولت سے آجاتے اور اس کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین ہوجاتی۔ شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ ہوتا۔ سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے وقت نرمی۔

آپ کے مستفیضین کی تعداد بہت کثیر ہے۔ جن میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء اور اطباء کے زمرے میں شامل ہیں۔ جن میں سے بعض کے اسماء یہاں درج کرنا نامناسب نہ ہونگے۔ جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ، مولانا شاہ عبدالغنی ساکن پھلاودہ ضلع میرٹھ، مولوی حکیم امین الدین خان پروفیسر طبیہ کالج دہلی، مولوی حکیم سید فرید احمد عباسی ہاؤس فزیشن طبیہ کالج دہلی، حکیم سید حامد حسن افسرالاطباء حیدرآباد دکن، مولوی سید علی زینبی عربک لیکچرر لکھنؤ یونیورسٹی، حکیم مختار احمد صدیقی نزیل بریلی، مولوی غلام یحییٰ صدر مدرس

مدرسہ الہیات کانپور، مولوی محمود حسن سہسوانی سابق صدر مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد ،مولوی حکیم ظہور الحق صدیقی مرحوم وغیرہ۔

تقریباً ہر جمعہ کو آپ جامع مسجد میں وعظ فرماتے۔ تقریر نہایت دلکش اور انداز بیان ایسا دلآ ویز ہوتا کہ سامعین میں جو اشخاص علم سے بے بہرہ ہوتے وہ بھی مطلب کو صاف طور سے سمجھ جاتے اور مجمع آخر تک برابر قائم رہتا۔ خاکسار مولف کو نوعمری میں آپ کے مواعظ میں شرکت کا اکثر، موقع ملا ہے۔ آپ کی بارعب شخصیت ،آپ کا نورانی چہرہ، آپ کی دلکش آواز، آپ کا دلآ ویز طرز بیان اور آپ کی جاذبیت اور کشش کا اثر اب تک قلب میں موجود ہے اور اب جب کبھی ایسے مواقع پر جامع مسجد میں حاضری کا اتفاق ہوتا ہے۔ نظریں بے اختیار اسی دلکش منظر کو ڈھونڈھتی ہیں۔ مناظرے سے آپ حتی الامکان احتراز کرتے لیکن ضرورت کے وقت شرکت فرماتے۔ نگینہ اور بعض دیگر مقامات پر آریوں اور دیگر مخالفین مذہب اسلام سے جو اہم اور زبردست مناظرے ہوئے اس میں آپ نے معرکتہ الآ راء تقریریں کیں۔ بعض تقریریں طبع ہوگئی ہیں۔ مطلب کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان کرتے کہ حریف کا نہ صرف مکمل اور مسکت جواب ہو جاتا بلکہ وہ تسلیم کر لیتا اور اسے گرانی بھی نہ ہوتی۔

معاصر علماء میں آپ کو درجہ امتیاز حاصل تھا۔ علمی اور فقہی مسائل میں علماء کو جب شکوک وشبہات لاحق ہوتے تو حل مشکلات کی خاطر آپ ہی کی جانب رجوع کرتے۔ آپ کی رائے اور آپ کا فتویٰ علماء کے لئے سند ہوتا۔ جلسوں کے موقع پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال، فضلاء مجتمع ہوتے آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں اور بلند و بالا شخصیت نظر آتی اور ان مواقع پر جب کبھی کسی دقیق علمی مسئلہ پر گفتگو فرماتے علماء ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور آپ کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے۔

خدا تعالٰی نے آپ کی ذات بابرکات میں وہ تمام اوصاف ودیعت کئے تھے جو ایک دینی مقتدیٰ اور مذہبی وملی پیشوا کے لئے ضروری ولازمی ہیں۔

صلاح وتقویٰ اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ دینوی معاملات میں بھی آپ نہایت صائب الرائے صاحب فہم اور صاحب تدبیر تھے۔ آپ کی شخصیت ایسی بارعب اور کشش و جاذبیت رکھنے والی شخصیت تھی کہ مسلمانان شہر دنیاوی معاملات میں بھی آپ کی قیادت کو باعث فخر ومباہات سمجھتے۔ آپ کے اثر ونفوذ اور قوت قیادت کا بین ثبوت یہ ہے کہ آپ کے حین حیات امروہہ کے سنی باوجود اختلاف عقائد جماعت کی حیثیت سے متحد ومتفق رہے۔ تمام سنیوں کی ایک متحدہ دینی درسگاہ تھی اور حضرت مولانا کل جماعت کے مسلمہ دینی پیشوا تھے۔ آپ کی حین حیات بلکہ وفات کے کچھ عرصے بعد تک امروہہ کے کسی سنی کو افتراق پیدا کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ اس وقت تک امرہہ میں وہ مسموم فضا پیدا ہوئی تھی جو چند سال سے بعض نااہلوں کی کم ظرفیوں کی بدولت پیدا ہوئی ہے کہ بجائے ایک متحدہ درسگاہ کے خود سنیوں کے تین تین مدرسے ہیں اور وہابی وبدعتی کی شرمناک ہنگامہ آرائیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی آسائش اور فراغت سے بسر کی۔ حکام اور زعماء سے ملنے کا آپ کو خاص ملکہ تھا۔ اہم امور میں آپ ہی کی جانب رجوع کرتے اور آپ اپنے اثر کو ہمیشہ امن وصلح قائم رکھنے میں صرف فرماتے۔ طبعاً نہایت غیور اور بے طمع تھے۔ باوجود علوئے مرتبت بعض اوقات غریب ومسکین طلبہ کے ساتھ محض ان کی دلدہی وحوصلہ افزائی کی خاطر معمولی کھانا تناول کرتے۔ آپ کی صاحبزادے کی شادی کے موقع پر آپ کے ایک متمول شاگرد نے کچھ زر نقد بطور پیش کرنا چاہا مگر آپ نے یہ کہہ کر قبول نہ کیا کہ اپنے چھوٹوں سے زر نقد وصول کرنا میرے لئے زیبا نہیں۔ اپنے دوستوں کی اولاد کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے۔ حضرت والد ماجد مرحوم ومغفور سے آپ کے تعلقات محبت ویگانگت کے تھے۔ میں نوعمری میں زیادہ تر باہر رہا اور ایسی فضا میں تربیت ہوئی کہ جب امروہہ آتا۔ اپنے طرز لباس اور خیالات کے اعتبار سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے جھجکتا تھا۔ مگر آپ اس درجہ محبت وشفقت سے پیش آتے کہ وہ جھجک مطلق باقی نہ رہتی۔ مختلف

مسائل پر آزادانہ گفتگو کرتا۔ آپ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے جاتے اور ایسے پیرایہ میں نصیحت فرماتے کہ قلب پر اثر محسوس ہوتا۔ آپ کے مزاج میں نہ وہ سختی تھی اور نہ فروعات میں اس درجہ غلو اور اشتداد تھا کہ ذرا ذرا سے اختلاف پر کفر و بدعت کے فتویٰ صادر کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ صوفی مشرب اور اس عقیدے کے لوگ بھی آپ کے گرویدہ تھے آپ حقیقتاً اس دور آخر میں حضرت شاہ ابن کے صحیح جانشین تھے۔

حضرت شاہ قیام الدین جعفری سے آپ کے تعلقات نہایت درجہ مخلصانہ تھے۔ شاہ صاحب جمعہ کی نماز ہمیشہ جامع مسجد میں جہاں کی امامت تا حیات آپ سے متعلق رہی آپ کے پیچھے ادا فرماتے۔ بیاہ شادی کی ان تمام رسوم پر جو قطعاً غیر مشروع ہوتیں۔ آپ کبھی معترض نہ ہوئے بلکہ ان رسوم میں خوش دلی سے شرکت فرماتے۔ اپنے اکلوتے فرزند عزیزی مولوی سید محمد عرف بنے میاں کی تقریب نکاح میں جو خاکسار مؤلف کی بھتیجی سیدہ صالحہ مرحومہ بنت ڈاکٹر سید محمد احسن صاحب عباسی کے ساتھ آپ کی بڑی آرزو و خواہش سے ہوا تھا، آپ موجود تھے۔ بعض عزیزوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نکاح بتقریب پر میٹھے چاولوں کا جو خوان بطور ایک رسم سجایا جاتا اور حاضرین میں تقسیم ہوتا ہے۔ شاید مولانا کو اس رسم پر اعتراض ہو۔ استمزاج کے طور پر جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ چاول اور میوہ جات میں کوئی شئے ایسی نہیں جس کا کھانا شرعاً ناجائز ہو۔ اسی طرح اور تمام رسوم ادا کی گئیں اور آپ نے خوشی کے ساتھ ان سب رسوم کو پورا کیا لیکن شادی کی تقریب آپ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس میں ایک مولوی صاحب کے طرز عمل سے جو آپ کے عزیز اور شاگرد ہیں بے لطفی پیدا ہوئی۔ انھوں نے معمولی رسم کو غیر مشروع قرار دیا۔ آپ کی ہر دل عزیزی کا راز یہی تھا کہ فردعات کو آپ بھی اہمیت نہ دیتے اور تالیف قلوب کو مدنظر رکھتے۔ خدمت خلق اللہ آپ کا بہترین شغل تھا۔ تحریرات میں ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ خادم الطلبہ لکھتے۔

عبادت بہ از خدمت خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

۱۳۳۰ھ کو علم و فضل کا یہ آفتاب جس نے اپنی ضونشانی سے ایک عالم کو منور

کرر کھا تھا، غروب ہو گیا۔ جسم خاکی مسجد جامع کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازہ کے ساتھ وہ اژدھام خلائق تھا کہ امروہہ کی سرزمین پر چشم فلک نے بھی یہ منظر اس سے پہلے نہ دیکھا ہوگا۔ ہر طبقہ اور فرقہ کے تقریباً دس ہزار افراد جنازے کے ساتھ تھے۔ نماز جنازہ پانباڑی کے میدان میں ادا کی گئی۔ معتقدین نے چادر کے پارچوں کو تبرکاً اپنے پاس رکھنا چاہا۔ اس کی تقسیم میں لوگوں کے چوٹیں آئیں۔ علماء کی جماعت کو آپ کے ارتحال سے جو صدمہ پہنچا اس کا اندازہ ان خیالات سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت شیخ الہند محمود حسن نے اپنے مصنفہ قطعہ تاریخ میں ظاہر کیے ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات

مصنفہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن علیہ الرحمتہ

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے حضرت
قاسم نشانی دے گئے تھے ہم کو جو
سید العلماء امام اہل عقل و اہل نقل
پاک صورت، پاک سیرت، صاحب خلق نکو
معدن علم و حکم سردفتر اہل کمال
عازم خلد بریں ہے جس کو چلنا ہے چلو
جب شبیہہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم
تم ہی بتلادو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو!
درد یہ پہنچا ہے سب کو اس کا منکر کون ہے
ہاں مگر اک فرق تھوڑا سا اگر میری سنو
لوگ کہتے ہیں چلے علامۂ احمد حسن
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہے ہو بہو
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر ان کو کیا

جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جائے پر قائم ہیں سب اہل کمال
پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
ہاں جنون اتحاد قاسمی میں بارہا
تم کو ہم کہتے تھے من اور آپ کو کہتے تھے تو
مجمع حسرت قرین درد و غم میں بھی تھا
فکر میں تاریخ کے سب نے کیا جب سرخرو
بادل پر یاس آئی کان میں میرے صدا
حک ہوئی تصویر قاسم صفحۂ ہستی سے لو

۱۳۳۰ھ (۱۰)

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری صاحب نے اپنی کتاب 'تذکرۂ مشائخ دیوبند' میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے حالات درج کئے ہیں جو یہ ہیں: (۱۱)

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ

از ۱۲۶۷ھ تا ۱۳۳۰ھ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---

(۱۰) 'تذکرۃ الکرام' صفحہ ۳۲۳ از محمود احمد عباسی مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی سن اشاعت ۱۹۳۲ء، جلد ثانی تاریخ امروہہ۔
(۱۱) 'تذکرۂ مشائخ دیوبند' از مفتی عزیز الرحمٰن مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور سن اشاعت دوم ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۷۸ تا ۱۹۲)

نسباً آپ کا تعلق سادات حسینیہ سے ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ جس وقت آپ خورجہ تشریف لے جانے والے تھے۔ تو آپ کے پہنچنے سے قبل مولانا عبدالرحمٰن صاحب خورجوی کی دادی نے حضور سرور کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرمارہے ہیں کہ یہ (اشارہ بجانب مولانا احمد حسن صاحب) ہمارا لڑکا تمہارے پاس آئے گا۔ اس کا خیال رکھنا، ان خاتون نے عرض کیا کہ یہ صاحبزادے حضرت حسنؓ کی اولاد سے ہیں یا حضرت حسینؓ کی اولاد سے ہیں؟ فرمایا حضرت حسینؓ کی اولاد ہیں۔

آپ امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ ابن قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ مولانا سید احمد حسن کے والد کا نام سید اکبر حسین ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت

آپ نے فارسی وعربی کی تعلیم امروہہ کے مشہور عالم جناب مولانا سید رافت علی صاحب، مولانا کریم بخش صاحب، مولانا محمد حسین صاحب جعفری سے حاصل کی اور طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خان اثناء عشری سے پائی۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم کی خدمت میں دیوبند، نانوتہ اور میرٹھ میں رہ کر تمام علوم وفنون کی تکمیل کی اور اپنے استاد کے کمالات علمیہ کا مکمل آئینہ بن گئے۔ حضرت قاسم العلوم قدس سرہ اپنے اس جلیل القدر تلمیذ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ہمیشہ میر صاحب، میر صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔ حضرت نانوتوی اپنے اس عزیز شاگرد کی وجہ سے چند مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے علاوہ مولانا احمد علی سہارنپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپال اور شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی سے بھی حدیث میں اجازت حاصل کی۔

---

(۱۲) 'تذکرہ مشائخ دیوبند' از مفتی عزیز الرحمٰن مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور سن اشاعت دوم ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۷۸

سلسلہ تدریس

اپنے استاد محترم کی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی طرح آپ کو بھی علم دین کی نشر و اشاعت کا شوق ہی نہیں تھا بلکہ عشق تھا۔ چنانچہ جس وقت آپ فارغ التحصیل ہوئے تو نوجوان تھے۔ سبزہ آغاز تھا کہ خورجہ تشریف لے گئے۔ خورجہ کے بعد سنبھل، دہلی کے مدارس میں مختلف اوقات میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے اور علوم دین کی نشر و اشاعت فرماتے رہے۔ جس وقت ۱۲۹۶ھ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے ایماء سے مدرسۃ الغرباء عرف مدرسہ شاہی مراد آباد قائم ہوا تو اس کے پہلے صدر آپ ہی تھے۔ ۱۳۰۳ھ تک گویا ۷ یا ۸ سال سے تک آپ کا اس مدرسے سے تعلق رہا۔

۱۳۰۳ھ میں آپ مستعفی ہو کر وطن عزیز امروہہ تشریف لائے اور یہاں علوم دین کی نشر و اشاعت شروع کی اور جامع مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی تشکیل جدید کی جو ایک مکتب کی حیثیت سے چل رہا تھا۔ آپ نے اسی کو جامع مسجد میں اعلیٰ پیمانے پر چلانا شروع کیا اور مختلف فنون مثلاً طب، منطق، فلسفہ، حدیث، تفسیر و فقہ کے ماہرین کو جمع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصے میں مدرسہ دور و نزدیک شہرت پا گیا اور خدمت دین کرنے لگا۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز نے مدرسے کے حق میں دعا فرمائی اور ایک مکتوب خاص تحریر فرما کر ارسال کیا جو یہ ہے:

''از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ بخدمت سراپا برکت عزیز، مولوی عبدالغنی صاحب مدرس مدرسہ امروہہ رزقہ اللہ تعالیٰ محبتہ و معرفتہ بعد سلام مسنون و دعائے خیر و برکت کہ واضح رائے سعادت ہو کہ آپ کا نامہ مرقومہ ۳۰ رشعبان ۱۳۰۵ھ قدسی وارد ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اپنے فضل و کرم سے آپ کے مدرسے کی مدد و اعانت کرتا رہے گا اور سب سرماؤں سے باقی اور لازوال سرمایہ توکل ہے۔ جس چیز کا یا جس کا اللہ جل جلالہ خود کفیل ہو تو اس کا کیا کہنا ہے۔ آپ لوگ نظر حضرت حق کی

رحمت پر رکھ کر اس کے بندوں کو باخلاص تعلیم و تلقین فرمائیے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مستطیع فرما کر شرف زیارت حرمین شریفین سے مشرف فرمادے۔ السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ ۲۱ر ذیعقدہ ۱۳۰۵ء
(بحوالہ رسالہ دارالعلوم صفحہ۴، ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ)

مدرسہ امروہہ کے قیام کے چند سال بعد بطلبی مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے چند ماہ درس دیا۔ بیضاوی، شمس بازغہ صدرا آپ کے سپرد کی گئیں اور آپ کو اور حضرت شیخ الہند کو ایک ہی درجہ دیا گیا۔ البتہ آپ کی تنخواہ حضرت شیخ الہند سے کچھ زیادہ تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو مدرسہ امروہہ کے ذمہ دار حضرت یہ کہہ کر کہ ہمارا باغ اجڑنے کا اندیشہ ہے، لے آئے اور پھر آپ نے مدرسہ امروہہ میں سلسلہ درس شروع کیا۔

حلقۂ درس

''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تمام کمالات کا آئینہ اور نمونہ آپ کو کہا جائے تو بجا ہے۔ چنانچہ خود حضرت قاسم العلوم والمعارف ارشاد فرماتے تھے کہ ''ان کا ذہن چاندی ہے اور میرا ذہن سونا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے وہ مجھ سے زیادہ قریب ہیں۔'' (معناً از قصص الاکابر)

اس ارشاد کے بعد حضرت محدث امروہویؒ کے فضل و کمال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم دارالعلوم دیوبند کی مدرسی اور حضرت شیخ الہند کے برابر مرتبہ اور تنخواہ میں تفاضل ایک ایسی روشن دلیل ہے۔ جس سے آپ کا فضل و کمال بوضاحت ثابت ہوتا ہے۔

تقریر و تحریر میں حضرت نانوتوی کا رنگ غالب ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ''فضل و کمال قاسمی کی صحیح جانشینی اگر کسی نے کی ہے تو وہ حضرت محدث امروہیؒ کی ذات ہے'' تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت محدث امروہیؒ کی تقریر نہایت جامع، شستہ اور پر مغز ہوتی تھی۔ تقریر میں وہ اپنے استاد کا مکمل نمونہ تھے۔ بعض حدیث کی کتابوں کا وہ خود قرأت کیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے عبارت پڑھنے کے لئے بڑی قابلیت اور ہمت کی ضرورت تھی۔ عبارت کی غلطی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ فوراً چہرے پر جلال برسنے لگتا تھا۔ کتب صحاح دو سال میں ختم کرادیتے تھے۔ ایک سال میں ترمذی اور دوسرے سال میں بخاری پڑھاتے تھے۔ تقریر نہایت تفصیل سے فرماتے۔ ہر مسئلہ کو عقلی و نقلی حیثیت سے ثابت کرتے تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں ایک طرف حضرت مولانا قاسم العلوم کے طریقۂ استدلال کی یاد تازہ ہوتی تھی اور دوسری طرف حکمت ولی اللہ اور ذکاوت عزیزی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الکرام فرماتے ہیں:

''آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کی تعلیم میں شامل ہیں، تعلیم دیتے لیکن زیادہ توغل حدیث وتفسیر وفقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے سنا گیا ہے کہ بیان ایسا واضح اور پر شوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلبہ کی سمجھ میں بہت سہولت سے آجاتے اور اس کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین ہوجاتی۔'' (تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ از محمود احمد عباسی صفحہ ۳۱۹۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی، سن اشاعت ۱۹۳۲ء)

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تقریر کا ایک نمونہ پیش کردیا جائے۔ لہٰذا ذیل میں ترمذی شریف کی ایک حدیث پر آپ کی تقریر ملاحظہ فرمایئے:

''باب ما جاء اذا اقیمت الصلوٰۃ الا المکتوبۃ۔

نکرہ تحت نفی واقع ہوا۔ جس سے عموم سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی کوئی صلوٰۃ نہیں جب اقامت صلوٰۃ کی جائے مگر وہی نماز جس کی اقامت کی گئی ہے تو جن صاحبوں نے یہ سمجھا کہ رکعتی الفجر بھی جائز نہیں۔ ان کے مذہب میں تو کوئی قصور نہیں لیکن حنفیہ کو اس کا جواب دینا ہوگا کہ صریح حدیث موجود ہے کہ کوئی صلوٰۃ نہیں۔ پھر حنفیہ نے جو

دو رکعت فجر سنت کو علیحدہ مکان میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کا سبب؟ تو یا تو یہ جواب دیا جائے کہ حاشیہ بخاری میں جناب احمد علی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد محمد اسحاق صاحب سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ اسی حدیث میں رکعتی الفجر کا استثناء موجود ہے۔ دلیل نقلی تو یہ کافی ہے اور بپاس شوافع مان لیا جائے کہ یہ جو بخاری کے حاشیہ پر بیہقی کی روایت موجود ہے، پایۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ تو خاص حدیث میں اگر غور کیا جائے اور تدبر فرمایئے تو جواب نکل آتا ہے۔ آپ نے اذا کا لفظ فرمایا ہے اور اذا دو حال سے خالی نہیں یا مکانی یا زمانی۔ اگر زمانی مراد ہو تب تو چاہیے کہ ہم کو مثلاً یقینی معلوم ہے کہ ظہر کی اقامت فلاں وقت ہوتی ہے۔ کعبہ شریف، مسجد الحرام یا جامع مسجد دہلی میں تو یہاں پر ہم کو سنن و نوافل کا پڑھنا ممنوع ہوا۔ حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں یا مثلاً مسجد میں اقامت ہوئی تو معذور کو یا جو اس مسجد سے علیحدہ نماز پڑھ رہا ہو اس کو نماز پڑھنا ہرگز جائز نہ ہو تو چونکہ زمانہ پر حمل کرنا محال کو مستلزم ہے تو وہ تو مراد نہیں ہوسکتا تو اب متعین ہوگیا کہ اذا مکانی ہے۔ تو حاصل حدیث یہ قرار پائے گا کہ جس مکان میں اقامت صلوٰۃ ہو وہاں پر فرض صلوٰۃ جائز ہے نہ کوئی اور نماز جائز ہے۔ امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ بے شک اس جلسہ اور مکان میں جائز نہیں اگر کوئی سنن پڑھے تو علیحدہ باب مسجد پر یا فصیل مسجد پر یا اگر اقامت اندر ہو تو باہر اور باہر ہو تو اندر پڑھے اور یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء مختلف ہیں۔ کوئی تو اس بات کا قائل ہوا کہ باب پر پڑھنا چاہئے۔ اس نے تو اس بات پر نظر کی مرور رجل مصلی کے سامنے جائز نہیں۔ اگر چہ وہ باہر نماز پڑھتا ہو اور کوئی اس بات کا قائل ہوا کہ باہر پڑھ لے۔ اگر اقامت اندر ہوئی ہے اور اندر پڑھ لے اگر اقامت باہر ہوئی ہے۔ تو اس نے اس بات پر نظر رکھی کہ قاری قرآن ایک آیت پر سجدہ چند بار اندر چلتے ہوئے پڑھے۔ تو اس پر ایک ہی سجدہ لازم آجائے گا۔ تو چونکہ جلسہ مختلف ہوگیا۔ تو اس لئے اس بات پر نظر کی کہ دونوں کا حکم علیحدہ ہے۔ وہ مکان اور یہ اور ہے۔ اختلاف چھوٹی مسجد بڑی مسجد ہونے کے باعث ہے۔ وہ حکم پہلا

چھوٹی مسجد کا تھا اور یہ بڑی مسجد کا۔لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ سنت ظہر میں بھی یہ حکم ہونا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے (ظہر کے) بعد وقت ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں نہی وارد ہو۔ جیسا کہ بعد فجر نہی وارد ہے۔تو اس کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔"(۱۳) آپ کے حلقۂ درس میں جنات بھی شریک ہوتے تھے۔چنانچہ مولانا(۱۴) بنے میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"میری والدہ مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ تہجد کے وقت جہاں مولانا آرام کرتے تھے۔ایک آواز آئی کہ مولانا صاحب بیدار ہو جایئے۔(۱۵)

والدہ صاحبہ نے ایک مرتبہ دریافت کیا تو فرمایا کہ تم کوان باتوں سے کیا مطلب۔"

میرے تایازاد بھائی منشی سید ناظر حسن صاحب نے بیان کیا کہ میں رانچی میں ملازم تھا۔میرے ساتھ چند صاحب امروہہ کے اور بھی ملازم تھے۔سب نے مل کرایک بڑا مکان کرایہ پر لے لیا۔اس کا کچھ حصہ شکستہ تھا۔مکان کا بیت الخلاء ذرا فاصلے پر تھا۔منشی خلیل اللہ کو جو حضرت امروہوی کے عزیز ہوتے تھے، پیچش ہو گئی۔ رات میں بیت الخلاء تو نہ جا سکے البتہ مکان کے اس شکستہ حصہ میں (کھنڈر) میں بیٹھ گئے۔ جو غیر آباد تھا۔اچانک کئی آدمی نمودار ہوئے اور انھوں نے خلیل اللہ کو پکڑ لیا اور آپس میں کہنے لگے مارو...... پیٹو......اس نے ہمارا مکان خراب کر دیا اور ان کو پکڑ کے چارپائی تک لائے اور چاروں طرف سے گھیر لیا اور سزا کی تجویز ہونے لگی۔ وہیں میں (سید ناظر حسن) بھی سورہا تھا۔دریافت کیا کہ یہ کون سو رہا ہے۔خلیل اللہ صاحب کی زبان سے نکلا کہ یہ مولانا احمد حسن صاحب کا بھتیجہ ہے۔دریافت کیا کون مولانا احمد حسن؟ انھوں نے جواب دیا کہ امروہہ کے محدث اور میں ان کا خالہ زاد بھائی ہوں۔یہ سنتے ہی انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے استاد ہیں اور فوراً ہی اپنی سختی کو

---

(۱۳) ماہنامہ 'دارالعلوم دیوبند' (۱۴) والد ڈاکٹر وقار احمد رضوی

(۱۵) ماخوذ از علمی مسودہ مطبوعہ تاریخ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن صفحہ ۱۸۴، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور، سن ۱۹۶۷ء

چھوڑ دیا اور کہا کہ ہمارا قصور معاف کر دو اور اطمینان سے رہو۔ جب بھائی صاحب امروہہ آئے تو حضرت امروہی نے فرمایا کہ بھتیجے تم نے اپنے چچا کو دیکھا۔''
(ماخوذ از قلمی مسودہ مطبوعہ تاریخ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ۱۹۶۷ء)
حضرت محدث امروہی کی علمی نشانی۔

مناظرہ نگینہ

اپنے محترم استاد کی طرح آپ کو بھی مناظرہ میں یہ طولیٰ حاصل تھا۔ چونکہ حضرت نانوتوی کے ہمراہ متعدد مناظروں میں شریک رہ چکے تھے۔ اس لئے آپ کے مناظروں میں قاسمی رنگ غالب رہتا تھا۔

۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء نگینہ ضلع بجنور میں آریوں کیساتھ مناظرہ ہوا اور جس میں حضرت محدث امروہوی اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے وکالت فرمائی اور ایسی زوردار تقریر کی کہ آریوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ حضرت محدث امروہوی نے اپنی تقریر کے بارے میں فرمایا تھا:

''کہ بس یوں محسوس ہو رہا تھا کہ استاد مرحوم پاس کھڑے ہیں اور جو وہ بتلا رہے ہیں۔ وہ بول رہا ہوں۔ جب وقت ختم ہوا تو اس کی اطلاع دی گئی۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ میری تقریر کا وقت ختم ہو گیا۔'' سچ ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

یہ تقریر دعوت الاسلام کے نام سے افادات احمدیہ میں شائع ہو چکی ہے۔

جناب محمد ابراہیم صاحب ذوق پھلاودی نے ایک قطعہ بیان فرمایا ہے۔

تیغ زبان حضرت احمد حسن نے کیا ۔۔۔ مضمون آبدار کا جوہر دکھا دیا
ایسی لگائی مہر مخالف کے منہ تھے بند ۔۔۔ کیا ہی نگینہ پر یہ نگینہ جما دیا
کانوں نے جو سنے وہ مضامین تھے عجیب ۔۔۔ آنکھوں سے علم قاسمی سب کو دکھا دیا
مشتاق تھے جو حضرت قاسم کی دید کے ۔۔۔ گویا جمال قاسمی ان کو دکھا دیا (۱۶)

ردقادیانیت

ردقادیانیت میں ابوالحسن صاحب علی میاں ندوی نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا محمد علی مونگیری کا نام لیا ہے لیکن اس سلسلے میں حضرت محدث امروہی نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں امروہہ کے مولوی محمد احسن صاحب اور حکیم نورالدین مرزا کی مہدویت اور مسیحیت کی تصدیق کر کے مرتد اور بے دین ہو گئے تھے۔ صاحب تذکرۃ الکرام فرماتے ہیں۔

''انھوں نے آخر حصہ عمر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کی تصدیق کی اور جماعت احمدیہ مرزائیہ مشرب کی تبلیغ بھی کرتے رہے۔ ان کو قادیانی مشن کی جانب سے گھر بیٹھے تنخواہ برابر ملتی رہی۔'' (۱۷)

جب یہ فتنہ امروہہ پہنچا تو آپ نے شمشیر برہنہ ہوکر اس کا مقابلہ کیا اور اس فتنہ کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت محدث نے اس سلسلے میں مرزا غلام احمد کو بھی مناظرہ و مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک خط مرزا کو لکھا:

''بسم اللہ آپ تشریف لایئے۔ میں آپ کا مخالف ہوں۔ آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ آپ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں بنام خدا مستعد ہوں۔ خواہ مناظرہ کریں یا مباہلہ۔ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث صحیحہ معتبرہ اور قرآن پاک سے ثبوت دیں اور میں انشاءاللہ تعالیٰ اس دعویٰ کی قرآن واحادیث صحیحہ سے تردید کر دوں گا۔

---

(۱۶) بحوالہ رسالہ دارالعلوم دیوبند

(۱۷) تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ صفحہ ۳۰۸ از محمود احمد عباسی مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۳۲-۱۹۳۳ء

والسلام علی اتبع۔ راقم خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غزلہ (۱۸)

بالآخر رامپور میں نواب حامد علی خاں کی زیر صدارت ۱۵، جون ۱۹۰۹ء کو قلعہ میں یہ مناظرہ ہوا۔ قادیانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ردقادیانیت میں آپ کی ایک عربی تقریر کا اقتباس رسالہ دیوبند شعبان ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ ہم اس کا صرف اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح بن مریمؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا آسمان کی طرف اٹھا لیا اور ان کو قتل وصلیب سے بچا لیا۔ وہ قرب قیامت میں خروج دجال کے بعد دمشق کی جانب شرقی منارہ کے نزدیک اتریں گے۔ وہ دو زرد چادروں میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا۔ گویا وہ ابھی غسل خانے سے غسل کر کے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ موقوف کر دیں گے۔ دجال اکبر ان کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ ان کی سانس سے کافر مر جائے گا۔ جہاں تک ان کی نظر جائے گی۔ باطل ختم ہو جائے گا۔ یہ باتیں حق ہیں۔ اس میں باطل کو راہ نہیں۔ کتاب اللہ سے اور نبی صادق ومصدوق ﷺ کے اقوال سے یہی ثابت ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پا گئے اور وہ خود (نعوذ باللہ) مسیح موصوف ہے۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کی خصوص ظاہرہ سے اعراض کیا اور امر ثابت کی مخالفت کی۔ وہ من یشاقق الرسول الآیۃ کا مصداق ہے۔ یہ مرزائی لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ نزول عیسیٰ کے منکر ہیں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل کر کے دکھلائے گا اور حق کی فتح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے۔ اے مسلمانو! اور اے کتاب اللہ، کتاب رسول کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کن شخص سے بچتے رہو اور اس کے میل جول سے سخت پرہیز رکھو۔ اس لئے کہ یہ اس امت کا دجال ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ

(۱۸) بحوالہ رسالہ دارالعلوم دیوبند

نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ آ جائیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" (۱۹)

فتاویٰ

حضرت محدث امروہوی کے پاس اطراف ملک سے استفتا آتے تھے۔ آپ ان کا جواب تحریر فرماتے تھے۔ رسالہ دار العلوم دیوبند ۱۳۷۳ء میں آپ کے دو فتویٰ شائع ہوتے تھے۔ جس میں سے ایک ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

سوال: اذان میں نام پاک ﷺ کا سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا ہے؟

جواب: نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل احادیث جو اس بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور روایات کے بھروسے سے تقبیل ابہام کو سنت یا مستحب سمجھا جاتا ہے۔ جملہ بہ تحقیق محدثین نا معتبر ہیں بلکہ جملہ موضوعات امام شوکانی اپنی کتاب فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حدیث: مسح العنین بباطن انملۃ الابھامتین عند قول الموذن اشھد ان محمد الرسول اللہ الخ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق مرفوعا قال ابن الطاھر فی التذکرۃ لایصح۔

اور نیز تحریر فرماتے ہیں:

"من قال، حین یسمع اشھد ان محمد الرسول مرحبا بحبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یرمد ابداً قال فی التذکرۃ لایصح۔"

اور شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی مقاصد حسنہ فی الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولایصح فی المرفوع من کل حذا شئی"

---

(۱۹) بحوالہ دار العلوم دیوبند

اور ملا قاری علیہ الرحمۃ نے تذکرۃ الموضوعات میں ان احادیث کو از جملہ موضوعات تحریر فرمایا ہے۔ یہ روایات فقہ جو اس کے استحباب میں خزانۃ الروایات یا کنز العباد اور جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ سے نقل کی جاتی ہیں۔ وہ بھی نا معتبر ہیں۔ کتب متداولہ ومعتبرہ عند العلماء میں کہیں اس قسم کی روایات کا پتہ نہیں اور خود یہ کتابیں جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام ان کے اوپر مرقوم ہوئے عند العلماء نا معتبر ہے۔ ان کتب میں رطب دیابس کو بلا تنقیح جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا المولوی عبدالحئی صاحب نے النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں اس مضمون کو مفصل لکھا ہے۔ بالجملہ مسئلہ تقبیل الابھامین ایک بے اصل مسئلہ ہے۔ احادیث صحیحہ وروایات معتبرہ کے بالکل خلاف واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ خادم الطلبہ احمد حسن غفرلہٗ

مخصوص تلامذہ

۱- حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مفسر امروہوی

۲- حضرت مولانا محمد انیس صاحب

۳- حضرت مولانا سید رضا حسن صاحب

۴- حضرت مولانا خادم حسین صاحب

۵- حضرت مولانا عبدالغفور صاحب

۶- حضرت مولانا ظہور الحق صاحب

۷- حضرت مولانا خلیل اللہ صاحب

۸- حضرت مولانا خان زمان صاحب

۹- حضرت مولانا نور الزماں صاحب امروہوی

۱۰- حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہوانی

۱۱- حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الٰہ آبادی

۱۲- حضرت مولانا احمد حسن صاحب

۱۳- حضرت مولانا حکیم فرید احمد صاحب عباسی
۱۴- حضرت مولانا حکیم مختار احمد صاحب امروہوی
۱۵- حضرت مولانا حکیم اسرار الحق صاحب
۱۶- حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب
۱۷- حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری

سلوک وتصوف

آپ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ سے بیعت ہیں۔ اجازت بیعت اور خلافت حضرت حاجی صاحب موصوف اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے حاصل ہے۔ استادمحترم کی طرح آپ میں بھی انتہا سے زیادہ اخفائے حال تھا۔ اس وجہ سے اکثر و بیشتر علمی لائن سے ہی آپ کا تعلق رہا حالانکہ اپنے زمانے کے تصوف کے اونچے مقام پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے حاجی امداداللہ صاحب کی خدمت میں اپنا سلام اور حاضر نہ ہونے کی معذوری کہلا کر بھیجی تو حضرت حاجی صاحب موصوف نے فرمایا:

''ہماری یہ ٹوپی ان کو دے دینا اور یہ کہنا کہ جو کام تم امروہہ میں رہ کر انجام دے رہے ہو وہ یہاں کی حاضری سے بہتر ہے۔''(۲۰)

مولوی بدرالدین آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ لیکن محمد احسن قادیانی کے یہاں آمدورفت ہونے کی وجہ سے قادیانی ہو گیا تھا۔ ایک دن اس کو حضرت محدث امروہی کے پاس لایا گیا۔

آپ نے مولوی بدرالدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو۔ ہمیں غرور ہو چلا تھا کہ ہمارے کوئی شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہو سکتا اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔ تم نے ہمارے غرور کی اصلاح کر دی۔''

بس یہ الفاظ فرمائے تھے کہ بدرالدین رو کر پیروں میں گر پڑا اور تائب

---

(۲۰) بحوالہ رسالہ دارالعلوم دیوبند

ہوگیا۔

مرض الموت

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتے چند دن بخار آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ امروہہ میں پلیگ پھیلا ہوا تھا۔ آخر اسی میں مبتلا ہوکر 'المطعون شہید' کا مصداق ہوئے اور ۲۸ر ربیع الاول کو واصل بحق ہوئے۔ مادۂ تاریخ: شہید اعظم (۱۳۳۰ھ)
۲ حک ہوئی تصویر قاسم صفحۂ دنیا سے لو (۱۳۳۰ھ)

نہایت خوش لباس، خوش اخلاق اور حسین جمیل بزرگ تھے۔ وصال کے وقت تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ مدظلہ چھوڑے۔ صاحبزادہ مولانا سید محمد رضوی صاحب عرف بنے میاں مدظلہ (تذکرۃ مشائخ دیوبند کے قلمی معاون) اپنے والد مرحوم کی نشانی اور انہی کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ امروہہ کے مدرسہ اسلامیہ اور دارالعلوم دیوبند سے فراغ التحصیل ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مفسر کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ قرأت حفص میں قاری ضیاء الدین کے شاگرد ہیں۔ ۳۰ سال تک حیدرآباد دکن میں علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب پنشنر ہوکر امروہہ میں قیام پذیر ہیں۔ (۲۱)

سید خورشید مصطفیٰ رضوی نے اپنی کتاب 'تذکرۂ بدر چشت' میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے احوال وکوائف اس طرح درج کئے ہیں۔ (۲۲)

اکبر حسین کے دوسرے فرزند حضرت مولانا احمد حسن محدث ۱۸۵۰ء/ ۱۲۶۷ھ نے ابتدائی تعلیم کے بعد اوائل عمر میں فارسی اور عربی کی تعلیم مولانا سید رافت علی، مولانا کریم بخش اور مولوی محمد حسین جعفری سے حاصل کی۔ بعد ازاں

---

(۲۱) مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کے خط میں کہنے پر میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی عرف بنے میاں نے یہ حالات لکھے جو تاریخ مشائخ دیوبند میں شائع ہوئے۔

(۲۲) تذکرۂ بدر چشت از سید خورشید مصطفیٰ رضوی از صفحہ ۳۴۵ تا ۳۵۲۔

دیوبند جا کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ دوران تعلیم حضرت مولانا نانوتوی حج کے لئے تشریف لے گئے۔ تو آپ نے امروہہ واپس آ کر بعض کتب حکیم امجد علی خاں سے پڑھیں۔ اس کے بعد پھر دیوبند واپس جا کر حضرت نانوتوی کی خدمت میں تکمیل تعلیم کی اور سند حاصل کی۔ اپنی ذہانت و فطانت کی بدولت فضائل و کمالات علمی کا اس قدر ذخیرہ وافر حاصل کیا اور اپنے فیوض روحانی سے وہ بلند درجہ پایا کہ عالم اسلام میں آپ کا آوازۂ ناموری گونج اٹھا۔ حتیٰ کہ محترم استاد کو بھی اپنے شاگرد رشید کی ذات گرامی پر بجا طور پر فخر و ناز تھا۔ مولانا نانوتوی کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا احمد علی سہارنپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی مولوی عبدالقیوم بھوپالی وغیرہ جیسے وفضلاء بھی شامل تھے۔ دوران حج حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی مہاجر مدنی سے بھی استفادہ کر کے سند حدیث حاصل کی اور وہیں حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکی سے نسبت بیعت و ارادت درست کی۔ تاریخ امروہہ کی جلد دوم تذکرۃ الکرام کے مولف نے اپنی کتاب کو وطن عزیز کی جن پانچ برگزیدہ ہستیوں سے منسوب کیا ہے، ان میں سے ایک ہستی حضرت موصوف کی بھی ہے۔ اس کتاب میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

''سید العلماً مولانا سید احمد حسن روح اللہ روحہ، علامہ زمان، افتخار زمانیاں، استادالاساتذہ، افضل الفضلاً، امام المحدثین، ذہین وفطین، خوش رو، خوش خو، خوش تقریر، صاحب وجاہت بزرگ عہد تھے۔''

حضرت مولانا محدث امروہہ کو ہر چہار سلاسل طریقت میں بیعت و خلافت حاصل تھی۔ آپ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے بھی بیعت تھے اور اجازت بیعت وخلافت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی حاصل تھی۔ تصوف کے اونچے مقام پر فائز تھے۔ فراغت تعلیم اور اکتساب فضائل و معارف کے بعد آپ نے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ابتدا میں کچھ عرصے تک خورجہ، دہلی اور سنبھل کے مدارس عربیہ کو اپنے وجود سے مشرف کیا۔ بعدہ مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد کے قیام پر حضرت نانوتوی

کے ارشاد کے بموجب صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک تشنگان علوم کے سیراب کرتے رہے۔۱۳۰۴ھ میں یہاں سے مستعفی ہوئے۔

امروہہ کے مدرسہ تاج المدارس کی جس میں عربی تعلیم کی ابتدا آپ ہی کے ایما سے ہوئی اور جس کا افتتاح آپ نے مولانا نانوتوی سے کرایا۔ اور جو ۱۳۰۱ھ میں جامع مسجد میں منتقل ہوکر مدرسہ اسلامیہ عربیہ کہلایا، ترقی وتوسیع کے پیش نظر آپ نے یہ استعفیٰ دیا اور اس مدرسہ کے فرائض صدارت کو سنبھالا۔

خورجہ کے قیام کا ایک واقعہ جسے آپ خود سنایا کرتے تھے۔ آپ کے علم و فضل اور اعلیٰ نسب کا مظہر ہے۔ وہاں ایک رئیس اور مخیر بیگم نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ مدرسین میں حضرت مولانا بھی شامل ہو گئے تھے۔ بیگم موصوف کو مدرسے کی فلاح و بہبود کے ساتھ اپنے صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی فکر تھی کہ ایک شب انھیں خواب میں حضور رسول کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے مولانا کی صورت دکھا کر فرمایا کہ یہ میری اولاد ہے اس کو کوئی تکلیف نہ ہو اور اپنے بچوں کی تعلیم بھی اسی کے سپرد کردو۔ بیگم نے اگلے دن تمام مدرسین کو دعوت دی اور چلمن کے پیچھے سے ہر ایک کو دیکھا۔ جب حضرت مولانا تشریف لائے تو آپ کو پہچان لیا کہ انہی کے متعلق آنحضرت ﷺ نے بشارت دی تھی چنانچہ آپ صدر مدرس مقرر ہوئے اور بچوں کی تعلیم و تربیت بھی آپ ہی کے سپرد ہوئی۔ جب تک حضرت مولانا خورجے میں رہے بیگم، ان کے شوہر نواب صاحب اور تمام اہل خورجہ آپ کا حد درجہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ مذکورہ بالا واقعے کو مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے خود خورجہ میں بیگم موصوف کے نبیرگان کی زبانی سنا۔ اپنے ایک مفصل مضمون جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہو، اسطرح تحریر فرمایا ہے:

''میں نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب خورجوی سے براہ راست یہ واقعہ سنا ہے کہ ان کی دادی نے مولانا امروہی کی آمد سے پہلے سرور کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا کہ ہمارا یہ لڑکا تمہارے یہاں آئے گا، اس کا خیال رکھنا۔''

ان نیک نہاد خاتون نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یہ صاحبزادے حضرت حسنؓ کی اولاد میں ہیں یا حضرت حسینؓ کی؟ فرمایا، یہ حسینؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امروہی خورجہ تشریف لائے تو مولانا خورجوی کی دادی نے مولانا کی دعوت کی۔ مولانا ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان خوش بخت مسماۃ نے پردے میں سے کسی ضرورت کے لیے باہر نظر ڈالی تو وہی شکل مبارک آنکھوں کے سامنے تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ (۲۳)

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ نواب صاحب ہاتھی پر کہیں سے آرہے تھے کہ سامنے سے حضرت مولاناؒ پیدل آتے نظر آئے۔ نواب صاحب فوراً ہاتھی سے کود پڑے جس سے ہاتھوں اور گھٹنوں میں سخت چوٹ آئی۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ اس قدر گھبراہٹ کی کیا ضرورت تھی تو نواب صاحب نے جواب دیا کہ ایک آل رسولؐ کو دیکھ کر جس کے متعلق خود سرکار دوعالم نے بشارت دی ہو ہاتھی پر ایک لمحے کے لیے بیٹھا رہنا اور ہاتھی کے بٹھائے جانے کا انتظار کرنا میرے دل نے گوارا نہ کیا۔"

۱۳۰۱ھ میں آپ نے خود جامع مسجد امروہہ میں مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کا افتتاح اپنے محترم استاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کرایا۔ تاحیات آپ خود ہی اس مدرسے کے مہتمم اور صدر مدرس رہے اور آپ کی ذات والا صفات کی بدولت مدرسے کے شہرت اسلامی ممالک تک پہنچی چنانچہ کابل، ترکستان، عرب، آسام، برما وغیرہ سے بھی طالب علم جوق در جوق آئے اور اس سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ضلع کی سرکاری تاریخ ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد Dist Gazetter میں بھی اس کا تذکرہ خاص طور سے کیا گیا اور لکھا گیا کہ

---

(۲۳) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء تا ستمبر ۱۹۵۴ء کتاب تذکرہ مشائخ دیوبند مولفہ عزیز الرحمٰن میں بھی مولانا کے حالات اور یہ واقعہ مذکور ہے۔

''یہ مدرسہ ہمیشہ سے مرکز علم رہا ہے، اور اس میں ہندستان کے ہر حصے سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں۔'' (۲۴)

حضرت مولانا کی ذات بابرکات کا یہ فیض روحانی ہے کہ باوجود آپس کے افتراق و بدنظمی کے جس کا سلسلہ عدالتی کارروائیوں تک پہنچ گیا، افادۂ درس آج تک جاری ہے۔

آپ کے طریقۂ درس کے خصوصیت کا حال تذکرۃ الکرام کے مولف سے سنیے:

''آپ ان جملہ علوم کی جو درس نظامیہ کے نظام تعلیم میں شامل ہیں، تعلیم دیتے لیکن زیادہ توغل حدیث وتفسیر وفقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے اکثر سنا گیا کہ بیان ایسا واضح و جامع اور پر شوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلبہ کی سمجھ میں بہت آسانی سے آجاتے اور اسی کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین ہو جاتی۔ شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ ہوتا۔ آپ کے مستفیضین کی تعداد بہت کثیر ہے۔ جن میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماً اور اطباء کے زمرے میں شامل ہیں۔'' (۲۵)

مدرسہ امروہہ کے قیام کے چند سال دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے آپ کو دیوبند بلالیا مگر دو ہی ماہ بعد آپ کارکنان مدرسہ امروہہ کے اصرار پر آپ امروہہ تشریف لے آئے۔

درس وتدریس کی جانب زیادہ رجحان طبع ہونے کے باعث آپ کو تصنیف وتالیف کی نہ تو فرصت مل سکی اور نہ اس طرف طبیعت کا میلان ہوا۔ البتہ مضامین کا ایک مختصر مجموعہ افادات احمدیہ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس میں مختلف مسائل پر آپ کے ارشادات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ بقیہ تحریروں اور مضامین کا بیشتر حصہ موجود ہے۔ مذہبی مناظروں سے آپ زیادہ تر اجتناب فرماتے تھے۔ تاہم کبھی کسی خاص

---

(۲۴) درمقصود نمبر ۲۸

(۲۵) تذکرہ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ از محمود احمد عباسی صفحہ ۳۱۷

موقع پر ضرورت پیش آئی تو شرکت بھی کرتے۔ آریوں سے بعض مناظروں کے سلسلے میں آپ نے جو تقریریں کیں ان میں بھی بعض چھپی ہیں۔ تقریر کا مادہ بھی آپ کو خاص طور پر عطا ہوا تھا۔ آپ کا طرز بیان اس قدر دل پذیر اور دلنشین ہوتا کہ آخر تک سامعین یکساں دلچسپی اور شوق سے سنتے رہتے۔ امام شہر ہونے کی حیثیت سے تقریباً ہر جمعہ کو بعد نماز آپ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ تذکرۃ الکرام میں ہے:

''تقریر نہایت دلکش اور انداز بیان ایسا دلآویز ہوتا کہ سامعین میں جو اشخاص علم سے بے بہرہ ہوتے وہ بھی مطلب کو صاف طور سے سمجھ جاتے خاکسار مؤلف کو نوعمری میں آپ کے مواعظ میں شرکت کا اکثر موقع ملا ہے۔ آپ کی بارعب شخصیت آپ کا نورانی چہرہ، آپ کی دلکش آواز، آپ کا دلآویز بیان اور آپ کی جاذبیت اور کشش کا اثر اب تک قلب میں موجود ہے۔''(۲۶) اس کے بعد تذکرۃ الکرام کے مؤلف نے جنھیں اکثر حضرت کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''معاصر علماء میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل تھا۔ علمی اور فقہی مسائل میں علما کو جب شکوک و شبہات لاحق ہوئے، حل مشکلات کی خاطر آپ ہی کی جانب رجوع کرتے۔ آپ کی رائے اور آپ کا فتویٰ علماء کے لئے سند ہتا۔ جلسوں کے موقع پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال اور فضلاء مجتمع ہوتے آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں اور بلند و بالا نظر آئی اور ان مواقع پر جب کبھی کس دقیق علمی مسئلے پر گفتگو فرماتے علماء ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور آپ کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات میں وہ تمام اوصاف ودیعت کئے تھے۔ جو ایک دینی مقتدیٰ اور مذہبی پیشوا کے لئے ضروری اور لازمی ہیں۔ صلاح و تقویٰ اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ دینوی معاملات میں بھی آپ نہایت صائب الرائے، صاحب فہم اور صاحب تدبیر تھے۔ آپ کی شخصیت ایسی بارعب اور کشش و جاذبیت

---

(۲۶) تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ از محمود عباسی صفحہ ۳۱۸

رکھنے والی تھی کہ مسلمانانِ شہر دنیاوی معاملات میں بھی آپ کی قیادت کو باعث فخر و مباہات سمجھے۔''(۲۷)

حضرت مولاناؒ طبیعت کے اعتبار سے نہایت غیور، خوددار اور بے طمع تھے۔ باوجود اس بلند درجے اور مرتبے کے انتہائی منکسر المزاج تھے۔ آپ کی صاحبزادی کی شادی کے موقع پر آپ کے ایک دولتمند شاگرد نے کچھ زرِ نقد بطور نذر پیش کرنا چاہا لیکن آ ، نے یہ کہہ کر قبول نہ کیا کہ اپنے چھوٹوں سے زرِ نقد وصول کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں۔

نہایت شفقت سے پیش آتے اور اختلافی مسائل میں فروعات کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ عوام کی اصلاح اور بہبود کے ساتھ ہی آپ کو خاندانی رفاہ اور بہبود کا بھی بہت زیادہ خیال رہتا۔ چنانچہ قدیم خاندانی انجمن کو جو عرصہ سے سرد ہو چکی تھی۔ آپ ہی نے نئی زندگی بخشی اور آپ کی زیر نگرانی ۲ رجنوری ۱۹۱۲ء کو موجودہ انجمن کی تشکیل عمل میں آئی اور اس جلسے کی آپ نے صدارت فرمائی۔ جلسے کے آخر میں حضرت نے تقریر بھی ارشاد فرمائی اور انجمن کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔ یہ سب کارروائی انجمن کے رجسٹر میں درج ہے۔ حضرت مخدوم بدر چشتی کے عرس کے موقع پر ۱۰ رذی الحجہ کو بعد نماز عید ہر سال خانقاہ میں تبرکات کی زیارت میں تشریف لاتے۔ تبرکات کو چومتے، آنکھوں سے لگاتے اور سر پر رکھتے۔ روضہ مقدسہ پر بھی اکثر تشریف لاتے اور مراقب ہوتے تھے۔ قوالی کی محفلوں میں البتہ شرکت نہ فرماتے تھے۔ اپنے نام کے ساتھ خادم الطلبہ تحریر فرماتے۔ مہر میں یہ سجع کندہ تھا۔ دل مرتضیٰ جان احمد حسن'' حضرت کے خلوص و محبت کی ادنیٰ مثال یہ تھی کہ وہ حضرات بھی جو آپ سے بہ لحاظ عقیدہ اختلاف رکھتے، آپ کے گرویدہ تھے۔ حضرات شیعہ اور صوفی مشرب آپ کی صحبت میں یکساں مستفیض ہوتے۔ حضرت شاہ قیام الدین جعفری

---

(۲۷) تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ از محمود احمد عباسی صفحہ ۳۱۸ مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی سن اشاعت ۱۹۳۲ء

سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ جو جمعہ کی نماز ہمیشہ جامع مسجد میں مولانا کے پیچھے ادا فرماتے۔

حضرت موصوف علوم ظاہری کے کمالات باطنی سے بھی متصف تھے۔ آپ کے کشف و کرامات کے اکثر واقعات مشہور ہیں۔ وصال سے چند روز قبل حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ اچانک ارشاد فرمایا کہ ہمارا وقت قریب آ گیا ہے۔ ہمیں مرنے کے بعد مدرسے ہی میں جگہ دی جائے۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

سیوہارہ ضلع بجنور سے مولانا کے ایک مرید ایک صاحب کے ہمراہ بغرض ملاقات وشرف زیارت امروہہ روانہ ہوئے۔ راہ میں دوسرے صاحب نے فرمایا کہ میرا رجحان حضرت مولانا محمود الحسن محدث دیوبندی کی جانب ہے۔ امروہہ میں دو ایک روز حضرت مولانا کے یہاں قیام رہا تو ان صاحب کا خیال بدل گیا اور اپنے دوست کی معرفت آپ سے بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ مولانا محمود الحسن صاحب کے متعلق رائے قائم کر چکے ہیں۔ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ آپ کا انتخاب درست تھا۔ لیکن یہ صاحب مولانا کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ نہ مانے اور مجبوراً انھیں حلقۂ بیعت میں شامل کرنا پڑا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ امروہہ تشریف لاتے تو مولانا موصوف کے یہاں قیام فرمایا اور ان کے ہمراہ امروہہ کے اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دی۔ جب حضرت مخدوم بدر چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لائے تو بہت دیر تک مراقبے میں بیٹھے رہے۔ پھر سر اٹھا کر مولانا سے خطاب فرمایا کہ "میر احمد حسن تمہارے جد امجد بڑے پائے کے کاملین میں سے ہیں۔ جن کا فیض روحانی آج تک اسی طرح جاری ہے اور ان کی سیادت و بزرگی میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اس واقعہ کے بعد مولانا نانوتوی ہمیشہ آپ کو میر احمد حسن کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ مولانا نانوتوی آپ کے بارے میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کا ذہن چاندی ہے اور میرا

سونا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے وہ مجھ سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

بالآخر تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر پاکر ۲۹ ر ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (چہار شنبہ) مطابق ۱۹ ر مارچ ۱۹۱۲ء مرض طاعون کے حملے سے صرف چار روز کی علالت کے بعد علم و فضل کا یہ مہر منور دامن اجل میں روپوش ہوگیا۔ وصال کے دن حضرت مولانا نے نماز عشاء تک خود ادا کی۔ تھوڑی دیر بعد حالت غیر ہوئی اور پسینہ کثرت سے آنے لگا اور اللہ اللہ کہتے ہوئے گیارہ بجے شب کے قریب روح عالم بالا کو پرواز کرگئی۔ جسد خاکی کو دوسرے دن جامع مسجد کے جنوبی دالان کے سامنے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ جنازے کے ساتھ باوجود طاعون کی شدت کے اس قدر اژدہام تھا کہ امروہہ کی سرزمین نے ایسا جاں گداز اور روح فرسا منظر آج تک نہ دیکھا ہوگا۔

سابق مدیر درمقصود انیس رضوی مرحوم ومغفور لکھتے ہیں:

''راقم الحروف اس زمانے میں نوعمر تھا لیکن حضرت مولانا کے جنازے کا منظر آج تک نہیں بھولا اور نہ مدت العمر فراموش ہونے کی امید ہے۔ ہر طبقے اور فرقے کے پندرہ بیس ہزار سے زائد نفوس روتے دھاڑیں مارتے جنازے کے ہمراہ تھے۔ جس کے ہاتھ اور پیر کفن سے باہر نکلے ہوئے تھے اور لوگ ان سے اپنی آنکھیں ملتے اور ان کو چومتے جارہے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنے لوگ جنازے کے ساتھ تھے تقریباً اتنے ہی روضہ مقدسہ حضرت بدر چشتی پر اس خیال سے پہنچ گئے تھے کہ مولانا وہیں مدفون ہوں گے۔'' (۲۸)

نماز جنازہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (فرزند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) نے پانباڑی کے میدان میں پڑھائی کیونکہ جامع مسجد کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی۔ دفن کے وقت کفن کی چادر کو پارہ پارہ کرکے معتقدین نے تبرک کے طور پر لینا چاہا جس سے بہت سے لوگوں کو چوٹیں بھی آئیں۔ نیز جنازے کی چارپائی بھی ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس کے ٹکڑے بھی لوگ تبرکاً لے گئے۔

---

(۲۸) درمقصود نمبر ۲۹ (۱۹۴۶ء)

آپ کے حادثۂ وفات سے دنیائے اسلام کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ مصر، ترکی، عرب وغیرہ ممالک میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ آپ کے وصال پر بیشار مرثیئے اور قطعات تاریخ لکھے گئے۔ مادہ شہید اعظم سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ ''گل چراغ دین ہوا'' بھی تاریخ وفات ہے۔ ان بیشار مرثیوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا تحریر کردہ مرثیہ اور مولانا حبیب الرحمٰن ناظم دارالعلوم دیوبند کا عربی مرثیہ قابل ذکر ہے۔ مولانا محمود الحسن کے چند اشعار یہ ہیں:

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے
حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے ہم کو جو
سید العلماء امام اہل عقل و اہل نقل
پاک صورت، پاک سیرت صاحب خلق نکو
معدن علم و حکم سر دفتر اہل کمال
عازم خلد بریں ہے جس کو چلنا ہے چلو
لوگ کہتے ہیں چلے علامۂ احمد حسن
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہے ہونہ ہو
بادل پر یاس آئی کان میں میرے صدا
حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ دنیا سے لو
(۱۳۳۰ھ)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم ناظم دارالعلوم کا عربی مرثیہ اور اس پر مولانا عبدالرحمٰن مرحوم سیوہاروی کی تضمین جو درمقصود کی اشاعت ۱۹۴۷ء نمبر ۳۰، ۳۱ میں شائع ہو چکی ہے۔ مفتی اعظم کفایت اللہ اور مولانا شبیر احمد عثانی وغیرہ حضرات نے مقالات سپرد قلم کئے۔ (۲۹)

---

(۲۹) رسالہ القاسم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تصنیف قصص الاکابر کی جلد ثانی۔(۳۰) میں حضرت مولانا محدث امروہی کے دو واقعات درج کیئے ہیں۔اپنی تصنیف حسن العزیز کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا احمد حسنؒ میں متانت بہت تھی۔بعض کو خودداری کا شبہ ہو جاتا تھا۔ایک دفعہ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔آدھی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی۔اول شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا تھا۔بس خدا کی قدرت کہ مولانا خود اندر سے تشریف لائے کہ کوئی حاجت ہے۔میں نے کہا جی ہاں، مولانا نے کہا اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی۔اندر زنانے مکان میں چلو اور خود استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔میں نے کہا یہ تو آب زم زم ہے اب استنجا کا ہے سے کروں۔

حضرت مولانا نے طرز استدلال کا ایک اور واقعہ مولانا تھانوی نے ملفوظات ہفت اختر میں بیان فرمایا ہے کہ ایک مولوی صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے۔کسی اسٹیشن پر ضرورت سے اترے اور چند طلباً انگریزی تعلیم یافتہ سوار ہوئے اور ان کے اسباب کو منتشر کر دیا۔انھوں نے آکر کہا ''کیا آپ لوگوں کی یہی تہذیب ہے؟ خیر وہ شرمائے اور اسباب بدستور رکھ دیا۔لیکن اپنی شرمندگی کے انتقام میں مولوی صاحب کو بنانا چاہا اور موقع کے منتظر رہے۔مولوی صاحب نے نماز پڑھ لی۔ بعد فراغت نماز ان طلباً نے کہا۔ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا، ہاں۔پوچھا کہ نماز فرض ہے۔اتنا تجاہل ظاہر کیا گیا کہ وہ جانتے ہی نہ تھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں فرض ہے۔سوال ہوا کہ پنجگانہ اور ہر جگہ فرض ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا، پنج وقتہ اور ہر جگہ فرض ہے۔طلبا نے سوال کیا کہ جہاں چھے ماہ کا دن ہے اور چھے ماہ کی شب ہوتی ہے۔جس کو ارض تسعین کہتے ہیں وہاں کس طرح نماز ادا کریں گے؟ کیا سال بھر میں پانچ ہی نمازیں پڑھیں گے؟ مولوی صاحب

(۳۰) خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے اشرف السوانح جلد اول صفحہ ۱۵۷-۱۵۸ میں بھی یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔

نے جز بز ہو کر کہا۔ کیا آپ لوگ وہاں سے آ رہے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ کیا وہاں جا رہے ہیں؟ طلبا نے جواب دیا نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بس پر ہم فضول باتیں نہیں بناتے۔ اس پر طلبا نے اور ایک دوسرے صاحب نے جو میانہ عمر کے تھے قہقہہ لگایا۔ مولوی صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔ مولانا محدث امروہوی بھی اس سے متصل دوسرے ڈبے میں بیٹھے سب واقعہ دیکھ رہے تھے۔ انھیں میانہ عمر والے صاحب کے قہقہے پر غصہ آیا۔ اگلے اسٹیشن پر پہنچ کر ان کی گاڑی میں تشریف لے گئے اور موقع کے منتظر رہے۔ اتنے میں وہی صاحب نماز کے واسطے اٹھے اور طلباء اتر گئے۔ جب نماز پڑھ چکے تو مولانا نے ان سے پوچھا کہ میں کچھ دریافت کرسکتا ہوں؟ نہایت بد دماغی سے جواب دیا، ہاں۔ دریافت کیا آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اس کا جواب دے دیا۔ پوچھا کہ آپ کس عہدے پر ممتاز ہیں؟ وہ بھی بتا دیا۔ دریافت کیا کہ کس وقت سے کس وقت تک روزانہ کام کرنا پڑتا ہے؟ ان صاحب نے وہ بھی بتا دیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے سوال کیا کہ اگر گورنمنٹ کی حکومت ارض تسعین میں ہوجائے اور وہاں آپ کو بھیج دے تو وہاں یہ وقت کس طرح ملے گا؟ یہ سن کر وہ صاحب ذرا سنبھلے اور فرمایا وہاں اندازہ کرلیا جائے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ بہت حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ ایک حاکم مجازی کے قانون کی تو یہ عظمت کہ اس پر جو اشکال واقع ہو اس کی آپ اس طرح توجیہ کرلیں اور حاکم حقیقی کے قواعد وضوابط پر تمسخر کریں اور مضحکہ اڑائیں۔ جاہل اعتراض کریں اور آپ ہنسنے میں ان کا ساتھ دیں اور اس کے جواب میں ایسے چست و چالاک ہوں۔ وہاں آپ سے یہی جواب نہ سمجھا گیا۔ خیر وہ تو بچے تھے۔ افسوس آپ پر ہے۔ بے چارے نے بنچ سے اتر کر مولانا کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور خوب روئے کہنے لگے کہ مجھے ان لڑکوں کو دیکھ کر ہنسی آگئی تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ سے کوئی گستاخی کرنے لگے تو آپ کو اسے دیکھ کر ہنسی آئے گی، یا قہر وغضب سے تھرا جائیں گے؟ افسوس کہ خدائی عظمت ماں کے برابر بھی آپ کی نگاہ میں نہ ہوئی۔

قادیانیت کا فتنہ اس زمانے میں سر اٹھا رہا تھا۔ حضرت محدث نے اس کا پورا مقابلہ کیا اور جدو جہد فرمائی۔ ریاست رامپور میں ۱۹۰۸ء میں نواب کے ایماء پر قادیانیوں سے جو مناظرہ ہوا تھا۔ حضرت مولانا نے اس میں ایک اہم اور موثر تقریر فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ایک شاگرد مولوی سید بدر الحسن بھی قادیانیت سے متاثر ہوگئے تھے۔ ایک دن آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ تو فرمایا ''حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو۔ ہمیں غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔ تم نے ہمارے غرور کی اصلاح کردی۔'' مولوی بدر الحسن زار زار رونے لگے اور آئندہ اس عقیدے سے توبہ کی۔

ہندوستان میں علمائے حق کا ہمیشہ سے جو جرأت آموز اور حریت پسندانہ کردار اور مسلک رہا ہے وہی حضرت محدث کا بھی رہا ہے۔ وطن عزیز کو اجنبی اقتدار کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے آپ کے قلب کی گہرائیوں میں جو تڑپ تھی۔ اس کا اندازہ صرف اس جملے سے ہوسکتا ہے۔

''کونسا وقت آئے گا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی اور ان کیری آنکھ والوں (انگریزوں) سے جہاد کروں گا۔''

جہاد حریت کے لئے علمائے اسلام کی جماعتی تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۱۱ء میں ہوا جبکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اکابر علمائے دین سے جس میں حضرت محدث بھی شامل تھے۔ منظم ہونے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ ایک جماعت جمیعتہ الانصار کے نام سے قائم کی گئی۔ جس کا پہلا اجلاس اپریل ۱۹۱۱ء میں مراد آباد میں منعقد ہوا۔ حضرت محدث نے اس اجتماع کی صدارت فرمائی اور ایک بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی۔ اس جلسے نے حکومت انگریزی کو چوکنا کردیا کیونکہ اس وقت تک ملک ایسے جلسوں سے آشنا نہ تھا۔ حضرت مولانا سید محمد میاں اپنی کتاب 'علمائے حق' کی جلد اول میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی قدس سرہ العزیز حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز کے نہایت محبوب شاگرد تھے۔ تبحر علمی میں حجۃ الاسلام کے صحیح جانشین مانے جاتے تھے۔ سیاسی خیالات میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے رفیق تھے۔ (۳۱)

حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ نے ایک مضمون میں آپ کی وفات پر اس طرح نوحہ کیا تھا۔

''ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کا مہینہ مسلمانان ہند کے لئے ایک ایسا مہینہ تھا جس میں ان کی نظروں سے علم نبوت کے دو چراغ اوجھل ہوگئے۔ بلکہ دو آفتاب غروب ہوگئے۔ اول حضرت مولانا مقتدانا الجامع بین المعقول و المنقول، حاوی الفروع والاصول، سیدنا الفقیہ المحدث المفسر المتکلم المولوی السید احمد حسن الامروہوی افرغ اللہ علیہ شابیب رضوانہ۔ دوم جناب وارث الانبیاء والمرسلین محمد اسمٰعیل راندھری۔ یہ دونوں بزرگ ان نفوس قدسیہ کے نمونہ تھے۔ جن کے نام کے ساتھ اسلام کا شیرازہ باندھا گیا تھا۔ جن کے دیدار سے خدا یاد آتا تھا۔ جن کی مجلسیں ذکر اللہ سے معمور، جن کے قلوب شراب محبت سے مخمور، جن کے متوسلین حب دین سے معمور تھے۔ اس گئے گزرے زمانے میں جبکہ علمائے ربانیں کا قحط ہے۔ یہ صحابۂ کرام کے سچے جانشین اور اور انبیاءؑ کے حقیقی وارث تھے۔ ان کے انتقال سے قصر دین کی بنیادیں نہ صرف امروہہ وگجرات میں متزلزل ہوگئیں بلکہ تمام ہندوستان کی علمی وعملی دنیا میں ایک غیر معمولی زلزلہ محسوس ہونے لگا۔'' (۳۲)

آپ کے تلامذہ میں خصوصی طور پر مولانا حافظ عبدالرحمٰن مفسر امروہوی، مولانا محمد انیس، مولانا سید رضا حسن، مولانا خادم حسین، مولانا ظہور الحق، مولانا خان زمان، مولانا نور الزماں (کالاباغ)، مولانا محمود حسن سہوانی، قاری ضیاء الدین الہ آبادی، حکیم اسحاق کٹھوری وغیرہ شامل ہیں۔

---

(۳۱) 'علمائے حق' جلد اول از مولانا سید محمد میاں صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ (مکتبہ رشیدیہ کراچی)

(۳۲) رسالہ 'القاسم' جمادی الثانی ۱۳۳۰

حضرت مولانا محدث نے تین شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ آپ کے عم محترم حکیم سید مہدی حسن کی دختر تھیں۔ جن کے بطن سے دو دختر اا ور آپ کے اکلوتے فرزند سید محمد پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ سید آل حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ کی دختر اور تیسری سید احمد حسن بن سید اسرار احمد عرف للو کی دختر تھیں۔ آپ کی دختران میں سے ایک سید غفور حسن کے حبالۂ عقد میں آئیں اور دوسری مولانا سید رضا حسن کو منسوب ہوئیں۔ آپ کے فرزند مولانا سید محمد عرف بنے میاں (۷۲) نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر کے زیر سایہ حاصل کی۔ پانچ سال کی عمر میں جب میاں شاہ قیام الدین جعفری نے بسم اللہ پڑھائی اور فرمایا کہ انشاء اللہ یہ بچہ حافظ قرآن ہوگا۔ چنانچہ حضرت ممدوح کی دعا سے آپ نے پدر بزرگوار کی حیات ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ حضرت مولانا نے ختم پر خوشی کا جلسہ منعقد کیا۔ بعد ازاں مولانا سید محمد نے مولانا سید رضا حسن اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی صدر مدرس کی نگرانی میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں جملہ علوم عربی، معقول، فلسفہ، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل کی۔ پھر دیوبند جا کر حدیث میں مہارت بہم پہنچائی۔ وہاں سے واپس آ کر امروہہ میں مدرسہ عربیہ میں بہ حیثیت مہتمم خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے کے بعد حالات و واقعات کے تحت حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ جہاں محکمۂ تعلیمات میں معقول مشاہرہ پر آپ کا تقرر ہوگیا۔ وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد امروہہ تشریف لے آئے۔ دینی و قومی کاموں میں ہمیشہ آپ کو دلچسپی رہی۔

تحریک ترک موالات و جمیعۃ العلماٗ کے سلسلے میں کافی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ایک بار آپ نے لوگوں کی خواہش پر ایک قومی جلوس کی قیادت بھی کی اور اس کے لئے کسی خطرے یا نقصان کی پرواہ نہ کی۔ مختلف موضوعات پر علمی مضامین لکھے جو شائع ہوتے رہے ہیں۔

آپ کے بڑے فرزند سید احمد نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد خرابیٔ صحت کی بناء پر معذور رہے۔ آج کل امروہہ میں ہی قیام ہے۔

دوسرے آل احمد پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور ادیب فاضل کی اعلیٰ سندات حاصل کیں۔ شاعری سے بھی ذوق تھا۔ جمالی تخلص کرتے تھے۔ حیدر آباد دکن کی مددگار مہتمم اوقاف کے عہدے پر تعینات رہے اور پھر کراچی چلے گئے۔ آپ کے دختر سید عابد حسن کے بطن سے چند فرزندان اور دختران ہیں۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں بعمر تقریباً ۵۱ سال انتقال ہوگیا۔ تیسرے سردار احمد (۴۸) حصول تعلیم کے بعد حیدر آباد دکن ہی میں بسلسلۂ ملازمت مقیم رہے۔ چوتھے مسعود احمد (۴۳) کراچی میں مقیم رہے۔ وقار احمد (۴۱) نے السنۂ شرقیہ کے امتحانات پاس کیئے۔ اردو اور عربی میں امتیاز کے ساتھ ایم اے کیا۔ کچھ عرصے اینگلو عربک کالج دہلی میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ حال ہی میں پاکستان سدھارے۔ دقیق علمی و تحقیقی موضوعات پر اکثر مضامین مختلف معیاری رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شعر و ادب سے بھی ذوق ہے اور شعر بھی کہے ہیں۔ مگر اب شعر گوئی کو دور جاہلیت میں شمار کرتے ہیں۔ بلا کے سنجیدہ، کم گو اور متین ہیں۔ دختر سید معشوق علی رضوی آپ سے منسوب ہیں۔ چھٹے زبیر احمد (۳۸) نے ابتدائی تعلیم امروہہ میں حاصل کر کے دہلی میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہوئے۔ پہلے ہمدرد دواخانہ کے اسٹاف میں تھے۔ اب آل انڈیا ریڈیو سے منسلک۔ ۱۹۷۱ء میں اردو میں امتیاز کیساتھ ایم اے کیا۔ جدید شعراء کی صف میں معروف و ممتاز ہیں۔ کلام کا مجموعہ لہر لہر ندیا گہری چند سال ہوئے (۱۹۶۶ء) میں شائع ہوا ہے۔ بعض نظمیں اور گیت بہت مقبول ہیں، منقبت میں بھی شعر کہے جو 'درمقصود' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شادی بجنور میں ہوئی۔ دو فرزند اور ایک دختر ہے۔ ساتویں آفتاب احمد (۳۶) نے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا ہے اور چاند پور کے کالج میں پروفیسر و پرنسپل ہیں آٹھویں سلطان احمد (۳۱) امروہہ میں ہی مقیم رہے۔ درس و تدریس کو شغل بنایا ہے۔ فی الحال بارہ بنکی کے گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہیں۔ ادبی ذوق رکھتے ہیں اور عرس کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ (۳۳)

---

(۳۳) 'تذکرہ بدر چشت' از سید خورشید مصطفیٰ رضوی صفحہ ۳۳۵ تا صفحہ ۳۵۲

یہ وہ حالات ہیں جو تواریخ کی کتابوں، تذکروں، رسالوں میں سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے بارے میں ملتے ہیں اور میں نے ان کو یکجا جمع کر دیا ہے تاکہ تفحص، تلاش و جستجو میں آسانی ہو۔ اگرچہ ان میں بعض واقعات دہرائے گئے ہیں لیکن اس تکرار کی افادیت یہ ہے اس سے ان واقعات و احوال کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے اور مولانا کے احوال معتبر بن جاتے ہیں۔ ان کتابوں میں سب سے قدیم اور اولین حوالہ 'تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ' از محمود احمد عباسی کا ہے۔ جو ۱۹۳۲ء میں چھپی اگرچہ اس سے پہلے ایک حوالہ القاسم دیوبند جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کا ہے لیکن اس میں مولانا کی وفات پر علماء کے مضامین اور منظومات ارتحال ہیں۔

محمود احمد عباسی صاحب نے مولانا کے حالات پہلی بار قلمبند کیئے۔ بعد کے سوانح نگاروں نے انہی کی کتاب کو ماخذ و مرجع بنایا۔ اس کے بعد (۱) 'تذکرۂ علمائے ہند' از رحمان علی ۱۹۶۱ء (۲) 'نزہتہ الخواطر جلد ہشتم' از حکیم سید عبدالحئی اور وہ حالات ہیں جو دادا صاحبؒ سے متعلق میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی عرف بنے میاں نے قلمبند کیئے اور تاریخ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ایک بہت طویل مضمون مولانا نسیم احمد فریدی کا ہے جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے نو شمارون میں دسمبر ۱۹۵۳ء سے ستمبر ۱۹۵۴ء تک قسط وار شائع ہوا۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے مثلاً 'تذکرۂ بدر چشت' از سید خورشید مصطفیٰ رضوی نے مواد انہی کتابوں سے لیا ہے۔ اس کے علاوہ در مقصود امروہہ نمبر ۲۸ اور ۲۹ (۱۹۴۶ء) میں بھی حضرت دادا صاحبؒ کے بارے میں تحریریں ہیں۔ مولانا سید محمد میاں نے اپنے کتاب علمائے حق جلد اول میں حضرت دادا صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر یہ سرسری ہے۔ البتہ تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی میں تفصیلی حالات ہیں۔ 'دہلی اور اس کے اطراف' جو حکیم سید عبدالحئی کا سفرنامہ اور روزنامچہ ہے۔ اس میں بھی حضرت دادا صاحبؒ کا تذکرہ ہے اور حکیم صاحب نے دادا صاحب سے اپنی

ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم از محمود احمد عباسی مطبوعہ ۱۹۳۶ء میں حضرت دادا صاحب کا شجرہ نسب ہے جو حضرت شاہ ابن قدس سرہ العزیز سے ملتا ہے۔ عم محترم قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تاریخ دارالعلوم دیوبند میں حضرت دادا صاحبؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اشرف السوانح اور ہفت اختر میں میں کچھ واقعات لکھے ہیں۔ جب وہ ہمارے گھر (امروہہ) میں قیام پذیر ہوئے تھے۔

حالات سید العلماءؒ از قلم ڈاکٹر وقار احمد رضوی

اب میں اپنے جد امجد سید العلماء حضرت مولانا سید احمد محدث امروہویؒ کی پاکیزہ زندگی اور ان کی علمی و دینی خدمات کے تفصیلی حالات لکھتا ہوں، حضرت کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف، تقریر ترمذی، درس اور فتاویٰ، مکتوبات، خاندانی اور ابتدائی حالات اور ان کی سوانح حیطۂ تحریر میں لاتا ہوں۔ میں نے بھی مذکورہ حوالوں سے استفادہ کیا ہے لیکن ان میں بعض مطبوعات کا اضافہ کیا ہے۔ میرے پاس حضرت دادا صاحبؒ کے غیر مطبوعہ فتاویٰ کا ذخیرہ ہے۔ جن کو میں اس سوانحی کتاب کے آخر میں افادات احمدیہ جلد دوم (قلمی) کے نام سے آخر میں شامل کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ ان کی تحریرات و قلمی مسودات، ان کی تقاریر اور مکتوبات بھی ہیں۔

میرے جد امجد سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سلوک کی اشاعت کی۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور جملہ علوم و فنون کے درس دیئے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر درسی مشاغل میں صرف کی اور اسلامی تعلیمات کو رائج کرنے میں منہمک رہے اور نازک وقت میں ملت بیضا کے تحفظ کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت محدث امروہیؒ کی قائم کردہ عظیم الشان درسگاہ آج بھی امروہہ میں موجود ہے۔

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ

۱۸۵۰ء/ ۱۲۶۷ھ تا ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۰ھ

نام ونسب

حضرت کا اسم گرامی سید احمد حسن اور والد ماجد کا نام سید اکبر حسین ہے۔
آپ کا تعلق سادات حسینی سے ہے۔ امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ سید ابن قدس سرہ العزیز کی اولاد میں ہیں۔ حضرت شاہ عبداللہ عرف شاہ سید ابن (متوفی ۱۵۷۹ء/ ۹۸۷ھ) جو سادات رضویہ میں سے تھے۔ حضرت امروہی کے مورث اعلیٰ تھے۔ حضرت شاہ سید ابن اکبری دور کے مشائخ میں تھے۔ ان کا تذکرہ ہندوستان کی مشہور تواریخ میں ملتا ہے۔ مثلاً (۱) منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی (۲) اخبار الاخیار از عبدالحق محدث دہلوی (۳) مآثر الاکرام از آزاد بلگرامی اور (۴) اسرار یہ از سید کمال وغیرہ۔ حضرت شاہ ابن صاحب کا تفصیلی تذکرہ ہم بعد میں کریں گے۔

شجرۂ نسب

حضرت محدث امروہی کا شجرۂ نسب حضرت شاہ سید ابن تک حسب ذیل ہے۔ سید احمد حسن بن سید اکبر حسین نبی بخش بن سید محمد حسین بن پیر سید محمد حسن بن سید سیف اللہ بن سید ابوالمکارم بن سید ابوالقاسم بن حضرت شاہ سید ابن۔ شاہ سید ابن کا سلسلۂ نسب امام علی رضا تک پہنچتا ہے جو یہ ہے۔ حضرت شاہ سید ابن بن سید احمد گنج روان بن سید طیفور اور سید محمود مالامال کرمانی بن سید شہاب الدین بن سید محمود بن سید عبدالخالق بن سید محمد بن سید امیر محمد بن سید محمود بن سید علی بن سید جنید بن سید معروف بن سید عبدالشکور بن سید عبداللہ بن سید ابراہیم بن امام علی رضا۔ امام علی رضا، امام حسین کے اعقاب کرام میں تھے۔ حضرت امام حسین کی نسل ان کے صرف ایک فرزند امام زین العابدین سے چلی جو ۳۸ھ شہر بانو عجمیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ علی نام، کنیت ابو محمد لقب سجاد تھا۔ ۵۷ سال کی عمر میں ۱۲ محرم ۹۵ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع حضرت عباس عم کے قریب مدفون ہوئے۔

اس طرح مولانا سید احمد حسن حسینی سید تھے۔ جو حضرت فاطمہ بنت حضرت محمد ﷺ کی آل اطہار تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عدنان تک کا سلسلۂ نسب دے دیا جائے۔ جو یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (انہی کا لقب قریش تھا اور انہی کی طرف قبیلۂ قریش منسوب) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (ابن ہشام ۱/۲۰۱)

ابتدائی تعلیم

مولانا سید احمد حسن ۱۸۵۰ء/ ۱۲۶۷ھ کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی و متوسط عربی اور فارسی کی تعلیم امروہہ میں حاصل کی۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا سید رافت علی (ساکن محلہ دربار کلاں)

(۲) مولانا سید محمد حسین جعفری (ساکن محلہ چاہ شور)

('تذکرۃ الکرام' از محمود احمد عباسی، صفحہ ۳۱۷ طبع ۱۹۳۲ء)

(۳) مولانا کریم بخش نخشی خلف مولانا امام الدین نخشی خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی

(۴) حکیم امجد علی خان۔

آپ نے طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی اثناء عشری سے پائی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے علم طب کی تحصیل کی۔ بعدہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمت میں میرٹھ اور دیوبند میں رہ کر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی سے تمام علوم و فنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور مسند درس پر متمکن ہوئے۔

مولانا سید احمد حسن چونکہ سادات سے تھے۔ اس لئے مولانا نانوتوی ان کو

میر صاحب یا میر احمد حسن کہتے تھے۔ اردو میں میر سید کو کہتے ہیں۔ مولانا نانوتوی کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں (جن سے صرف اجازت حدیث ہے) (۱) مولانا احمد علی سہارنپوری۔ (۲) قاری عبدالرحمٰن پانی پتی۔ (۳) مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپال بھی شامل ہیں۔ آپ نے شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے براہ راست سند حدیث حاصل کی۔

مولانا سید احمد حسن نے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے چند مشہور محدثین سے بھی جن کی سند اونچی تھی۔ مثلاً مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی سے سند حدیث حاصل کی۔ یہ دونوں شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے نامی گرامی شاگرد تھے۔

حضرت محدث امروہی نے جب حج کیا تو حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کی نظر التفات حضرت امروہی پر پڑی وہاں انھوں نے انہی سے سند حدیث حاصل کی۔

بیعت

آپ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی فاروقی سے بیعت تھے اوران کے خلیفہ مجاز تھے۔

درس وتدریس

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً خورجہ ضلع بلند شہر میں درس علوم دیا۔ اس کے بعد سنبھل و دہلی کے مدارس میں مختلف اوقات میں پڑھایا اور صدر مدرس رہے دہلی میں مدرسہ عبدالرب میں درس حدیث دیا۔ (۳۴) مدرسہ شاہی میں بھی مولانا سید احمد حسن نے درس دیا۔ یہ مدرسہ ۱۸۷۹ء/۱۲۹۶ھ میں قائم ہوا۔ اس کا نام مدرسۃ الغرباء بھی ہے۔ اس کے پہلے شیخ الحدیث حضرت محدث امروہوی مقرر

(۳۴) 'امیر الروایات' از مولوی امیر شاہ خاں، مطبوعہ محبوب المطابع دہلی صفحہ ۴۲۔

ہوئے۔ آپ نے وہاں ۱۳۰۳ھ تک درس حدیث دیا۔ ۱۲۹۶ھ-۱۳۰۳ھ سات سال کے عرصے میں بہت سے طلبہ آپ سے فیض یاب ہوکر فارغ التحصیل ہوئے۔ جن میں سے چند اکابر مشاہیر کے نام یہ ہیں:

۱- سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی، محشی بیضاوی
۲- قطب الوقت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی
۳- مولانا محمد یحییٰ شاہ جہانپوری (مرتب افادات احمدیہ قلمی)
۴- مولانا محمود حسن سہوانی
۵- مولانا عبدالحق پیلی بھیتی
۶- قاضی عبدالباری گڑھ مکتیسری
۷- مولانا خادم حسین امروہوی

ان حضرات میں سے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب کی سند ۱۳۰۱ھ کی ہے۔ جو حضرت محدث امروہویؒ کی عطا کردہ ہے۔ حضرت محدث امروہیؒ ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوگئے تھے۔ ان کے بعد حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب شیخ الحدیث ہوئے۔ ان کے بعد مولانا محمود حسن سہوانی صدر مدرس ہوئے۔ یہ دونوں حضرات حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ (۳۵)

جس زمانے میں مولانا سید احمد حسن محدث، مدرسہ عبدالرب دہلی میں درس حدیث دیتے تھے، اس وقت مولانا محمد قاسم نانوتوی منشی ممتاز علی کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ مدرسہ عبدالرب پہلے امام کی گلی میں تھا۔ (۳۶) مولانا قاسم نانوتوی اکثر اس مدرسہ میں سویا کرتے تھے۔ (۳۷) مولانا رشید احمد گنگوہی قالین کی جاء نماز

---

(۳۵) ماخوذ از روئداد قدیم مدرسہ شاہی صفحہ ۳۷

(۳۶) امیر الروایات از مولوی امیر شاہ خان صاحب۔ مطبوعہ محبوب المطابع دہلی صفحہ ۲۵

(۳۷) ایضاً

استعمال کرتے تھے۔(۳۸)

مدرسہ شاہی مرادآباد

جس زمانے میں مولانا سید احمد حسن محدث مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدر مدرس تھے۔ اس زمانے میں یعنی ۱۸۷۹ء/۱۲۹۶ھ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحب کو حضرت محدث امروہی کے پاس تعلیم حاصل کرنے بھیجا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی کیونکہ حضرت حافظ محمد احمد صاحب کی سن ولادت ۱۸۶۲ء/۱۲۷۰ھ ہے۔ میرے دادا نے ان کی تعلیم وتربیت کی اور وہ صحیح معنوں میں میرے دادا حضرت محدث امروہی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا سید احمد محدث سے حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

جب میرے دادا حضرت محدث امروہی مدرسہ شاہی یا مدرستہ الغرباء کے ۱۸۷۹ء/۱۲۹۶ھ میں پہلے شیخ الحدیث ہوئے تو پہلے ہی سال طلبہ جوق درجوق مدرسے میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ دیوبند اور سہارنپور کے بعد عظیم الشان مدرسہ ہوگیا۔

حدیث مسلسل

مولانا سید احمد حسن کو حدیث مسلسل حاصل تھی جو یہ ہے کہ مولانا احمد حسن نے سنا شاہ عبدالغنی سے اور شاہ صاحب نے مولانا محمد اسحاق سے اور مولانا محمد اسحاق نے شاہ عبدالعزیز سے اور شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ سے اور ان کی سند سب کہیں مشہور اور معتبر ہے۔

---

(۳۸) مضمون حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی حکومت میں از مولانا حکیم سید الحئی والد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ صفحہ ۲۶

مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ

مولانا سید احمد حسن رمضان ۱۳۰۲ھ میں مدرسہ شاہی مراد آباد سے مستعفی ہوکر عمائدین شہر امروہہ کے اصرار پر اپنے وطن عزیز امروہہ تشریف لائے اور یہاں پر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ قائم کیا اور اس میں تمام علوم وفنون کی تعلیم جاری کی۔ پہلے ہی سال اس مدرسے کی شہرت حضرت محدث امروہیؒ کی شخصت کی بناء پر قریب و بعید ہوگئی۔ کچھ طلبہ ذی استعداد تو مراد آباد ہی سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ اس کے بعد مستقبل قریب میں تشنگان علوم نبویہ، شدرحال کرکے دور دور سے سرزمین امروہہ کے اس چشمۂ فیض پر وارد ہوئے۔ مدرسے کی معنوی تشکیل کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے اس کی ضروری عمارتوں کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اپنی اور اپنے رفقاء کی کوششوں سے جامع مسجد امروہہ کی تعمیر میں اضافہ کیا اور اس کو پررونق اور شاندار کردیا۔ جامع مسجد کے شمالی وجنوبی گوشوں میں پانباڑی تالاب کے کنارے خوبصورت اور ہوادار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کے مشرق میں دارالحدیث بنوایا۔ دارالحدیث کے آس پاس کئی درسگاہیں تعمیر کرائیں۔ مدرسین وطلبہ کے لئے کچھ کمرے بالائی حصے میں تعمیر کرائے۔ غرضیکہ مدرسے کو گلزار بنادیا۔ جس جگہ دارالحدیث ہے۔ وہاں افتادہ زمین تھی اور اس میں ترکاری اگتی تھی۔ حضرت مولانا امروہیؒ نے مدرسہ کی ظاہری و باطنی تعمیر میں تمام تدابیر اور صلاحیتیں صرف فرمائیں کئی سال تک تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ساتھ ساتھ مدرسے کی مالی حالت مضبوط کرنے کی مسلسل جدوجہد فرمائی۔ آپ کی علمی وجاہت، روحانی تاثیر اور خلوص و اہلیت کی برکت تھی کہ مختلف طبقات کے ذی اثر اشخاص آپ کے اس علمی و تبلیغی تحریک میں دل وجان سے شریک ہوگئے تھے۔

عمائدین مدرسہ

عمائدین مدرسہ یہ تھے:

(۱) شاہ بہاء الدین نقشبندی (۲) نواب وقار الملک (۳) منصف امتیاز علی (۴) مولانا نادر شاہ خان وکیل مہتمم مدرسہ امروہہ۔

میرے دادا نے بہت بڑی غلطی کی کہ مدرسہ، محلہ ملانہ میں قائم کیا اگر یہ مدرسہ محلہ پیرزادہ یا خانقاہ میں ہوتا تو ہمارے گھر سے اس کا تعلق باقی رہتا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ حضرت دادا صاحبؒ کے زمانے میں محلہ ملانہ کے بااثر حضرات اور ہر ہر محلہ اور برادری کے ممتاز دیندار، غریب وامیر اشخاص نے مدرسہ کی ترقی واستحکام میں حصہ لیا۔ مدرسے کا اہتمام عمومی چندے کے اصول پر قائم کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا خود رسید پر دستخط فرماتے تھے اور شہر میں خود اپنے رفقاء کے ساتھ چل پھر کر چندہ وصول کرتے تھے ابتدا میں خود ہی کتب خانے کی فراہمی، مدرسین کا تقرر اور طلبہ کے داخلے کا انتظام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اشاعت دین کی تڑپ رکھی تھی۔ اسی تڑپ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے تعلیم دین وتبلیغ احکام شرع متین چلانے کے لئے انتھک کوششیں کیں۔ جن کا آج پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

نوٹ: نانوتہ، گنگوہ اور دیوبند ضلع سہارنپور یوپی میں سیوہارہ، سہنسپور اور نگینہ ضلع بجنور یوپی گٹھاولی، خورجہ ضلع بلندشہر یوپی پھلاودہ ضلع میرٹھ میں اور تھانہ بھون ضلع مظفرنگر یوپی میں ہے۔

امروہہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے۔ اس میں بڑے بڑے مشائخ، علماء اور ہر فن کے ماہرین پیدا ہوئے۔ یہاں ہر زمانے میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہاں معزالدین کیقباد کے عہد میں سب سے پہلا مدرسہ 'مدرسہ معزیہ' قائم ہوا تھا۔ مسجد کیقباد بھی انہی کے نام سے موسوم تھی۔ یہاں کی خانقاہوں میں علم وعرفان کی بارشیں ہوتی تھیں۔

اکبری دور کے میر عدل اسی سرزمین کے باشندے تھے۔ جو بعد میں گورنر سندھ ہوئے۔ مشہور محدث مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی نے اسی سرزمین کے مولانا قاری امام الدین نخشی (خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی) سے تجوید کی سند حاصل کی تھی۔

قاری عبدالرحمٰن امروہہ میں آ کر بس گئے تھے۔(۳۹)

اس مردم خیز سرزمین پر ۱۸۵۷ء سے پہلے مسجدوں، گھر کی بیٹھکوں اور محلہ کی سی دریوں میں بہت سے انفرادی مکاتب موجود تھے۔ جن میں ماہرین فن، علم وفن کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد اس علمی شہر کی درسی محفلیں خاموش ہوگئی تھیں۔ حدیث، تفسیر اور فقہ کے وہ چہرے باقی نہیں رہے تھے۔ معقولات اور جملہ فنون کی تحصیل کا کسی کے اندر ذوق باقی نہ رہا تھا۔ غرضیکہ عربی تعلیم خصوصاً علم وفن کا خاتمہ نظر آتا تھا۔ اس خزاں رسیدہ شہر میں مولانا سید احمد حسن نے علم کا چراغ روشن کیا۔ یہ انہی کا صدقہ ہے کہ امروہہ کی روایات قدیمہ دوبارہ زندہ ہوگئیں اور ہندو بیرون ہند اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

مدرسہ کے اساتذہ

علاوہ حضرت محدث امروہی کے جو مدرسہ کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث تھے اور جن کی علمی شہرت کی وجہ سے مدرسہ بام عروج پر گامزن ہوا۔ دیگر باکمال اور متبحر اساتذہ اس مدرسے میں وقتاً فوقتاً درس دیتے رہے۔ چند اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی جو بعد میں آپ کے جانشین ہوئے۔

(۲) قطب الوقت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھلاودی جو علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے اور ہر علم وفن خصوصاً علم ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تقریباً ۱۵ مقالے، مقامات حریری کے ان کو ازبر تھے۔

(۳) حضرت مولانا نورالزماں صاحب پنجابی کالا باغ، صرف ونحو کے بہترین ماہر تھے۔ ان پر درویشی کا غلبہ ہوگیا تھا۔ کالا باغ کے علاقے کے مشہور صاحب سلسلہ

(۳۹) تذکرہ رحمانیہ

بزرگ گزرے ہیں۔ آپ دیوبند سے مولانا کے ساتھ امروہہ پڑھنے آئے تھے۔

(۴) حضرت مولانا سید رضا حسن صاحب برادرزادہ و داماد حضرت محدث امروہی تمام علوم خصوصاً صرف ونحو میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔

(۵) حضرت مولانا حکیم محمد امین الدین خان شاہ آبادی ثم امروہی معقولات میں خاص طور سے اپنے استاد حضرت محدث امروہوی کا نمونہ تھے۔ بعد میں طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر میں کالج کے پرنسپل ہو گئے تھے۔

(۶) مولانا خادم حسین صاحب امروہوی۔ فارسی وعربی کے بہترین ادیب تھے۔ بعد میں مدرسہ عباسیہ بچھرایوں کے صدر مدرس ہو گئے تھے۔

(۷) مولانا ظفریاب خان بجنوری فارسی ادبیات پڑھاتے تھے۔ طلبہ کی کثیر تعداد نے فارسی لٹریچر میں آپ کے فیض درس سے کمال حاصل کیا۔

(۸) منشی چاند خان ریاضی پڑھاتے تھے۔ وہ شہر کے مشہور ریاضی دان تھے۔

(۹) قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی

مدرسے کے قیام کے کچھ دن بعد حضرت مولانا قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی علم تجوید کی تکمیل کے بعد امروہہ تشریف لائے۔ وہ ملک کے مشہور قاری اور مجود تھے۔ یہاں آکر وہ حضرت محدث امروہوی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور علم حدیث وتفسیر حاصل کیا۔ وہ حضرت محدث امروہوی کے خاص شاگرد تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت میرے دادا حضرت محدث امروہوی نے کی تھی۔ پھر انھوں نے میرے والد مولانا سید محمد رضوی کو فن تجوید کے ساتھ قرآن شریف حفظ کرایا اور دیگر طلبہ کو بھی فیض پہنچایا۔ مدرسے میں فن تجوید سکھانے کے لئے ان کا تقرر میرے دادا نے کیا تھا۔ پھر وہ بعد میں استاد القراء کہلائے۔ قاری صاحب مرحوم ومغفور کے ذریعے یہاں امروہہ میں علم تجوید کا بڑا چرچا ہوا اور بہت سے شہری اور بیرونی طلاب نے ان سے اپنا قرآن درست کیا۔ بعد میں قاری صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں قرأت کے استاد مقرر ہوئے۔ میرے بڑے بھائی سید احمد رضوی نے بھی علیگڑھ میں

دوران تعلیم ان سے قرأت سیکھی تھی۔ مسلم یونیورسٹی میں زمانہ طالبعلمی کا ان کا مشہور واقعہ ہے کہ جب میرے بڑے بھائی نے اس رکوع کی تلاوت قرأت کی۔ وسیق الذین کفروا الی جھنم زمراً۔ (سورۂ زمر) تو ان کی آواز میں اس قدر درد واثر تھا کہ قاری ضیاء الدین ان کی قرأۃ سن کر اچھل پڑے اور ان سے پوچھا کہ بیٹا تم کس کے لڑکے ہو۔ جب انھوں نے بتایا کہ مولانا سید احمد حسن محدث کا پوتا ہوں تو قاری صاحب نے ان کو گلے لگالیا۔ استادزادے ہونے کے ناطے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ پھر قاری صاحب کی سفارش پر ان کو نظام حیدرآباد سے وظیفہ مقرر ہوگیا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، قاری ضیاء الدین الہ آبادی کے شاگرد تھے قرأت میں۔

طب کی تعلیم

حضرت مولانا محدث امروہوی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ علم الادیان کے ساتھ ساتھ علم الابدان کے اسباق بھی پڑھاتے تھے۔ بہت سوں نے آپ سے طب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ نے طب کا پورا نصاب کتب خانہ میں جمع کردیا تھا اور ایک کتاب کے کئی کئی نسخے تعلیم کے غرض سے مہیا کیے تھے۔ میں نے نفیسی، شیخ بوعلی سینا کی کتاب الشفاء مدرسے کے کتب خانے ہی میں دیکھی تھی۔ طب کے درس میں خاص طور سے وہ طلبہ شریک ہوتے تھے۔ جو اپنی پوری زندگی کسی مدرسے میں گزار دینے کی ہمت نہ رکھتے تھے اور طب کو اپنا مشغلہ حیات بناتے تھے۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں امروہہ طبی حیثیت سے عروج پر تھا۔ حکیم سید احمد سعید افسر الاطباء دکن، حکیم سید علی حسن، حکیم ابن علی، حکیم عبدالسلام، حکیم عبدالقیوم، حکیم حکمت اللہ امروہہ کے حاذق اطباء میں تھے۔ جو بڑی شہرت رکھتے تھے۔ اس سے شہر میں عام رجحان طب کی طرف ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا محدث کی حکمت مآب طبیعت نے ایسے موقع پر مناسب جانا کہ ذہنوں کی طب پسندی سے کام لے کر ان کو حدیث وتفسیر وفقہ سے بھی آشنا کردیا جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے طب کے ساتھ حدیث وتفسیر کی تعلیم بھی حاصل

کی۔ان کے نام یہ ہیں:

(۱) استادالاطباء حکیم فرید احمد عباسی بابائے طب و پرنسپل طبیہ کالج دہلی

(۲) حکیم مختار احمد صدیقی امروہوی نزیل بریلی

(۳) حکیم سید محمود حسن رضوی برادرزادہ حضرت محدث امروہوی

(۴) حکیم ظہورالحق صدیقی

(۵) حکیم اسرارالحق صدیقی

(۶) حکیم سید حامد حسن افسرالاطباء ریاست حیدرآباد برادر علاتی حضرت محدث امروہوی

مدرسے کے حق میں حضرت حاجی امداداللہ کی دعا

مدرسے کے قیام کے دو سال بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی مدنی اپنے مرید مولانا شاہ عبدالغنی پھلاودی کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''از فقیر امداداللہ عفی عنہ بہ خدمت سراپا برکت عزیزم مولوی عبدالغنی مدرس مدرسہ امروہہ رزقہ اللہ تعالیٰ محبتہ و معرفتہ بعد سلام مسنون دعائے خیر و برکت کے واضح ہو کہ آپ کا نامہ مرقومہ ۳۰ رشعبان ۱۳۰۵ھ ہجری قدسی وارد ہوا۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اپنے فضل و کرم آپ کی مدرسے کی مدد و اعانت کرتا رہے گا اور سب سرمایوں سے باقی اور لازوال سرمایہ توکل ہے۔جس چیز کا یا جس کا اللہ جل جلالہ خود وکیل ہو تو اس کا کیا کہنا ہے۔آپ لوگ ،نظر حضرت حق کی رحمت پر رکھ کر اس کے بندوں کو با اخلاص تعلیم و تلقین فرمایئے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔آپ بھی دعا فرمایئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو مستطیع فرما کر شرف زیارت سے حرمین شریفین کے مشرف فرمائے۔والسلام علیکم و علی من لدیکم۔۲۱ رذیقعدہ ۱۳۰۵ھ ہجری قدسی۔(۴۰)

---

(۴۰) از ذخیرۂ مکتوبات اکابر' در کتب خانہ پھلاودہ ضلع میرٹھ

حضرت حاجی صاحب کا پیغام مولانا امروہوی کے نام

حاجی محبوب خان امروہوی مرحوم کی روایت ہے کہ جب وہ حج بیت اللہ کے لئے جانے لگے تو حضرت محدث امروہوی نے ان سے کہا کہ حضرت حاجی صاحب سے میرا سلام عرض کرنا اور کہہ دینا کہ دل حاضری کو بہت چاہتا ہے لیکن کارہائے مدرسہ فرصت نہیں دیتے۔ حاجی محبوب خان نے مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ان کے مخلص مرید و خلیفہ کا سلام وکلام پیش کردیا۔ اس کے جواب میں حاجی صاحب نے فرمایا ''ہماری یہ ٹوپی ان کو دے دینا اور یہ کہنا کہ جو کام تم امروہہ میں رہ کر انجام دے رہے ہو وہ یہاں کی حاضری سے بہتر ہے۔ (۴۱)

دارالعلوم دیوبند میں تقرر

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں اول شیخ الحدیث کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اگرچہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا درجہ بھی برابر تھا۔ لیکن حضرت مولانا محدث کی تنخواہ قدرے زیادہ تھی۔ حضرت مولانا محدث وہاں غالباً دو ماہ سے زیادہ نہیں رہے۔ اس زمانے میں مولانا قمرالدین سہنسپوری جنھوں نے سند فراغ امروہہ سے حاصل کی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پارہے تھے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت محدث امروہوی کے پہلے درس کا حال اس طرح بیان کیا کہ مولانا قمرالدین سہنسپوری میرے دادا کے شاگرد تھے اور راقم الحروف کے استاد تھے۔ میں نے ان سے صرف ونحو اور فارسی پڑھی تھی۔ انھوں نے فرمایا:

''بیضاوی، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ کتب حضرت مولانا امروہوی کے سپرد کی گئیں۔ سب سے پہلے صدرا پڑھنے والوں کو آواز دی گئی۔ اس کتاب میں تین پنجابی طالبعلم تھے جن میں سے ایک مولوی نورالزماں پنجابی تھے اور دوسرے مولوی عبدالحلیم اور تیسرے ایک اور ذی استعداد پنجابی طالبعلم تھے۔ جن کا نام یاد نہیں۔ یہ

(۴۱) ماہنامہ' دارالعلوم دیوبند' ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ صفحہ ۴۱

تینوں طالبعلم تمام کتابیں ختم کر کے علم حدیث پڑھنے دیوبند آئے تھے۔ جب حضرت مولانا امروہوی کی آمد آمد ہوئی تو ان طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مولانا امروہی کی معقولات میں بڑی شہرت سنی ہے، ان کو آزمانا چاہئے۔ غالبًا اسی غرض سے صدرا میں شامل ہوئے۔ آواز دینے پر یہ تینوں طالبعلم حاضر ہو گئے۔ مولانا امروہوی نے فرمایا اچھا شروع کیجئے۔ ایک نے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ اعراب میں غلطی ہو گئی۔ مولانا نے خاص انداز میں فرمایا۔ مولوی صاحب سنبھل کر پڑھیئے۔ یہ سننا تھا کہ طالبعلم کی روح فنا ہو گئی۔ پھر خود بتلایا یوں پڑھیے۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب میں ایک تقریر کرتا ہوں۔ پھر فرمایا اب اس کا ترجمہ کیجئے۔ درمیان ترجمہ ایک نے گردن اٹھائی اور کچھ پوچھنا چاہا۔ فرمایا، کچھ پوچھنا ہے؟ غور سے سن لینا۔ چنانچہ مولانا نے ایک تقریر فرمائی۔ جب تقریر ختم ہو گئی تو طالبعلم نے اپنا شبہ پیش کیا۔ فرمایا اس کا جواب اپنی تقریر میں دے چکا ہوں۔ آپ نے غور نہیں کیا۔ پھر دوبارہ تقریر فرمائی۔ تقریر میں اس کا شبہ موجود تھا۔ بالآخر معترض صاحب نے شرم کے مارے اپنی گردن جھکالی۔ سبق کے بعد یہ تینوں کہتے ہوئے سنے گئے۔ معقولات تو دیوبندیوں کے پاس ہے۔ ان میں سے ایک شاگرد مولوی نورالزماں کالاباغ بعد میں مولانا سے سند حدیث لے کر خود مدرسہ امروہہ میں مدرس ہوئے۔ مولانا نادر شاہ خان صاحب وکیل امروہہ اور حکیم مشتاق احمد صاحب مرحوم ان لوگوں کے اصرار پر حضرت محدث امروہوی دیوبند چھوڑ کر آئے اور علم کے باغ کی سیرابی کی۔

مولانا کا رعب

جب حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند میں تھے تو آپ نودرہ کی کسی درسگاہ میں درس دیتے تھے۔ میرے استاد مولوی قمرالدین سہنسپوری کا بیان ہے کہ کچھ طلبہ عین اس وقت جب کہ حضرتؒ درس دے رہے تھے۔ آپ کی درسگاہ کے قریب برآمدے میں بیٹھ کر زور زور سے مذاکرہ کرنے لگے۔ حضرتؒ نے درسگاہ سے باہر

نکل کر رعب دار آواز میں ڈانٹ بتلائی تو طلبہ خائف ہو کر بھاگ گئے اور حضرت شیخ الہند کی درسگاہ میں جا کر پناہ لی۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا۔ میر صاحب کو غصہ آرہا ہے۔ اس کے بعد کسی طالبعلم کی مجال نہ تھی کہ آپ کی درسگاہ کے قریب بول سکے۔

مولانا کی علمی شہرت

مولانا کی علمی شہرت نہ صرف ہندوستان کے گوشے گوشے بلکہ بیرون ہند بھی ہوگئی تھی۔ ہندوستان کے ہر صوبے کے نیز افغانستان وغیرہ کے طلبہ شدرحال کرکے امروہہ آتے تھے۔ یہاں پر شمع حدیث رسول کے پروانوں کا زبردست ہجوم رہتا تھا۔ بعض دوسرے مدارس کے طلبہ بھی بغرض تعلیم امروہہ آگئے تھے۔ انشائے مظہر کے مصنف مولانا مظہر الحق چاٹگامی تقریباً ۱۳۰۵ھ میں کانپور کے مدرسے سے امروہہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے۔ چنانچہ 'مکتوب یازدہم' میں لکھتے ہیں:

''قریب بست روز باقتضائے رسیدہ کہ بندہ از شہر کانپور نقل نمود، بقصبہ امروہہ آمدہ بعالی جناب فخر علمائے زمن مولانا سید احمد حسن صاحب دام نوالہم کتاب جلالین شریف، ترمذی شریف، ہدایہ آخرین، مقامات حریری درس داد۔'' (۴۲)

طریقۂ درس

مولانا سید احمد حسن کا طریقۂ درس یہ تھا کہ جو مضمون پڑھانا ہوتا پہلے اس پر تقریر کرتے اور اس کے متعلق تمام ضروری باتیں اپنے لیکچر میں بتاتے۔ اس کے بعد کتاب پڑھاتے۔ اس طرح کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہ جاتی۔ سبق سے پہلے طالبعلم کی طبیعت میں انشراح پیدا کرنے کے لئے کچھ دلچسپ باتیں بھی کرتے۔

حضرت محدث امروہوی کی تقریر نہایت جامع، شستہ، پرمغز ہوتی تھی۔ جس سے طلبہ کو پوری پوری تشفی ہو جاتی تھی اور ان کا دامن طلب گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ بعض حدیثوں کی قرأت وہ خود فرماتے تھے۔ طالبعلم جب تک اچھی طرح

(۴۲) 'انشائے مظہر' مطبوعہ قیومی، صفحہ ۹

مطالعہ کر کے نہ آتا مجال نہ تھی کہ وہ مولانا کے سامنے پڑھ سکتا۔ ان کے سامنے عبارت پڑھنے کے لئے بڑی قابلیت، ہمت اور حاضر دماغی کی ضرورت تھی۔ وہ اعراب کی غلطی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ غصہ وجلال فوراً چہرۂ تابان پر نمایاں ہو کر پورے حلقے پر اثر انداز ہو جاتا تھا۔ تمام طلبہ تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔

جہاں تک دورۂ حدیث کا تعلق ہے تو حضرتؒ کتب صحاح کو کم از کم دو سال میں ختم کراتے تھے۔ اگر ایک سال ترمذی شریف پڑھائی تو دوسرے سال بخاری شریف اور دیگر کتب۔ انھوں نے دورے کی کتب کو حسب صوابدید اپنی خاص ترتیب کے ساتھ نصاب میں رکھا تھا۔ ترمذی کے درس میں بہت تفصیل سے تقریر فرماتے تھے۔ ہر مسئلے کو عقلی و نقلی حیثیت سے سمجھاتے تھے۔ ان کو جو علم کلام حاصل تھا اس کو اپنے درس میں آشکارا کرتے تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں حکمت ولی اللہ اور ذکاوت عزیزی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی تھی۔ افسوس کہ آپ کی درسی تقاریر دستیاب نہیں۔

صاحب 'تذکرۃ الکرام' آپ کے طریقہ تعلیم اور افادۂ تدریس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ ان جملہ علوم کو جو درس نظامیہ کے نظام تعلیم میں شامل ہیں، تعلیم دیتے تھے لیکن زیادہ توغل حدیث و تفسیر و فقہ کی تدریس سے تھا۔ آپ کے تلامذہ سے سنا گیا ہے کہ بیان ایسا واضح اور پرشوکت ہوتا کہ دقیق سے دقیق مسائل طلبہ کی سمجھ میں بہت سہولت سے آجاتے اور اس کے ساتھ مضمون کی عظمت بھی ذہن نشین ہو جاتی۔'' (۴۳)

---

(۴۳) 'تذکرۃ الکرام' از محمود احمد عباسی، مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۷

طلبہ کی اخلاقی نگرانی اور تعلیم وتربیت

حضرت تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ تدریس کے علاوہ ان کی اخلاقی نگرانی بھی کرتے تھے۔ مدرسے کے حدود اور مدرسے کے باہر یکساں طور پر کڑی نگاہ ان پر رہتی تھی۔ بقول مؤلف 'تذکرۃ الکرام' شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ ہوتا تھا۔ سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی۔ کوئی خلاف تہذیب عمل طالبعلم سے سرزد ہوتا تو اس کو فوراً ٹوک دیتے تھے۔ طلبہ کے وضع قطع کا خاص خیال رکھتے۔

آپ کا جلال مشہور تھا۔ درمیان درس بخاری اور ختم بخاری کے دن خاص طور پر نصیحتیں فرماتے تھے۔ حکیم محمد رفیع صاحب نے بیان کیا کہ ہماری بخاری جب ختم ہوئی تو حضرت مولانا نے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا کہ وہ اور ان کے ساتھ اس تقریر سے متاثر ہو کر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اس بات کا علم حکیم رفیع صاحب کے والد کو ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ تب حضرت مولانا نے سمجھایا کہ اس تقریر کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ رہبانیت اختیار کی جائے اور شیخ سعدی کے یہ مشہور اشعار پڑھے۔

صاحب دلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ
بشکستہ عہد، صحبت اہل طریق را
گفتم میاں عالم و عابد چہ فرق بود
تا اختیار کردی ازاں این فریق را
گفت او گلیم خویش بدر می رود ز موج
وین جہد می کند کہ بگیرد غرق را (۴۴)

---

(۴۴) ماہنامہ 'دارالعلوم دیوبند' جمادی الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۴

حضرتؒ اس امر کا خاص خیال رکھتے تھے کہ طلبہ اپنی متعلقہ کتابوں اور مفید دینی تصنیفات کے علاوہ غیر متعلق کتابوں میں مشغول نہ ہوں۔ میرے محلہ کے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ حضرت مولانا ایک دن ڈپٹی بشیر احمد کے پاس تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسجد محلہ جھنڈا شہید کے سامنے ان کی بیٹھک تھی۔ جہاں مولانا تشریف رکھتے تھے۔ اس جھنڈا شہید کی مسجد کے حجرے میں مظاہر نام کے ایک طالبعلم مقیم تھے۔ ان کو مولانا کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت وہ طالبعلم غالباً فسانہ عجائب پڑھ رہے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور طالبعلم بھی تھے۔ کتاب پڑھتے وقت جب اس شعر پر پہنچے۔

صحت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند ... دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

حضرت مولانا کے کان میں آواز پہنچ گئی۔ غصے میں آ کے نیچے سے آواز دی مظاہر ٹھہر جا میں آتا ہوں تو یہاں اس لئے آیا ہے کہ فسانہ عجائب پڑھے گا۔ یہ سنتا تھا کہ طالبعلم کا دم نکل گیا۔ مع ساتھیوں کے مسجد کی دوسری جانب سے فرار ہوگیا۔ حضرت مولانا مسجد کی طرف چل پڑے تھے۔ ڈپٹی بشیر احمد نے مولانا کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ (۴۵)

تلامذہ

مدرسہ جامع مسجد کے وہ پرانے رجسٹر جس میں فارغ التحصیل طلبہ کے اسماء مع پتوں کے درج تھے، ضائع ہوگئے۔ ورنہ آپ کے ہزاروں شاگردوں سے چند سو مشاہیر کا انتخاب بآسانی کیا جاسکتا تھا۔ اب صرف چند کا اندراج کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض مخصوص تلامذہ کے نام پہلے آ چکے ہیں۔

فہرست تلامذہ

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے وہ تلامذہ جو امروہہ، ہند

---

(۴۵) ماہنامہ 'دارالعلوم دیوبند' جمادی الاول ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء صفحہ ۴۴

اور بیرون ہند ہوئے ان کی مکمل فہرست یہ ہے:

۱- سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہوی محشی بیضاوی

۲- قطب الوقت حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی

۳- مولانا محمد یحییٰ صاحب شاہ جہانپوری مرتب افادات احمدیہ قلمی

۴- مولانا خادم حسین امروہی

۵- مولانا سید رضا حسن رضوی برادرزادہ ودامادحضرت محدث امروہوی

۶- استاد القراء ضیاء الدین الہ آبادی

۷- مولانا سید علی زینبی شیخ الحدیث مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ وصدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ

۸- مولانا حکیم محمد امین الدین خان شاہ آبادی ثم امروہوی پرنسپل طبیہ کالج دہلی

۹- مولانا محمد فاروق انبیٹھوی سابق شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ مدرس اول دارالعلوم دیوبند

۱۰- مولانا عبدالرحمٰن سہنپوری سابق رکن مجلس علماء بھوپال

۱۱- مولانا غلام یحییٰ ہزاروی سابق صدر مدرسہ الہیات کانپور، ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح تھے۔

۱۲- مولانا ظہور علی بچھرایونی۔ مدرسے کے فرزند قدیم جو مرادآباد سے مولانا کے ساتھ امروہہ آئے۔

۱۳- مولانا قمرالدین سہنسپوری

۱۴- مولانا خان زمان صاحب پشاوری کانپور میں مقیم تھے اور چند کتب صرف ونحو کے مصنف ہیں۔

۱۵- مولانا عبدالحلیم پنجابی۔ دیوبند کے شاگرد۔ فلسفہ کی کتاب صدرا کے۔

۱۶- مولانا نورالزماں پنجابی کالاباغ

۱۷- مولانا ظفریاب خان بجنوری

۱۸- مولانا محمود حسن سہوانی صاحب

۱۹- مولانا عبدالحق پیلی بھیتی

۲۰- قاضی عبدالباری گڑھ مکتیسری

۲۱- مولانا خلیل الرحمٰن صاحب امروہوی

۲۲- منشی چاند خان ریاضی دان

۲۳- حکیم فرید احمد عباسی۔ بابائے طب، پرنسپل طبیہ کالج دہلی

۲۴- حکیم مختار احمد صدیقی امروہوی نزیل بریلی

۲۵- مولانا حکیم اسرار الحق، امروہہ

۲۶- حکیم ظہور الحق امروہہ

۲۷- حکیم سید محمود حسن رضوی برادر زادہ حضرت محدث امروہوی

۲۸- حکیم سید حامد حسن رضوی افسر الاطباء برادر خورد حضرت محدث امروہوی

۲۹- مولانا مظہر الحق چاٹگامی

۳۰- حکیم محمد رفیع خان لودھی

۱۳- مظاہر طالبعلم امروہہ

۳۲- مولانا محمد اسحاق کٹھوری

۳۳- مولانا عبدالغفور صاحب سیوہاری مسودہ نگار تھے۔ حضرت دادا صاحبؒ کی تحریرات کو نقل فرماتے تھے۔

۳۴- مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

۳۵- مولانا فضل حق سہنپوری

۳۶- مولانا حافظ محمد یوسف انصاری

۳۷- مولانا بدرالدین امروہوی۔ قادیانی ہوگئے تھے پھر حضرت مولانا محدث امروہوی کے کہنے پر تائب ہوئے۔

۳۸- مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

۳۹- مولانا انوار الحق عباسی

۴۰- مولانا محمد صدیق قاسمی مرادآبادی

۴۱- مولانا حافظ عبدالحئی

۴۲- حکیم سردار احمد خان (گنگوئی) امروہہ

۴۳- شاہ بہاء الدین امروہہ

۴۴- مولوی عبدالباری سنبھلی۔ آپ حضرت محدث امروہہ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

۴۵- حافظ حمید الدین سہنپوری

۴۶- حافظ محمد احمد بن محمد قاسم نانوتوی

۴۷- مولانا حکیم رشید احمد خان امروہوی

۴۸- مولانا اسمٰعیل انصاری امروہوی

۴۹- مولانا شاہ سلیمان احمد ہادوی امروہوی

۵۰- مولانا حکیم محمد عمر شیرکوٹی

۵۱- مولانا سید معظم حسنین امروہوی

۵۲- مولانا شفیق احمد امروہوی

۵۳- مولانا عبدالغنی انصاری امروہی

۵۴- مولانا محمد نعمت اللہ امروہی

۵۵- مولانا ظہورالحسن ناظم سیوہاروی

۵۶- قاری ضیاء الدین الہ آبادی

۵۷- مولانا شاہ مخدوم ہادوی

۵۸- مولوی سید حبیب احمد افق کاظمی

۵۹- مولانا فیاض علی

۶۰- حافظ محمد صادق علم کلام، منطق، حدیث وتفسیر کے فارغ التحصیل تھے۔ استاد ماسٹر عبدالرؤف امروہوی۔

طریقۂ درس

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے درس کا طریقہ مختلف تھا اور وہ یہ کہ طلبہ تیاری کر کے آتے تھے یعنی مطالعہ کر کے آتے تھے۔ ترمذی کے طلبہ درجے میں بیٹھ جاتے تھے۔ کتاب سامنے ہوتی تھی۔ پہلے حضرت محدث سبق کے مطالب پر تقریر کرتے تھے اور کچھ لیکچر دیتے تھے۔ طلبہ توجہ سے سنتے اور نوٹ کرتے جاتے تھے۔ پھر نوٹ کے مطالب کو دوران سبق سمجھتے ہوئے تقریر کی روشنی میں مرتب کر لیتے تھے۔ یہی نوٹ بعد میں تعلیقات کہلاتے تھے۔ حضرت محدث کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی تقریر کے بعد طلبہ کتاب کے متن کی ریڈنگ کرتے تھے اور اگر کسی طالب علم نے پڑھتے وقت اعراب کی غلطی کی تو اس کو فوراً ٹوک دیتے تھے یا اگر بعد میں کسی طالبعلم نے سوال کیا تو فرماتے تھے کہ میں نے اپنی تقریر میں اس کا جواب دیا تھا۔ آپ نے میری تقریر غور سے نہیں سنی۔ پھر دوبارہ اس کی وضاحت فرماتے تھے۔

ان کے طرز تعلیم کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ درس ختم ہونے کے بعد طلبہ منتشر نہ ہوتے تھے بلکہ آپس میں تکرار کرتے تھے۔ جو جماعت میں زیادہ لائق ہوتا وہ طلبہ کو دوبارہ درس دہراتا اور استاد کے بتائے مطالب اور معانی کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا۔ اس طرح طلبہ آزادانہ بحث و مباحثہ میں شریک ہوتے تھے۔ مولانا عبدالغفور سیوہاری نے اسی طرح حضرت محدث کی تقریر ترمذی کو قلمبند کیا۔

اس زمانے میں فضل و کمال کے اظہار کا ایک خاص طریقہ معاشرے میں رائج تھا اور وہ تھا علمی مناظرہ یا علمی بحث و مباحثہ۔ حضرت محدث اس میدان مناظرہ کے سرخیل تھے۔ ان مناظروں میں امراء، وزراء، سلاطین کے علاوہ چنیدہ علماء فضلاء شریک ہوتے تھے۔ ہر فن کے یکتائے روزگار جمع ہوتے تھے۔ ان محفلوں میں علمی مسائل، نیز تاریخی، سائنسی، معاشرتی، دینی، مذہبی غرضیکہ ہر قسم کے موضوع پر گفتگو ہوتی تھی۔ بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ پھر کوئی فیصلہ ہوتا تھا۔ یہی اس زمانے کا معیار

تھا۔ جو غالب ہو جاتا اس کو مغلوب پر برتری کا فیصلہ سنایا جاتا۔ حضرت محدث کی تقریر بڑی فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ وہ اپنے طرز ادا، زور بیان، عمدہ الفاظ اور ثبوت و دلائل سے آراستہ ہر موضوع پر اس طرح اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے تھے کہ حاضرین مجلس کا ہر فرد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور پھر تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگتے تھے۔

حضرت محدث امروہوی نے اپنی محنت، ذہانت، خداداد قابلیت کی بنیاد پر عزت و احترام حاصل کیا۔ اہل علم نے ان کی قدر و منزلت کی اور ان کی علمی قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا لوہا مانا یہی وجہ ہے کہ ان کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ نے دنیائے اسلام کی عظیم درسگاہ کا درجہ حاصل کرلیا۔ اس مدرسے میں قابل ترین، یکتائے زمانہ، علماء فضلاء درس دیتے تھے۔ جو سب کے سب آپ کے شاگرد تھے۔ امروہہ کا یہ مدرسہ اس وقت کی پوری علمی دنیا میں خاص شہرت و اہمیت رکھتا تھا۔ یہ مدرسہ طلبہ کے لئے خاص کشش رکھتا تھا۔ دور دراز سے طلبہ آ کر اس مدرسہ میں داخلہ لیتے تھے۔ حضرت محدث امروہوی کی علمی عظمت و شان کی وجہ سے طلبہ جوق در جوق آتے تھے۔ حضرت محدث امروہوی نہایت مستعدی اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض علمی و انتظامی انجام دیتے تھے اور ہر مسئلہ کو عقل و درایت کی کسوٹی پر کستے تھے۔ جس سے طلبہ میں حقیقت طلبی اور نکتہ رسی کا ذوق پیدا ہوتا تھا۔ حسن اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اللہ جمیل و یحب الجمال۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنا محبوب (معشوق) منتخب فرمایا۔

حکماء نے دو قسم کے حسن بیان کئے ہیں حسن صورت اور حسن سیرت یا حسن ظاہری و باطنی۔ حضرت محدث امروہوی ان دونوں کا مجموعہ تھے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی نے امروہہ میں مدرسہ

اسلامیہ عربیہ جامع مسجد قائم کیا۔ حضرت محدث اس مدرسے کے قائم کرنے والے بھی تھے۔ صدر المدرسین و شیخ الحدیث بھی تھے اور عملاً مہتمم بھی۔ اگرچہ ضابطے میں وقتاً فوقتاً کار اہتمام مختلف اشخاص کے سپرد ہوتا رہا۔ حضرتؒ نے مجلس شوریٰ کے مضبوط نظام کے تحت بڑی خوبی اور حسن تدبیر کے ساتھ مدرسے کو اعلیٰ منازل پر فائز کیا۔ ان کا بڑا نصب العین یہی تھا کہ علوم نبویہ کے ماہرین زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کے پیدا شدہ زہر کا تریاق مہیا کیا جائے۔ بحمد اللہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی (جو حضرت قاسم العلوم اور حضرت مولانا گنگوہی سے بھی مستفیض تھے۔) اس مدرسے کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین قرار پائے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد القدوس صاحب صدیقی شیخ الحدیث ہوئے۔ جو راقم الحروف کے استاد تھے۔

نواب وقار الملک اور محدث امروہوی

وقار الملک نواب مشتاق حسین صاحب امروہوی بڑے وضعدار، خوش اخلاق اور مذہبی انسان تھے۔ تعلیمی تحریک میں وہ سرسید کے رفقاء میں تھے لیکن جہاں تک عقائد کا تعلق ہے تو ان کو سرسید سے بڑا بعد تھا۔ نواب وقار الملک اہل علم اور دینی حضرات سے انتہائی عقیدت مندی سے پیش آتے تھے۔ حضرت محدث امروہوی سے ان کو تعلق خاص تھا۔ مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ لیکن نواب صاحب یہ چاہتے تھے کہ اس مدرسے میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ بھی عربی کے ساتھ جاری کیا جائے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنی اس رائے کا اظہار مجلس شوریٰ میں کیا۔ حضرت محدث امرہوی جن خطوط پر مدرسہ چلا رہے تھے۔ یہ بات اس کے خلاف تھی۔ اس لئے اس رائے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نواب وقار الملک نے اپنی رائے کو منوانا چاہا مگر وہ نہ مانی گئی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میں مجلس شوریٰ سے کوئی تعلق نہ

رکھوں گا۔ اس پر حضرتؒ نے اپنی خودداری کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا کہ شاید نواب صاحب یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے بغیر مدرسہ نہ چل سکے گا۔ میں نواب صاحب کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرونگا۔ بعد کو نواب صاحب نے معافی مانگ لی تھی اور باہمی تعلقات بدستور خوشگوار رہے۔ اپنی جائداد کا ایک حصہ نواب صاحب نے مدرسہ کے نام وقف کیا ہے۔ (۴۶)

اولاد

حضرت محدث امرہوی کی مختلف اوقات میں تین ازواج تھیں۔ جس میں زوجہ اولیٰ کے بطن سے بڑی تمناؤں کے بعد ایک صاحبزادے یعنی میرے والد حضرت مولانا سید محمد رضوی عرف بنے میاں اور دو صاحبزادیاں یعنی میری پھوپھیاں بتول اور سیدہ متولد ہوئیں۔ میرے والد سے آٹھ اولادیں ہوئیں۔ ہم آٹھ بھائی تھے۔ بہن کوئی نہ تھی۔ آٹھوں بھائیوں کے نام بالترتیب یہ ہیں:

(۱) سید احمد رضوی (۲) حافظ سید آل احمد رضوی (۳) سید سردار احمد رضوی (۴) الحاج سید مسعود احمد رضوی (۵) راقم الحروف ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی (۶) سید زبیر احمد (۷) ڈاکٹر سید آفتاب احمد رضوی (۸) سید سلطان احمد رضوی۔

حضرت محدث امروہوی کی جامعیت

مؤلف 'تذکرۃ الکرام' فرماتے ہیں:

''معاصر علماء میں آپ کو درجہ امتیاز حاصل تھا۔ علمی اور فقہی مسائل میں علماء کو جب شکوک وشبہات لاحق ہوتے تو حل مشکلات کی خاطر آپ ہی کی جانب رجوع کرتے۔ آپ کی رائے اور آپ کا فتویٰ، علماء کے لئے سند ہوتا۔ جلسوں کے موقع پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال اور فضلاء مجتمع ہوتے آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں اور بلند وبالا شخصیت نظر آتی اور ان مواقع پر جب بھی کسی دقیق علمی مسئلے پر گفتگو

---

(۴۶) ماہنامہ 'دارالعلوم دیوبند' جمادی الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۵

فرماتے تو علماء ہمہ تن گوش ہوکر سنتے اور آپ کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات میں وہ تمام اوصاف ودیعت کئے تھے۔ جو ایک دینی مقتدیٰ اور مذہبی وملی پیشوا کے لئے لازمی ہیں۔ صلاح وتقویٰ اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ دینوی معاملات میں بھی آپ نہایت صائب الرائے، صاحب فہم اور صاحب تدبیر تھے۔'' (۴۷)

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے ایک تعزیتی مقالے میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہر شخص جس کو کچھ تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوتے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دستگاہ ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہاک رکھنے والے اکثر معقول وفلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولانائے ممدوح محدث امرہوی میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کر دیئے تھے۔ مولانا کو تقریر، ذہانت، تبحر، اخلاق اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ وہ دقیق اور غامض علوم کو اپنے لب ولہجہ اور طرز ادا میں نہایت صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔'' (۴۸)

---

(۴۷) 'تذکرۃ الکرام' جلد ثانی تاریخ امروہہ از محمود احمد عباسی، محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۷

(۴۸) ماہنامہ 'القاسم دیوبند' ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

مناظرۂ نگینہ

نگینہ ضلع بجنور میں ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء و آریوں سے مناظرہ ہوا۔ اس میں حضرت محدث امروہوی اور اس وقت کے تمام مشاہیر اکابر نے شرکت فرمائی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فریق ثانی سے مناظرہ کیا۔ کئی دن تک محفل مناظرہ گرم رہی۔ غالباً تقدیر کا مسئلہ فریق ثانی کی طرف سے چھیڑ دیا گیا تھا۔ جو طول پکڑ گیا تھا اور کسی طرح سمٹنے میں نہ آتا تھا۔ ادھر عوام الناس کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا۔ اس دوران ایک رات حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دریا ہے اس کے کنارے پر شیخ الہند بیٹھے ہیں اور دوسرے کنارے پر حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی تشریف فرما ہیں۔ حضرت شیخ الہند نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوئی کشتی ہے نہیں جس کے ذریعہ میں آپ تک پہنچ سکوں۔ کیا کروں؟ فرمایا اس کی تدبیر میر احمد حسن سے دریافت کرو۔''

صبح کو حضرت شیخ الہند نے اس خواب کی تعبیر خود ہی نکالی کہ دریائے مناظرہ سے پار ہونے کی تدبیر میر احمد حسن امروہوی بتلائیں گے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ رات میں نے استاد مرحوم کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ صورت واقعہ تھی اور انہوں نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت امروہوی نے اولاً بطور انکسار فرمایا کہ یہ خواب و خیال کی باتیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو میں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اس پر عمل کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ مناظرہ ملتوی کر دیا جائے۔ ایسا ہو جائے کہ ایک وکیل آریوں کا اپنے مذہب کے اثبات میں تقریر کرے اور اس کو بالاتر کر دکھائے اور دوسرا وکیل مسلمانوں کی طرف سے ہو۔ جو مذہب اسلام کی تمام مذاہب عالم پر فوقیت اور اسکا باعث نجات ہونا عقلی دلائل سے ثابت کرے اور مجمع عالم میں ہر دو مذاہب کے وکیل اپنی اپنی تقریریں پیش کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آریوں نے بھی اس کو

مان لیا۔ مسلمانوں کی طرف سے متفقہ طور پر حضرت محدث امروہوی وکیل بنائے گئے۔ آپ نے آریوں اور عیسائیوں کے مجمع میں ایک معرکتہ الآ راء تقریر فرمائی جس میں عقلی دلائل کی مدد سے اسلام کی جملہ مذاہب عالم پر فوقیت و برتری ظاہر کی۔ اس تقریر میں توحید، رسالت، مقصد زندگی، سیرت رسول، سیرت صحابہ، پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی۔ حضرت محدث امروہوی کی کتاب 'افادات احمدیہ' میں یہ تقریر دعوت الاسلام کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ جو ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ روئداد مناظرہ نگینہ میں بھی چھپ چکی ہے۔ ہر مبلغ اسلام اور حکمت وعقل کی روشنی میں ملت بیضا کی برتری ثابت کرنے والے کو اس تاریخی تقریر کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ جو ہم اس کتاب کے آخر میں 'افادات احمدیہ' میں نقل کر رہے ہیں۔ اس تقریر کا یہ اثر تھا کہ تمام مجمع دم بخود تھا۔ غیر مسلموں نے اس کو سن کر کہا کہ اگر کسی تقریر پر ایمان لے آنا چاہئے تو یہ تقریر ایسی ہی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس تقریر پر تقریباً ایک ہزار آریاؤں نے حضرت محدث امروہوی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

محمد ابراہیم صاحب پھلاودی المتخلص بہ ذوقؔ نے تقریر نگینہ کے متعلق حسب ذیل قطعہ کہا ہے۔(۴۹)

تیغ زبان حضرت احمد حسن نے کیا	مضمون آب دار کا جوہر دکھا دیا
ایسی لگائی مہر کہ مخالف کے منہ تھے بند	کیا ہی نگینے پر یہ نگینہ جما دیا
کانوں نے جو سنے وہ مضامین عجیب تھے	آنکھوں سے علم قاسمی سب کو دکھا دیا
مشتاق تھے جو حضرت قاسم کی دید کے	گویا جمال قاسمی ان کو دکھا دیا
رد کر دیا دلیل سے کیا خوب کفر کو	تقریر قاسمی کا نمونہ دکھا دیا

(۴۹) 'روئداد مناظرہ' نگینہ مطبوعہ ۱۹۰۴ء

تقریر نگینہ کے اقتباسات

شروع میں مجمع کے حسب حال خالص انسانیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعد خطبۂ مسنونہ تمہیدی کلمات ارشاد فرمایا:

''اے حاضرین جلسہ! اور اے حاضرین مجلس ! یہ بندۂ ضعیف اور آپ حضرات بلکہ سب بنی آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند که در آفرینش زیک جوہرند

اس لئے ہر ایک پر ضروری ہے کہ باہم دگر ایک دوسرے کی پوری ہمدردی کرے اور کامل خیر اندیشی مجھ پر لازم کہ بحق ہمدردی آپ حضرات کی خیر اندیشی میں تا امکان کوشش کروں۔ میں اپنے خدائے برتر وحدہ لاشریک کو گواہ کر کے قسم کھاتا ہوں۔ خیر اندیشی مقصود ہے۔ اپنا کوئی مطلب ذاتی نہیں۔ لہٰذا بہ ہزار نیاز مندی یہ آرزو ہے کہ آپ حضرات میری جملہ معروضات کو فضول نہ سمجھیں اور انصاف کے ساتھ بہ طیب خاطر سنیں۔''

اسکے بعد نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ توحید ذاتی و صفاتی سے بحث فرمائی بعدہ رسالت کا اثبات کرتے ہوئے فرمایا:

''صاحبو! پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میرا ان تمام معروضات سے کوئی مطلب ذاتی نہیں صرف بحق اخوت واتحاد نوعی آپ حضرات کی خیر اندیشی مقصود ہے اور حق ہمدردی پر ان معروضات کی بناء ہے۔ پس ہزار نیاز مندانہ گزارش ہے کہ یہ زمانہ نبوت محمدی ﷺ ہے۔ بغیر اتباع محمدی نجات کا ملنا محال۔ اگر سچی نجات کی طلب ہے تو وہم و خیال کے اتباع کو چھوڑ و اور عقل صحیح اور قوت علمیہ سے۔ اس مرتبہ (درجہ) کا م لو کہ وہ غالب ہو اور وہم و خیال کو اپنا تابع بنا کر چھوڑ دو۔ حق کو حق دکھلا دے باطل کو باطل۔

صاحبو! ان کے انبیاء سے انکار اور ان کی رسالت کی عدم تصدیق دو حال سے خالی نہیں۔ زیادہ اشخاص منکرین اپنے کو اور اپنے وجود و بود کو بہ ہمہ جہت مستقل جانتے ہیں اور غیر مخلوق اور انعامات خالق برتر سے جن پر بناء حق عبودیت ہے۔ بالکل مستغنی یا اپنا وجود و بود اور اپنا خلق دوسرے خالق کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں اور دوسروں کا حق عبودیت اپنے پر لازم اور ظاہر ہے کہ دونوں شقیں کھلی شرک کو مستلزم اور علی کلا الشقین اقرار توحید باطل۔ پس ثابت اور واضح ثابت کہ اقرار توحید کو اقرار رسالت نیز لازم اور رفع لازم جو رفع ملزوم کو مستلزم۔ لہٰذا انکار رسالت، توحید کو نیز مستلزم۔ صاحبو! بالیقین جانو کہ بغیر اقرار رسالت محمدی آپ صاحبوں کا اپنے کو موجد کہنا غلط ہے۔ بے شک شرک ہے اور شرک کو مستلزم۔''

اس کے بعد سیرت رسول اکرم ﷺ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''اب شاید یہ خلجان ہو کہ حضور ﷺ کا علوم راسخہ و ملکات فاضلہ میں کامل و اکمل اور سب سے اعلیٰ و افضل ہونا کیونکر ثابت ہو اور آپ کی تعلیم میں کیا خوبی۔ سو میں ناکارہ ژولیدہ بیان کہ جس کو نہ کمال علمی حاصل نہ کمال عملی نصیب۔ ان معارف الہیہ و مواہب لدنیہ یعنی علوم راسخہ و ملکات فاضلہ کی کہ قلب محمدی جن کا مخزن تھا اور معدن۔ اس تھوڑے سے وقت میں کیا تفصیل بیان کر سکتا ہوں اور بجز اس اجمال کے کہ جو کمالات دوسروں میں فرادیٰ فرادیٰ تھے۔ اس مرکز کمالات میں سب مجتمع تھے اور عالم مخلوق میں وہ منفرد الذات والصفات اس مصرعہ کا مصداق صحیح۔

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور کہہ سکتا ہوں مگر تاہم اند کے بسیارے و مشتے نمونہ از خروارے آپ کے فضائل علوم و محاسن، اخلاق و احوال، اپنے علم ناقص کے اندازے کے مطابق کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں۔ سو سنئے! آپ ایسے زمانۂ پر آشوب میں پیدا ہوئے کہ جہالت و ضلالت کا پورا زور تھا اور کفر و شرک کا پورا جوش۔ کفر و شرک کی بغاوت و سرکشی کا اثر

تا بہ آستانۂ عالیہ پہنچا ہوا تھا۔ جاہلان عرب نے خود دارالسلطنت و دربار شاہی یعنی خانۂ کعبہ کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور خود حاضر باشان درگاہ اقدس و ساکنان مکہ معظمہ شرک و کفر میں مبتلا اور وہ بھی اس مرتبہ (درجہ) کی کہ ایک نہیں دو بقدر شمار ایام سال خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور بقول شخصے۔

ہر روز انھیں چاہئے ایک تازہ خریدار

صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

ہر دن کے لئے نیا بت تھا۔ ملک عرب کی یہ جہالت یہ بداخلاقی کہ باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا دشمن اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا۔ عرب کی جہالت عرب کی خانہ جنگی ضرب المثل۔ آپ کی وہاں ولادت اور وہاں بعثت اور وہ بھی اس حال میں کہ نہ باپ سر پر نہ دادا۔ چچا کی سرپرستی اور تربیت میں پرورش پائی۔ یہ حالت کہ فقر و فاقے پر مدار۔ سامان علم و تہذیب و سامان ترقی کیا تھے اور کیونکر میسر بقول شخصے کہ نہ یار ہے نہ مددگار ہے نہ زور نہ زر۔ بلکہ آپ محض اُمّی رہے اور پڑھے لکھوں کی صحبت تک میسر نہ ہوئی۔ اس پر جب آپ نے بعثت کے بعد کلمہ توحید کی تبلیغ کی اور شرک کی بیخ کنی کی۔ ہر زن و مرد، چھوٹا بڑا آپ کا دشمن ہو گیا اور جو اذیتیں آپ کو دیں سب کو معلوم۔ آخر یہ نوبت کہ اپنا وطن مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ باین ہمہ بے کسی و بیگانگی اُمّی ہو کر ملک عرب کو اپنے کمالات علم و عملی کے ساتھ اس مرتبہ ممتاز فرمایا اور درجے کا مہذب بنایا کہ ان کا علم اور ان کی تہذیب ضرب المثل ہو گئی۔ شرک کی وہ بیخ کنی فرمائی کہ تمام جزیرۃ العرب گو اور معاصی ہوں نہ شرک اب تک ہوا نہ انشاء اللہ آئندہ کو الی یوم القیامتہ ہو۔ وہاں کے عوام و جہال کی وہ پختہ توحید کہ دوسری جگہ کے علماء و خواص کو بھی نصیب نہیں۔ قبائل کے قبائل جن میں دوامی عداوت تھی ان کا باہمی عناد اور فساد بوجہ توارث و دوام کے گویا جبلی ہو گیا تھا۔ جیسے اوس و خزرج آپ کی فیض صحبت اور آپ کے فیض صحبت اور آپ کے اخلاق حمیدہ کی بدولت ایک جان دو

قالب ہو گئے اور شیر و شکر ہونے لگے۔

صاحبو! یہ جملہ اثر نیک، علوم راسخہ و ملکات فاضلۂ محمدی اور آپ کے اخلاق کا نز.کا تھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

صاحبو! کسی کی سچی بزرگی و مقبولیت اور اس کے اصلی باکمال ہونے کا یہ بڑا ثبوت کا ٹر؛ ہے کہ اسی کے گھر کے لوگ اور اہل قرابت زن و فرزند، بھائی، برادر اور اس کے ہر تت کے خدمتی، یاران مجلس و حاضر باشان خدمت کو اس کے ساتھ خالص عقیدت ہو۔ دل و جان سے اس کے فریفتۂ کمالات ہوں اور جان و مال سے اس پر شیدا۔ چندر، ز ہ صحبت کو اغیار کے ساتھ اخلاق و عادات حمیدہ اور اعمال و احوال حسنہ مصنوعی ظاہر؛ کے گزارنا سہل اور مصنوعی طور پر ان کے سامنے بزرگ بننا آسان مگر ہر وقت کے، حاضر باشان خدمت جن کو درونی و بیرونی معاملات و عادات سے پوری اطلاع ہوتی ہے اور ان پر کوئی حالت ظاہر و باطنی مخفی نہیں رہ سکتی۔ تاوقتیکہ وہ ملکات فاضلہ جبلی، داصلی نہ ہوں۔ بے شک فریفتۂ کمالات۔ سچے مخلص اور پورے عاشق نہیں ہو سکتے۔۔ بندہ خوبی تعلیم محمدی اور اخلاق محمدی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آپ کی خوبی اس مرتبہ کی کہ بعد بعثت تھوڑی مدت میں اپنے دین قدیم کی کہیں سے کہیں اشاعت فرمائی اور بعد وفات اپنی تعلیم کا وہ سچا اچھا اثر چھوڑا کہ بغیر سامان حرب و ضرب، بغیر قوت زور و زر، فقر و فاقہ کی حالت میں افضال خداوندی کے بھروسہ پر تھوڑی جماعت صحابہ کو سلاطین کا مقابلہ کرنا سہل ہوا۔ اکناف عالم میں اس دین پاک کی روشنی پھیل گئی۔ خزائن سلاطین، غنیمت میں داخل ہوئے اور پھر وہ سچا اثر اب تک باقی کہ بفضل تعالیٰ اس دم تک وہ روشنی پھیل رہی ہے اور پھیلتی جاتی ہے۔ زمانۂ حیات میں بعض سلاطین زمانہ آپ کے آستانۂ عالی کے غلام ہوئے اور فتوحات کی ہر طرف سے آمد مگر آپ کا زہد فی الدنیا اس مرتبہ (درجہ) کی حضرت عائشہ زوجہ مطہرہ حضور اقدس روایت کرتی ہیں کہ مہینوں آپ کے گھر میں نہ چراغ جلتا تھا نہ آگ روشن ہوتی تھی۔ مدار قوت، پانی اور مدینے کی کھجوروں پر۔ بیشتر کھانا

آپ کا جو کی روٹی تھی۔ ہمیشہ موٹے قسم کا لباس پہننا۔ وہ لباس پاک جس میں حضور نے وفات پائی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ موٹے قسم کا تھا اور اس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ ہار؛ عبادات و مرضیات خالق میں یہ سرگری کہ راتوں کو کھڑا رہنا اور عبادت و ریاضت شاقہ میں بسر کرنا۔

صاحبو! حضور سرور عالم اور آپ کے آل و اصحاب کی یہ مختصر سوانح عمری ہے۔ جس سے آپ کا نبی اور سچا ملہم ہونا واضح ثابت۔ بیشک ملہم کی سچائی کی بڑی دلیل اس کی سوانح عمری ہو سکتی ہے۔ دیکھو ان سوانح محمد و اصحاب محمدی سے آپ کے علوم راسخہ اور اخلاق فاضلہ کا علی وجہ الکمال والجمال ہونا کس مرتبہ (درجہ) بداہتاً ثابت ہوتا ہے۔ اور علی ہذا آپ کی خوبی تعلیم کس درجہ روشن۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہم خود آپ کی ذات جامع کمالات کو سب سے افضل، اعتقاد کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس اعتقاد کے ساتھ مکلف، جس کو تردد ہو، دوسروں کے کمالات علمی و عملی دوسروں کی سوانح عمری دکھائے اور موازنہ کرے:

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا ‏ ‏ یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

سوانح محمدی کے بعد ارکان نماز کی خوبی عقلی حیثیت سے فرمارہے تھے کہ وقت ختم ہو گیا۔ تقریر کے آخر میں فرمایا افسوس کہ مجھ پر وقت معینہ کی مدت پوری ہونے کی اطلاع دے کر بار بار تقاضا کیا جاتا ہے کہ میں اس بیان کو ختم کر دوں اور اس کے دائرہ وسیع کو تنگ۔ ناچار میں بیٹھتا ہوں کاش مجھ کو وقت کی توسیع ہوتی۔ تو انشاءاللہ تعالیٰ تمامی احکامات شریعت محمدیہ کی لم و حکمت کو پوری توضیح کے ساتھ واضح کر دکھاتا۔ اور چوں کہ محکوم تھا کہ جو کچھ کہوں، بروئے عقل کہوں۔ لہٰذا ہر مدعا، ہر مطلب کو اپنی عقل نارسا کے موافق عقلی دلائل و عقلی براہین سے ثابت کیا گیا۔ اگر قصور ہو، میری عقل نارسا کے حوالے سے فرمایا جائے۔

الحمد للہ الذی کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

☆☆☆

ردقادیانیت

یہ بات علمی حلقوں سے پوشیدہ نہیں کہ مرزائے قادیانی کی مصنوعی اور خواہ مخواہ مسیحیت و مہدویت کی تصدیق کرنے والوں کے مولوی محمد احسن اور بھیرہ کے حکیم نورالدین نمایاں پوزیشنیں رکھتے تھے اور دونوں اشخاص کو مرزا پر ایمان والے شخیں کا ہم مرتبہ قرار دیتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک اول الذکر کے متعلق مورخ امروہہ نے تذکرۃ الکرام میں لکھا ہے کہ:

''انھوں نے آخر عمر میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کی تصدیق کی اور جماعت احمدیہ (مرزائیہ) میں داخل ہوکر احمدی (مرزائی) مشرب کی تبلیغ کرتے رہے۔ آخر میں لکھتے ہیں۔ قادیانی مشن کی جانب سے گھر بیٹھے تنخواہ برابر ملتی رہی۔'' (۵۰)

پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور ان سے تحریری مناظرہ ہوا اور آخر میں پیر صاحب نے اپنا بہترین علمی وتحقیقی شاہکار 'سیف چشتیائی' لکھ کر مرزا پر اور ان کے خاص مرید محمد احسن پر حجت تمام کردی تھی۔ جب فتنۂ قادیانیت حضرت محدث امروہوی کے وطن میں آستین بر رخ کشیدہ ہوا اور ایک ذی علم شخص اس کا شکار ہوا۔ ایسے وقت میں ان کی رگ حمیت جوش میں آئی اور انھوں نے اس فتنے کو فرو کرنے کی انتہائی کوشش اور جدوجہد فرمائی، تقریریں کیں، تحریریں لکھیں، مناظرہ کرایا اور مباہلے پر تیار ہوگئے۔ اس میں شک نہیں کہ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رد قادیانیت میں ان چار مجاہدین اسلام کے نام سرفہرست ہیں۔

(۱) مولانا سید انور شاہ کشمیری (۲) مولانا ثناء اللہ امرتسری (۳) مولانا محمد حسین بٹالوی (۴) مولانا محمد علی مونگیری۔

---

(۵۰) 'تذکرۃ الکرام' از محمود احمد عباسی، محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء۔ صفحہ ۴۵

مولانا ندوی نے میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے مولانا ندوی کو خط لکھا تھا اور اس اہم فروگزاشت پر توجہ دلائی تھی۔ اس کے جواب میں مولانا ندوی نے مجھے اظہار شرمندگی کا خط لکھا جو میرے بارے میں کتاب 'مشاہیر کے خطوط بنام ڈاکٹر وقار احمد رضوی' میں شائع ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا کے دعویٔ نبوت کی ابتدا ہی میں اگر پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت محدث امروہوی جیسے اکابر وقت، بے پناہ علمی حیثیت سے اس دجل و مکر کا قلع قمع نہ کرتے تو بعد والوں کے کاندھوں پر اس فتنے کی تردید کا زبردست بوجھ پڑ جاتا۔ محمد احسن کی لایعنی و مرعوب کن تاویلات کی قبا کو (جن تاویلات کے بل بوتے پر مرزا کی خانہ ساز مسیحیت، حق و صداقت سے نبرد آزما نے چلی تھی) حضرت محدث امروہوی نے پوری قوت کے ساتھ تار تار کر کے فضائے آسمانی میں اڑا دیا تھا، آپ نے بروقت اس دجالیت کا استیصال کیا اور طلبہ و عوام کی ایک بڑی جماعت آغاز ہی میں آپ کی بدولت اس تحریک کے پس منظر سے خبردار اور ان اشکالات کے جواب سے واقف ہوگئی تھی۔ اگر اس فتنہ کا منہ امروہہ کی سرزمین پر اسی وقت بند نہ کیا جاتا تو تمام یوپی میں سیلاب بن کر اس فتنے کے پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔

مناظرہ و مباہلہ کی دعوت

ایک وقت ایسا آیا جب حضرت محدث امروہوی نے مرزا سے مباہلہ کا اعلان کر دیا۔ محمد احسن قادیانی کی مرتب کردہ روئداد مباحثہ رامپور سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت محدث امروہوی مرزائے قادیانی کو تحریر فرماتے ہیں:

''بسم اللہ آپ تشریف لایئے۔ آپ اپنے سچے موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں بنام خدا مستعد ہوں۔ خواہ مناظرہ کرلیں خواہ مباہلہ۔ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث صحیحہ معتبرہ اور قرآن پاک سے ثبوت دیں اور میں انشاء اللہ اس دعوے کی قرآن و احادیث صحیحہ سے تردید کرونگا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ راقم خادم الطلبہ واحقر الزمن احمد حسن غفرلہ مدرس مدرسہ عربیہ امروہہ۔ (۵۱)

(۵۱) روئداد مباحثہ رامپور، مطبوعہ ۶ رفروری ۱۹۰۹ء، صفحہ ۵۶

امروہہ میں حضرت محدث امروہوی کے ایک شاگرد مولانا بدرالدین امروہی قادیانی ہو گئے تھے پھر حضرت محدث کے سمجھانے پر تائب ہوئے۔

رامپور میں مناظرہ

امروہہ میں قادیانیت کی بنیاد رکھنے کے بعد قادیانیوں نے ریاست رامپور کو مرکز بنانا چاہا تھا اور وہاں اس فتنے سے بعض اشخاص متاثر بھی ہو گئے۔ حضرت محدث امروہوی نے سرزمین رامپور پہنچ کر مجلس مناظرہ منعقد کرائی۔ اکابر دیوبند ان کے ہمراہ تھے۔ قادیانیوں کے تمام اصاغر و اکابر رامپور میں جمع ہو گئے تھے۔ نواب حامد علی خان والیٔ ریاست رامپور کے زیر اہتمام قلعہ رامپور میں یہ مناظرہ ہوا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اہل اسلام کی طرف سے مناظر تھے۔ حضرت محدث امروہوی کی یہاں پر بھی تقریر ہوئی۔ مناظرہ اور تقریر کا یہ اثر ہو کہ قادیانیت رامپور میں مرجھا گئی۔ حضرت محدث امروہوی نے اس مناظرہ کی روئداد بصورت مکتوب پھلاودہ اپنے شاگرد مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی کو روانہ کی۔ اس میں انتہائی خوشی کے ساتھ اپنی جدوجہد کا تذکرہ فرمایا ہے اور حق کی فتح پر اظہار شادمانی کیا ہے۔ مناظرہ کی مکمل روئداد اخبار اہل حدیث کے فائل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ مناظرہ ۱۵ر جون ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ھ کو ہوا تھا۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھلاودی نے اس مناظرہ کی مندرجہ ذیل تاریخ نکالی ہے۔

چو از مبحث بدر زد نام احسن
شکست آمد بہ شان میرزائی

۱۳۲۷ھ

مرزا کا رسالہ دافع البلاء اور اس کا موضوع

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ مرزا قادیانی کے اثرات محمد احسن کے ذریعہ امروہہ میں پہنچ رہے تھے۔ حضرت محدث امروہویؒ نے جامع مسجد اور عیدگاہ میں اپنی پر اثر تقاریر سے اس فتنے کی پوری علمی قوت سے تردید کی۔ محمد احسن کو جرأت نہ

ہوتی تھی کہ وہ حضرت محدث کی علمیت کے مقابل آسکے۔ اس تردید کی اطلاعات وہ مرزا کو دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ مرزا نے اپنے رسالے دافع البلاء میں ان اطلاعوں سے متاثر ہوکر لکھا اور حضرت محدث امروہوی کو براہ راست اس میں مخاطب کیا اور اپنی پیشگوئی سے آپ کو بھی مرعوب کرنا چاہا لیکن مولانا نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری فرمایا کرتے تھے کہ میرا وجود مرزا کے بطلان کی قد آدم دلیل ہے کیونکہ مرزا نے ان سے مباہلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ کاذب، صادق کے سامنے مرجائے گا۔ مولانا امرتسری ۱۹۴۷ء تک بقید حیات رہے۔ اسی طرح حضرت محدث امروہوی عقیدۂ اہل سنت والجماعت کی حقانیت کا ایک مجسم وزندہ ثبوت تھے۔

مرزا نے حضرت محدث امروہوی کے بارے میں کیا کیا پیش گوئیاں نہیں کیں اور مباہلے کے چیلنج کو اپنی افتادِ طبع کے مطابق کڑواہٹ اور سختی کے ساتھ قبول کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ مرزا ۱۹۰۸ء کو مرگیا اور حضرت محدث امروہوی ۱۹۱۲ء میں عالم آخرت کو سدھارے یہاں بھی کاذب وصادق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ردقادیانیت پر حضرت محدث امروہوی کی ایک عربی تقریر

لاریب فی اَنّ المسیح بن مریم رفعہ اللہ الی السماء حیا وما قتلوہ وما صلبوہ یقیناً بل شبہ لھم وسینزلہ اللہ تعالیٰ عند قرب الساعۃ بعد خروج الدجال فی جامع دمشق عند منارتہ الشرقیہ بین مھرودتین واضعا یدیہ علی الملکین یقطر الماء من رأسہ کانہ خرج من دیماس فیکسر صلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیہ ویقتل علی یدیہ الدجال الاکبر ویموت الکافر من نفسہ الشریفہ ویقتل الی حیث ینتھی بصرہ اللطیفہ قول حق لایاتیہ الباطل بین یدیہ ولا من خلفہ کمانطق بہ کتاب اللہ واخبر بہ النبی الصادق المصدوق ولا ینبئک مثل خبیر فمن قال انہ مات وادعی نفسہ بأنہ المسیح الموعود فقد شاق اللہ ورسولہ واعرض عن النصوص الظاہرۃ فی کتابہ وکتاب رسولہ وخالفھما وخالف الامر الثابت فی الدین۔ من یشاقق الرسول بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتوتی۔

جهنم وساءت مصیراً۔ الا انهم لیقولون منکراً من القول وزوراً۔ الا انه فریة بلا مریة کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا۔ الا انهم فی مریة من لقاء عیسیٰ۔ الا انهم فی شک منه۔ وسیُبطِلُ اللّٰہُ مایقول و یفتح بیننا و بینه بالحق واللہ خیر الفاتحین۔ وھو علی ذلک کله وکیلُ وکفی به وکیلا۔ فیا ایھا الذین آمنو او صدّقوا بکتاب اللہ وکتاب رسوله علیکم ان تکونوا من ھذا الضال المُضِل علی طرف بعید وحذر شدید فانه من دجّال ھذه الامته۔ صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسوله الکریم لاتقوم الساعته حتی یبعث الکذبون دجالون قریب من ثلثین کلهم یزعم انه رسول اللہ واللہ سبحانه وتعالیٰ یھدی من احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامروھوی غفرله لوالدیه واحسن الیھما والیه۔

اردو ترجمہ:

''اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسیح بن مریمؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔ انھوں نے ان کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اس بات کا شبہ ہوگیا (کہ وہ قتل کردیئے گئے یا صلیب چڑھادیئے گئے) وہ قرب قیامت میں خروج دجال کے بعد دمشق کی جانب شرق کے منارہ کے نزدیک اتریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نازل کرے گا۔ وہ زرد چادروں میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا۔ گویا وہ ابھی غسل خانے سے غسل کرکے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کردیں گے۔ جزیہ موقوف کردیں گے۔ دجال اکبر ان کے ہاتھ قتل ہوگا۔ ان کی سانس (پھونک) سے کافر مرجائیں گے۔ جہاں تک ان کی نظر جائے گی باطل ختم ہوجائے گا۔ یہ باتیں حق ہیں۔ اس میں باطل کو راہ نہیں۔ کتاب اللہ سے اور نبیؐ صادق ومصدوق ﷺ کے اقوال سے یہی ثابت ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح بن مریم وفات پاگئے اور وہ خود نعوذ باللہ مسیح موعود ہے، اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کی اور اس نے کتاب اللہ اور احادیث کے نصوص سے اعراض کیا اور امر

ثابت کی مخالفت کی۔ ومن یشاقق الرسول آیت کا مصداق ہے۔اس نے ہدایت کے آنے کے بعد اس کے خلاف کیا اور ایسی راہ کی پیروی کی جو مسلمانوں کے خلاف ہے۔اس کا ٹھکانہ یقیناً جہنم ہے اور اس کا انجام برا واضح باد کہ وہ مرزائی جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔وہ بڑا بول بولتے ہیں۔نزول عیسیٰ کے منکر ہیں۔

عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے قول کو باطل کردکھائے گا اور حق کی فتح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے۔اے مسلمانو! اور اے کتاب اللہ اور کتاب رسول کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کن شخص سے بچو اور اس سے میل جول سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ یہ اس امت کا دجال ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تین جھوٹے دجال نہ آجائیں۔ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔نعوذ باللہ۔اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔وہ سب سے زیادہ علم والا ہے۔اس کا علم مکمل واکمل ہے۔

ایک ذی علم کا قادیانیت میں ابتلا اور اس سے نجات

مولوی بدرالدین امروہوی حضرت مولانا محدث امروہوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ان کی آمد ورفت محمد احسن قادیانی کے پاس ہوگئی۔اس کی باتیں سن کر حیات مسیح میں شک وتردد ہوا۔اہل علم دوستوں نے ہر چند ان کو سمجھایا لیکن ان پر باطل کا اثر ہوگیا تھا اس لئے کسی کی نہ سنتے تھے اور الٹا مناظرہ کرتے تھے۔حضرت محدث امروہوی کو اطلاع ہوچکی تھی۔ایک دن ان کو حضرت کے پاس لایا گیا یا وہ خود بخود آئے۔حضرت محدث امروہوی نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ مولوی بدرالدین حقیقت میں تم ہمارے طبیب روحانی ہو۔ہمیں یہ غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد، ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔تم نے ہمارے غرور کی اصلاح کردی نہ معلوم کس جذبے سے یہ الفاظ فرمائے کہ مولوی بدر

الدین زار زار رونے لگے اور قدموں میں گر گئے اور فاسد عقیدے سے توبہ کی۔

عادات واخلاق

حضرت مولانا محدث کو اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اخلاق حسنہ کا مجموعہ تھے۔ دین کی حمایت میں غصہ و جلال نمودار③ جاتا تھا۔ تواضع، مہمان نوازی، شفقت، الخلق اور صلۂ رحمی میں فرد تھے۔ علم کا وقار اور دین کی عظمت قائم رکھنے کے لیے خودداری کے ساتھ رہتے تھے۔ پوری عمر درس و تدریس وعظ و پند، امر بالمعروف و نہی عن المنکر گزاری۔ اپنے شاگردوں سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان پر دوران تعلیم سختی بھی بر بنائے شفقت و محبت کرتے تھے۔ اہل سنت و الجماعت کے فروعی اختلافی غیر ئل کو حکمت سے سلجھاتے تھے۔ جھگڑے یا شوظرے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے۔ بیضا کی ترقی کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا۔ دین میں خلل ڈالنے والا کوئی فتنہ ہوتا تو اس کی فوراً خبر لیتے اور جلد ختم کرنے کی کوشش فرماتے۔

عوام الناس سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مریضوں کی عیادت کیلئے جاتے تھے۔ شہری وعظ کے لئے کوئی بلاتا تو بلا تکلف اس کے گھر پہنچ کر وعظ فرماتے۔ شادی و غمی کی رسم ورواج اور بدعات کی روک تھام کرتے تھے۔ شہری طلبہ کے ورثاء سے ✠ تھے۔ علم دین کی ضرورت اور اس کی فضیلت بیان کرتے۔ علوم عربیہ کی عظمت عام ذہنوں اور دماغوں میں پیدا کرتے۔ اپنی جد وجہد سے انھوں نے کافی تعداد طلبہ کی جمع کر لی تھی۔ باہر کے طلبہ کو مہمانان رسولؐ تصور کرتے ہوئے اور طلبہ کے حق میں وصیت رسول اللہ ﷺ کو پیش نظر رکھ کر ان کی ہر طرح کی نگہداشت و نگرانی فرماتے تھے۔ اولیاء اللہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی۔ اپنے وطن کے بزرگان دین کے مزارات پر کبھی کبھی برائے فاتحہ حاضر ہوتے تھے۔ اپنے عزیزوں کے ع نوں پر خیریت معلوم کرنے کے لئے پابندی سے تشریف لے جاتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے جب ملتے تو ان سے خوش طبعی سے باتیں کرتے۔ حکام

وقت سے برابری اور خودداری کے ساتھ ملتے اور شہر کی کوئی ضروری آواز ہوتی ان کو پہنچاتے تھے۔ انگریز اور اس کی تہذیب سے سخت نفرت تھی۔ درس میں بعض اوقات فرماتے کہ کون سا وقت آئے گا کہ میرے ہاتھ میں تلوار آئے گی اور ان کیری آنکھوں والوں (انگریزوں) سے جہاد کرونگا۔

حلیہ

میانہ قد، دوہرا جسم، خوبصورت و حسین چہرہ، ڈاڑھی پر آخر میں وسمہ و مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ ان کا حسن مشہور تھا۔ دینی عظمت و شوکت کے ساتھ ساتھ سراپا حسین شخصیت تھے۔ ان کا چہرۂ تاباں اسلامی عظمت کا مظہر تھا۔ ان کی جبیں روشن، حسن اخلاق کا آئینہ تھی۔ شہر والوں کا بیان ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔

چہ خط، چہ رخ، چہ جبیں لا الہ الا اللہ

لباس

لباس عمدہ اور نفیس پہنتے تھے۔ مگر بعض اوقات سفر میں معمولی کپڑے زیب تن فرمانے میں عار نہ تھا۔ معمولی سے معمولی کپڑا بھی حضرت کے جسم مبارک کو زیب دیتا تھا۔ عمامہ ایک خاص طرز پر باندھتے تھے۔ جو بہت خوش نما معلوم ہوتا تھا۔ عینک لگاتے تھے۔

تکلیف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

عید کے دن اعلیٰ درجے کا لباس پہنتے تھے۔ جب آپ اپنے مکان سے ایک بڑے مجمع کے ساتھ عید گاہ جاتے تو لوگ کھڑے ہو کر ان کے جمال دل افروز اور حسن دلکش کا نظارہ کرتے تھے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے ایسے بزرگوں کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور عقیدت کی آنکھوں سے زیارت کی۔ دادا صاحب کے انتقال کے وقت میرے والد کی عمر ۱۴ سال تھی۔ تو مجھے یہ موقع

کہاں ملتا۔

مہر کا سجع

حضرت محدث امروہوی کی مہر پر، اول اول اسمہ احمد کندہ تھا۔ بعدہ یہ مصرعہ بطور سجع کندہ ہوا۔ دل مرتضٰی جان احمد حسن۔

تصانیف

چونکہ درس تدریس میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔ اس لئے حضرت کو تصنیف وتالیف کی فرصت نہ ملی۔ تاہم حسب ذیل کتابیں ان کی علمی یادگار ہیں:

۱- افادات احمدیہ قلمی

اس کو مولانا محمد یحیٰی شاہ جہانپوری نے مرتب کیا تھا۔ جو حضرت کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد حسن سنبھلی مرحوم اور حضرت محدث امروہوی کے درمیان ایک علمی مسئلہ پر ایک تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ طرفین کی پوری خط وکتابت اس میں درج ہے۔ آخر میں مولانا محمد حسن سنبھلی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ کتب خانہ پھلاودہ میں یہ نسخہ موجود ہے۔ کافی ضخیم قلمی کتاب ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

۲- افادات احمدیہ مطبوعہ

حضرت کے علمی وتحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ حضرت کی وفات کے بعد مفتی کفایت اللہ دہلوی کی نگرانی میں شائع ہوئی۔ قابل دید کتاب ہے۔ اب نایاب ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

حضرت شیخ الھند اور حضرت محدث امروہوی

حضرت مولانا محمود الحسن محدث دیوبندی اور محدث امروہوی میں خلوص و محبت کے مراسم تھے۔ جب حضرت محدث امروہوی دیوبند تشریف لے جاتے تو حضرت شیخ الھند کے لئے عید ہو جاتی۔ باغ باغ ہو جاتے تھے اور جب حضرت شیخ

الھند امروہہ تشریف لاتے تو حضرت امروہوی پھولے نہ سماتے۔ شاد شاد ہو جاتے۔

حضرت شیخ الھند اسی تعلق کی بناء پر کئی مرتبہ امروہہ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الھند نے اپنے استاد بھائی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا وہ ایک غمگین کی درد بھری آہ ہے۔ جو دل سے نکل کر دل پر اثر کر رہی ہے کہ اس مرثیہ کا ایک ایک لفظ جذبات غم کا آئینہ دار ہے۔ حضرت شیخ الھند اپنے استاد بھائی کے صاحبزادے یعنی راقم الحروف کے والد مولانا سید محمد رضوی پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ بعض اوقات ان کو دیکھ کر جوش محبت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ مالٹا کے خطوط میں میرے والد کا بار بار ذکر ہے اور ایک مکتوب میں حافظ زاہد حسن امروہوی کو لکھا کہ ''یہ تو فرمایئے کہ مولانا مرحوم حضرت محدث کے صاحبزادے کس مشغلہ میں ہیں۔ کتب ضروریہ سے فارغ ہو چکے؟ اللہ کرے بخوبی فارغ ہو کر اپنے مقدس بزرگوں کے پیرو ہوں۔''

مالٹا سے ایک دوسرے خط میں ارقام فرماتے ہیں:

''قاری سید محمد رضوی صاحب کو سلام مسنون۔ کاش آپ یہ بھی لکھتے کہ کتب درسیہ سے فارغ ہو گئے اور اب یہ مشغلہ ہے۔''

مولانا حافظ احمد بن محمد قاسم نانوتوی اور حضرت محدث امروہوی

اپنے روحانی رشتہ کی بناء پر حضرت حافظ احمد صاحبؒ امروہہ میں کئی مرتبہ تشریف لائے۔ دادا میاں، استاد زادے کی آمد پر بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ ربط الفت اور کشش محبت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت امروہوی کے انتقال پر صاحبزادہ حافظ محمد احمد صاحب۔ آخری دیدار کرنے امروہہ بروقت پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

حضرت مولانا تھانوی اور حضرت محدث امروہوی

مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت محدث امروہوی کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے اور مولانا تھانوی کو حضرت محدث امروہوی سے تعلق کی خاطر تھا۔ مراد

آباد میں موتمر الانصار کے جلسے میں تمام اکابر ملت جمع تھے۔ مختلف مکانوں میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ ایک دن حضرت محدث امروہوی ایک خاص مشورے کے لئے سب کو ایک جگہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ اپنے شاگرد مولانا انوارالحق عباسی کو بھیجا کہ مولانا اشرف علی تھانوی سے کہیں کہ مجھے ایک مشورہ کرنا ہے میں خود ان کے پاس آؤں یا وہ میری قیام پر آجائیں گے۔ جب یہ پیغام مولانا تھانوی نے سنا تو گھبرا کر فرمایا تکلف نہ فرمائیں۔ ہم سب ان کی قیام گاہ پر آرہے ہیں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا تھانوی کے ایک دو ملفوظات مولانا محدث امروہوی کے بارے میں پیش کروں۔ خواجہ عزیزالحسن مجذوب مرحوم اشرف السوانح جلد اول میں لکھتے ہیں۔ (۵۲)

''حضرت مولانا سید احمد حسن امروہوی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشد تلامذہ سے تھے اور طریق باطن میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ مشاہیر علمائے ہند میں تھے اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریر و تحریر اور مہارت مناظر شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کا اور حضرت مولانا تھانوی کا مختلف جلسوں میں مختلف مقامات پر بار بار ساتھ ہوا اور دونوں کو تقریر کرنے اور ایک دوسرے کا بیان سننے کا اتفاق ہوا۔ جانبین ایک دوسرے کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت تھانوی عمر میں بہت چھوٹے تھے۔''

ایک بار مولانا تھانوی امروہہ میں حضرت محدث امروہوی کے یہاں مہمان ہوئے۔ اتفاق سے بیت الخلاء پوچھنا بھول گئے۔ پچھلی شب جو تقضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو سخت پریشان ہوئے کہ اس وقت کس سے پوچھا جائے۔ اسی شش و پنج میں تھے کہ یکایک حضرت مولانا گھر سے باہر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ استنجے کی ضرورت تو نہیں؟ مولانا تھانوی نے ضرورت ظاہر کی تو پردہ کرا کے زنان خانے میں لے گئے۔ بیت الخلاء میں حضرت مولانا امروہوی نے خود اپنے دست مبارک سے استنجے کے ڈھیلے اور پانی کا لوٹا رکھا۔ مولانا تھانوی کو سخت گراں گزرا اور

---

(۵۲) اشرف السوانح جلد اول از خواجہ عزیزالحسن مجذوب مرحوم صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸۔

بہت پس و پیش کی حالت میں کہا کہ حضرت یہ ڈھیلے تو اب تبرک ہو گئے اب استنجاء کا ہے سے کیا جائے۔ اس پر مولانا امروہوی نے بغایت تواضع فرمایا۔ کیا ہوا اگر میں نے رکھ دیئے۔ مولانا تھانوی اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ہماری جماعت میں مولانا نفیس لباس پہنتے تھے۔ جو بہ ظاہر تکلف کی حد تک پہنچا ہوا تھا چنانچہ مجھ کو یہی گمان تھا لیکن اس دن سے مولانا کی تواضع، بے تکلفی اور سادگی کا بے حد معتقد ہو گیا۔ یہ سمجھ گیا کہ مولانا کی خوش لباسی کا منشاء، نفاست و لطافت مزاج ہے نہ کہ تکلف۔ مولانا تھانوی نے بعض پر لطف مناظرے، مکالمے جو نو تعلیم یافتہ سے ہوتے تھے۔ مناسب دلچسپی سے لکھے ہیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ مولانا تھانوی نے ملفوظات ہفت اختر میں حضرت محدث امروہوی کے طرز استدلال سے متعلق درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک مولوی صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے۔ کسی اسٹیشن پر کسی ضرورت سے اترے۔ چند طلباء انگریزی خوان سوار ہوئے اور ان کے اسباب کو منتشر کر دیا۔ انھوں نے کہا۔ آپ لوگوں کی یہی تہذیب ہے؟ خیر وہ شرمائے اور اسباب بدستور رکھ دیا۔ لیکن اپنی شرمندگی کا ہدف مولوی صاحب کو بنانا چاہا اور موقع کے منتظر رہے۔ مولوی صاحب نے اتفاق سے نماز پڑھی۔ بعد فراغت نماز ان طلبہ نے کہا کہ ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں؟ کہا ہاں تو پوچھا کہ نماز فرض ہے؟ اتنا تجاہل کیا گیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا 'ہاں فرض ہے۔' سوال ہوا کہ پنجگانہ نماز فرض ہے اور ہر جگہ فرض ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ پنج وقتہ اور ہر جگہ فرض ہے۔ طلبہ نے سوال کیا کہ جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے وہاں کس طرح ادا کریں گے؟ مولانا نے جز بز ہو کر جواب دیا کہ آپ لوگ وہاں سے آ رہے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ پوچھا جا رہے ہیں؟ طلبہ نے جواب دیا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا ان فضول باتوں سے کیا حاصل۔ اس پر طلبہ نے اور ایک دوسرے صاحب جو میانہ عمر تھے، انھوں نے قہقہہ لگایا۔ اس سے مولانا کو خفیف ہونا پڑا۔ انھیں

میانہ عمر والے کے قہقہے پر غصہ آ گیا۔ اگلے اسٹیشن پر پہنچ کر ان کی گاڑی میں تشریف لے گئے اور موقع کے منتظر رہے۔ اتنے میں وہی صاحب نماز کے لئے اترے اور طلبہ بھی اتر گئے۔ مولانا امروہوی بہت خوش ہوئے کہ یہ تو نمازی آدمی ہیں۔ ان کو سمجھانا سہل ہوگا۔ جب نماز پڑھ چکے تو مولانا امروہوی نے ان سے پوچھا کہ میں کچھ دریافت کرسکتا ہوں؟ نہایت بددماغی سے جواب دیا 'ہاں'۔ کیونکہ مولانا موصوف سادے لباس میں تھے۔ دریافت کیا کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اس کو جواب دیدیا۔ پوچھا آپ کس عہدے پر ہیں۔ وہ بھی بتادیا کس وقت سے کس وقت تک کام کرنا پڑتا ہے۔ ان صاحب نے وہ بھی بتادیا۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے سوال کیا اگر گورنمنٹ کی حکومت ارض ستین میں ہوجائے اور وہاں آپ کو بھیج دیں تو وہاں یہ وقت کس طرح ملے گا۔ یہ سن کر وہ صاحب سنبھلے اور فرمایا وہاں اندازہ کرلیا جائے گا۔ مولانا امروہوی نے فرمایا۔ بہت حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک حاکم مجاز کے قانون کی تو یہ عظمت کہ اس پر اشکال واقع ہو تو اس کی توجیہ آپ اس طرح کرلیں اور حاکم حقیقی کے قواعد و ضوابط پر تمسخر کریں اور مضحکہ اڑائیں۔ جاہل اعتراض کریں اور آپ ہنسنے دیں۔ ان کا ساتھ دیں اور اس کے جواب میں ایسے چست و چالاک ہوں۔ وہاں تو آپ سے یہ جواب نہ سمجھا گیا۔ خیر وہ تو بچے تھے۔ افسوس آپ پر ہے۔ یہ بیچارے بنچ سے اتر کر مولانا امروہوی کے قدموں کو پکڑ کر خوب روئے کہنے لگے لڑکوں کو دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔ مولانا امروہوی نے فرمایا عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ سے کوئی گستاخی کرے تو آپ کو اسے دیکھ کر ہنسی آئے گی یا غصہ۔ افسوس کہ خدا تعالیٰ کی عظمت، ماں کے برابر بھی آپ کی نگاہ میں نہ ہوئی۔'' (۵۳)

---

(۵۳) ملفوظات مفت اختر از مولانا اشرف علی تھانوی۔

مرض اور وفات

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتے میں چند روز شدید بخار آیا۔ اس سال طاعون کی وبا شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ بالآخر اسی میں مبتلا ہو کر المطعون شہید کے مصداق بن گئے۔ شہید اعظم بھی آپ کا مادۂ سال وفات ہے۔ ۲۸، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء بروز سہ شنبہ (جمعرات) صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں دفن ہوئے۔ وفات سے کچھ عرصے پہلے اس جگہ کو اپنی آخری آرام گاہ کے لئے منتخب کیا اور مولوی عبدالحق عباسی سے وصیت فرمادی تھی۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے آخری وعظ فرمایا۔ بھتیجی غالباً حبیبہ پھوپھی سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے مکان پر وعظ فرمائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی اللہ کے ہاں سے بلاوا آ گیا۔ اس وقت بھتیجی حاضر تھیں۔ شاید ان سے فرمایا بھی کہ وعظ کا وعدہ کیا تھا اور اب سن لو۔ پھر موقع ملے نہ ملے۔ نماز عشاء کا وقت ہو گیا تو اشاروں سے آخری نماز ادا فرمائی اور پھر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ رحمتہ واسعتہ۔

میرے استاد مولانا قمر الدین سہسپوری جو میرے دادا کے شاگرد تھے، ان کا بیان ہے کہ میرے دادا کے چچازاد بھائی مولوی سید آل علی مرحوم نے ان کو بتایا کہ حضرت محدث امروہوی کے آخری کلمات سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم تھے۔ نماز جنازہ استاد زادہ حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ نے پڑھائی دفن سے پہلے مراد آباد، حسن پور، سنبھل اور اطراف وجوانب سے دیہات ومضافات سے ہزاروں کی تعداد میں عوام وخواص آ گئے تھے۔ اتنا کثیر مجمع یہاں کسی جنازے میں نہیں دیکھا گیا۔ جامع مسجد کی پشت پر پانباڑی نام کا تالاب ہے وہ اس وقت خشک تھا وہاں نماز جنازہ ہوئی۔

حضرتؒ کی دائمی مفارقت ایک ایسا سانحہ دلگداز اور واقعہ جان فرسا تھا کہ علاوہ معتقدین ومتوسلین کے ہر شخص پر سکتے کا عالم تھا۔ امروہہ ہی نہیں اس حادثۂ عظیم

سے پورے ملک میں غم والم کی لہر دوڑ گئی۔ خدام کے دلوں کی دھڑکنیں ماتم کناں تھیں اوران کی آنکھوں کا ہر آنسو زبان حال سے کہہ رہا تھا آہ صد آہ۔ اللہ کا پیارا، رسول اکرم کا شیدائی، حاجی امداداللہ کا خلیفہ مجاز، اسلام کا محافظ بہترین متکلم ومناظر، پوری عمر اشاعت علم میں گزارنے والے معلم، جس کی صورت وسیرت سے اسلام کی حقانیت نمایاں، جس کی ہر ادا سے خلوص وللٰہیت آشکارا، وہ آج دنیا سے چل بسا۔ آفتاب علم زیر زمین غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اکابر دیوبند کے آپ کی وفات پر تاثرات

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے رسالہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کے ابتدائی صفحات پر اپنے جو تاثرات سپرد قلم کیئے۔ جی چاہتا ہے کہ ان کو بعینہٖ پیش کردیا جائے جو یہ ہیں:

''ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کا آخری دن بھی مسلمانوں کے لئے نہایت پر آشوب دن تھا۔ جبکہ ان میں سے حضرت مولانا احمد حسن محدث (۵۴) امروہوی قدس سرہ العزیز اٹھا لیئے گئے۔ ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کی مذہبی بنیادیں متزلزل اور ان کا عالی شان قصر منہدم ہو رہا ہے اور آزادی، لامذہبی کے سیلاب ان کی استقامت واستقلال کو صدمۂ عظیم پہنچا دیا گیا۔ مولانا کا وجود خداتعالیٰ کی رحمت تھی۔ آپ کی ذات سے اسلام کی امیدیں وابستہ تھیں۔ اہل اسلام آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ کرلیتے تھے۔ آپ کا عالم سے اٹھ جانا حقیقتاً تمام عالم اسلام کے لئے یکساں مذہبی واسلامی حادثہ ہے۔ مسلمان ہر طرف سے مصائب وآلام، حوادث

---

(۵۴) حضرت مولانا امروہوی کو پہلی بار 'محدث' مولانا عثمانی نے لکھا۔ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ دیوبند صفحہ اول۔

نوٹ: ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو مولانا قاسم نانوتوی کا انتقال ہوا۔
۱۲۹۷ھ سے ۱۳۳۰ھ تک تقریباً ۳۳ سال مولانا محدث امروہوی زندہ رہے۔

وفتن کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔

برزمین نارسیدہ می پرسد
خانۂ انوری کجا باشد

کے مصداق ہیں۔ اس حالت میں ان کے لئے کوئی سہارا ہے تو یہی کہ ان کی اقدار ایسے سچے عالم جو دین کو سنبھالنے والے اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے والے ہوں، موجود رہیں۔ مگر نہایت افسوس، نہایت قلق و حسرت، نہایت اضطراب و پریشانی کا وقت ہے کہ ان نمونۂ اسلاف اور کشتی اسلام کے ناخدا بزرگان دین سے خالی ہوتی جاتی ہے۔ اس آخری زمانے میں جبکہ مسلمان انتہائے قعر تنزل میں اترتے چلے جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز کا وجود اسلام اور مسلمانوں کے لئے پشت پناہ بنا ہوا تھا۔ حضرت قاسم العلوم و الخیرات کی وفات عالمگیر اسلام کے لئے ناقابل تلافی حادثہ تھا۔ مگر آپ سے بہت سے لائق و قابل تلامذہ میں چند حضرات اس درجے کے بھی تھے۔ جو آپ کی جانشینی کا پورا حق ادا کر سکتے تھے۔ جن کو مولانا اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب میں اس قدر اوصاف و کمالات مجتمع تھے کہ کسی شخص واحد میں ان کا اجتماع دشوار عادی ہے۔ علمی تبحر، ورع و تقدس اور ان کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اوصاف خاصہ میں تھے۔ آپ کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ خلاف شرع اور منکرات پر مداہنت کر ہرگز جائز نہ رکھتے تھے۔ مگر ان سب کمالات کے ساتھ جس امر نے آپ کو ممتاز بنا کر رفعت و عظمت کو آسمان پر پہنچا دیا۔ حق یہ تھا کہ آپ حضرت قاسم العلوم کی زندہ تصویر خیال کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں کو دوہرا صدمہ یہی ہے کہ تصویر قاسمی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

طلبۂ علم کے لئے جب ملائکہ پر بچھاتے ہیں اور زمین و آسمان کے باشندے، دریا میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔ تو بلاشبہ مولانا کی وفات پر زمین و آسمان، جن وانس، حیوانات و نباتات اور عالم کا ہر ذرہ نوحہ گری اور دعائے مغفرت

کرے تو بالکل حق بجانب ہے۔ دل چاہتا تھا کہ القاسم کے اسی نمبر میں مولانا کے مرض وفات اور زندگی کے حالات ذرا تفصیل سے لکھتے۔ مگر ہمارے عزیز مولوی شبیر احمد سلمہ (۵۵) جو اس وقت صدمے سے زیادہ متاثر ہیں۔ اپنے دلی جذبات کو خاص طرز میں ادا کیا ہے۔ بالفعل اس مضمون کو بجنسہ شائع کرنے پر قناعت کرکے آئندہ حسب موقع حالات درج کریں گے۔ دیگر تعزیتی مضمون اور قطعات تاریخ بعد میں نقل کروں گا۔ پہلے آپ حضرت شیخ الهند کا لکھا ہو مرثیہ (جس کا ہر ہر لفظ سوز وگداز میں ڈوبا ہوا ہے) پڑھ لیں۔ (۵۶)

حضرت شیخ الهند مولانا محمود الحسن کا یہ مرثیہ القاسم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں مدیر رسالہ کے اس نوٹ کے ساتھ درج ہے۔ متعدد نظمیں ہم کو وصول ہوئی ہیں۔ قطعۂ تاریخ حضرت مولانا محمود الحسن عم فیضہم کی تصنیف ہے۔ آپ نے بعض خدام کی درخواست پر بروز جلسہ دارالحدیث صبح لکھ دیا تھا اور بندۂ مدیر (مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبند) نے پڑھ کر جلسہ میں سنایا تھا۔

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے
حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے ہم کو جو
سید العلماء، (۵۷) امام اہل عقل و اہل نقل
پاک صورت پاک سیرت، صاحب خلق نکو
معدن علم و حکم ، سردفتر اہل کمال
عازم خلد بریں ہے جس کو چلنا ہے چلو
جب شبیہہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم

(۵۵) مراد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مفسر قرآن، تفسیر عثمانی
(۵۶) مراد شیخ الهند مولانا محمود الحسن محدث دیوبند
(۵۷) مولانا محدث امروہوی کو حلقۂ علمائے دیوبند میں سید العلماء کا خطاب ملا تھا۔

تم ہی بتلا دو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو!
درد سے پہنچا ہے سب کو اس کا منکر کون ہے
ہاں مگر اک فرق ہے تھوڑا سا اگر میری سنو
لوگ کہتے ہیں چلے علامۂ احمد حسن
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہے ہو نہو
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اس کو کیا
جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جائے پر قائم ہیں سب اہل کمال
پر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
ہاں جنون اتحاد قاسمی میں بارہا
تم کو ہم کہتے تھے من اور آپ کو کہتے تھے تو
مجمع حسرت ترین دردو غم میں ، میں بھی تھا
فکر میں تاریخ کی سب نے کیا جب سرخ رو
بادل پر یاس آئی، کام میں میرے صدا
حک ہوئی تصور قاسم صفحۂ ہستی سے لو(۵۸)

۱۳۳۰ھ

نوٹ: مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند و مدیر القاسم کا انتقال ۳ر رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔

۲۰ر ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹ر اپریل ۱۹۱۲ء جلسۂ بنیاد دارالحدیث دارالعلوم دیوبند ہونا قرار پایا تھا اور اس کا اعلان بھی ہوگیا تھا لیکن قضائے الٰہی سے وہ جلسہ سے بیس روز پیشتر انتقال فرما چکے تھے۔ صاحبزادہ مولانا محدث امروہوی یعنی میرے والد مولانا سید محمد رضوی کو اس جلسے میں بلایا گیا تھا۔ اس جلسے میں مولانا

(۵۸) 'تذکرۃ الکرام' جلد ثانی تاریخ امروہہ۔ ۱۹۳۲ء از محمود احمد عباسی۔ برقی پریس دہلی۔

حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک تقریر کی۔ جس میں دارالعلوم دیوبند کے کچھ حالات بیان کرنے کے بعد حضرت قاسم العلوم والخیرات کی یادگار حضرت مولانا محدث امروہوی کی رحلت پر اظہار تاسف کیا اور فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے صدمے سے مولانا احمد حسن صاحبؒ کی مفارقت کا صدمہ دارالعلوم اور اس کے خدام کو بعض وجوہ سے زیادہ محسوس ہوا۔ اس تقریر میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے فرمایا:

''صاحبو! آپ مدرسہ کا اطلاعی خط بھی پڑھ چکے ہیں۔ اس میں اولاً حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب کا وعظ ہونا تجویز ہوا تھا۔ مگر یہ سانحہ کس قدر رنج دہ ہے اور دلوں کو پاش پاش کرنے والا ہے کہ اس وقت بجائے اس کے کہ مجمع میں مولانا مرحوم وعظ فرماتے میں ان کی وفات پر اظہار افسوس کرنے کے لئے آپ حضرات کے سامنے کھڑا ہوں۔ اب اس قحط الرجال کے زمانے میں ہم کو حضرت قاسم العلوم کے سچے جانشین کی مفارقت پر جس قدر صدمہ ہو بجا ہے۔ مولانا ایک ایسے یکتا اور باخدا آدمی تھے کہ ان کی نظیر ہم کو ڈھونڈھے نہیں ملتی اور سکون، غم زدوں کو مولانا محمد قاسم اور مولنا احمد یعقوبؒ کے بعد ہو گیا تھا وہ آج نہیں۔''

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے تقریر کے آخر میں فرمایا:

''صاحبو! آج مجھے کیا ہماری جماعت کو مولانا محدث امروہویؒ کی مفارقت پر زیادہ صدمہ ہے کہ مقدس حضرات نے جو مجموعی قوت، دین کی حفاظت، علوم اسلام کی اشاعت، ہدایت خلق، ارشاد عباد کے لئے چھوڑی تھی، آج اس کا ایک رکن رکین اٹھ گیا۔'' (۵۹)

اس کے بعد حافظ عبدالرحمٰن صدیقی نے جو مولانا امروہوی کے غم میں مبتلا اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی تقریر سے متاثر ہو کر دیر سے ضبط کیئے ہوئے بیٹھے تھے نہ رہ سکے، بے اختیار کھڑے ہوئے اور مولانا مرحوم کے فرزند دل بند کو بلا کر اپنے

(۵۹) روئداد جلسہ بنیاد دارالحدیث، دیوبند القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

گلے سے لگالیا اور مولانا کے حالات کیفیت امراض وفات رجوع الی اللہ مرض وفات میں مبتلا ہوکر چار پانچ گھنٹے، حدیث کا سبق پڑھانا اور طلبہ سے فرمایا کہ یہ آخری سبق ہے۔ مرض وفات میں نمازوں کی پابندی، ذکر وفکر، نماز عشاء پڑھ کر بہ حالت ذکر طائر روح کا قفس عنصری سے پرواز کرنا، اہل امروہہ کی بے تابی، رنج وغم، نماز جنازہ میں خارج از قیاس مجمع کا ہونا۔ کچھ ایسے پراثر اور دلگداز لہجہ میں بیان فرمایا کہ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔ (۶۰)

حضرت مولانا شبیر احمد عثانی نے جاں گداز سانحہ کے عنوان سے ایک جامع اور موثر مضمون لکھا جو ماہنامہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک تمہید کے بعد جس میں ملت اسلامیہ پر جو مصائب کے اوقات آئے ہیں اور اکابر کے اٹھ جانے پر جو فتنوں کا ظہور رہا ہے، ان کا ذکر کرکے اور رسالت مآب ﷺ کے بعد ملت بیضا کے نازک وقت کا بیان کرنے کے بعد مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ نے (جن کی پاک زندگی وراثت انبیاء ہ کامل مظہر تھی) حفاظت دین اور احیائے سُنت نبویہ کی غرض سے ایک مدرسہ دیوبند کی سی گمنام بستی میں قائم کیا۔ اس کو چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت چونکہ ہماری سرپرستی کے لئے مولانا رشید احمد صاحب، مولانا یعقوب صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب قدس اللہ اسرار بھی موجود تھے۔ اس لئے آپ کی وفات حسرت آیات سے سب کو حزن وملال تو بے حد ہوا لیکن معاملات کی طرف گھبراہٹ اور تشویش پیدا نہ ہوئی۔ کچھ دنوں بعد مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب نے انتقال فرمایا تو سب کی امیدوں کا مرکز اور توجہات کا قبلہ تنہا مولانا گنگوہیؒ کی ذات بابرکات ٹھہر گئی۔ اس اثناء میں بے شک بہت کچھ فتنے اور حوادث بھی پیش آتے رہے مگر اس کوہ وقار وعظمت کی ہستی ان سب کے لئے سپر بنی رہی اور ہم غریبوں کو یہ اطمینان رہا کہ جب تک حضرت ہمارے اندر موجود ہیں، کسی بلا یا فتنے کا مقابلہ دشوار

(۶۰) روئداد جلسہ رسالہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

نہیں ۔ کچھ عرصے کے بعد آخر وہ گھڑی آ پہنچی ۔ جن میں ہمارے ہر ایک طرح کے اطمینان وسکون کا خون ہوگیا اور خاتم الاکابر حضرات گنگوہیؒ کی وفات نے شہادت فاروقی کا نقشہ پیش کردیا اور بجائے کسی شخص واحد کے ان ہی حضرات مرحومین کے متوسلین کی ایک جماعت نے مل کر اس دین کے کام کو سنبھالا لیکن آنسوؤں کے بجائے خون حسرت بہانے کا موقع ہے کہ اس جماعت کے ارکان میں سے ایک بہت بڑا رکن اعظم منہدم ہوگیا۔ حضرت قبلہ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی قدس سرہ کی ناگہانی موت نے جماعت کی قوت کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچایا اور نہ صرف یہی کہ ہماری جماعت کی طاقت کو ایک بھاری صدمہ پہنچا بلکہ آج ایسا جامع معقول ومنقول عالم مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ جس کی نظیر ہمارا زمانہ بمشکل پیدا کرسکتا ہے۔ آج ہندوستان کا بڑا مقتدیٰ دنیا سے اٹھ گیا۔ آج تصویر قاسمی مٹ گئی اور آج قاسمی معارف کے اعلیٰ شارح نے اپنی مسند خالی چھوڑ دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ فللّٰہ ما اخذ ولہ ما عطی وکل شيٍ عندہ بمقدار۔'' (۶۱)

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب کے تاثرات

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نے ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں دنیا سے رخصت ہونے والی دو عظیم ہستیوں کا ذکر اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ اس کے کچھ اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کا مہینہ مسلمانان ہند کے لئے ایک ایسا مہینہ تھا جس میں ان کی نظروں سے علم نبوت کے دو روشن چراغ اوجھل ہوگئے بلکہ دو آفتاب غروب ہوگئے ۔ اول حضرت مولانا ومقتدانا الجامع بین المعقول والمنقول ، حاوی الفروع والاصول سیدنا الفقیہ المحدث (۶۲) المفسر المتکلم المولوی السید احمد حسن الامروہوی افرغ اللہ علیہ شآبیب رضوانہ ۔ دوم جناب وارث الانبیاء والمرسلین ماویٰ الغرباء والساکین

---

(۶۱) ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

(۶۲) مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی ان کو محدث لکھا ہے۔

مولانا الحافظ الحاج القاری المحدث المفسر محمد اسمٰعیل راندیری اسکنہ اللہ بحوبتہ جنانہ۔ یہ دونوں مقدس بزرگ ان نفوس قدسیہ کے نمونے تھے۔ جن کے نام کے ساتھ اسلام کا شیرازہ باندھا گیا تھا۔ جن کے دیدار سے خدا یاد آتا تھا۔ جن کی مجلسیں، ذکراللہ سے معمور، جن کے قلوب شراب الجنت سے مخمور جن کے متوسلین حب دنیا سے معمور تھے۔ اس گئے گزرے زمانہمیں جبکہ علمائے ربانین کا قحط ہے۔ یہ صحابۂ کرام کے سچے جانشین اور انبیاءؑ کے حقیقی وارث تھے۔ ان کے انتقال سے قصر دین کی بنیادیں نہ صرف امروہہ و گجرات میں متزلزل ہوگئیں بلکہ تمام ہندوستان کی علمی و عملی دنیا میں غیر معمولی زلزلہ محسوس ہونے لگا اور کیوں نہ ہو کہ ایسے علمائے ربانیں دین کے عالی شان ایوان کے اساطین ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان دونوں مقدس حضرات کی مختصر سیرت ناظرین القاسم کی خدمت میں پیش کر کے ان کے استحقاق کی جانب توجہ دلاؤں۔ جن کے وہ عام مسلمین کی جانب سے مستحق ہیں یعنی یہ کہ تمام اہل اسلام ان حضرات کے لئے صدق دل سے درگاہ الٰہی میں دعائے مغفرت و رفع درجات کریں اور ان کے حق سے اور یہ کہ ہمارے مکرم دوست مولوی شبیر احمد صاحب مولانا کی سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر فرما چکے ہیں۔ اس لئے میں ان کو مستحق اول سمجھ کر صرف مولانا راندیریؒ کی مختصر سیرت پر اکتفا کرتا ہوں۔ (۶۳)

موتمر الانصار کے اجلاس میرٹھ میں اظہار غم و دعائے مغفرت

موتمر الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس میرٹھ میں شیخ رشید احمد صاحب ناظم مجلس استقبالیہ نے حافظ فصیح الدین صدر مجلس استقبالیہ کی طرف سے ایک تقریر پڑھی جس میں حضرت مولانا محدث امروہیؒ کی وفات حسرت آیات پر اظہار غم کیا

(۶۳) ماہنامہ القاسم دیوبند جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ

نوٹ: راندیر ضلع سورت گجرات انڈیا میں ہے۔

گیا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ناظم جمیعتہ الانصار نے موتمر الانصار کے اس اجلاس میں حضرت محدث امروہی کے لئے کل حاضرین سے دعائے مغفرت کرائی اور سب نے بکمال اخلاص دعا کی۔ (۶۴)

مراثی وقطعات تاریخ وفات

حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری تلمیذ مولانا نانوتوی نے فارسی زبان میں اپنے استاد بھائی مولانا احمد حسن کا یہ مرثیہ لکھا۔

صد دریغا حسرتا درداکہ کوہ غم فتاد
بردل اسلامیاں ناگہہ دریں دورفتن
از سر عالم برفتہ سایۂ آن عالمے
کہ فضائل بودا و محسود اقران و زمن
متصف باجملہ اوصاف حری اہل دین
علم وفضل و زہد وتقویٰ خلق و عادات حسن
سید عالی نسب ،والاہم اہل کرم
خلقت و خلقش مماثل باحسین و با حسن
زبدۂ اصحاب فیض قاسم اسرار دین
آں کہ بودہ آیتے ز آیات رب ذو المنن
جامع شرع و طریقت، کاشف اسرار حق
در علوم عقلی و نقلی امام اہل فن
برسر دنیائے دوں خاک مذلت ریختہ
باخلوص دل بحق مشغول درسر و علن
بعلائق ہائے دنیا بے تعلق ماندہ او

(۶۴) ماخوذ القاسم دیوبند جمادی الاول ۱۳۳۰ھ

بود گویا ذات آزادش مسافر در وطن
از ربیع الاول آخر روز، روز آخرش
بود کہ بر بست تا گہ رخت ازیں دار محن
شد جگر ہائے جہانے پاش پاش از صدمتش
اشکہار در چشمہا بنمود دریا موجزن
سن ترحیلش دریں حالت بے تاب یافت
تابماندیادسال نقل آں فخر زمن
گفت ہاتف بالیقین از روئے بخشائش بخوان
جنت علیا قرار مولوی احمد حسن (۶۵)

۱۳۳۰ھ

قطعہ تاریخ وفات از تصنیف مولانا سراج احمد صاحب رشیدی

بخیہ گر چاک گریبان کو نہ سی، کیا فائدہ
دشت وحشت پھر اڑا دیوے گا اس کی دھجیاں
چارۂ درد فراق یار جز گریہ نہیں
چارہ سازی رہنے دے اے چارہ ساز مہرباں
اپنے آپے میں نہیں ہوں آج میں معذور ہوں
رونے سے مت روک مجھ کو ناصح نامہرباں
میں بھلا کیونکر نہ روؤں ناصحا تو بھی دیکھ
ہیں (۱) حبیب و (۲) احمد و (۳) محمود سب گریہ کناں
ہائے چھائی ہے اداسی کیا درودیوار پر
ہوش میں آ دیکھ عالم ہوگیا ہوکا مکاں

---

(۶۵) ماہنامہ القاسم دیوبند جمادی الاول ۱۳۳۰ھ

۱- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ۲- حافظ احمد صاحب بن مولانا محمد قاسم نانوتوی
۳- شیخ الہند مولانا محمود الحسن

کچھ خبر بھی ہے تجھے روتے ہیں ہم سب آج کیوں
رنج و غم کا آج ہم پر گر پڑا کوہ گراں
حضرت قاسم کی کھو بیٹھے نشانی آج ہم
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور ملتا نہیں اس کا نشاں
چشم مشتاق جمال قاسمی حیراں ہے
ہوگئی تصویر قاسم آج نظروں سے نہاں
مولوی احمد حسن صاحب نے پائی ہے وفات
آج امروہے سے آئی ہے خبر ناگہاں
صدمۂ ہجر شبیہہ قاسمی علم و ہدیٰ
ہے مصیبت سی مصیبت یا الٰہی الاماں
ماہتاب مُستنیر آفتاب قاسمی
آج نظروں سے ہماری ہوگیا ہے وہ نہاں
تھا بیان میں آپ کے طرز و ادائے قاسمی
یاد آتا ہے ہمیں رہ رہ کے وہ طرز بیاں
دنگ رہ جاتے تھے ان کی بزم میں اہل کمال
تھی روانی آپ کی تقریر کی بحر رواں
عالم تصویر ہوتی تھی دم تقریر بزم
ہے کہاں اب آپ سا جادو بیاں شیریں زباں
جوہر فرد آپ حسن ظاہر و باطن کے تھے
آپ کو اللہ نے کی تھیں عطا سب خوبیاں
صبر کر اے عاشق نازو ادائے قاسمی
مصرع تاریخ پڑھ اب اے سراج نوحہ خواں
یوں سروش غیب نے مجھ سے کہا از روئے لطف
ادخل الخلد آپ کا ہے سال رحلت بے گماں (٦٦)

١٣٣٠ھ

(٦٦) ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ١٣٣٠ھ

منشی عبدالمجید صاحب دماغ جونپوری نے بھی قطعہ وفات لکھا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

آج امروہے میں ہے کیوں اندھیرا
اٹھ گیا کون رشک ماہ مبین
مجلس علم کیوں ہوئی سونی
کیا ہوا آج اس کا صدر نشین
چل بسا ہائے کون جان جہاں
کس کے غم میں ہے زمانہ غمگین
سید احمد حسن عمیہہ و فقیہہ
یادگار اکابر پیشیں
حسن ظاہر میں حسن باطن میں
نہیں دیکھا ہے کوئی ایسا حسین
فکر تاریخ کی اگر ہے دماغ
لکھ دے تو گل ہوا چراغ دین(٦٧)

١٣٣٠ھ

حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودیؒ چوبیس سال تک حضرت محدث قدس سرہ العزیز سے فیضیاب ہوتے رہے اور جن کو حضرت سے والہانہ عشق تھا، اپنے شفیق و مربی استاد کی جدائی پر رقت انگیز الفاظ میں سوزش جگر قلب کا فارسی میں اظہار کرتے ہیں۔

ہے فخر علمائے زمن ہے سید احمد حسن
ہے حضرت استاد من رفتے چو جان من زتن
ہے ہے کجا رفت آن زمان درخدمت بودن دوان
تابست سالہ در جہاں بودیم ہمچو جان وتن

---

(٦٧) ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ١٣٣٠ھ

ہے ہے چہ عزم انگیختی یا رفتگان آمیختی
جائے تو شد خلد بریں تا گفت حافظ این سخن
خاکم بفرقم ریختی ہے ہے چہ کردی جان من
در بزم قاسم علم دین ہاں گشت شمع انجمن (۶۸)

۱۳۳۰ھ

آخر میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی کا عربی مرثیہ جو علمی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور جس میں زخم خوردہ قلوب کی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ترجمانی کی گئی ہے اور اس کا بہترین منظوم اردو ترجمہ اور چند اشعار مرثیہ کی تضمین مع اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے ۔

فَمَن الھدیٰ والدین عمّ شتاتہ
والد ھر ساءَ ذاقِلعت حسناتہ
باللہ این العالم الحَبر الذی
تقویٰ الِا لَہ صفاتہ و سماتہ
این الذی أَفْنٰی الشبیبہ کاملاً
نَشرُ العلوم مساتہ و غداتہ
مسعودۃ غَدَاوَتُہٗ محمودۃٗ
روحاتہ ، میمونۃ ضحواتہ
''علَم'' عن الاسلام کان مُحامیا
ابداًاذا ما اسلمتہ حُماتہٗ
جبل تَضَعضَعَ مِن تضعضع رُکنہ
ارکاننا وتُھدنا ھدّاتہٗ
لاتحسبوہ مات شخص واحدٌ
فَمماتُ کل العالمین مَمَاۃ
ماکان اسرع وقتہ ، لما انْقَضٰی

(۶۸) ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

فکا　　نما　　سنواتہ　　ساعاتہ

کانو جلوساً امسِ حولَ وَ سادہ

والیوم ھم حولَ السریرِ مُشاتہ(۶۹)

منظوم ترجمہ از مولانا سراج احمد رشیدی مرحوم

۱- انتقال ہادی اسلام سے انتقال دین پراگندہ ہوا

نیکوں کی جڑ ہی گویا کھدگئی دہر بے رونق نظر آنے لگا

ہے کہاں وہ عالم یکتائے دہر　　جس کا تقویٰ تھا لباس بے ریا

۲- ہے کہاں وہ عاشق شیدائے علم　　کامل نشر علوم مصطفیٰ

رات دن تعلیم علم دین میں کردیا اپنی جوانی کو فنا

صبح تھی محمود اور مسعود شام چاشت تھی میمون اس کی واہ وا

جب نہ لے کوئی خبر اسلام کی جب نہ ہو کوئی حمایت کو کھڑا

ایسے وقتوں میں وہ تھا اے دوستو! حامی دین محمد مصطفیٰ

تھا علوم دین کا وہ کوہ رفیع، فائق الاقران وعالی مرتبہ

ہل گئی بنیاد اور سارے ستون، زلزلہ اس کوہ میں جب آ گیا

موت عالم کی ہے گویا آ گئی　　یہ نہ سمجھو تم کو وہ تنہا مرا

لے گئے تشریف جب دنیا سے وہ، سوئے فردوس بریں پرفضا

ہائے کیسی جلد گزری زندگی، ہائے کیسے جلد وقت پورا ہوا

ہائے گزرے سال گھڑیوں کی طرح، ہائے پل کے پل میں یہ کیا ہو گیا

کل جو پروانے تھے ان کے بزم کے، آج گرد نعش ہے ان کا پرا(۷۰)

---

(۶۹) ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

(۷۰) ایضاً

تضمین مرثیہ عربی از مولانا عبدالرحمٰن سیوہاری:

مَالی اری الاسلام قلّت ھداتہٗ

وتفرقت انصارہ ودُعاتہٗ

طودُ التقی والعلم زال ثباتہٗ

فتملل الھدیٰ والدین عم شتاتہٗ

والدھر ساءوا قلعت حسناتہ

ترجمہ: مجھے کیا ہوا ہے کہ اسلام کے ہادی کم نظر آتے ہیں۔ اور اس کے انصار اور داعی منتشر ہو گئے۔ تقویٰ اور علم کا پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا۔ ہدایت اور دین کا نظام پراگندہ ہو گیا اور اس کی بھلائیاں تباہ و برباد ہو گئیں۔

قدمات مولانا الجلیل الاحوذی

احمد حسن تذکارہ العرف الشذی

بلبان علم قاسمی قد غذی

باللّٰہ این العالم الحبر الذی

تقوی الالہ صفاتہ وسماتہ

ترجمہ: ہمارے آقائے بزرگ کامل الفن سید احمد حسن کا انتقال ہو گیا۔ جن کا ذکر تیز خوشبو کی طرح ہے۔ مولانا محمد قاسم کے علم کے دودھ سے انھیں غذا دی گئی تھی۔ خدا کی قسم وہ عالم متبحر کہاں ہے۔ جس کی علامت اور پہچان خدا کا خوف اور تقویٰ تھا۔

قد کان بحراً فی المعارف طامیا

غیثاً مُغیثاً للمدارس حامیا

لیث المعارک للحقیقۃ حامیا

علَمٌ عن الاسلام کان مُحامیا

ابداً اذا ما اسلمتہٗ حماتہٗ

ترجمہ: وہ علوم و معارف کے بحر ذخار تھے۔ مدارس اسلامیہ کے لئے بے پایاں

بارانِ رحمت تھے۔ کارزار کا شیر یستان اور سچائی کے مددگار تھے۔ وہ اسلام کا پرچم تھے۔ اور ہمیشہ اس کے حامی۔ جب اس کے حامیوں نے حمایت چھوڑ دی۔

فمضی وغادرعلی جمر الغضا

بجوار ارحم الراحمین قد ارتضی

لم ندر کم مضی ومتی مضی

ما کان اسرع وقتہ لما انقضی

فکانما سنواتہ، ساعاتہ

ترجمہ: وہ گزر گئے ہمیں ببول کی چنگاریوں پر تڑپتا چھوڑ گئے۔ وہ قرب ارحم الراحمین پر راضی ہوگئے۔ ہمیں نہیں معلوم کتنے سال گزر گئے ان کی زندگی کا زمانہ کس قدر جلد گزر گیا۔ کہ اس کے سال بھی ساعتوں کی طرح تھے۔

خدوا البلاء الی جناب بلادہ

ساقت سعادتھم الی ارشادہ

لزموہ حتی استکملوا ابرشادہ

کانوجلوسا امس حول وسادہ

والیوم ھم حول السریر مشاتہ

ترجمہ: لوگ مصائب اٹھا کر ان کے شہر امروہہ پہنچے۔ ان کی سعادت ان کو مولانا کے ارشاد کی طرف کھینچ لائی۔ ان کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہدایت سے کامل ہوگئے۔ کل وہ ان کے گردا گرد بیٹھا کرتے تھے اور آج ان کے جنازے کے ساتھ چل رہے ہیں۔

اہم تاریخی واقعات

۱- حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کی وفات پر شیخ الھند مولانا محمود الحسن نے دردناک نہایت موثر انداز میں مرثیہ لکھا۔ یہ مرثیہ ماہنامہ القاسم دیوبند

جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں چھپا۔

۲- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند و مدیر القاسم دیوبند نے رسالہ القاسم میں نہایت موثر اداریہ لکھا۔ یہ اداریہ ماہنامہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں چھپا۔

۳- دارالعلوم دیوبند میں مولانا کی وفات پر اکابر دیوبند کا تعزیتی جلسہ ہوا۔ ۱۹ر اپریل ۱۹۱۲ء کے اس جلسے میں میرے والد مولانا سید محمد رضوی نے بھی شرکت کی جو اس وقت نوعمر تھے۔

۴- اس جلسے میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے تعزیتی تقریر کی۔

۵- اسی جلسہ دارالحدیث، دارالعلوم دیوبند میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی نے بھی نہایت جوشیلی تعزیتی تقریر کی اور میرے والد مولانا سید محمد رضوی کو گلے لگالیا۔

۶- مولانا احمد حسن محدث کی وفات پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے 'جان گداز سانحہ' کے عنوان سے ایک جامع اور موثر مضمون لکھا۔ جو القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا اور کہا کہ مولانا احمد حسن محدث کی زندگی وراثت انبیاء کا کامل نمونہ تھی۔

۷- مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی نے القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں مولانا سید احمد حسن محدث پر ایک مضمون لکھا اور کہا کہ علم نبوت کا آفتاب غروب ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب نے میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث کو حسب ذیل القابات سے نوازا۔

''حضرت مولانا و مقتدانا، الجامع بین المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول، سیدنا الفقیہ، المحدث، المفسر، المتکلم، المولوی السید احمد حسن الامروہوی افرغ اللہ علیہ شآبیب رضوانہ۔'' (القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

۸- موتمر الانصار کے دوسرے اجلاس میرٹھ میں اظہار و دعائے مغفرت کی گئی۔ جس میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کی وفات حسرت آیات پر اظہار غم کیا گیا۔

۹- مولانا عبید اللہ سندھی ناظم جمیعتہ الانصار نے موتمر الانصار کے اس اجلاس میرٹھ میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے لیے کل حاضرین سے دعائے مغفرت کرائی اور سب نے بکمال اخلاص دعا کی۔ (القاسم جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ)

۱۰- حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری تلمیذ مولانا نانوتوی نے فارسی زبان میں اپنے استاد بھائی کا مرثیہ لکھا۔ جو القاسم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں چھپا۔

۱۱- مولانا سراج احمد صاحب رشیدی نے قطعہ تاریخ وفات اردو میں لکھا۔ جو القاسم جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا۔

۱۲- حضرت مولانا حافظ عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ جو بیس سال تک حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے فیضیاب ہوتے رہے اور جو مولانا امروہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ انھوں نے قطعہ تاریخ وفات لکھا۔ (القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

۱۳- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا سید احمد حسن محدث کی وفات پر عربی میں مرثیہ لکھا۔ اس عربی مرثیے کی عربی تضمین مولانا عبدالرحمٰن سیوہاروی نے لکھی۔ جو اس کتاب میں مع اردو ترجمہ کے ساتھ درج ہے۔ (مطبوعہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

ان تاریخی واقعات سے جو حقائق سامنے آتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ جب حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کی وفات حسرت آیات کی خبر دیوبند پہنچی تو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ پورے ملک میں صف ماتم بچھ گئی۔ ۱۹/اپریل ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں بہت بڑا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں جن جید علماء نے شرکت کی ان کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم و مدیر القاسم دیوبند
۲- حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی
۳- حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مفسر قرآن

۴- شیخ الھند مولانا محمود الحسن

۵- مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ

۶- مولانا عبیداللہ سندھی

۷- مولانا عبدالغنی پھلاودی

۸- حافظ احمد بن محمد قاسم نانوتوی

۹- میرے والد مولانا سید محمد رضوی

ان تاریخی حقائق سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی نہ صرف دیوبند بلکہ برصغیر کے صف اول کے علماء میں سے تھے۔ ان کے انتقال پر ترکی، مصر، شام، سعودی عرب، اسلامی ممالک میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امروہہ میں ان کے جنازے کے پیچھے اس قدر اژدھام تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ امروہہ کی تاریخ میں اس قدر بڑا مجمع نماز جنازہ پر چشم فلک نے نہ دیکھا ہوگا۔

میرے ہم زلف سید محسن رضوی سیشن جج کا بیان ہے کہ جب جنازہ ان کے مکان واقع محلہ چاہ شور سے جامع مسجد کی طرف گزرا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین ہل رہی ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جنازے میں جنات بھی شریک تھے۔

ایک قابل توجہ مسئلہ ایک حقیقت

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب کمالات اشرفیہ صفحہ ۳۳۹ پر لکھا ہے:

''میرے خیال ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری ڈاڑھی والوں میں بھی نہیں ہے۔ پس ایک ڈاڑھی منڈانے کا گناہ کرتا ہے۔ دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کرتا ہے۔ تو نری ڈاڑھی لے کر کیا کریں گے۔''

اسی موضوع پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے مضمون ''مولانا تھانوی

کی اعتدال پسندی' میں لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے بڑے نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لوگوں کے خاص خاص گناہوں کو پکڑ لیا ہے۔ گویا گناہ گار ہونے کا معیار بس وہی ہے۔ انہی گناہوں میں ایک ڈاڑھی ہے۔ ایک شخص غیبت کرتا ہے، بد نظر ہے، عملی طور پر بے احتیاط ہے لیکن ڈاڑھی بھی رکھتا ہے۔ اس پر لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور ایک بیچارہ ان عیوب سے بری ہے۔ صرف ڈاڑھی منڈانے کا گناہ کرتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ ڈاڑھی والے شخص سے ڈاڑھی منڈانے والے سے کیا نسبت۔ حالانکہ جیسا کہ ڈاڑھی منڈانا گناہ ہے۔ ڈاڑھی والوں کے اس سے گناہ کم نہیں یا پھر ایک ڈاڑھی پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے۔ مولانا نے صحیح فرمایا کہ ڈاڑھی منڈانے کے سوا اور باتیں لڑکے میں اچھی ہوں تو گوارا کر لیا جائے۔ بلکہ اس برتاؤ سے اغلب ہے کہ ڈاڑھی کا مسئلہ بھی اس کی سمجھ میں آ جائے۔ ورنہ جو طریقہ لوگوں نے ڈاڑھی کے ساتھ روا رکھی ہے، وہ غلط ہے۔

مضمون۔ مطبوعہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

مولانا سید احمد حسن محدث بہ حیثیت متکلم (۷۱)

بات اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب انگریزوں کے واسطے سے یونانی علوم، ایرانی ادب اور ہندی افکار سے ہندوستان میں اسلامی ذہن ایک بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوا۔ علماء کے ایک گروہ نے اس نزاکت کو پہچانا اور تمدن کو انسانیت کا لازمی جز ٹھہرا کر، خارجی وسائل کے ساتھ باطنی تقاضوں کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس کے لئے مدرسے اور خانقاہیں، تربیت گاہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اخلاق و معاشرت کے اصول تہذیبی زاویوں سے حقیقت و فلسفہ کی صداقتیں لئے ہوئے سامنے آئے۔

(۷۱) متکلم وہ ہے جو روایتی عقائد اور خیالات سے متفق ہو اور ایسے دلائل سے مطمئن ہو جو روایت سے ٹکراؤ نہیں رکھتے جبکہ حکماء اور فلسفی عقائد کی جگہ دلائل، حجت اور استدلال کے قائل ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی آواز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تھی۔ شاہ صاحب نے اخلاق واعمال کی نگرانی کے لئے حسنۃ فی الدنیا وحسنۃ فی الآخرۃ دونوں کی تعلیم دی۔ ملت کی انفرادی اور جماعتی زندگی کی علمی اور روحانی طرز سے روشناس کرایا۔ وحشت فکر کے دور میں علم واخلاق کو زندہ رکھنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ ولی اللہی خاندان کے بعد اس سلسلے میں سب سے اہم خدمت علمائے دیوبند نے انجام دی۔ علمائے دیوبند کے ذیل میں سند المتکلمین مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ کا نام آتا ہے۔ مولانا محدث امروہی کو بجا طور پر حکمت ولی اللہی کا وارث اور علوم قاسمی کا سچا جانشین سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علوم کی تحصیل میں روایت پر درایت اور نقل پر عقل غالب تھی۔ انھوں نے نقل کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا اور اس عقل کو وجدان سے ہمنوا کیا۔ عقل سے خیالی قیاس آرائیوں اور منطقی موشگافیوں کے پردے اٹھائے۔ منطق اور فلسفہ کو تفسیر وحدیث کی بالیدگی اور وجدان وشعور کو تقدس بخشا۔ ان کا علم ذکر وفکر دونوں کا حامل تھا۔ جس میں تجلیات کلیم اور مشاہدات حکیم دونوں کو جگہ ملی۔ کیونکہ ذکر جہاں ذوق کا فاتح اور حکمت، کائنات ارض وسماء کی تسخیر کرتی ہے اور یہ متاع عزیز جسے پاسبان دل کہئے، شاہ ولی اللہ اور مولانا نانوتوی کے بعد ایک بار پھر امروہہ کی سرزمین سے علم وعرفان کا جاہ وجلال لئے ہوئے ظاہر ہوئی، فردوس گمشدہ تھی، حکیم صادق کے سپرد ہوئی۔ کلمۃ الحق ضالۃ المومن۔

این پری از شیشۂ اسلاف ماست
باز صیدش کن کہ او، از، قاف ماست

شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں حکماء کے ایک طبقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ فوصل بعضھم غایۃ ھداھا۔ بعض بعض نے اس سعادت کا انتہائی مرتبہ حاصل کیا۔ صفحہ ۱۴ جلد اول۔

حکمائے صادق کا یہ طبقہ وہ ہے جو اپنی عقل وفراست، ترک لذت، ریاضت تام سے وہ سعادت کو پاتے ہیں جس کی اشاعت کے لئے انبیائے کرام

مبعوث ہوئے۔ شاہ صاحب نے ایسے حکماء کو متالھوں کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔
مولانا محدث امروہی کا مرتبہ متالھوں کا تھا۔ وہ حکیم صادق تھے۔ انھوں نے طریقت کو شریعت سے ملایا۔ خالص علمی انداز میں درس وتدریس کی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے علوم ومعارف کی تلقین کی اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں یعنی قادیانی، بریلوی اور غیر مسلم جماعتوں یعنی آریا اور عیسائی مذہب کے متعارض افکار کو کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھنے کی دعوت دی۔ جس کی رو سے انسانی زندگی وحدت غیر منقسمہ ٹھہرتی ہے۔ دنیاوی اور اخروی زندگیاں دو متبائن چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی مقصد کی دو مختلف راہیں ہیں۔

انسانی لطائف ثلاثہ میں (۱) عقل، جسکا تعلق دماغ سے ہے۔ (۲) ارادہ یا جذبہ، جس کا تعلق دل سے ہے۔ (۳) تدبیر بدن، جسکا تعلق جگر سے ہے، میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ تینوں چیزیں بیک وقت کسی ایک شخصیت میں مجتمع ہو جائیں۔ اس میں خصوصاً تدبیر بدن یا تدبیر نفس (اقبال کے الفاظ میں معرفت نفس یا خودی۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) کی منزل بڑی کٹھن ہوتی ہے۔ اس کوچے میں اکثر صداقتوں کے پیر لڑکھڑا جاتے ہیں لیکن قدرت کی دین ایسی تھی کہ مولانا محدث امروہی نفسی تکمیل کی ان تینوں منزلوں میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ (جسے سلوک سے تعبیر کیا جاتا ہے) دنیاوی، جاہ ومنصب کی خواہش کبھی ان کے پاس نہیں پھٹکی۔ میرے چھوٹے دادا حکیم سید حامد حسن ریاست حیدرآباد میں افسر الاطباء تھے۔ میرے دادا کو ریاست کی طرف سے صدر الصدور امور مذہبی کی عہدے کی پیش کش کی گئی۔ لیکن انھوں نے قناعت کا اظہار کیا اور اس کو قبول نہ کیا اور اپنے آپ کو درس وتدریس میں مشغول رکھا۔ بعد میں اس عہدے پر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا تقرر ہوا۔ اسی طرح ملک کی سیاسی تحریکوں سے اپنے آپ کو کبھی وابستہ نہیں کیا جبکہ علمائے دیوبند نے سیاسی تحریکوں سے شہرت حاصل کی۔

استغناء اور انفرادی خودداری کا عالم یہ تھا کہ ساری زندگی میں ابنائے

وقت سے کبھی سر جھکا کر نہیں ملے۔ جس طرح علم و فلسفہ استدلال اور فراست کی نشو و نما کرتا ہے۔ اسی طرح وجدان تصوف کی اعلیٰ قدروں سے پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ وجدان کی تنقیح کے بغیر، استدلال، یقین کی حدوں تک نہیں پہنچتا۔ محض وجدان بھی فراست کے بغیر توہم پرستی کی طرف لے جاتا ہے۔ تدبر و تفکر، علوم دینی و عقلی اور وجدان تصوف و سلوک کا محتاج ہوتا ہے۔ حضرت محدث امروہیؒ باطن وخارج کی اس شرعی تفسیر کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی شخصیت تمدن کی صداقتوں یعنی ایمان باللہ، اعمال صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ امام مالکؒ کے الفاظ میں ان کی حیثیت صوفی کی بھی تھی اور فقیہہ کی بھی۔ تصوف اور فقہ کے باب میں ان کا درجہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ محقق کا بھی ہے۔ ان کے نزدیک تصوف، علوم شرعیہ و عقلی کا نتیجہ تھا اور علوم شرعی تصوف کا پیش خیمہ کیونکہ وجدان و تشریع۔ فرد، تمدن اور اجتماع کی تعمیر کرتے ہیں اور اسی کے بعد حنیفیت کی وہ منزل آتی ہے جہاں علوم لدنی کی تجلی کواکب پر ہوتی ہے اور مظاہر قدرت کے آئینے میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ وجدان و تشریع کا یہ امتزاج ان کو رجوع الی اللہ کی طرف لے گیا۔ جس کا تعلق شعور سے کم اور وجدان سے زیادہ ہے۔

حضرت محدث امروہیؒ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نظریہ وحدت الشھود کے مقابلے میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ عینی تھا یا ظلی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شیخ اکبر کے اس نظریے کا ظلی ہونا ثابت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدت الوجود میں خود امام الف ثانی کی بات آجاتی ہے۔ انھوں نے ان دونوں نظریوں میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت محدث امروہی نے دعوت اسلام کے عنوان سے مناظرہ نگینہ میں جو تقریر کی تھی۔ اس میں انھوں نے وحدت الوجود ظلی کے نظریئے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس تقریر میں ایک موقع پر فرمایا:

''ہماری تمہاری ہستی وجود تمامی کمالات اسی خالق برتر کے وجود ہستی کے ظل عنایت سے صادر۔ اسی کے کمالات کا پرتو اور یہ مسلم کہ ظل کا وجود ذی ظل پر موقوف بلکہ وجود وسائر کمالات جو حقیقتاً واصالتہً بالذات سے موصوف اعلیٰ وذی ظل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور ثانیاً بالعرض وبطور مجاز موصوف بالعرض کے ساتھ قائم اور اسی میں جلوہ گر پس جیسا کہ مرتبۂ مجاز ومرتبۂ موقوف کو اپنے مرتبۂ ذات سے یعنی مرتبۂ موقوف علیہ اور مرتبۂ حقیقت سے زیادہ، قرب ووابستگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمیں اور تمہیں اپنے مرتبۂ ذات سے زیادہ اور قوی مرتبہ ذات باری تعالیٰ جل وعلا سے قرب ووابستگی ہوگی۔''

واقعہ یہ ہے کہ ضابطے زندگی کی تخلیق کرتے ہیں۔ جوہر یا وجود، جنس اعلیٰ ہے۔ باقی تمام کونیات ارضی میں تعینات وتشخصات کا فرق ہے۔ اس فرق کے مطابق، اشیاء کے جنسی اور نوعی احکام وجود میں آتے ہیں۔ عالم متغیر ہے اور وجود واجب، خصوصیت حادثہ سے بے نیاز ہے۔ شمس وقمر، کواکب ونور، وجود عینی کے جلوۂ گریزاں یا ظلی نقوش ہیں۔ جو اس کی حقیقت ازلی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آفتاب حقیقت حجاب غیب میں ہے۔ شمع کی روشنی، مختلف شیشوں پر منعکس ہے۔ وحدت الٰہی کا یہ تصور، حکمت وفلسفہ کو وجدان کی صداقتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ مولانا احمد حسن محدث امروہوی نے وحدت الٰہی کے اس تصور کی اشاعت وتبلیغ کی اسی وجہ سے انھوں نے ہر حقیقت کو جو شریعت کے خلاف تھی، اسے باطل جانا اور ہر طریقت کو جو حقیقت سے منزہ تھی، گمراہی جانا کیونکہ ان کا علم حضرت جنید بغدادی کے الفاظ میں علمنا مشید بالکتاب والسنۃ کے مصداق تھا۔ وہ عالم بے بدل تھے۔ علم واخلاق کے اتمام نے ان سے آداب واشغال کی تقدیس حاصل کی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر نے ان کے ذریعہ صداقتوں کے قدم چومے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا علم، عین الیقین سے گزر کر، حق الیقین کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جو نفسی تکمیل کی آخری منزل ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مولانا کو حکمت ونظر اور جذب وسلوک

سے مقام معرفت مُیسر تھا۔ یہ نفسی تکمیل کی وہ بلندی ہے جہاں نفوس قدسیہ کے سامنے جن و بشر کے سر جھک جاتے ہیں۔ حضرت محدث امروہوی کو نہ صرف منطق، فلسفہ، ادب، طب، فقہ، کلام، معانی، حدیث وتفسیر اور جملہ علوم میں کامل دستگاہ حاصل تھی بلکہ یہ آپ کے زہد وارتقاء اور وجدان وشعور کی شہرت ہی کی وجہ تھی کہ آپ کے درس میں کابل، قندھار، عرب ممالک، برما، ملایا اور سمرقند وبخارا کے شائقین طلبہ حدیث پڑھنے کے لئے امروہہ آتے تھے اور علوم ظاہری و باطنی سے سیراب ہوکر واپس جاتے تھے۔ آپ کے درس میں جنات بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ میرے والد فرماتے ہیں کہ میری دادی کہا کرتی تھیں کہ تہجد کے وقت ایک آواز آیا کرتی تھی کہ حضرت بیدار ہوجائیں نماز کا وقت ہوگیا۔ جب دادی نے دریافت کیا تو کہا تم کو اس سے کیا مطلب۔ ان واقعات کی خبر حضرت نانوتوی کو بھی دی گئی تو آپ نے خط کے ذریعہ مبارکباد دی اور فرمایا مبارک ہو تمہارے درس میں جنات بھی شریک ہوتے ہیں۔

غرض مولانا نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کی۔ محسوساتی دنیا میں صرف سماجی زندگی ہی نہیں بلکہ اس میں مذہب کی بھی اہمیت ہے۔ سائنسی صداقت کو وجدانی تاثرات سے بھی ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگی نہ محض سائنس ہے نہ محض مذہب۔ زندگی، سائنسی مزاج، طبیعاتی علوم، عقلیت اور تجرباتی طریق کار کی گزرگاہ ہے۔ مولانا نے اپنی صدق دلی، سادہ لوحی اور نیک نیتی کی بدولت اپنے پیچھے ردائے لالہ وگل کی بے مائیگی کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے نام ونمود کو کبھی اہمیت نہ دی اور ایک گوشۂ عافیت میں مقصدی زندگی گزار کر چلے گئے۔ انھوں نے قید جہاں سے وابستگی اختیار نہیں کی کیونکہ ان کے دماغ کو صحبت روحانیاں حاصل تھی۔

تو در قید جہاں پابستہ و صد شکوہ سنجیہا
من از ہر ذرہ سازے کردہ راہے کردہ ام پیدا

مولانا احمد حسن محدث، خانوادۂ رضویہ کے چشم وچراغ اور حسینی سید تھے۔

ان کی درس وتدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا تک پھیلی رہی۔ ان کے حلقۂ درس میں دور دور سے شائقین علم آ کر شریک ہوتے تھے۔ آپ پر فلسفہ غالب تھا۔ معقولات میں ان کا طرز استدلال علمائے دیوبند میں ضرب المثل تھا۔ منقولات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر اس طرح سمجھاتے تھے کہ ہر منقول چیز عقلی طور پر ذہن نشین ہو جاتی تھی اور عقل اسے ماننے کے لئے تیار ہو جاتی تھی۔

شبنم کو جذب مہر سے رخصت پرواز ملتی ہے۔ جذب مہر نہ ہو تو بستر گل پر قطرۂ شبنم، ذوق رم و بیداری کہاں سے حاصل کرے۔ وہ ایک ذرۂ ساکت وصامت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جسے نہ دیدۂ امتیاز مل سکی اور نہ غنچہ وگل کی پاکدامنی۔ حضرت مولانا محدث امروہوی نے مذہب سے غنچہ وگل کی پاکدامنی حاصل کی تھی اور فلسفہ سے دیدۂ امتیاز۔ آپ کی دو کتابیں (۱) افادات احمدیہ قلمی (۲) افادات احمدیہ مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ کا شمار دیوبند کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ آپ دیوبند اسکول کے صف اول کے عالم تھے۔ جو اپنے علمی تبحر اور فلسفیانہ انداز فکر کے باعث تمام علماء میں فضیلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کہا کرتے تھے کہ دیوبند کی مجموعی طاقت مولانا سید احمد حسن محدث میں مجتمع ہو گئی تھی کیونکہ باقی تمام علماء سیاست میں پڑ گئے تھے اور آپ آخر وقت تک اپنے فرض منصبی درس وتدریس میں مشغول رہے۔ سیاست سے ہمیشہ اپنا دامن بچا کر رکھا۔ غالباً آپ علماء کی اس روش کو بہ نظر مستحسن نہیں دیکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ نے دیوبند اسکول سے الگ ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو آج تک امروہہ میں قائم ہے اور جس میں طلبہ طب، ریاضی، جغرافیہ، علم ابدان کے ساتھ ساتھ علوم ادیان کے الگ الگ شعبے قائم کیئے۔ آپ کی جامع شخصیت اور علمی تبحر کی شہرت سے اس درسگاہ کو اس قدر مقبولیت حاصل رہی کہ لوگ دور دور سے علوم وفنون حاصل کرنے آتے تھے اور اس چشمۂ علم وعمل سے فیضیاب ہوتے تھے۔ یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ وقار الملک نواب مشتاق حسین بڑے وضعدار خوش اخلاق اور مذہبی انسان تھے۔ سیاسی تحریک میں وہ سرسید کے رفیق کار

تھے لیکن جہاں تک عقائد کا تعلق تھا وہ سرسید سے اختلاف رکھتے تھے اور مولانا سید احمد حسن سے نسبت رکھتے تھے۔ وہ امروہہ میں مولانا کی قائم کردہ درسگاہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ حتیٰ کہ نواب صاحب نے اپنی جائداد کا ایک حصہ مدرسہ کے نام وقف کیا تھا۔

ریاست حیدرآباد کے سابق مدارالمہام (وزیراعظم) اور مسلم یونیورسٹی کے سابق چانسلر نواب احمد سعید آف چھتاری مولانا مرحوم سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب دافع البلاء میں مولانا احمد حسن محدث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ علماء میں یہ واحد عالم ہیں۔ جن سے میں ڈرتا ہوں۔ امروہہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے اس میں بڑے بڑے مشائخ، علماء اور ہر فن کے ماہر پیدا ہوئے۔ مولانا سید احمد حسن کا خاندان تقریباً چھ سو سال سے اس سرزمین پر آباد ہے اور بہت ذی وجاہت خاندان مانا جاتا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی، عبدالحق محدث دہلوی، سید کمال سنبھلی مؤلف اسراریہ، علامہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتابوں میں مولانا کے خاندان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض مولانا نے بےلوث ہوکر اور سچائی سے ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت انجام دی۔ اپنا بچپن اور جوانی علم کی تحصیل میں گزاردی اور شباب وشیب تشنگان علوم کی سیرابی کی نذر کردیا۔

مولانا احمد حسن محدث مجتہدانہ ذوق وبصیرت رکھتے تھے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے قرون آخیرہ تک مفسرین کا رنگ تقلیدی ہے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی اس کو بلندیوں سے اس قدر نیچے اتارلیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔ قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیاں، اپنے طریق خطاب اور اپنے طریق استدلال غرص کہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں۔ روم وایران کے تمدن کی ہواؤں نے طبیعتوں کو وضعی بنادیا۔ فطریت دور ہوگئی۔ صحابہ آیات کا مطلب فوراً سمجھ لیتے تھے۔ سلف کی طبیعتیں، وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں۔ اس لئے وہ قرآن کی

سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ سمجھ لیتے تھے لیکن خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی۔ امام رازی کی تفسیر کبیر فلسفہ کی گہرائیوں میں گم ہوگئی۔ چنانچہ مشہور ہے کل شیءٍ الاالقرآن۔ وضعیت کے استغراق نے فلسفہ ومنطق کا چسکا دیا۔ جس کی وجہ سے قرآن کا فطری لب ولہجہ مجروح ہوگیا۔ مثلاً 'الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ' کی نسبت عبداللہ بن عباس اور ابن مسعود سے مروی ہے کہ اس سے مراد عرب کے اہل ایمان ہیں اور 'والذین یومنون بما انزل الیک' سے مراد اہل کتاب ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے یہی تفسیر کی لیکن وضعیت پسندوں نے اس کی شکل بگاڑ دی۔ بعد کے مفسرین کو قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات کو ارسطو کی منطق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ثابت کریں۔ فلسفہ ومنطق کا انہاک تھا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری تفسیر بالرائے سے پیدا ہوئی۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت اس لئے نہیں کی گئی تھی کہ قرآن کے مطالب میں عقل وبصیرت سے کام نہ لیا جائے بلکہ اس بات کی ممانعت ہے کہ شارح اپنی بات کے لئے کسی طرح قرآن کو اس کے مطابق کرلے۔ ورنہ قرآن کہتا ہے 'افلا یتدبرون القرآن'۔ ہر جگہ تعقل وتفکر کی دعوت ہے۔ تفسیر بالرائے کی وجہ سے مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہوئے۔ ہر طبقہ نے قرآن کو اپنے مسلک کے مطابق ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اسی طرح مذاہب فقہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ آج کل کے مدعیان اجتہاد نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نیوٹن یا ڈارون، ارسطو یا آئن سٹائن کے نظریات وفلسفہ اندیشیوں کی تفسیر کرنے نہیں آیا۔
دوسرا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ تصور الٰہی یا صفات الٰہی۔ جس کا تعلق مابعدالطبیعات اور مذہب دونوں سے ہے۔ ہندوستان، یونان اور سکندریہ کے فلاسفہ کا بیشتر ذخیرۂ علم اسی بحث سے متعلق ہے۔ ہمارے ہاں بھی اسی مختلف فیہ مسئلہ سے اشاعرہ پیدا ہوئے۔ غرض مذاہب عالم کا اعتقادی تصور اس باب میں بکھرا ہوا ہے۔ مولانا احمد حسن محدث نے اس مسائل میں استقامت فکر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

لقد آتینک سبعا من الثانی والقرآن العظیم

امام بخاری، امام مالک، ترمذی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے متفقہ طور پر اس آیت سے مراد سورۃ فاتحہ لیا ہے۔ قرآن کی پوری تعلیم کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حمد، ربوبیت، رحمت اور عدالت۔

حمد: عربی میں ثنائے جمیل کو کہتے ہیں۔ ثنا اس کی کی جاتی ہے جو اچھی ہو۔ الحمد پر الف لام استغراق کا ہے۔ رب العالمین میں، خدا کی عالمگیر ربوبیت کی طرف اشارہ ہے جو کسی خاص فرقے یا نسل کے لئے مخصوص نہیں۔ عدل، منافی رحمت نہیں بلکہ عین رحمت ہے۔ پوری سورۃ الفاتحہ کا انداز دعائیہ ہے۔ اس میں حکم یا امر کا پیرایہ نہیں۔ حمد کی قید اس لئے ہے کہ اگر محمودیت جلوہ افروز ہو تو زبان حمد وستائش کیوں خاموش رہے کیونکہ اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہی رہی ہے کہ اس کی نظریں مصنوعات کے جلوؤں میں محو ہو کر رہ جاتی ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ حسن و جمال کی شیفتگی عشق کی توہین نہیں، اس کی زندگی ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش، اصنام پرستی کی طرف لے گئی۔

ربوبیت: اگر کوئی شخص، کسی شخص کو کھانا کھلائے تو وہ اس کا کرم، احسان اور جود (سخاوت) ہو گا ربوبیت نہ ہو گی۔ ربوبیت کے مفہوم میں پرورش و نگہداشت کا مسلسل اہتمام اور ایک وجود کو اس کی رشد و تکمیل تک اس کا سروسامان کرنا ربوبیت ہے۔ تقدیر، اشیاء، پانی کا نظام، عناصر حیات، نظام پرورش یہ سب ربوبیت الٰہی ہے۔ پتھر ہو یا گلاب کا پھول، حیوان ہو یا انسان، قدرت سب کو نشوونما کے ذرائع بہم پہنچاتی ہے۔ ماں بچے کو سینے سے لگاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی آغوش میں اس کی غذا کا سرچشمہ ہے۔ قرآن نے تکوین وجود کے لئے چار مرتبے بیان کئے ہیں۔ تخلیق، تسویہ، تقدیر، ہدایت۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی۔ یعنی پہلے تخلیق ہوتی ہے پھر اس کے متناسب اعضاء (تسویہ) بنائے جاتے ہیں پھر تقدیر اور پھر ہدایت۔

الرحمٰن الرحیم: میں رحمت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ الرحمٰن فعلان کے وزن

پر ہے جس کا خاصہ حدوث ہے اور الرحیم فعیل کے وزن پر ہے اس میں صفت ثابتہ ہوتی ہے۔
مالک یوم الدین: میں خدا کی عدالت کی طرف اشارہ ہے یہ ہیں وہ مباحث جو مولانا محدث کی نگارشات اوران کے فتاویٰ میں ملتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جماعت سے الگ رہ کر شخصیت بنتی ہے۔ مولانا احمد حسن محدث کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے معتقدات یعنی قرآن کو کبریٰ اور طرز استدلال اور ماحول کے واقعات کو صغریٰ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مولانا کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ کی حکمت میں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ بندوں کے بڑے بڑے لوگوں کو دین اسلام اختیار کرنے کی تلقین علماء کے ذریعے کرتا ہے۔

باب دوم

مولانا سید احمد حسن محدثؒ احوال وآثار

(۱۲۶۷-۱۳۳۰ھ/۱۸۵۰-۱۹۱۲ء)

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ ایک عبقری شخصیت تھے۔ وہ علم وحکمت، شعور وآ گہی، عشق وایقان کا ایک مینارۂ نور تھے۔ جس نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے دلوں میں دین اسلام کے چراغ روشن کیئے۔ انھوں نے عالم اسلام کو من حیث المجموع وہ نور فکر ونظر عطا کیا۔ جس نے ان کی نشأۃ ثانیہ کی راہ کو تابناک بنایا۔

حضرت محدث امروہوی کی ولادت ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء کو امروہہ میں ہوئی۔ حضرت شاہ عبداللہ عرف شاہ سید ابن ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء جو سادات رضویہ سے تھے۔ حضرت محدث امروہوی سے مورث اعلیٰ تھے۔ جن کا تذکرہ ہندوستان کی مشہور تاریخوں میں ملتا ہے۔

حضرت محدث امروہوی

مولانا سید احمد حسن کی اہمیت یہ ہے کہ مولانا سید احمد حسن کو حدیث مسلسل بالاولیت کی اجازت براہ راست شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی تھی۔ جو حضرت مولانا محمد قاسم کے استاد تھے۔ گویا استاد الاستاد سے سند حدیث حاصل تھی۔ نسبا آپ

کا تعلق سادات حسینی سے تھا۔ خورجہ، سنبھل اور دہلی کے مدرسوں میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ سب سے پہلے خورجہ گئے۔ سب جگہ صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، فلسفہ اور جملہ علوم وفنون کے درس دیئے اور تشنگان علوم کی ایک بڑی جماعت کو سیراب کیا۔ انھوں نے تمام عمر درسی مشاغل میں صرف کی۔

مدرسہ عبدالرب میں مولانا احمد حسن صدر مدرس تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ حضرت محدث امروہوی سب سے پہلے خورجہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ وہاں سے کچھ عرصہ کے لئے سنبھل کے مدرسہ جامع مسجد میں درس دیا۔ پھر مدرسہ عبدالرب دہلی پہنچ کر درس وتدریس کی خدمات انجم دیں۔ ۱۲۹۷ھ سے ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ مدرسہ شاہی صدر مدرس رہے۔ آخر میں اپنے وطن میں مدرسہ جامع مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ مدرسہ شاہی کے پہلے صدر مدرس مولانا احمد حسن تھے۔ حضرت نانوتوی کی زندگی میں حضرت کے ارشاد وایماء پر ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں مدرستہ الغرباء قائم ہوا۔ جواب مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے۔

حافظ محمد احمد صاحب (۱۸۹۲-۱۹۲۸ء)

حضرت نانوتوی نے اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد کو تعلیم وتربیت کے لئے حضرت محدث امروہوی کے پاس مراد آباد بھیجا۔ حضرت محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے حافظ محمد احمد ولادت ۱۲۷۹ھ/۱۸۹۲ء وفات ۳رجمادی الاول ۱۳۴۷ھ/ ۱۸راکتوبر ۱۹۲۸ء چھ بہنوں کے بعد پیدا ہوئے۔ حافظ محمد احمد صاحب نے مولانا احمد حسن محدث امروہوی سے حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا نانوتوی نے اپنے صاحبزادے کو حضرت محدث امروہوی کے پاس تعلیم حاصل کرنے بھیجا۔ اس وقت یہ مدرسہ شاہی مسجد میں تھا۔ مولانا نانوتوی کا کہنا یہ تھا جس طرح میں نے تمہاری تعلیم وتربیت کی ہے اب تم میرے لڑکے کی تعلیم وتربیت کرو۔ یہ تمہارے سپرد ہے۔ پہلے ہی سال میں طلبہ جوق در جوق مدرسہ میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ دیوبند اور سہارنپور کے بعد عظیم الشان مدرسہ بن گیا۔

حضرت نانوتوی کا وصال ۴/ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ/ ۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء کو ہوا۔ مولانا محدث امروہوی نے علم الادیان اور علم الابدان دونوں کو فروغ دیا۔ مولانا احمد حسن کی وجہ سے حکیموں کا بہت بڑا قافلہ امروہہ میں پیدا ہوگیا۔ مولانا کی تقریر ترمذی مشہور ہے۔ ترمذی عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے سمجھاتے تھے۔ آپ کا جلال مشہور تھا۔ مورخ امروہہ نے لکھا ہے کہ جلسوں کے موقعوں پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال اور فضلاء مجتمع ہوتے تھے۔ آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں نظر آتی تھی۔ جب کسی دقیق علمی مسئلے پر گفتگو کرتے تو مجمع ہمہ تن گوش ہو کر سنتا اور لوگ آپ کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے۔

نواب وقار الملک مولانا کی قائم کردہ درسگاہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ کی وفات پر شیخ الھند مولانا محمود حسن نے دل سوز مرثیہ لکھا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے 'جاں گداز سانحہ' کے عنوان سے ایک موثر مقالہ سپرد قلم کیا جو القاسم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا۔ مولانا نے لکھا۔ ''ارکان جماعت کا ایک بڑا رکن منہدم ہوگیا۔''

مولانا معقول و منقول کے جامع تھے۔ آپ کی وفات پر بڑے بڑے اکابر علمائے ہند نے عربی، فارسی اور اردو میں مرثیے لکھے۔ جو اخبار و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے ایک ماہنامہ القاسم نکلتا تھا۔ جو ایک علمی مذہبی، اخلاقی، ادبی، تمدنی اور تاریخی جریدہ تھا۔ اس کے مدیر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی تھے۔ اس رسالے کے سرورق پر مولانا احمد حسن امروہی کا نام سرپرست کی حیثیت سے لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ کیجیے ماہنامہ القاسم کے حسب ذیل رسالے:

۱- رسالہ القاسم بابت ماہ محرم ۱۳۲۹ھ

۲- رسالہ القاسم بابت صفر ۱۳۲۹ھ

۳- رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

حدیث مسلسل بالاولیت، مسلسل بالتمر مسلسل بالمصافحہ میں مولانا احمد حسن کو

حدیث مسلسل بالاولیت حاصل تھی۔ جو یہ ہے۔ مولانا احمد حسن نے شاہ عبدالغنی سے، شاہ صاحب نے مولانا محمد اسحاق سے، محمد اسحاق نے شاہ عبدالعزیز سے، شاہ صاحب نے شاہ ولی اللہ سے اور شاہ ولی اللہ کی سند سب جگہ مشہور ہے۔

شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی دستار بندی جب ہوئی تھی۔ گمان یہ ہے کہ اسی سال حضرت محدث امروہوی کو بھی دستار فضیلت ملی ہوگی۔

حضرت محدث امروہوی نے حج بیت اللہ نوجوانی میں کیا۔ حج کے موقع پر انھوں نے شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے ملاقات کی اور سند حدیث حاصل کی۔

خورجہ، سنبھل اور دہلی

خورجہ میں مدرسہ کی حالت بگڑ جانے کی وجہ سے منشی حمید الدین بیخود سنبھلی حضرت محدث امروہوی کو سنبھل لے گئے۔ جہاں جامع مسجد سنبھل کے قریب ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ سنبھل ایکسال سے زیادہ نہیں رہے ہوں گے کہ خاں صاحب عبداللہ خاں خورجوی منت سماجت کر کے اور منشی حمید الدین بیخود سنبھلی کو راضی کر کے حضرت امروہوی کو پھر خورجہ لے گئے۔ وہاں سے ایک سال کے اندر استعفیٰ دے کر مدرسہ عبدالرب دہلی آ گئے۔ وہاں بھی تقریباً ایک سال رہے۔

منشی حمید الدین سنبھلی

منشی حمید الدین سنبھلی حضرت دادا صاحبؒ سے بے حد عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ وہ ظہور الدین عیش سنبھلی کے والد بزرگوار تھے۔ دیوبند کے فاضل تھے۔ انھوں نے سنبھل میں مدرسہ قائم کیا تھا۔ وہ دادا صاحب کے مرید تھے۔

مدرسہ شاہی

۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء کو شاہی مسجد مرادآباد کے اندر مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مدرسہ کا نام مدرسۃ الغرباء تھا لیکن شاہی مسجد کی وجہ سے مدرسہ شاہی کہلاتا ہے۔

شوال ۱۳۰۳ھ مطابق جولائی ۱۸۸۶ء تک حضرت امروہوی شاہی مراد آباد کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد وہاں کے بعض ممبران کی باتوں سے ناراض ہو کر استعفیٰ دیدیا۔ میرٹھ وغیرہ سے بھی آپ کے پاس آفر آیا لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا۔

مدرسہ اسلامیہ امروہہ

اہل امروہہ نے مشورہ کر کے حضرت کو امروہہ کے مدرسے میں رہنے پر مجبور کر دیا تاج المدارس کے نام سے مدرسہ پہلے کہیں اور تھا۔ جب حضرت امروہی آ گئے اس مدرسہ کا نام مدرسہ اسلامیہ امروہہ رکھا۔ پورے شہر میں اس شان کا مدرسہ نہ تھا۔ مولانا امروہی کے تعلق کے بعد یہ مدرسہ بام عروج کو پہنچا۔ پہلے ہی سال عربی کے طلبہ امروہہ اور قرب وجوار اور دور دراز سے جوق در جوق آنے لگے۔

حضرت شیخ الھند بھی مدرسہ عالیہ دیوبند میں داخلہ لینے والے طلبہ سے فرما دیتے تھے کہ تم میر احمد حسن امروہی کے پاس جاؤ وہاں تمہیں تشفی بخش جواب ملیں گے۔ بہت سے طلبہ اس طرح بھی دارالعلوم دیوبند سے چل کر مدرسہ امروہہ میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ تاشقند، سمرقند و بخارا سے طلبہ آنے لگے۔ افسوس ہے کہ وہ رجسٹر جس میں قیام مدرسہ سے لے کر ۱۳۲۹ھ تک کے فارغ التحصیل طلبہ کے اسماء درج تھے۔ وہ ریکارڈ تلف ہو گیا۔ اس سے ہم ایک اہم تاریخی دستاویز سے محروم ہو گئے۔

نام ونسب

حضرت کا اسم گرامی سید احمد حسن تھا اور والد ماجد کا نام سید اکبر حسین تھا۔ آپ شاہ ابوالقاسم کی اولاد میں تھے۔ جو حضرت شاہ عبداللہ عرف سید ابن ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء کے فرزند اصغر تھے۔ تاریخ امروہہ جلد سوم تحقیق الانساب صفحہ ۷۰ مطبوعہ برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء میں اولاد شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا شجرہ ہے۔

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۶ | بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

ادارہ اہتمامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڈھ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ محرم ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

رجسٹرڈ نمبر ۲۳۷

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر [illegible] | بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڈھ میں مولوی رشید احمد انصاری کے اہتمام سے چھپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدسین و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر [illegible] بابت ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۹ھ جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڑھ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

اطلاع۔ باوجود چھ ماہ گذر جانے کے متعدد ناظرین کے نام کے ویلیو کی قیمت ڈاکخانہ سے وصول نہیں ہوئی۔ صرف اُن صاحبوں کی تحریر کے اعتماد پر کہ ہم نے ویلیو وصول کرلیا ہی دفتر سے رسالہ اُنکے نام جاری ہے اب بھی اگر کوئی صاحب ایسے رہ گئے ہوں کہ باوجود ویلیو وصول کرنے اور قیمت ادا فرمانے کے رسالہ بند ہو وہ بلا تکلف مطلع فرمائیں رسالہ جاری کیا جائیگا۔

جو حضرات تبدیل پتہ وغیرہ کی فرمائش کے ساتھ نمبر خریداری نہیں تحریر فرماتے گو اسوقت تلاش و دقت سے ان کی تعمیل ارشاد کردی جاتی ہی لیکن رسالہ کی روز افزوں ترقی پر نظر کرتے ہوئے آیندہ امید نہیں کہ تعمیل ہوسکے۔

حضرت محدث امروہوی کی جامعیت

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ایک بلند پایہ محدث تو تھے ہی تفسیر و فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ فنون حکمیہ اور فنون معقولہ پر نظر تھی اور فن طب سے بھی واقف تھے۔ مگر باقاعدہ اس کا مظاہرہ مطب کی صورت میں نہیں کیا۔ ہمیشہ تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرنے کی طرف متوجہ رہے۔ یہاں پر ہم درس حدیث و فقہ کے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔

تقریر ترمذی شریف کا ایک نمونہ

باب ماجاء اذا اقیمت الصلوٰۃ، فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ نکرہ تحت نفی واقع ہوا ہے۔ جس میں عموم سمجھ میں آتا ہے یعنی کوئی صلوٰۃ نہیں جب اقامت کی جاوے مگر وہی نماز جس کی اقامت کی گئی ہے۔ تو جن صاحبو نے یہ سمجھا کہ رکعی الفجر بھی جائز نہیں۔ ان کے مذہب میں تو کوئی قصور نہیں لیکن حنفیہ کو اس کا جواب دینا ہوگا کہ صریح حدیث موجود ہے کہ کوئی صلوٰۃ نہیں پھر حنفیہ نے جو دو رکعت فجر (سنت) کو علیحدہ مکان میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا کیا سبب؟ تو یا تو یہ جواب دیا جائے کہ حاشیہ بخاری میں مولانا احمد علی نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاد مولانا اسحاق دہلوی سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ اسی حدیث میں استثناء رکعتی الفجر کا موجود ہے۔ دلیل نقلی تو یہ کافی ہے اور بپاس خاطر شوافع مان لیا جاوے کہ یہ جو بخاری کے حاشیہ پر موجود ہے (بیہقی کی روایت) پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی تو خاص حدیث میں اگر غور کیا کیجئے اور تدبر تو جواب نکل آتا ہے۔

آپ نے اذا کا لفظ فرمایا ہے اور اذا دو حال سے خالی نہیں یا مکانی یا زمانی۔ اگر زمانی مراد ہو تو جب تو چاہئے کہ مثلاً ہم کو یقینی معلوم ہے کہ ظہر کی اقامت فلاں وقت ہوتی ہے۔ (کعبہ شریف) مسجد الحرام یا جامع مسجد دہلی میں تو یہاں پر ہم کو سنن و نوافل کا پڑھنا ممنوع ہے۔ حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں یا مثلاً مسجد میں اقامت

ہوئی۔ تو معذور کو یا جو اس مسجد سے علیحدہ نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کو (نماز پڑھنا) ہرگز جائز نہ ہو تو چونکہ زمانہ پر حمل کرنا محال کو مستلزم ہے۔ تو وہ تو مراد نہیں ہوسکتا۔ تو اب متعین ہوگیا کہ اذا مکانی ہے تو اصل حدیث یہ قرار پائے گا کہ جس مکان میں اقامت صلوٰۃ ہو وہاں پر صلوٰۃ جائز ہے۔ نہ کوئی اور نماز جائز ہے۔ امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ بیشک اس جلسہ اور مکان میں جائز نہیں اگر کوئی سنن پڑھے تو علیحدہ باب مسجد پر یا فصیل مسجد پر یا اگر اقامت اندر ہو تو باہر اور باہر ہو تو اندر پڑھے اور یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہا مخالف ہیں کوئی تو اس بات کا قائل ہو کہ باب پر پڑھنا چاہئے۔ اس نے اس بات پر نظر کی کہ مرور رجل، مصلّی کے سامنے جائز نہیں۔ اگرچہ وہ باہر نماز پڑھتا ہوا اور کوئی اس بات کا قائل ہوا کہ باہر پڑھ لے اور اگر اقامت اندر ہوئی اور اندر پڑھ لے اور اقامت باہر ہوئی تو اس نے اس بات پر نظر کی کہ قاری قرآن ایک آیت سجدہ چند بار پڑھتے ہوئے چلے اور اس پر ایک سجدہ لازم آئے گا اور اگر باہر آجاوے اور اسی آیت کو پڑھے تو دوبارہ سجدہ لازم آئے گا۔ چونکہ جلسہ مختلف ہوگیا۔ تو اس نے اس بات پر نظر کی۔ دونوں کا حکم علیحدہ دے۔ وہ مکان اور ہے اور یہ اور ہے۔ اختلاف چھوٹی مسجد ہونے کے باعث ہے۔ وہ حکم پہلا چھوٹی مسجد کا تھا اور یہ بڑی مسجد کا۔ لیکن کوئی کہہ سکتا ہے کہ سنن ظہر میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے (ظہر کے) بعد ایسا وقت نہیں جس کے بارے میں نہی وارد ہوا ہو۔ جیسا کہ بعد فجر نہی وارد ہے۔ تو اس کو اس پر قیاس نہیں کرسکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درس قرآن کا نمونہ

جناب باری فرماتے ہیں۔ فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔

اس پر شبہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جملہ خبریہ جس وقت جناب باری کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ محتمل کذب تو ہوا ہی نہیں کرتا ہے۔ صادق ہی ہوا کرتا ہے اور اس

میں بھی شک نہیں کہ قیامت کے دن ایسے ویسے لوگوں کے تو کیا کہنے انبیاء علیھم السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے اور کہیں گے کہ اس کی بے نیازی کی کوئی انتہا نہیں۔ دیکھئے ہمارے واسطے کیا حکم ہو؟

یہ کلام فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کے کیسا مخالف معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اس کے جواب میں یوں خیال آتا ہے کہ ایک تو صورت فلا خوف لھم کی ہے۔ اس کی صورت یوں خیال فرمایئے کہ جیسے کوئی شخص کسی جرم میں ماخوذ نہ ہو اور اسے حاکم یوں کہہ دے کہ تجھے اس سے خوف کرنے سے کچھ مطلب نہیں۔ ہم ہرگز تجھ سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ ایسی جگہ تو فلا خوف لھم صادق آتا ہے اور ایک صورت فلا خوف علیھم کی ہے۔ اس کا حاصل اتنا ہوتا ہے کہ اس مجرم کو بیشک خوف ہے کہ دیکھئے کیا سزا تجویز ہو۔ لیکن جو شخص قانون دار سرکار ہوں ان کو ہرگز خوف نہیں ہوگا۔ بلکہ کچھ قانون کے موافق ہوگا۔ جان لیں گے کہ یہی ہوتا ہے خوف کا کوئی مقام نہیں۔

یہاں پر جناب باری نے علیھم فرمایا ہے لھم نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب اتنا ہے کہ جو قانون دان ہیں ان پر قسم قسم کا خوف وحزن نہیں اور وہ فرشتے وغیرہ ہیں۔ گو ان لوگوں کو ہو، پس جس وقت میں دونوں میں یہ فرق ہو گیا۔ اب کسی قسم کا تعارض نہیں رہا۔ یہ بات کہ ولا ھم یحزنون کا لفظ کیوں فرمایا اور ولا ھم یغمون کا لفظ کیوں نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ حزن کا نام ہے کہ جو فوت مطلوب پر غم وغیرہ ہو اور ھم اس کا نام ہے کہ کوئی قصور ہوا ہو اور پھر حاکم کے سامنے یہ غم پیدا ہو کہ دیکھئے کیا سزا ملے گے۔ جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو کہہ سکتے ہیں کہ وہاں پر فوت مطلوب بعض ہونے کا جو اس پر غم پیدا ہو۔ ہاں بخوف سزا یہ غم والم پیدا ہوگا۔ لہٰذا حزن کو اختیار فرمایا۔ اس کی وجہ ولا ھم یحزنون کو جملہ فعلیہ کے ساتھ کیا۔ فلا خوف جملہ اسمیہ کے ساتھ جواب دو سمجھ میں آتے ہیں۔ اول تو اسکی اور خاص اس کی مطابقت کی کوئی ضرورت نہیں۔ علاوہ اس کے جملہ فعلیہ جو ہوتا ہے تجدد پر دلالت کیا کرتا ہے اور جملہ اسمیہ دوام اور استمرار پر۔ یہاں پر جناب باری فلا خوف علیھم فرما کر اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ قانون

شناسراں دفتر خداوندی کے جولوگ ہیں۔ان پر ہمیشہ ہمیشہ خوف نہ ہوگا اوران کو گھڑی گھڑی یہ صورت پیش نہیں آنے کی۔جو فورِ مطلوب پر حزن نہیں ہوگا۔واللہ اعلم بیاض احمدی۔ص ۱۹-۲۱

مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کی تصانیف (آثار) یہ ہیں:

۱- افادات احمدیہ مطبوعہ (اول)

حضرت محدث امروہوی کی تالیف افادات احمدیہ (اول) آپ کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۱۹۱۵ء میں میرے والد مولانا سید محمد رضوی عرف بنے میاں نے مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی نگرانی میں دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے شائع کرائی۔ یہ کتاب ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور کاغذ وطباعت اعلیٰ ہے۔

اس میں حسب ذیل ۹ مضامین ہیں:

۱- دعوت الاسلام۔یہ مناظرۂ نگینہ کی تقریر ہے۔

۲- العجالتہ فی اثبات التوحید والرسالتہ (اثبات توحید عقلی دلائل سے)

۳- ہدیۂ احمدیہ فی سنیتہ الخطبتہ بالعربیتہ (خطبہ جمعہ کا عربی میں جواز)

۴- الدلیل الاباہر علی صحتہ القولین فی شق القمر (شق القمر کے بارے میں حضرت امام رازی اور شاہ ولی اللہ کے اقوال میں تطبیق۔یہ حکیم بنیاد علی کے نام ایک خط ہے جو ان کے مکتوب کے جواب میں لکھا گیا۔)

۵- التحبیر فی اثبات التقدیر (تقدیر کا مسئلہ)

۶- ابطال تناسخ (تناسخ یعنی آواگون کا ابطال)

۷- القول الاعلیٰ فی رویتہ اللہ تعالیٰ (دیدار خداوندی کے موضوع پر)

۸- القول المختصر فی ابطال جسمیتہ الرب الاکبر (خدا کسی مادی جسم میں ظاہر نہیں ہوسکتا)

۹- تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری (مشرکین کی عاقبت کے موضوع پر)

۲- افادات احمدیہ قلمی (حصہ دوم)

افادات احمدیہ حصہ دوم کی تالیف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ اس کا
نسخہ حضرت مولانا عبدالغنی پھلاودی کے ذخیرے میں موجود ہے۔ اس کو محمد یحییٰ
شاہجہاں پوری نے حضرت امروہی کی زندگی میں ترتیب دیا تھا۔ یہ ۸۹ صفحات کی
کتاب ہے۔ خط نستعلیق، صاف کاغذ بادامی۔ نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ اس کی
کتابت ۶ رجمادی الثانی ۱۳۱۶ھ بروز یکشنبہ امجد علی کے قلم سے تمام ہوا۔ مولانا
عبدالغنی پھلاودی نے تاریخ تصنیف اس طرح کی ہے۔

سزدائے حافظ دل خستہ بہر سال تاریخش
مکاتیب محمد را اشارات و شفا گفتن

۱۲۹۰ھ

کہ بد سرمایۂ تحقیق شان اقوال زیدوعمر
ز تقویم کہن بس خانہائے این و آن رفتن
زعلم من لدن مضمون شنفتس گرہوس داری
بہ علم احمدی بنگر زبس تازہ گہر سفتن

۱۲۹۰ھ

کہ این جا علم حقانی بفضل و لطف یزدانی
زفرط آرش و معنی فزون از حیطۂ گفتن

اس نسخہ کی کتابت کے آخر کی تاریخ مولانا پھلاودی نے یوں لکھی ہے۔

کتابے طرفہ تر دیدم، زجائے خویش برجستم
افاداتش ہمہ خوانند از ہاتف شنید ستم
بدل تاریخ رقمش ریختہ از عالم بالا
بہر دو صفحۂ قرطاس حافظ نقش بربستم

۱۶۰ + ۱۳۱۴ھ

افادات احمدیہ (قلمی) کے دیباچہ میں محمد یحییٰ شاہجہانپوری نے حضرت

محدث امروہوی کی شان میں لکھے ہوئے چند اشعار درج کئے ہیں۔ یہ الفاظ و معانی کے لحاظ سے ایسے دلکش ہیں کہ ان کا انتخاب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

ختم شد سر حقیقت بردل دانائے او
مرجع قد وسیان شد مسکن و مادائے او
نائب ختم نبوت مصدر علم و عمل
مطلع انوار وحدت دیدۂ بینائے او
ذوکمال و ذوفنون و چشمہ فضل وکرم
می شود سیراب ہر کس از لب دریائے او
یک زمانہ از کمالش دست حسرت می گزد
کیست دراقصائے عالم ہمسرو ہمتائے او
نقل را از وے فروغ ، عقل راورنق ازو
نکتہ ہائے جانفزا پیدا، زیک ایمائے او
ذات پاکش روزوشب مشغول درس علم دین
آفرین صد آفرین بر ہمت والائے او

سحر گویم مینا قصۂ تقریر را
می کند سرشارد بیخود نشہ صہبائے او
سر گروہ اولیاء نور مجسم سر بسر
صد ہزاراں جان فدا بر طلعت زیبائے او
گلشن مقصود عالم، ثمرۂ نخل امید
سر و بستان شریعت، قامت زیبائے او
عالمے بینم کہ باصد آرزو ہائے دلی
طوطیائے چشم ساز دخاک زیرپائے او

من کہ باشم لب کشادر مدحت مولائے خویش
طاقت انسان نہ باشد چوں کند املائے او

دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت محدث امروہوی مدرسہ اسلامیہ واقع خورجہ ضلع بلند شہر میں درس دے رہے تھے۔ مولوی محمد حسن سنبھلی نے جمادی الاول ۱۲۹۰ھ (جون ۱۸۷۳ء) میں ایک خط بھیجا اور اس میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر حضرت بشیر و نذیر علیہ السلام کی تحقیق چاہی لیکن محمد حسن سنبھلی کے خط کا انداز مناظرانہ تھا۔

نوٹ: یہ محمد حسن سنبھلی بن ظہور حسن بن شمس علی اسرائیلی کہلاتے ہیں۔ ان کو معقولات کا شوق تھا۔ رامپور میں کتب درسیہ پڑھیں۔ انھوں نے بدھ کے دن ۱۳ رصفر ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء کو انتقال کیا۔

بہر کیف حضرت نے تضیع اوقات سمجھ کر اس کا جواب نہ دیا اور معذرت کرلی۔ مولوی محمد حسن سنبھلی نے اس معذرت کا یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت امروہی تاب مقاومت نہ لا سکے۔ تب حضرت امروہوی نے مجبور ہو کر ان سے تحریری مناظرہ شروع کیا۔ دونوں فریقوں کے درمیان اس موضوع پر جن خطوط کا تبادلہ ہوا۔ وہ محمد یحیٰی شاہ جہانپوری نے افادات احمدیہ حصہ دوم قلمی میں جمع کر دیا۔ مولانا محمد حسن سنبھلی نے جو فارسی خطوط حضرت محدث امروہی کو لکھے ہیں ان کی عبارت میں تصنع اور تکلف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کے لئے انھوں نے ثقیل الفاظ کا استعمال کیا۔ اس کے برعکس حضرت محدث امروہی کے خطوط کی زبان سادہ اور بے تکلف ہے۔ نمونہ خط ملاحظہ ہو۔

خط مولانا محمد حسن سنبھلی

''آنچہ ربط واتحاد فیما بین در سابق بظہور پیوستہ۔ وایتلافی سالف کہ در تہہ دل نشستہ ظاہر و منجلی است۔ اما احیائے ارض مودت بدون تجدد امثال ملاقات متصور نہ بود بلکہ بغیر استدامت واستمرار ابتہاج مواصلت ظاہر نشود لاکن چونکہ دریں

خصوص وجود تغشیہ ہیولاتی وغواشی حواشی جسمانی از تمثیت کارخانہ امضائے اعمار و تبقیت مجاری امراء اعصار مانع تکثر افراد وصال آمد۔"

مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ

والا نامہ کہ انتخاب صراح وقاموس است رسید۔ برمضامینش اطلاع دست داد۔ ملتمس ہائے فقیر اگر بسمع قبول نیامد۔ دعوئ خویش بادلائل زیب رقم فرمانید۔ ہر چہ بخاطر فاتر خواہد رسید گزارش خواہم نمود جواب مختصر سادہ بشتم کہ از خدمت طلبہ فرصت نیست۔"

اس مناظرۂ تحریری میں حضرت محدث نے مولوی محمد حسن کو دعوت دی کہ پہلے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل امکان دیں۔ حضرت محدث امروہی نے لکھا کہ نصوص قطعیہ عموم قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ مولانا سنبھلی نے کہا کہ امکان پر کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ عموم قدرت تا بممکنات ہے۔ انھوں نے عبارت آرائی سے زیادہ سروکار رکھا اور ادھر ادھر کی ذیلی مباحث میں الجھاتے رہے۔ کوئی خاص اور اہم دلیل نفس موضوع پر نہ لائے۔ اس کے علاوہ ان کے خطوں میں لہجے کی شوخی بھی بڑھتی گئی۔ ایک خط میں لکھا کہ محض طی کتب بکار نمی آید، شعور و تمیز ہم می باید۔"

حضرت محدث نے جواب میں فرمایا یہ انداز گفتگو مناسب نہیں (ورق ۱۳)

مولوی محمد حسن نے طنزاً تبحر ابھی لکھا تھا۔ مولانا امروہی نے لکھا کہ میں نے معقولات کے چند رسالے پڑھے ہیں اور تھوڑی سے مناسبت معقولات سے ہے۔ "آں مخدوم زہراب یونانیاں تا بگلو کشیدہ اند و آں ہم دست کسانیکہ ثانی ارسطو وافلاطون و بوعلی سینا باید گفت تبحر بہ شان والا می زیبد۔"

نوٹ: یہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور ان کے خانوادے کی طرف اشارہ ہے۔

مولانا محمد حسن نے لفظی گرفت بھی شروع کردی تھی۔ مولانا احمد حسن امروہیؒ نے ایک جگہ سہواً شعب کی جگہ شغف لکھ دیا۔ تو اس پر فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ متناقضین کی جگہ متقابلین کا محل ہے وغیرہ (ورق ۱۴ الف)

یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ افادات احمدیہ حصہ دوم کے مباحث کی تلخیص کی جائے یا ان کا جائزہ لیا جائے۔ یہ مناظرہ مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے درمیان بھی ہوا تھا اور اس موضوع پر مرزا غالب نے بھی مثنوی لکھی تھی۔ جو ان کی کلیات فارسی میں موجود ہے۔ مولوی محمد حسن نے آخر میں معذرت کر لی تھی اور لکھا تھا کہ ''آئندہ این عاصی را خادم خود را مخدوم پندارند و سینۂ خود را از شائبۂ غل و تکدر پاک دارند۔''

حضرت محدث امروہی نے اس مناظرہ کا آخری خط ۱۶ر شوال ۱۲۹۰ھ کو لکھا۔ جو یہ ہے:

''دیروز کہ روز شنبہ بود صلح نامہ از طرف اوشان رسید۔ مورث مسرت ہا گردید۔ مولانا این چہ ارشاد است کہ آئندہ این عاصی را خادم...... صاف دارند من ہیچ مدان بمرتبۂ خدام عالی ہمی نمی رسم تا بمرتبۂ سامی چہ رسد بہ نسبت این ناکارہ این چنیں کلمات تحریر فرمودن بے وجہ نادم و محجوب ساختن است بالیقین دانند کہ دریں تحریر و تقریر ہیچ غبارے بداماں جانم نہ رسیدہ است۔'' (ورق ۸۸ب)

مولانا احمد حسن محدث کی مزید تصانیف:

۳۔ ازالۃ الوسواس

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رسالہ تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس پر جو اعتراض ہوئے۔ مولانا سید احمد حسن نے اس کے جواب میں رسالہ الوسواس لکھا۔ یہ ۲۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ ترقیمہ میں کاتب کا نام نہیں ہے۔ مگر اس کا خط بھی وہی ہے جو افادات احمدیہ حصہ دوم کا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ مولوی امجد علی نے نقل کیا ہے۔ تاریخ اتمام کتابت ۲ر ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ درج ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی حضرت مولانا پھلاودی کے کتب خانہ سے ملا۔ جواب مولانا فریدی کے کتب خانے میں ہے۔ تحذیر الناس میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ایک

روایت کی عقلی ونقلی تشریح اور زمین کے سات طبقے ہونے اور حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ اس پر مولانا نانوتوی نے رسالہ اجوبۂ اربعین بھی لکھا تھا۔ جو علمائے رامپور کے اعتراضات کے جواب میں تھا۔ حضرت دادا صاحبؒ نے اس رسالے کا حوالہ اپنے ایک خط میں بھی دیا ہے۔ مکتوبات سید العلماؒ۔ ص ۹۳۔ خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دادا صاحب نے یہ رسالہ باریک قلم سے لکھا تھا۔

۴- رسالہ المعلومات الالہیہ

یہ دو ورقوں کا مختصر رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اسے حضرت مولانا پھلاودی نے اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔ اور ترقیمہ میں لکھا ہے۔

''رسالہ معلومات الہیہ کے بس متن متین است۔ مسودہ پارینہ اش مولوی عبدالحئی بریلوی کہ یکے از مریدان حاجی صاحب قبلہ سلم اللہ تعالیٰ بدست من دادہ بودند۔ من نقلش برداشتم''

حررہ الحافظ الکسیر الشہید عبدالغنی الپھلاودی غفرلہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ روز پنجشنبہ ۱۳۱۷ھ بہ شستہ شد۔

۵- فتاویٰ

حضرت محدث امروہوی کے پاس شہر اور مضافات سے تو فتاویٰ اور استفتاء آتے تھے۔ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بھی استفتاء وصول ہوتے تھے اور آپ ان کا جواب عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیرون ہند سے بھی بعض سوالات آتے تھے۔ ان مکتوبات میں ہے کہ ایک سوال یورپ کے ملک آسٹریا سے انگریزی میں آیا تھا۔ حضرت نے اس کا جواب لکھا اور ظاہر ہے انگریزی میں اس کا جواب کرا کے بھیجا ہوگا۔

آپ کے فتاویٰ باضابطہ مرتب نہ ہوسکے مگر حضرت مولانا پھلاودی کے کتب خانہ میں ایک قلمی مجموعہ ہے جس میں آپ کے چند خطوط اور بعض فتاویٰ جمع

ہو گئے ہیں۔ ایک بیاض قلمی جو آپ کے ان فوائد درس پر مشتمل ہے جنھیں بعض شاگردوں نے قلم بند کرلیا تھا۔ اس میں بعض موجود ہیں۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ رامپور میں خود حضرت امروہیؒ کے قلم سے لکھے ہوئے بعض فتاویٰ موجود ہیں۔ ان میں سے چند فتاویٰ اس مجموعے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو کتب خانہ پھلاودہ میں یا اس بیاض میں ہیں، جواب مولانا فریدی کے کتب خانے میں ہیں۔ میں نے اس کتاب کے آخر میں ان فتاویٰ کو شائع کیا ہے۔ جو ہمارے گھر کے ایک رجسٹر فتاویٰ میں محفوظ تھے۔ ان فتاویٰ کے مجموعے کو افادات احمدیہ حصہ دوم کہا جاسکتا ہے۔

فتویٰ بابت جنتی دروازہ

کسی شخص نے سوال کیا کہ ایک دروازہ بنام جنتی دروازہ نامزد ہے۔ جس کی نسبت اکثر عام لوگ یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دروازہ فلانے مزار بزرگ کا دروازہ ہے۔

نوٹ: پاک پٹن (ضلع ساہیوال پاکستان) میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار مبارک کا جنوبی دروازہ جنتی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت بابا صاحب کو اس حجرے میں دفن کیا گیا تھا۔ جہاں وہ عبادت کرتے تھے۔ قبر کے لئے کچی اینٹوں کی ضرورت ہوئی تو حجرے کے جنوبی دیوار سے اینٹیں نکالی گئیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی سے تشریف لے گئے۔ تو انھوں نے جنوبی سمت ایک نیا دروازہ بنوادیا۔ عوام میں یہ دروازہ جنتی دروازہ مشہور ہو گیا اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اس دروازے سے گزر جانا ہی سبب دخول جنت ہوتا ہے۔ حضرت امروہیؒ نے جس احتیاط اور توازن کے ساتھ اپنے دلائل شرعیہ بیان کئے ہیں۔ وہ ان کے تبحر علمی اور احترام شریعت کے علاوہ اولیاء سے محبت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے انتقال کے بعد خاص خلیفہ کو الہاماً ہدایت فرمائی ہے لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ خود صاحب مزار نے بذریعہ الہام ہدایت کی ہو۔ اس

دروازے کا کوئی عرس بھی نہیں ہوتا اور نہ کسی قسم کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پس اہل اسلام کو فقط اس بناء شہرت پر اس کی زیارت یا اس سے برکت حاصل کرنا اور بہ نیت خلوص اس سے گزرنا از روئے شریعت محمدی ﷺ جائز ہے یا نہیں اور بر تقدیر عدم جواز ایسے افعال کے مرتکب پر شرع سے کیا حکم عائد ہوگا؟

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے: ''کرامات اولیائے حق ایک مسئلہ مسلمہ اہل حق ہے۔ اولیائے کرام و مقربان درگاہ خداوندی کی کرامات کو حق سمجھنا اور ان کے ساتھ باصدق قلب واخلاص دلی عقیدت ومحبت رکھنا اور ان میں سے ہر ایک بڑے چھوٹے کی تعظیم وتکریم اپنے ذمے سمجھنا، مقتضائے ایمان ہے۔ فرماتے ہیں۔ من احب للہ و البغض للہ فقد استکمل ایمانہ۔ عام اہل اسلام کے ساتھ بوجہ اللہ محبت رکھنا از جملۂ کمال ایمان ہے۔ ان خاصان خداوندی کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا۔ بدرجہ اولی واز جملہ آثار کمال ایمان ہوگا۔ لاریب یہ حضرات تا بمقام مشاہدہ واصل ہوئے۔ بالخصوص حضرت فرید گنج شکر کہ یگانۂ وقت تھے۔ وہ فرید زمانہ ان بزرگوں سے خوارق عادات کا صادر ہونا بے شبہ مستبعد نہیں لیکن ہر شئی کا حسن و جمال اس وقت تک محفوظ رہتا ہے کہ وہ شئی اپنے اندازے پر ہے اور مرتبہ مقررہ سے متجاوز نہ ہو اور نہ وہ شئی جو حسن تھی قبیح اور محمود تھی، مذموم ہو جاوے گی۔ یہ حسن وخوبی اس وقت محفوظ ہے کہ یہ عقیدت و محبت اپنے مرتبے تک رہے اور وے حضرات اپنے اپنے مرتبہ تک یعنی منصب ، ولدیت اور مرتبۂ عبودیت سے متجاوز نہ ہوں۔ یہ نہ ہو کہ افراط محبت میں ان حضرات کو مرتبۂ الوہیت صراحۃً ثابت کیا جاوے یا مرتبہ نبوت رسالت یا وہ کرامات اور وہ خوارق عادت ان کی حضرات عالیہ سے صادر سمجھیں۔ جن سے ان حضرات کا فاعل مختار یا کارخانۂ قدر اللہ میں دخیل ہونا ثابت ہو۔ آستانۂ حرم کعبہ و دروازۂ حرم محمدی ، ایک انوار الوہیت کا مورد دوسرا تجلیات رسالت کا مظہر اگر اس کو جز و اول ایمان یعنی لا الہ الا اللہ سے وابستگی تو اس کو جز و ثانی محمد رسول اللہ سے پیوستگی۔ وہ دونوں

آستانے عالیہ و درہائے مقدسہ لائق اس کے نہ ہوں اور نہ ہوئے کہ ان کے داخل ہونے والے کو خواہ مخواہ مستحق دخول جنت سمجھا جاوے۔''

مدار اس اعتقاد خام کا ایک الہام قرار دیا گیا اور کتب عقائد میں مسئلہ جزئیہ کہ الہام از جملہ حجج شرعیہ نہیں اور جس قدر بھی حجت ہو سکتا ہے۔ خود بحق ملہم علیہ حجت ہو سکتا ہے نہ بہ حق غیر اور وہ بھی بہ شرط صحت الہام اور صحت الہام مطابقت اصول شرعیہ پر موقوف۔ اگر مطابق اصول شرعیہ معتبر ورنہ الہام خود غلط اور نامعتبر ہے۔ مبنی کسی اعتقاد صحیح شرعی اور عقیدہ صحیح کا کیونکر ہو۔ مع ہذا اعتقادیات کو اخبار احاد و احادیث ضعاف سے نیز ثابت نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ ایسے الہامات سے اگر اس الہام کو صحیح مانا جائے تو مبنی و منشاء اس کرامت خاصہ کا وہ برکات ہیں جو کسی مقرب کے مرقد مقدس سے وابستہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مقرب کے مزار اقدس کی حاضری اور اس کے مزار پر انوار کی زیارت سبب دخول جنت ہے۔ حتیٰ کہ دروازہ مزار میں ہوتے ہی داخل ہونے والا مستحق دخول جنت ہو جاتا ہے۔ ایسے خیالات کو اعتقادیات میں شامل کرنا عین جہالت پر مبنی ہے۔ ایسے اعتقادات کسی طرح جائز نہیں۔

اس فتویٰ کا مکمل متن بیاض احمدی (قلمی) میں موجود ہے۔ یہ خود حضرت محدث امروہویؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جو مدرسہ عالیہ فرقانیہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔

۶- فتاویٰ احمدیہ قلمی یا بیاض احمدی قلمی

کتب خانہ پھلاودہ سے جو مواد ملا ہے۔ ان میں ایک مجموعہ (قلمی) ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مشمولات یہ ہیں:

۱- اقتباس المصابیح فی سنۃ التراویح ص ۱-۱۰ بصورت خط بنام مولوی قطب الدین

۲- فتویٰ در باب جنتی دروازہ ص ۱۰-۱۷

۳- خط بنام مولوی سراج الدین ص ۱۸-۲۶

۴- العجالتہ فی اثبات التوحید والرسالت بطور خط۔ ص ۲۶-۴۸

اسکے آخر میں ایک فارسی قطعۂ تاریخ نوشتہ مولانا پھلاودی ہے۔ جس میں لاندلہ ولانظیر سے تاریخ ۱۳۱۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

۵- خط مولوی عبدالرحمٰن خورجوی بنام مولانا احمد حسن محدث۔ ص ۴۹-۵۳

در تحقیق سجدہ تحیہ۔ جواب از طرف محدث امروہیؒ۔ ص ۵۴-۵۸

۶- استفتاء درباۂ عرس وجواب آن۔ ص ۵۹-۷۹

۷- استفتاء درباۂ امکان کذب باری تعالیٰ۔ ص ۸۰-۸۹

۸- سوالات از جانب شیعہ وجواب آن۔ ص ۹۰-۹۹

۹- فتویٰ اباحت ربوانی بلاد الہند۔ ص ۱۰۰-۱۱۴

اس فتویٰ پر دوسرے علماء کے بھی دستخط ہیں۔

۱۰- فتویٰ درنکاح فیما بین سنی وشیعہ۔ ص ۱۱۴-۱۱۸

اس پر مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا لطف اللہ علیگڑھی وغیرہ علماء کے بھی دستخط ہیں۔

۱۱- رقعات محدث امروہی درفارسی۔ ص ۱۱۸-۱۲۵

۱۲- خط بنام پادری جارج بیلی درجواب بعض سوالات۔ ص ۱۲۵-۱۲۹

۱۳- خط بنام سید محمد خادم حسین۔ ص ۱۲۹-۱۳۳

۱۴- خط بنام میاں جی مولا بخش۔ ص ۱۳۱-۱۴۰

۱۵- مسئلہ تناسخ وآواگون۔ ص ۱۴۱-۱۴۵

۱۶- خط بنام مولوی محمد علی۔ ص ۱۴۵-۱۵۴

۱۷- فتویٰ درجواز وعدم جواز از تکرار جماعت درمسجد۔ ص ۱۵۴-۱۷۲

۱۸- بنام مولوی اکبر نذر صاحب۔ ص ۱۷۶-۱۷۸

مناظرے

۱- مناظرہ گلاوٹھی:

۱۳۱۷ھ-۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں ایک مناظرہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں ہوا تھا۔ مولانا حکیم سید سراج احمد میرٹھی، اہل تقلید کی جانب سے اور مولوی حمید اللہ متوطن سراوہ ضلع میرٹھ غیر مقلدین کے نمائندہ تھے۔ اس میں مولانا انور شاہ کشمیری نے مقلدوں کی جانب سے اور مولوی عبدالوہاب نابینا دہلوی نے اہل حدیث کی طرف سے حصہ لیا تھا۔

اس مناظرے کی ۱۲۴ صفحات پر مشتمل روداد السراج الانور لفاقدی الحیاء و البصر الملقب بہ کشف الغشاوۃ عن ابصار اہل الغباوۃ فی اسکات مجتہد السراوۃ، نامی پریس میرٹھ سے شائع ہو چکی ہے۔

(رجب ۱۳۱۸ھ/اکتوبر ۱۹۰۰ء)

موضوع المناظرہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام تھا۔ اول تو اس موضوع پر مولوی سراج احمد اور مولوی حمید اللہ کے درمیان مراسلت ہوتی رہی۔ پھر محرم ۱۳۱۸ھ/ اپریل ۱۹۰۰ء میں اہل حدیث نے زبانی مناظرے کی دعوت دی۔ آخر یہ طے ہوا کہ فریقین اپنے علماء کو بلالیں۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ/ جولائی ۱۹۰۰ء روز یکشنبہ مناظرے کی تاریخ طے کی گئی۔ مناظرہ سراوہ میں ہونا تھا۔ لیکن کسی نے حکام ضلع کو گمنام خطوط لکھے کہ فساد کا اندیشہ ہے اور دیوبند، امروہہ، مرادآباد وغیرہ سے آنے والے حضرات کو یہ جھوٹی اطلاع بھیج دی کہ مناظرہ صرف مولوی سراج احمد اور مولوی حمید اللہ کے درمیان ہے اور کس کو بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ فساد کا بھی اندیشہ ہے اس لئے آپ حضرات شریک نہ ہوں۔ آخر حکیم عزیز الدین نے ذمہ داری لی کہ مناظرہ گلاوٹھی ہی میں ہوگا۔

اس میں شرکت کے لئے مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الہند مولانا محمود الحسن

دیوبندی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا سید احمد حسن محدث امروہی اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہی تشریف لائے۔ مناظرہ مولانا انور شاہ کشمیری اور مولوی عبدالوہاب نابینا کے درمیان ہوا۔ روداد مناظرہ سے یہ اندازہ تو نہیں ہوتا کہ حضرت محدث امروہیؒ نے اس میں براہ راست حصہ لیا مگر مناظرے سے اگلے دن منشی سید محمد مہربان علی کے دولت کدے پر ان سب علماء اور باشندگان گلاوٹھی کے سامنے حضرت محدث امروہی کا وعظ ہوا۔ اس میں آپ نے فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر بھی عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ تقریر کا وہ حصہ مولانا سراج احمد کا قلمبند کیا ہوا ہے، اسی روداد مناظرہ میں درج ہے۔ (السراج الانور۔ ص ۱۰۱-۱۰۷)

اس تقریر کا مختصر سا نمونہ درج کیا جاتا ہے:

''لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن، کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر مصلی کو بالذات قرأت فاتحہ کی ضرورت ہے۔ رہا یہ امر کہ ہر مصلی کو بالذات قرأت کی ضرورت ہے یا کوئی دوسرا قرأت کرے تو مقتدی بری الذمہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس امر سے حدیث مذکور ساکت ہے۔ چنانچہ حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأت نے اس مضمون کی اچھی طرح تشریح فرمادی کہ قرأت امام بعینہ قرأت مقتدی ہے۔ ہر مصلی کو قرأت کی بالذات ضرورت نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجھہ شیئا یعنی جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے کوئی شے کھڑے کرلے۔ (سترہ) حدیث مذکور سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصلی کو سترہ کی ضرورت ہے۔ امام ہو یا منفرد ہو یا مقتدی۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سترۃ الامام، سترۃ المقتدی (یعنی سترۃ امام بعینہ سترہ مقتدی کا ہے) اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں۔

<u>مناظرہ نگینہ:</u>

یہ مناظرہ ۵/جون ۱۹۰۴ء سے ۱۴/جون ۱۹۰۴ء تک علمائے اسلام او،

آریا سماجی پنڈتوں کے درمیان نگینہ ضلع بجنور میں ہوا اس کی مکمل روداد رکوب السفینۃ فی مناظرہ النگینہ نوشتۂ حکیم ارتضیٰ علی نگینوی مطبع اہل امرتسر سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی جو ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں قطعات تاریخ بھی ہیں۔ جن میں ایک قطعہ (ص ۹۳) پر مولوی عبدالغنی پھلاودی کے قلم سے ہے۔ اس مناظرے میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہی بھی تشریف لائے تھے۔ مصنف رکوب السفینہ نے لکھا ہے:

''جب مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی مدظلہ العالی نے مذہب اسلام کی خوبیاں، بیان کرنا شروع کیں تو تمام پنڈال پر ایک سکتے کا عالم تھا۔ حاضرین کی نگاہیں مولانا موصوف کی طرف لگ رہی تھیں اور چاروں طرف سے سبحان اللہ کے نعروں کی آواز آرہی تھیں۔''

(ارتضیٰ علی: رکوب السفینہ فی مناظرہ النگینہ۔ص ۲۷-۲۸)

حضرت محدث امروہیؒ کی تقریر ۱۲ رجون ۱۹۰۴ء کو ۸ بجکر ۱۵ منٹ پر شروع ہوئی تھی اور دس بجکر کچھ منٹ پر ختم ہوئی۔ اس کا پورا متن رکوب السفینہ میں دیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۲-۱۸۳) اس سے پہلے بھی ہم اس تقریر کے اقتباسات گذشتہ اوراق میں دے چکے ہیں۔ یہاں ایک مختصر اقتباس پیش ہے:

''صاحبو! بات یوں ہے کہ ہم اور آپ اور تمام بنی آدم تین حال سے خالی نہیں۔ جو راہ مستقیم پر یعنی اسی راہ اور اسی سڑک پر جو ہمارے مقصود اصلی تک موصل ہو اور ہم کو تا بہ مقصود پہنچادے مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں اور مستعدی کے ساتھ اس پر چل رہے ہیں اور کسی حال اپنے قدم کو اس راستے سے نہیں ہٹاتے اور بعض وہ کہ سڑک مقصود اور راہ مطلوب کو چھوڑ کر بالکل بے راہ ہو گئے ہیں اور بعضے وہ کہ گو وہ سڑک مقصود پر چل رہے ہیں مگر نہ باین استقامت و مستعدی و نہ باستقلال و ثابت قدمی بلکہ گرتے پڑتے، ٹھوکریں کھاتے راہ مقصود طے کرتے ہیں۔''

(رکوب السفینۃ۔ص ۱۴۳)

۳- مناظرہ رامپور:

اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ امروہہ کے ایک صاحب حکیم محمد احسن فاروقی قادیانی ہو گئے تھے۔ اس فرقے کی اہم شخصیات میں ان کا شمار تھا۔ محمد احسن نے اپنے محلے کے افراد کو بھی اپنا ہم عقیدہ بنا لیا۔ حکیم آل محمد جو مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بیعت تھے۔ وہ بھی اس فریب میں آگئے۔ اسی طرح سید بدرالحسن حضرت محدث کے شاگرد انھوں نے بھی حکیم محمد احسن کی ہم نوائی شروع کردی۔ حضرت محدث نے اس فتنہ کو سر اٹھاتے دیکھا تو بے چین ہو گئے اور ہر محاذ پر جہاد شروع کر دیا۔ علمائے شہر نے مناظرہ کرنا چاہا تو محمد احسن نے کہا کہ احمد حسن میرے مقابلے پر آوے۔ حضرت محدث نے پیغام بھیجا کہ حضرت مرزا کو بلایئے۔ صرف راہ میرے ذمے یا مجھ کو لے چلیے میں خود اپنے صرف کا متکفل ہونگا۔ بسم اللہ آپ دونوں مل کر مجھ سے مناظرہ کر لیجیے یا میرے طلبہ سے مناظرہ کیجیے۔ ان کی مغلوبی میری مغلوبی۔

اس زمانے میں حضرت محدث ہر جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ فرماتے تھے اور موضوع اکثر رد قادیانیت ہوتا تھا ۲۸ رفروری ۱۹۰۲ء جمعہ کو حضرت نے وعظ میں علی الاعلان فرمایا: ''مرزا صاحب کو کوئی صاحب لوجہ اللہ غیرت دلائیں کب تک خلوت خانے میں چوڑیاں پہنے بیٹھے رہو گے۔ میدان میں آؤ اور اللہ بزرگ و برتر کی قدرت کاملہ کا تماشہ دیکھو کہ ابھی تک خدا کے کیسے کیسے بندے تم سے دجال امت کی سرکوبی کے واسطے موجود ہیں۔''

ایسے وعظوں کا شہر میں بھی بہت اثر پڑا۔ حضرت محدث نے اپنے شاگرد سید بدرالحسن کو بلایا یا وہ آئے تو ان سے فرمایا۔ مولوی بدرالحسن تم ہمارے روحانی طبیب ہو ہمیں غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ تم نے ہمارا غرور توڑ دیا۔ نہ معلوم حضرت نے کس جذبے سے یہ الفاظ فرمائے کہ مولوی بدرالحسن زار زار رونے لگے اور قدموں پر سر رکھ دیا اور اپنے عقیدہ باطل سے تائب ہوئے اور مناظرہ رامپور میں حضرت کے ساتھ تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک رسالہ دافع البلاد کے نام سے لکھا تھا۔ اس

میں حضرت مولانا سید احمد حسن کا ذکر ہے۔ حضرت دادا صاحبؒ نے غلام احمد قادیانی کو مباہلے کی دعوت دی تھی اور کہا تھا کہ میں اپنے اہل وعیال کو میدان میں لے آتا ہوں۔ مرزا بھی لے آئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ جو باطل ہے وہ نابود ہو جائے لیکن مرزا اس مباہلے میں نہیں آیا۔
(رسالہ دافع البلاء۔ ص ۱۵-۱۸ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیانی تالیف اپریل ۱۹۰۲ء)

خلاصہ یہ تھا کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا اور جو کوئی مرزا کو سچا نبی مانے گا۔ اس کا شہر بھی محفوظ رہے گا جو مرزا کی تکذیب کرے گا۔ اس کی بستی میں طاعون پھیلے گا۔ اس زمانے میں جگہ جگہ یہ وبا پھیل رہی تھی اور عوام خوف زدہ تھے۔ اس نفسیات کا مرزا نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مولانا امرتسری (ثناء اللہ) نے اپنے رسالے الہامات مرزا میں ان سب دعووں کی قلعی کھول دی ہے۔ اسی سال دسمبر ۱۹۰۲ء میں قادیان بھی طاعون کی لپیٹ میں آ گیا اور قادیانیوں کا سالانہ اجتماع ملتوی کرنا پڑا۔ قادیان کی آبادی ۲۸۰۰ تھی۔ اس میں سے اپریل ۲۰۰۴ء تک ۳۱۴ آدمی طاعون میں مر چکے تھے۔ بہت سے ادھر ادھر بھاگ گئے تھے۔ قادیان ویران پڑا تھا۔ رامپور میں مولوی محمد علی جوہر کے بڑے بھائی ذوالفقار علی گوہر، قادیانی ہو گئے تھے۔ خود مرزا کی موت بڑی عبرت ناک ہوئی۔

نوٹ: یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تین بڑی شخصیات کے بھائی قادیانی ہو گئے تھے۔ یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کے بھائی ابوالنصر غلام یٰسین آہ، مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی ذوالفقار علی گوہر اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے بھائی شیخ عطا محمد۔

ان کے چچازاد بھائی احمد علی شوقؔ (مولف تذکرہ کاملان رامپور) سے ان کا مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ نواب حامد علی خان والی رامپور کو اس بحث ومباحثہ کا حال معلوم ہوا۔ تو انھوں نے دونوں فریقوں کے علماء کو ریاست کے خرچ پر آنے اور مناظرے

کرنے کی دعوت دی۔ ۱۵؍جون مناظرہ کی تاریخ ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت حافظ محمد احمد صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مرتضیٰ چاند پوری (☆) اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو مدعو کیا گیا۔ قادیانیوں کی نمائندگی حکیم محمد احسن امروہوی خواجہ کمال الدین، مولوی سرور شاہ، مبارک علی و قاسم علی، محمد علی، یعقوب علی، روشن علی، محمد یعقوب خان کر رہے تھے۔''

حضرت محدث امروہیؒ نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۹؍جمادی الاولی ۱۳۲۷ھ مطابق ۹؍جون ۱۹۰۹ء موسومہ مولانا عبدالغنی پھلاودی میں اس مناظرے کا ذکر کیا۔ ۱۱؍جون ۱۹۰۹ء جمعہ کو رامپور تشریف لے گئے۔ منگل ۱۵؍جون ۱۹۰۹ء سے مناظرہ شروع ہوا۔ مسئلہ وفات مسیح موضوع مناظرہ تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قادیانیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ قادیانی مناظرہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور مرزا کی نبوت کا ثبوت نہ دے سکے۔ اس مناظرے کی خبریں رامپور کے مشہور اخبار دبدبہ سکندری کے دو شماروں میں چھپی تھیں۔ اس کے فائل رضا لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اس محفل مناظرہ میں حضرت امروہی نے نہایت عمدہ تقریر فرمائی تھی۔ مناظرہ کا فیصلہ ۲۲؍جون ۱۹۰۹ء کو دبدبہ سکندری میں چھپا۔ جس پر تمام علماء کے دستخط ہیں۔

ردقادیانیت

ڈاکٹر محمد ایوب قادری اپنے ایک مضمون۔ چند واقعات و روایات میں لکھتے ہیں:

ضلع بریلی میں قصبہ آنولہ (+) تحصیل کا صدر مقام اور مشہور تاریخی بستی ہے۔ روہیلوں کے زمانے میں عرصہ تک یہ قصبہ صدر مقام رہا۔ قلعہ، مقبرے اور مساجد وغیرہ بہت سے تاریخی آثار موجود ہیں۔ قصبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور قرآن

(☆) اس سے یہ معلوم ہوا کہ مناظرہ رامپور میں مولانا مرتضیٰ حسن چادپوری، مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے ساتھ تھے۔ (+) آنولہ ضلع بریلی میں ہے

کریم کے حفاظ اچھی تعداد میں موجود ہیں۔ انگریزی دور حکومت میں شیوخ کلال کا خاندان (محلّہ قلعہ) مشہور رہا۔ اس خاندان کی نامور شخصیت حکیم سعادت علی خاں بن حکیم مردان علی تھے۔ جو انگریزی حکومت میں تحصیلدار تھے۔ پھر ریاست رامپور میں مدارالمہام ہوئے۔ انھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر انگریزی حکومت کی خدمات انجام دیں اور روہیل کھنڈ میں انگریزی حکومت کے مفاد کا تحفظ کیا۔ لہٰذا حسن خدمات کے صلہ میں ان کو زمینداری اور انعام واکرام ملا۔ ایک انگریز خاتون سے انھوں نے شادی کی جس کے دولڑکے اصغر علی اور وہاب علی ہوئے۔ خاندانی بیوی سے چار صاحبزادے تھے۔ ۱۲۸۳ء میں حکیم سعادت علی خاں کا انتقال ہوا۔

۰۵-۱۹۰۴ء میں اس خاندان میں بعض نوجوان قادیانی تحریک سے متاثر ہو گئے جن میں خان بہادر حکیم معظم علی خان عرف مکہ میاں بن واحد علی خان بن حکیم سعادت علی خان خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ایک اور بزرگ مولوی اسد علی خان کا رجحان بھی ادھر ہو گیا تھا اور اس حلقے کو وسعت ہونے لگی۔ چنانچہ اس موقعے پر قصبہ آنولہ کے بعض اہل الرائے حضرات نے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا۔ جس میں بدایوں سے مولانا عبدالمقتدر خان (۱۹۱۵ء)، مفتی حافظ بدایونی (ف ۱۹۲۱ء) امروہہ سے مولانا احمد حسن محدث امروہوی پیلی بھیت سے مولانا وصی احمد محدث سورتی، بریلی سے مولانا احمد رضا خان تشریف لائے۔ علمائے کرام کی تقریریں ہوتیں۔ اس میں فاضل بریلوی اور محدث امروہوی کی تقاریر حاصل جلسہ تھیں۔ علمائے کرام کے سامنے حکیم معظم علی خان عرف مکہ میاں اور مولوی اسد علی خان پیش ہوئے۔ انھوں نے توبہ کی۔ اس طرح سے فتنہ ہمیشہ کے لئے اس قصبے سے ختم ہو گیا۔

نوٹ: اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان، مولانا احمد حسن محدث کے معاصر تھے اور اس مناظرہ آنولہ ضلع بریلی میں ان کے شریک کار تھے۔

وفات

حضرت محدث امروہی کا انتقال ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/ ۱۸ مارچ ۱۹۱۲ء منگل کی شب ۱۱ بجے ہوا۔ شہید اعظم مادۂ تاریخ وفات ہے۔ نماز جنازہ حافظ محمد احمد صاحب فرزند مولانا محمد قاسم نانوتوی نے پڑھائی اور جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانب جنوب تدفین عمل میں آئی۔

ازواج

حضرت محدث امروہی کے تین نکاح ہوئے۔ پہلی زوجہ آپ کے عم محترم حکیم سید مہدی حسن کی دختر تھیں۔ جن کے بطن سے دو دختران اور آپ کے اکلوتے فرزند یعنی میرے والد مولانا سید محمد رضوی عرف بنے میاں ہوئے۔ زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد نکاح ثانی مولانا آل حسن مودودی متوفی ۱۳۰۶ھ مصنف نخبۃ التواریخ کی بیوہ دختر سے ہوا۔ جن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ میری والدہ بتاتی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک صاحبزادی تھیں۔ جن کا نام عائشہ تھا۔ میرے والد نے ان کی شادی کے تمام انتظامات کر لئے تھے مگر ان کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ میرے دادا کا تیسرا نکاح سید احمد حسن کی دختر (داماد غفور الحسن کی بیوہ بڑی بہن) سے ہوا تھا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ نکاح ۱۹۰۸ء میں ہوا۔

دختران

میری دو پھوپھیاں تھیں، ایک بتول اور دوسری سیدہ۔ بڑی پھوپھی بتول سید غفور الحسن سے منسوب تھیں۔ ان سے دو بیٹے حسن احمد اور حسین احمد اور تین بیٹیاں ہوئیں سلمیٰ، کلثوم اور شاہدہ۔

میری دوسری پھوپھی سیدہ، مولوی سید رضا حسن کے عقد مناکحت میں آئیں۔ ان سے ایک صاحبزادے، مرتضیٰ حسن رضوی ہوئے۔ خط ۱۳۵ میں جو فارسی

میں ہے۔اس میں میرے والد کی تیسری ہمشیرہ ہاجرہ کے متولد ہونے کی خبر ہے۔ یہ خط ۳۱ر جولائی ۱۹۰۶ء کا ہے۔غالباً ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

نبیرگان

میرے والد سید محمد رضوی متوفی ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ/نومبر ۱۹۷۸ء کے آٹھ فرزندان ہوئے۔ہم آٹھ بھائی تھے۔ان کے نام یہ ہیں:

۱- سید احمد رضوی ۲- سید آل احمد رضوی ۳- سید سردار احمد رضوی
۴- سید مسعود احمد رضوی ۵- سید وقار احمد رضوی ۶- سید زبیر احمد رضوی
۷- سید آفتاب احمد رضوی ۸- سید سلطان احمد رضوی۔

سید انیس الدین رضوی نے آپ کے بارے میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

جناب سید احمد حسن آں قاسم ثانی — مسیحائے زمانہ از لئے امراض روحانی
بہ زیر پائے اواز برکت دیں جنت الماوٰی — بہ بالائے سرش می تافت اکلیل سلیمانی
بہ علم دین مثیل انبیائے عہد اسرائیل — بہ فقرش جانشین بدر چشتی پیر کرمانی
نوید انتم الا علون تکیہ ملک عقبیٰ را — حدیث الفقر فخری آسرائے عالم فانی

سید انیس احمد رضوی۔ص ۴۹ 'تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ' مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۳۲ء۔

حلیہ

میانہ قد، دوہرا جسم، خوبصورت وحسین چہرہ، ڈاڑھی پر آخر میں وسمہ ومہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ان کا حسن مشہور تھا۔دینی عظمت وشوکت کے ساتھ ساتھ سراپا حسن اور مجسم محبوبیت تھے۔ان کے بعض دیکھنے والے ان کے حسن وجمال اور فضل وکمال کو یاد کر کے آبدیدہ ہوجاتے تھے۔لباس عمدہ نفیس پہنتے تھے۔معمولی سے معمولی کپڑا بھی حضرت کے جسم مبارک پر زیب دیتا تھا۔عمامہ ایک خاص طرز پر باندھتے تھے۔جو بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا تھا۔عینک لگاتے تھے۔

تصانیف

مولانا عبدالغفور سیوہاری نے حضرت محدث امروہیؒ کے حلقۂ درس کی بعض تقریریں قلمبند کی ہیں۔ ان کا مجموعہ مولانا فریدی کے ذخیرے میں موجود ہے۔ اسی طرح درس بیضاوی شریف کی بعض تقریریں مولوی محمد جان نے لکھی ہیں۔ بیاض قلمی میں بعض فتاویٰ مولانا ظہور علی بچھرایونی نے نقل کیئے ہیں۔ ایک بیاض قلمی جو آپ کے بعض فوائد درس پر مشتمل ہے۔ جنھیں بعض شاگردوں نے قلمبند کیا ہے۔ بیاض قلمی یا بیاض احمدی کے بعض فتاویٰ مولانا فریدی کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ کتب خانہ پھلاودہ کی بیاض قلمی مولانا فریدی کے کتب خانے میں ہے۔ اس بیاض قلمی میں مضامین ۱۷۸ صفحات ہیں۔ ازالۃ الوسواس کا رسالہ بھی مولانا فریدی کے ذخیرہ میں ہے جو انھوں نے پھلاودہ کے کتب خانے سے حاصل کیا تھا۔ اگر یہ سب تحریریں اور مسودات مولانا فریدی شائع کر دیتے تو حضرت محدث امروہی کی علمی عظمت میں اضافہ ہوتا۔ افسوس کہ یہ ذخیرے میری دسترس میں نہیں۔

میرے پاس جو خاندانی فتاویٰ رجسٹر ہے۔ اس کے تمام فتاویٰ افادات احمدیہ دوم کے نام سے اس کتاب کے آخر میں شائع کر رہا ہوں۔ ان میں سے بعض فتاویٰ حضرت دادا صاحبؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، بعض مولانا رضا حسن (داماد حضرت محدث کے لکھے ہوئے ہیں اور بعض مولانا عبدالغفور سیوہاری نے لکھے ہیں۔

حضرت دادا صاحب محدث امروہی کی وفات پر دارالعلوم دیوبند میں بہت بڑا تعزیتی جلسہ ہوا اس موقع پر جن جلیل القدر علماء نے تعزیتی بیانات، مضامین اور مرثیے لکھے ان کے نام یہ ہیں:

۱- شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیوبندی

۲- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

۳- حافظ محمد احمد صاحب ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی

۴- شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی
۵- حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی
٦- مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی
۷- مولانا عبیداللہ سندھی
۸- مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی
۹- مولانا محمد یحییٰ شاہ جہانپوری
۱۰- مولانا عبدالغفور سیوہاروی

حضرت دادا صاحب کی وفات پر علامہ شبلی نے کہا: ''ہندوستان سے حدیث کا چراغ گل ہوگیا۔'' (الندوہ لکھنؤ ۱۹۱۲ء)

مولانا حکیم سید حسن مثنی رضوی مرحوم سابق چیئرمین میونسپل بورڈ امروہہ کہا کرتے تھے کہ آپ لوگ (مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا) آفتاب کی کرنیں ہیں۔

شجرات الاولیاٗ قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے مرید تھے۔ تحفۂ آریہ کے مصنف تھے۔ انھوں نے ایک کتاب شجرات الاولیاٗ کے نام سے لکھی ہے۔ جو میرے دادا کے سلسلۂ بیعت کے متعلق منظوم شجرہ ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر انھوں نے میرے دادا کو حسب ذیل القابات سے ملقب کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''مہر سپر شریعت، بدر فلکِ طریقت، امام السالکین، سلطان العارفین، حجۃ اللہ فی العالمین، حضرت مولانا حاجی سید شاہ احمد حسن صاحب محدث مدظلہ العالی متوطن امروہہ ضلع مرادآباد۔'' (مطبع الخلیل بجنور، مطبوعہ ۱۳۲۵ء مطابق ۱۹۰۷ء)

یہ منظوم شجرہ حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا، سرخی اس طرح لکھی ہے: ھذہ الشجرۃ الطیبۃ السہر وردیہ شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماٗ

اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

تو ہے واحد تو ہے خالق تو ہے غفار یا اللہ — تو ہے قادر تو ہے رازق تو ہے ستار یا اللہ
ضلالت میں پھنسا ہوں میں غریق بحر عصیاں ہوں — میں مجرم ہوں خدایا اور عصیاں کا ریا اللہ
کرم کر حال پر میرے، میری تو آبرو رکھ لے — کیا اعمال بد نے مجھ کو بے حد خوار یا اللہ
تغافل ہے تجاہل ہے تکاسل ہے تکاہل ہے — مری حالت بہت ہی ہو گئی ہے زار یا اللہ
ادھر شیطان ادھر اوس کی مدد پر نفس امارہ — میں ان دونوں کے ہاتھوں سے ہوا ناچار یا اللہ
بچا اس گمرہی اور حیلہ ہائے نفس و شیطان سے — چھڑا دے جو خلاف شرع ہوں اطوار یا اللہ
الٰہی کب تلک ڈوبا رہوں میں بحر عصیاں میں — تو کر دے اس بھنور سے میری کشتی پار یا اللہ
فنائی الذات ہو کر بھول جاؤں ماسوا کو میں — ہمیشہ ذوق ہستی سے رہوں بے زار یا اللہ
ہوئے ہیں میری دنیا اور دین کے کام سب باطل — نہ میں دین دار ہوں یا رب نہ دنیا دار یا اللہ
رفیق خستگان تو ہے معین بے کساں تو ہے — تو ہے حامی تو ہے یاور تو ہی ہے یار یا اللہ
عیاں ہے تجھ پہ سب کچھ ایک ذرہ بھی نہیں پنہاں — پھر اپنا درد دل میں کیا کروں اظہار یا اللہ
تصدق ان بزرگوں کا طفیل ان پاک بازوں کا — دل ناظم سے بالکل دور کر انکار یا اللہ
وہ حضرت مولوی احمد حسن عالی نسب فاضل — کہ جن کا آستانہ ہے فضیلت بار یا اللہ

اوپر کا یہ شجرہ میری والدہ تہجد کے وقت مناجات میں پڑھتی تھیں۔
(صفحہ ۴ شجرۃ الاولیا مطبوعہ ۱۹۰۷ء، مطبع الخلیل بجنور)

اس سے آگے انھوں نے لکھا ہے:

از طفیل ارہنمائے اہل دین — مقتدیٔ و پیشوائے سالکین
سر گروہ اولیائے کاملین — آسمانِ فقر را ماہِ مبین
وارث و ہم قاسم علم رسول — کوکبے از انجم آل بتول
سید السادات، فخر الاولیا — گلبنے از گلستانِ اتقا
مرشدِ من مولوی احمد حسن — اے فدائے نام پاکش جان من
یا خدا یا مالک روز حساب — دار ما را زیر ظلّ آں جناب
تا زمانِ حشر تا وقت نشور — خستہ دل ناظم نہ گردو از حضور

صفحہ۷ شجرۃ الاولیاً، مطبع الخلیل بجنور ۱۹۰۷ء

اس سے آگے لکھتے ہیں:

اے خدا اے خالق ارض وسماء و بحر و بر

از طفیل مولوی احمد حسن عالی گہر

صفحہ۸ ایضاً

اس سے آگے لکھتے ہیں۔

حشر ناظم کا گروہ متقین کے ساتھ ہو

مولوی احمد حسن با اتقاء کے واسطے

صفحہ۱۰ ایضاً

اس سے آگے لکھتے ہیں۔

پئے احمد حسن عالی مدارج

گرامی گوہر واولا دحیدر

ہجوم رنج وافکار وتردد

مٹادے سینۂ ناظم سے یکسر

صفحہ۱۲ ایضاً

اس سے آگے لکھتے ہیں۔

بہر احمد حسن گلِ دو چمنؓ ... وان جگر گوشۂ حسینؓ و حسنؓ

بخش عصیان و جرم ہا بگذار ... وقنا ربنا عذاب النار

ناظم معصیت پناہ منم ... از تو امیدوار فضل و کرم

صفحہ۱۳ ایضاً

اس کتاب یعنی شجرۃ الاولیاء مصنفہ قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی سے معلوم ہوا مولوی فخر الدین احمد طالبعلم، علیگڑھ کالج، میرے دادا مولانا سید شاہ احمد

حسن محدث امروہی کے مرید تھے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۔ شجرۃ الاولیاء مطبع بجنور ۱۹۰۷ء) انھوں نے ایک مثلث لکھا ہے۔

عجز ہو مقبول اور محبوب ہو میرا نیاز
دست گیری کر مری اے دست گیر و کارساز
مولوی احمد حسن باالتقاء کے واسطے

صفحہ ۱۴ ایضاً

حضرت حاجی صاحب امداداللہ مہاجر مکی کا شعر ہے۔

بہ حق حضرت نور محمد — منور کن دلم از نور بے حد

اس پر قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی نے اضافہ فرمایا۔

بحق حضرت امداد اللہ — رہم بہ نما کہ ہستم سخت گمراہ
پئے احمد حسن شیخ زمانہ — بحب خود مرا فرما، یگانہ

صفحہ ۱۴ ایضاً

دیگر کے عنوان سے شعر کہا ہے۔

پئے احمد حسن خضر طریقت — در شہوار دریائے حقیقت

صفحہ ۱۴ ایضاً

دیگر کے عنوان سے مصنف نے ایک اور شعر لکھا ہے۔

بہر ذات پاک حضرت مولوی احمد حسن — افتخار اولیاء و زبدۂ آل علی

صفحہ ۱۵ ایضاً

دیگر کے عنوان سے ایک اور شعر صاحب کتاب شجرۃ الاولیاء نے لکھا ہے

ہم ذات پاک حضرت مولوی احمد حسن . حامی دین پیمبر، ماحی بدعات دکیں

صفحہ ۱۵ ایضاً

۱- مولانا محمد اختر شاہ خاں صاحب اختر امروہوی نزیل میرٹھ نے مولانا سید احمد حسن محدث امرہی کے بارے میں کہا ہے۔

یگانۂ زمن احمد حسن محدث بود — رئیس طائفۂ اذکیائے امروہہ

صفحہ ۳۶۳ تذکرۃ الکرام از محمود احمد عباسی جلد ثانی تاریخ امروہہ محبوب المطابع برقی

پریس دہلی ۱۹۳۲ء

۲- مولوی سید حبیب احمد اتق امروہوی نے مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے بارے میں کہا ہے۔

محدث بے بدل علامۂ احمد حسن صاحب
کہ جن سے علم دین میں نامور ہے شہر امروہہ

صفحہ ۳۶۹ ایضاً

تصانیف:

۷- مکتوبات سید العلماء - ادبی، علمی، دینی حیثیت

یہ خطوط محض خطوط نہیں بلکہ عالمانہ تحریریں ہیں۔ ان کی ادبی اور علمی حیثیت بھی ہے۔

اس کتاب میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۵۱ خطوط ہیں جن میں ۵۲ خط فارسی میں اور ۹۸ خط اردو میں ہیں۔ یہ سب خطوط حضرت نے اپنے عزیز شاگرد حافظ سید عبدالغنی پھلاودی کو لکھے ہیں۔ پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ میں ہے۔ مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودی، حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ وہ بڑے قابل انسان تھے۔ فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے۔ حافظ تخلص کرتے تھے۔ مولانا سید احمد حسن محدث ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں مدرسہ شاہی مراد آباد میں سب سے پہلے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات ہوئی۔ حافظ سید عبدالغنی پھلاودی نے مدرسہ شاہی میں حضرت محدث امروہی سے پڑھا۔ اسی مدرسہ سے ان کو ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں سند فراغ ملی۔ اسی سال مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی کو بھی سند فراغ ملی۔ یہ دونوں حضرت محدث امروہی کے خاص شاگرد تھے۔ جب ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۷ء میں مدرسہ شاہی سے تعلق ختم کر کے حضرت محدث امروہی نے اپنے وطن امروہہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد قائم کیا تو مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی اور مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودی دونوں اس مدرسے میں مدرس مقرر

ہوئے۔ حضرت مولانا پھلاودی نے کئی سال تک اس مدرسے میں درس دیا۔ مولانا پھلاودی کا انتقال ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ/ ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء میں ہوا۔ ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا پھلاودی چند سال امروہہ میں رہے۔ پھر اپنے وطن پھلاودہ تشریف لے گئے اور جب تک حضرت محدث امروہی زندہ رہے۔ ان سے خط و کتابت کا سلسلہ رہا۔ مولانا پھلاودی نے ان خطوط کو محفوظ رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت محدث امروہی کی جن تحریروں اور مسودات کو محفوظ رکھا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱- ازالۃ الوسواس

۲- بیاض احمدی قلمی (اس میں فتاویٰ ہیں۔ یہ ۸۷ اصفحات پر مشتمل ہے)

۳- افادات احمدیہ قلمی جلد دوم (اس کو مولانا یحییٰ شاہ جہانپوری نے مرتب کیا تھا۔ اس میں حسن سنبھلی اور حضرت محدث امروہی کے درمیان تحریری مناظرہ ہے)

مولانا سید عبدالغنی پھلاودی درویش صفت اور صوفی منش انسان تھے۔ ان سے حضرت محدث امروہی کو شاگرد ہونے کے علاوہ کمال محبت تھی۔ وہ ان کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اسی طرح حافظ عبدالغنی پھلاودی کو بھی حضرت دادا صاحب سے قلبی محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے میرے دادا کی ایک ایک تحریر کو محفوظ رکھا۔

یہ خطوط اگرچہ ذاتی نوعیت کے ہیں اور ان خطوط سے نجی زندگی کے حالات پر روشنی پڑتی ہے لیکن ان خطوط کی ادبی، علمی، دینی اور مذہبی حیثیت بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان خطوط میں برجستہ مقفّی عبارتیں ملتی ہیں۔ جا بجا ادبی جملے ہیں۔ جن سے ان خطوط میں ادبیت کی چاشنی آ گئی ہے۔ اسلوب تحریر مہذب اور انداز نگارش شائستہ ہے۔ یہ سب خطوط حافظ عبدالغنی پھلاودی کے نام ہیں۔ جو خود ادبی شخصیت بھی تھے۔ ان کو ادب سے لگاؤ تھا۔ مقامات حریری کے ۱۵ مقالے ان کو ازبر تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔

اسلوب

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خط لکھنے کا اسٹائل آنحضرت ﷺ کے خطوط کی طرز پر ہے جس طرح آنحضرت ﷺ نے شاہان عجم کے نام اپنے خط اس طرح شروع کیئے کہ من محمد بن عبداللہ الی فلان۔ اسی طرح حضرت محدث امروہی اپنے خطوط اس طرح شروع کرتے ہیں۔ از احقر الزمن احمد حسن عفی عنہ پھر مکتوب الیہ کا نام یعنی بہ خدمت سراپا عنایت حافظ عبدالغنی سلمہ لکھا ہے۔ اس میں زمن اور حسن میں قافیہ ہے۔ اس طرح خدمت اور عنایت میں قافیہ ہے۔ یہ ایک ادبی پیرایۂ بیان ہے۔ خط کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتے ہیں۔ شروع کے خطوط میں کوئی تاریخ نہیں جبکہ بقیہ خطوط میں تاریخ اور سن کا التزام ہے۔ السلام علیکم کے بجائے سلام مسنون لکھتے ہیں۔

سفر کا حال

بعض خطوط سے سفر کے احوال کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے خط میں کول علیگڑھ سے میرٹھ، میرٹھ سے دیوبند اور دیوبند سے امروہہ کے سفر کا حال ہے اپنے آپ کو احقر یعنی حقیر ترین اور کبھی المکلف لکھا ہے۔ پہلے خط میں حافظ عبدالغنی نے حضرت محدث امروہی سے پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت دادا صاحب نے ان کو تعلیم دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ دوسرے خط میں حافظ عبدالغنی کو برادر مکرم اور خویش یعنی اقربا کا درجہ دیا ہے۔ حافظ عبدالغنی کے خط کو مسرتوں کا سرمایہ لکھا ہے۔ غرض ان خطوط میں ان بلاد وامصار کا ذکر ہے جہاں کے سفر کیئے مثلاً میرٹھ، خورجہ، دیوبند، مراد آباد، امروہہ، پھلاودہ، سنبھل، بریلی، آنولہ ،شاہجہانپور، گلاوٹھی، نانوتہ، گنگوہ، بچھرایوں، لاوڑ۔

اسلوب

حضرت محدث امروہی کے خطوط کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کبھی خطوط کو بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے ہیں، کبھی باسمہ تعالیٰ سے آغاز کرتے ہیں، کبھی باسمہ تعالیٰ و تقدس لکھتے ہیں، کبھی باسمہ سبحانہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ کبھی خط کو دعا نامہ کہتے ہیں۔ کبھی سلام مسنون کے بجائے السلام علیکم و رحمتہ اللہ لکھتے ہیں۔ سلام شوق کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ سلام مسنون کے بجائے ما وجب بھی لکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک خط میں دعا کو آہ نارسا لکھا ہے۔۱۲۲ خط ۱۵

جوتی کو پاپوش لکھتے ہیں۔ ایک خط میں ایک جفت پاپوش سلیم شاہی کی فرمائش کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جوتے پہنتے تھے۔ منشی حمید الدین بیخود سنبھلی نے پان کی ڈبیہ تحفے میں دی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت دادا صاحبؒ پان کھاتے تھے اور عینک لگاتے تھے۔

ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اونٹ گاڑی سے بھی سفر ہوتا تھا اور ریل سے بھی۔ ایک خط میں مولانا پھلاودی کی اہلیہ کو ان کی ہم نشین لکھا ہے۔ یہ بھی ادبی جملہ ہے۔ ص ۱۲۳ نیاز مندی کو سراپا کمال اور عادت حمیدہ لکھا ہے۔ ص ۱۲۳ خط میں کبھی جان برادر، اے برادر، میرے بھائی لکھتے ہیں۔ یہ غالب کا انداز ہے۔ کبھی خط کے بجائے گرامی نامہ لکھتے ہیں۔

ناصحانہ انداز

ان خطوط کا ایک انداز ناصحانہ بھی ہے۔ چنانچہ ایک خط میں نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

میرے بھائی! سوائے ذات وحدہ لاشریک لہ کے اور اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بجز اس شخص کے جو اللہ سے تعلق رکھتا ہو، کوئی محبت کے لائق نہیں۔ یک گونہ عقل کو بروئے کار لائیں اور ایک دوسرے کے محامد و عیوب کو مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ آپ عنقریب دنیا اور اہل دین سے بیزار و بے تعلق ہو جائیں گے۔ اور ہمہ تن چہرہ اس کی طرف یعنی محبوب حقیقی کی طرف موڑ لیں گے۔ اللہ ہر ایک کا مقصود حقیقی ہے۔ آنحضرت اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المرءُ مع من اَحبَّ لہ ما اکتسب ، انسان جس سے محبت کرتے ہے آخرت میں اس کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کو اپنے کیے کا پھل ملے گا۔ ص ۱۲۴ خط ۱۶

اس خط میں حدیث بھی ہے اور اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طرف راغب کیا گیا ہے، خط کا اسلوب ناصحانہ ہے۔ کبھی خط کو مکتوب گرامی کہتے ہیں، ان عزیز کی شکایت کا نشانہ بنا ادبی جملہ ہے۔ کبھی اپنے آپ کو مشتاق دیدار لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی فارسی مصرعہ بھی quote کرتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرعہ

او خویشتن گم است کرا رہبری کند   صفحہ ۱۲۷

کبھی مکتوب الیہ کو حضرت من لکھتے ہیں۔ مکتوب ۱۸ جو فارسی میں ہے اس میں ایک ادبی جملہ ہے:

''میں نحیف وضعیف اپنی شوخیٔ حال اور زبونیٔ اعمال کے باوجود بنظر ظاہر ہر طرح قرین بعافیت ہوں۔ ص ۱۲۸ یہ جملہ ادبی ہے۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت دادا صاحب کے ساتھ مراد آباد سے امروہہ آگئے تھے، ص ۱۲۸ خط ۱۸ ان کو برادرم احمد لکھا ہے۔

کبھی خط میں الحمدللہ علی کل حال لکھتے ہیں۔ خط ۱۸ میں میری بڑی پھوپھی یا ان کی بڑی صاحبزادی بتول کا ذکر ہے۔ ان کو دانت نکلنے اور اسہال کا تذکرہ ہے۔ غالبًا اس وقت ان کی عمر بچپن کی ہوگی۔ اس خط میں اپنی اہلیہ یعنی میری دادی کا بھی ذکر ہے۔

مکتوب ۱۹ میں اپنے بھائی صاحب یعنی سید اصغر حسین رضوی والد رضا حسن اور چچا فیروز علی کا ذکر ہے ص ۱۳۰، چچا فیروز علی کو سرسام ہوگیا تھا۔ اس بیماری کا ذکر ہے۔ ص ۱۳۰ جاڑا بخار کے بجائے تپ ولرزہ لکھتے ہیں۔ جو ادبی زبان ہے۔ عم بزرگوار کے افاقے کے انتظار میں امروز کو فردا، فردا کو فردائے دیگر پر ٹال رہا ہوں۔ ص ۱۳۰ یہ بھی ادبی جملہ ہے۔ عم بزرگوار سے مراد چچا فیروز علی ہیں۔ فارسی مصرعہ۔

اگر مردے احسن الیٰ من، اساء

اگر تو مرد ہے تو برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کر۔ ص ۱۳۱

دیو بند کو منزل مقصود لکھا ہے۔ ص ۱۳۰ میرے خاندان کی طرف سے مادجب (یعنی سلام و دعا) یہ بھی ادبی جملہ ہے۔ خط ۱۹ میں پھر بتول بڑی صاحبزادی کا ذکر ہے۔ ص ۱۳۱

فارسی مصرعہ: گر قبول افتد زہے عز و شرف ، ص ۱۳۲

۱۹ ویں خط سے تاریخ و سن لکھنا شروع کی۔ اس سے پہلے کے خطوں میں سن اور تاریخ نہیں۔

مناظرے اور مباحثے کا ذکر

خط نمبر ۲۰ میں مباحثہ شاہ جہاں پور کا ذکر ہے۔ خط ۲۹ مناظرہ گلاوٹھی کا ذکر ہے۔ خط ۱۴۳ میں مناظرہ رامپور کا ذکر ہے۔

کتابوں کا ذکر

خط نمبر ۲ میں رسالہ ازالۃ الوسواس کا ذکر ہے۔ ص ۹۳

خط نمبر ۳ میں کتاب مقاصد العارفین کا ذکر ہے۔ ص ۹۹ مقاصد العارفین مصنفہ حضرت شاہ عضد الدین چشتی امروہوی کی تصنیف ہے۔ خط نمبر ۳ محمد حسن سنبھلی سے تحریری مناظرہ کا ذکر ہے۔ یہ مناظرہ افادات احمدیہ حصہ دوم قلمی میں آ گیا ہے۔

ادبی حیثیت

ان خطوط کی ادبی حیثیت ہے۔ کیوں کہ ان میں جا بجا ادبی جملے اور مقفیٰ عبارتیں آئی ہیں کسی خط میں زبان نچلی سطح کی نہیں ہے۔ اعلیٰ ادبی پیرایۂ بیان ہے:

(۱) برادر من اپنی بے نوائی اور تہی دستی کے سبب کچھ متاع دینی و دینوی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔ ص ۹۳

(۲) ناچار دعا پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ وہ ایک آہ نارسا ہے۔ص۹۳ خط نمبر۲ بہ زبان فارسی۔

(۳) پردۂ غیب سے جلوۂ گہہ شہود۔ص۹۳

(۴) تاب مقابلہ۔ص۹۳

(۵) خط کے بجائے عنایت نامہ لکھتے ہیں

(۶) شوق ملاقات کے لیے مشتاق دیدار

(۷) الحمدللہ کہ بعافیت رہ کر آپ کے متعلقین کی خیریت کا خواہاں ہوں۔ص۹۹

(۸) وطن سے روانگی بوجہ موانع چندور چند۔ص۹۹

(۹) قلب نازک کی برہمی۔ص۱۰۱

(۱۰) آرام نیم جانم۔ص۱۰۶

(۱۱) جگروقلب پارہ پارہ۔ص۱۰۶

(۱۲) سبحان اللہ کیا اخلاق و اشفاق ہے کہ بحال نادیدگمان اس قدر شفقت و عنایت فرمائی ہے۔ص۱۰۶

(۱۳) محبوب حقیقی جوکہ حقیقت میں سب کا محبوب ہے۔ص۱۰۶

(۱۴) مقدس کوچہ ودیار کو اپنے سر کا تاج بنایا۔ص۱۰۷

(۱۵) اپنے آپ کو دورافتادہ عمر بہ باددادہ لکھا ہے۔ص۱۰۸

(۱۶) سلام مسنون کے بعد مطالعہ کریں لکھا ہے۔ص۱۱۲

(۱۷) خط کی آمد کو سرمایۂ کامرانی لکھا ہے۔ص۱۱۲

(۱۸) میرے خیال ناقص میں یہاں آنا بے سود ہے۔ص۱۱۲

(۱۹) ارشاد مخدومانہ اور امر حاکمانہ نہیں۔ص۱۱۲

(۲۰) ارادہ بروز شنبہ مصمم تھا۔ص۱۱۳

(۲۱) باہزاران ہزار شوق دیدار مشحون ومقرون۔ص۱۱۴

(۲۲) احمد حسن بے چارہ تاب انتظار نہیں رکھتا۔ص۱۱۴

(۲۳) وہ اپنی جان نحیف کو کس طرح ہلاکت اضطرار میں ڈالے گا۔ص ۱۱۴

(۲۴) اس خط میں فارسی کا یہ مصرعہ لکھا ہے:

اے وقت تو خوش، وقت ما خوش کردۂ۔ص ۱۱۴

(۲۵) مدت کے بعد فقیر کی دعاہائے سحری اور آپ کی مجاہدات نیم شبی نے اپنا اثر کیا۔ص ۱۱۵

(۲۶) بہ ہمہ سلام واز ہمہ سلام۔ص ۱۱۶

(۲۷) بعد مایلیق واضح خاطر عزیز باد۔ص ۱۱۷

(۲۸) غایت سے غایت دوشنبہ تشریف لے آویں

(۲۹) اشتیاق مکنون۔ص ۱۱۷ خط نمبر ۱۲...... بہ زبان فارسی

(۳۰) واضح باد۔ ص ۱۲۰...... خط نمبر ۱۳

(۳۱) تن نیم جاں۔ص ۱۲۲...... خط نمبر ۱۲

(۳۲) اشتیاق ملاقات۔ص ۱۲۳

(۳۳) والدین شریفین۔ص ۱۲۳

(۳۴) دین و دنیا میں عافیت نامہ عنایت فرمائے۔آمین فآمین۔ص ۱۲۳

(۳۵) سلامت با کرامت رکھے، ص ۱۲۳

(۳۶) عیادت مسنونہ۔ص ۱۲۳

(۳۷) جلوہ گہہ ظہور میں آئے۔ص ۱۲۳

(۳۸) اے کاش! انضال خداوندی شامل حال رہیں۔ص ۱۲۳

(۳۹) آپ اپنی محبت واخلاص سے جو کچھ لکھتے ہیں۔باعث ممنونیت نحیف ہے۔ ص ۱۲۳...... خط نمبر ۱۶

(۴۰) تمام یاد کنندگان و پرسان حال کو سلام۔ص ۱۲۴

(۴۱) سلام مسنون با ہزار اشتیاق مشحون۔ص ۱۲۶...... خط ۱۷ بہ زبان فارسی

(۴۲) مکتوب گرامی۔ص ۱۲۶

(۴۳) طاق نسیان۔ص ۱۲۶

(۴۴) پس از ما و جب واضح باد۔ص ۱۳۲

(۴۵) افتان خیزان دیوبند پہنچا۔ص ۱۳۲

(۴۶) میرے دامن جاں میں شادمانیوں کو بکھیر دیا۔ص ۱۳۴

(۴۷) اللہ تعالیٰ گوشۂ مشتاقان میں جلد مژدۂ عافیت نامہ پہنچائے، آمین۔ص ۱۳۴

(۴۸) بعد سلام مسنون وشوق ملاقات می نگارد۔ص ۱۳۹

(۴۹) بفضلہٖ تعالیٰ نحیف بھی تمام وابستگان کے ساتھ بہ خیر ہے۔ص ۱۳۹

(۵۰) پس از تحیہ تسلیم مسنون می نگارد۔ص ۱۴۵

(۵۱) سلام مسنون بہ ہزار شوق مکنون، اس میں قافیہ ہے۔ص ۱۵۰

(۵۲) مژدۂ عافیت سے مسرور فرمائیں۔ص ۱۵۲

(۵۳) بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے۔ص ۱۵۵

(۵۴) فارسی مصرعہ: از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم۔ص ۱۸۷

(۵۵) علالت طبیعت باعث خلش خالی ہے۔بجواب نامہ ہذا خیریت سے جلد مطلع کرنا۔ص ۱۸۹

(۵۶) بعد سلام مسنون مکلف ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ دعائے احباب نے اپنا کام کیا۔اور افضال الٰہی نے مدد فرمائی۔ جو حالت تردد پیش تھی، بفضلہٖ تعالیٰ اب نہیں لیکن فی الجملہ خلجان باقی ہے۔ص ۱۹۳

(۵۷) علالت طبیعت بالخصوص کیفیت ضعف بصارت دریافت ہو کر سخت تردد ہوا۔ ص ۱۹۴

(۵۸) فارسی مصرعہ: چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ص ۱۹۵

(۵۹) بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے۔ص ۲۰۲

(۶۰) پس از دیر نامہ پہنچا۔ص ۲۰۳

(۶۱) فارسی مصرعہ: ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف است۔ص ۲۰۳

(۶۲) فارسی مصرعہ: اے وقت تو خوش وقت ما خوش کردۂ۔ ص ۲۰۵

(۶۳) دعائے عافیت جسمانی و روحانی اور بعد اظہار شوق دیدار تحریر کرتا ہے۔ ص ۲۰۷

(۶۴) بارک اللہ فی فہمہ۔ ص ۲۰۹

(۶۵) علی الراس والعین یعنی بسر وچشم۔ ص ۲۱۹

(۶۶) فارسی مصرعہ: اوست سلطان ہر چہ خواہد آن کند۔ ص ۲۲۰

(۶۷) اللہ کریم شفائے عاجلہ نصیب فرما کر صحت جسمانی و روحانی کے ساتھ تادیر سلامت با کرامت رکھے۔ ص ۲۴۴

(۶۸) نامۂ عزیز پہنچا۔ خط نمبر ۹۲

(۶۹) صبر وشکیبائی کے سوا اور کیا چارہ۔ ص ۲۴۸

(۷۰) رب رحیم مغفور مبرور کو اپنے بندگان خاص کے قرب میں جائے راحت دے اور رحمت خاصہ سے نوازے۔ آمین۔ ص ۲۴۸

(۷۱) زمانہ کشش یعنی بارش نہ ہونا۔

(۷۲) اللہ کریم ان زلات سے درگزر کرے۔ آمین۔ ص ۲۶۲ زلات سے مراد لغزش خطا۔

(۷۳) مدت ممتدہ۔ ص ۲۶۶

(۷۴) ادعیۂ وافیہ یعنی بعد ماوجب تحریر ہے۔ ص ۲۸۴

(۷۵) فارسی مصرعہ: روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔ ص ۲۸۷۔ ہم نے روئے گل کو جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فصل بہار ختم ہو گئی۔

(۷۶) مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ص ۳۰۷

(۷۷) طلبیدہ دیوبند جا رہا ہوں۔ ص ۳۱۱

علمی مذہبی حیثیت

ان خطوط کی علمی و مذہبی حیثیت ہے کیوں کہ ان میں بعض علمی و دینی مباحث پر لکھا گیا ہے۔ یہ خطوط عالمانہ انداز لیے ہوئے ہیں۔مثلاً خط نمبر ٦ اور ٧ جو فارسی میں ہیں، ان میں جزع وفزع پر ہے۔

جزع وفزع

چناں چہ موت پر لکھا ہے کہ جزع وفزع اور شکوہ شکایت سے سوائے اپنے مُعذّب ہونے کے کچھ حاصل نہیں۔ص ١٠٧۔ایک اور خط میں لکھا ہے:

اس جزع فزع پر گریہ وزاری سے آپ کی آرزوئے خام حاصل ہونے والی نہیں۔اے برادر! جبکہ ہماری تمہاری بلکہ سارے عالم کی اس گریہ وزاری سے کچھ حاصل نہیں اور نہ اس سے عزیز مرحوم زندہ ہوتا ہے۔ جان برادر! عقل کو برائے فرق نفع ونقصان اور برائے تمیز سود وزیاں پیدا کیا گیا ہے۔ ورنہ دیگر حیوانات مین کیا فرق رہے گا۔حیف صد حیف محبوب حقیقی کے فراق میں اپنی آنکھ تر نہیں کرتے۔اور نہ کھانا ترک کرتے ہیں نہ کلام۔ اور غیر خدا کی محبت میں اور بیگانوں کے فراق کے صدمے سے زندگی سے بھی تنگ آجاتے ہیں۔ص ١٠٩

اس خط میں کس قدر اچھے ادبی انداز میں صبر و برداشت کی تلقین کی ہے اور جزع وفزع کو بوئے شرک سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ خاک سے پیدا ہوا۔خاک میں چلا گیا۔ پھر کہا ہے کہ بہر دم اور بہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے خواہاں رہیں۔ص ١١١

ایک اور خط میں جزع وفزع کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''اگر صبر ہے تو اس چند روزہ مفارقت کے بعد صبر کی بدولت ان شاءاللہ ملاقات دائمی میسر آئے گی۔علاوہ بریں حق جل مجدہ، صابرین کے حق میں یوں ارشاد فرماتے ہیں: اور بشارت دیتے ہیں۔ان اللہ مع الصابرین۔بے شک اللہ صبر کرنے

والوں کے ساتھ ہے۔ ان اللہ یحب الصابرین، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر ان کا ایک محبوب جو کہ زیادہ قابل محبت نہ تھا۔ سر سے پاؤں تک سیکڑوں پوشیدہ اور ظاہری نقص رکھتا تھا۔ اور اس کے پاس کوئی ایسا کمال نہ تھا جو کمال نقصان سے خالی ہو، وہ ان سے جدا ہو گیا۔ اس میں خیر ہو گی۔ محبوب حقیقی جو حقیقت میں سب کا محبوب ہے وہ سوائے کمال در کمال کے نام نقصان کی بھی مطلق گنجائش نہیں رکھتا۔ صبر کی بدولت وعدۂ معیت فرماتا ہے۔ ص ۱۰۷ خط نمبر ۶ بزبان فارسی۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''معہذا اگر صبر نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ جزع فزع اور شکوہ شکایت سے سوائے اپنے معذب ہونے کے۔ اور میت کے معذب ہونے کے کچھ حاصل نہیں۔ بہر حال صبر فرمائیں اور ایصال ثواب کی توفیق ہو جائے تو اچھا ہے۔ اگر کچھ ہو سکے تو قل ھو اللہ کو بکثرت پڑھ کر اس کا ثواب مرحوم کو پہنچائے اور انا للہ وانا الیہ راجعون، رضیت باللہ ربا، رضیت باللہ ربا بکثرت پڑھیں۔ صفحہ ۱۰۷ خط ۶ بہ زبان فارسی۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: ''مضامین قرآن و حدیث کو پیش نظر رکھ کر غور کریں کہ اس جزع و فزع اور گریہ وزاری سے آپ کی آرزوئے خام حاصل ہونے والی ہے یا نہیں؟ اے برادر! جب کہ ہماری تمھاری بلکہ سارے عالم کی اس گریہ و زاری سے کچھ حاصل نہیں اور نہ اس سے عزیز مرحوم زندہ ہوتا ہے۔

اگر اس قدر خیال اور دھیان خدا اور رسول کا کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ دنیا مین بھی کام آتا اور آخرت میں بھی خود ارشاد باری تعالیٰ ہے خسرَ الدنیا والآخرۃ ذلک ہوالخسر ان المبین۔ جان برادر! عقل کو برائے فرق نفع و نقصان اور برائے تمیز سود و زیاں پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں اپنے نفع وضرر کو پیش نظر رکھے۔ ورنہ اس شخص میں اور دیگر حیوانات میں کیا فرق رہے گا؟ افسوس کہ ہم محبت غیر خدا میں جو سرتاپا عیب ونقصان ہے، اور اس کا کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو کمال

نقصان سے خالی ہو۔ عالم یاس میں رہ کر اپنا جگر خون کرتے ہیں۔ نہ سلام سے کچھ غرض نہ کھانے کی کوئی خبر۔ اگر اس محبت اغیار کے مقابلے میں جو کہ بوئے شرک سے خالی نہیں۔ حیف صد حیف ہم کبھی محبوب حقیقی کے فراق میں اپنی آنکھ تر نہیں کرتے اور نہ کھانا ترک کرتے ہیں، نہ کلام۔ ص ۱۰۹ خط نمبر ۷

ان خطوط میں کس قدر عالمانہ حیثیت سے جزع وفزع کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ کہ موت پر رونا دھونا نہیں چاہیے۔ یہ خلاف شرع بات ہے۔ جزع وفزع کے بارے میں اسی خط نمبر ۷ میں مزید لکھا ہے:

''برادرم! مجھے یہ بات یاد ہے کہ ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے طعن انساب اور موت احباب پر جزع وفزع کو داخل شرک قرار دیا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُشرِکَ بِہٖ ویغفرُ مادونَ ذٰلک لمن یشاء۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ دوسرے گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا، میرے ذہن ناقص میں یہ آرہی ہے کہ طعن انساب کرنا اور موت احباب پر جزع فزع کرنا اس وقت صحیح ہوگا جب کہ اپنے نسب کو اپنی صفت مستقلہ جانا جائے۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ فخر وافتخار اپنی اشیائے مستقلہ پر ہوتا ہے۔ دوسروں کی اشیاء پر نہیں ہوتا۔ برادرم جب اس سے بوئے شرک نکل رہی ہے تو مقتضائے ایمان اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کا تقاضا بھی ہے کہ فوراً توبہ کریں اور اپنے اس خیال خام سے باز آئیں۔ صفحہ نمبر ۷ بزبان فارسی۔

ان خطوط میں میت پر رونا دھونا کی شرعی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ اس پر صبر کرنا چاہیے۔ اور اللہ کو یاد کرنا چاہیے۔ ان خطوط میں حضرت محدث امروہی نے دو اہم باتوں کو واشگاف کیا ہے۔ ایک یہ کہ جانے والا واپس نہیں آتا۔ پھر اس کو کیا رونا۔ دوسرے اس کی جو صفات تھیں وہ عارضی تھیں۔ مستقل صفات کا حامل ذات خداوندی ہے۔ اس لیے اس کا ذکر اولیٰ ہے۔ ان خطوط میں اے برادر! جان

برادر!، برادرم سے مکتوب الیہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ غالب کا اسٹائل ہے۔ غالب اپنے خطوط میں جا بجا مکتوب الیہ کو انہی الفاظ سے مخاطب کرتے۔ دوسرے ان خطوط میں ادبی، علمی زبان استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً حیف صد حیف ہم کبھی محبوب حقیقی کے فراق میں آنکھ تر نہیں کرتے۔ نہ کھانا ترک کرتے ہیں، نہ کلام۔ ص ۱۰۹ خط نمبر ۷ اسی طرح آرزوئے خام، گریہ وزاری برائے تمیز سود وزیاں۔ بہر دم بہر قدم اللہ کی رضا کے خواہاں رہیں۔ عقل ناقص صفت مستقلہ وغیرہ یہ سب ادبی جملے ہیں۔

خط نمبر ۲۱ سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو آشوب چشم کی بیماری تھی۔ ص ۱۳۴۔ الحمد للہ علی خیریت الطرفین ص ۱۳۳، یہ ادبی جملہ ہے۔ صرف بوجہ پابندی کار مدرسہ ص ۱۳۵، یہ بھی ادبی جملہ ہے۔ خط نمبر ۲۱ میں بھی والدۂ بتول یعنی اپنی اہلیہ کا ذکر ہے ص ۱۳۴

خط کو سرمایہ سکون تصور کرتے ہیں۔ ص ۱۳۵۔ ایک خط میں حافظ کا شعر quote کیا ہے۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر محبان بادہ پیمارا

جب تو حبیب کے سامنے بیٹھے اور بادۂ معرفت پیئے تو محبان بادہ پیما کو یاد کر لینا۔ خط نمبر ۲۲ میں اپنی دونوں بیٹیوں بتول اور سیدہ کا ذکر ہے۔ ص ۱۳۶۔ اسی خط میں اپنی اہلیہ یعنی میری دادی کا بھی ذکر ہے، ص ۱۳۷، ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے دو صاحبزادے تھے۔ (۱) حافظ مسعود احمد (۲) محمود احمد۔ خط نمبر ۲۲ میں فارسی کا شعر quote کیا ہے۔

ما بدان منزل عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

ہم اس منزل عالی تک پہنچ سکتے۔ البتہ اگر آپ کا لطف، رہبری کے لیے چند قدم آگے بڑھے تو کام آسان ہو جائے۔ ص ۱۳۸

خط نمبر ۲۳ میں فارسی کا مصرعہ۔ این حسرت است واین دل ناکام
خط نمبر ۲۸ میں امان صاحبہ (اہلیہ حضرت نانوتوی) کا ذکر ہے۔ ص ۱۴۷
خط نمبر ۳۱ میں اردو کا شعر لکھا ہے۔

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجیے
تھی تمنائے قدم بوسی، سو محروم رہے ص ۱۵۰

ایک خط میں مولانا پھلا وودی کو جامع کمالات مجموعہ حسنات لکھا ہے۔ ص ۱۵۲ خط نمبر ۳۵ سے معلوم ہوا کہ حضرت دادا صاحب کی آنکھ میں گوہیری (انجناری) نکلتی تھی۔ میرے والد کی آنکھ میں بھی انجناری نکلتی تھی۔

خط نمبر ۳۹ میں عربی کے دو شعر لکھے ہیں۔

وکنا کند مانی جذیمہ حقبۃ من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
لما تفرقنا کانی و مالکا یطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا!

ہم دونوں مدت مدید تک جذیمہ کے دو ہمنشیوں کے مانند تھے، لوگ کہتے تھے، دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پس جب ہم دونوں جدا ہوئے تو گویا میں نے اور مالک نے باوجود ایک طویل مدت ساتھ رہنے کے، ایک رات بھی ساتھ رہ کر نہیں گزاری۔

خط نمبر ۳۹ میں فارسی مصرعہ quote کیا ہے۔

تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما ص ۱۶۳

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ شاہی چھوڑ کر امروہہ آئے تو ۲۵ طلبہ اپنا نام خارج کرا کے امروہہ آئے، ص ۱۶۳
خط نمبر ۴۲ میں مرۃ بعد اولیٰ و کرۃ بعد اخری یہ ادبی جملہ ہے، ص ۱۶۷
خط نمبر ۴۵ فارسی مصرعہ۔ صلاح کار کجا و من خراب کجا ص ۱۷۳
اسی خط میں یہ جملہ میرا دل بے تابانہ آں عزیز کے دیدار کا آرزومند ہے، ص ۱۷۴، یہ ادبی جملہ ہے۔

اسی خط میں فارسی شعر ہے۔

بدُرد صاف ترا دخل نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

تلچھٹ اور صاف شراب کے بارے میں اے دل تجھے کوئی دخل نہیں۔ بالکل خاموش ہو جا، اس لیے کہ ہمارے ساقی ازل نے جو کچھ ہمارے پیالے میں انڈیل دیا ہے۔ وہی عین مہربانی ہے۔ ص ۱۷۸۔

اس خط سے معلوم ہوا کہ حضرت دادا صاحب بخاری، مسلم، ترمذی پڑھاتے تھے۔ جماعت ترمذی میں ۲۵ طلبہ تھے، یہ خط ۲۷ شوال روزشنبہ ۱۳۱۱ء کا ہے، ص ۱۷۸۔ ادبی جملہ: استعمال دوا و مراعات پرہیز میں مساہلت نہ فرمائیں۔ ص ۱۸۰

ایک خط (نمبر ۴۹) میں لخت جگر سید محمد (میرے والد) کی سخت علالت کا ذکر ہے۔ دانت نکلنے کے سبب تکلیف تھی۔

ندوۃ العلماء

یہ خط ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) کا ہے۔ ص ۱۸۲۔ اسی خط (۴۹) میں ندوۃ العلماء کے جلسے میں حضرت دادا صاحب کو بلائے جانے کا ذکر ہے۔ ص ۱۸۳۔ پانچ خط ندوۃ العلماء سے بلاوے کے آئے اور ایک صاحب ہمراہ لے جانے کی غرض سے بار بار امروہہ آنے کی تکلیف گوارا کی، مگر دادا صاحب نے معذوری ظاہر کردی۔ یہ خط ۱۳۱۳ھ کا ہے، ص ۱۸۲

مولانا سلیمان ندوی اور مولانا محدث امروہی

ایک وفد میں مولانا سلیمان ندوی بھی امروہہ آئے تھے، اور حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تھے۔ ندوۃ العلماء کا وفد نواب وقار الملک نے بلایا تھا۔ اس وفد کو ندوے کے لیے محلہ کمبوہاں اور محلہ قریشی سے گیارہ سو روپیہ چندہ

مولانا شبلی اور مولانا محدث امروہی

علامہ شبلی بھی میرے دادا سے تعلق رکھتے تھے۔ چناں چہ مرے دادا کے انتقال پر علامہ شبلی نے لکھا تھا کہ: ہندوستان سے حدیث کا چراغ گل ہوگیا۔ خط ۵۷ فارسی میں ہے۔ اس میں میرے والد صاحب کو پہلی بار بنے میاں لکھا ہے۔ ص ۱۹۷

خطوط کی علمی حیثیت...... موضوع: سَبِّ شیخین

ان خطوط کی علمی حیثیت بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علمی موضوع پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ مسئلہ سَبِّ شیخین یا شیعہ تبرا کے بارے میں رقمطراز ہیں:

سب سے پہلے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا حوالہ دیا ہے (ص ۱۸۱) جو یہ ہے:

''اگر مولانا نے اس بنا پر سب الشیخین کو کفر نہیں کہا کہ نقیص صریح ایمان کا نہیں۔ ایمان از جملہ اعتقادیات ہے۔ نہ سب الشیخین، تو کلام ان کا مہمل پر محمول ہو سکتا ہے۔ بے شبہ سب مجرد کفر نہیں۔ بلکہ فسق ہے۔'' ص ۱۸۰۔ آگے چل کر حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: سباب المومن فسق۔''

ورنہ سب شیخین چونکہ انکار ایمان شیخین رضی اللہ عنہما کو متضمن ہے بلکہ انکار ایمان شیخین ہی پر متفرع اور ایمان شیخین ایسا قطعی ویقینی کہ ہم بہ شہادتِ آیاتِ بیّنات بلکہ بہ صراحتِ احادیث وآیات واضحات ثابت۔ پس سب شیخین بوجہ اس اشتمال کے کہ انکار ایسے ایمان قطعی کا اس کے ساتھ ہے، بلکہ انکار ان آیات کا ہے جو اس ایمان قطعی پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز متضمن، لہٰذا نظر بہ ہذہ الاشتمال بے شبہ سب الشیخین کفر ہے۔ مع ہذا سب الشیخین اہانت خلیفۃ اللہ اور اہانت خلیفۂ رسول اللہ کو مستلزم ہے اور

سُبّ شیخین کی بغاوت پر مشعر۔ پس سب شیخین کا کفر ہونا بے تکلف ہے۔ ہاں جیسا کہ مرتبہ صراحت و مرتبہ التزام میں فرق ہے، اس کفر التزامی اور کفر صریحی میں فرق ہوگا۔ اس صورت میں اقوال مختلفہ عمدہ طور پر جمع ہو سکتے ہیں۔ جن بزرگواروں نے فرمایا سب شیخین کفر نہیں۔ ان کی نظر کفر صریحی پر ہے اور جو حضرات فرماتے ہیں، کفر ہے۔ ان کی نظر غائر کفر التزامی پر ہے۔ وللناس فی ما یعشقون مذاہب۔ زجرِ ناس اور تنبیہ خلق اللہ اس کو مقتضی ہے۔ کہ قول بالکفر اختیار کیا جاوے۔ اس طائفہ باغیہ طاغیہ شنیعہ سے ایسا حذر کیا جائے جیسا کہ اصل کافر سے۔ لیکن احتیاط اس کو مقتضی ہے کہ اہل قبلہ کی حتیٰ الامکان تکفیر نہ کی جاوے۔ اور خاص مسئلہ وراثت اور نکاح میں اس گروہ غوایت پژوہ کو دائرۂ اسلام میں داخل سمجھا جاوے۔ میراث میں حق شرعی دینا اور مناکحت ان کے ساتھ گو ممنوع ہے اور شدید ممنوع، مگر بر تقدیر وقوع نسب کو مانا جائے اور زنا نہ کہا جائے واللہ اعلم دبرّ و احوال عبادہ ھواللطیف الخبیر، مکتوب ۱۴۹ از صفحہ ۱۸۱ تا صفحہ ۱۸۲

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ

اس پر داداصاحب کی مہر ہے۔

خط نمبر ۵۹ میں لخت جگر سید محمد عرف بنّے میاں یعنی میرے والد کو چھوٹی چیچک (خسرہ) میں مبتلا ہونے کی اطلاع ہے۔ ص ۱۹۹، یہ ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء کی بات ہے۔

خط نمبر ۶۸ میں قاری طیب صاحب کی پیدائش کی خبر ہے۔ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) ص ۲۱۲۔ قاری طیب صاحب ۱۸۹۷-۱۹۸۳ء چھیاسی سال کی عمر ہوئی۔

میرے والد سید محمد رضوی کی وفات ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی۔ میرے والد ۱۸۹۵ء-۱۹۷۸ء کی عمر ۸۴ سال ہوئی۔ اس طرح میرے والد قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے دو سال بڑے تھے۔ ضیاء النبی فرزند مولوی آل علی کا نام

میرے دادا نے رکھا تھا۔ انکی سن پیدائش ۱۸۹۷ء ہے ص ۲۰۸۔

مولانا رضا حسن کی شادی میری چھوٹی پھوپھی سیدہ سے ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) میں ہوئی۔ خط نمبر ۸۰ ص ۲۲۹، تاریخ عقد ۱۶ شعبان بروز جمعہ ۱۳۱۶ء ہے۔ مولانا فخر الحسن گنگوہی کا انتقال ۱۳۱۵ء میں ہوا۔

خط نمبر ۸۵ میں فارسی شعر quote کیا ہے۔

یک شمہ نیست ہمچو حنا، اختیار ما　　　　درست غیر ہست قیام وقرار ما

مہندی کی طرح ہمیں ذرہ برابر اختیار نہیں، ہمارا قیام دوسروں کے ساتھ ہے۔

علمی حیثیت......موت

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا، ان خطوط کی علمی حیثیت ہے۔ چناں چہ موت کے موضوع پر آپ نے لکھا ہے:

''موت: ہر ایک کو یہ راہ نادیدنی دیکھنا ہے اور یہ ذائقہ ناچشیدنی چکھنا ہے۔ اللہ تعالٰی خود فرماتے ہیں۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ پس تقدیم و تقدیر کے ساتھ ہر شخص کو یہی راہ درپیش ہے۔ ص ۲۳۷

جزع وفزع

پس ہم بندگان کے لیے مآل اندیشی یہی ہے کہ جزع وفزع کو بے سود جان کر صبر کے ساتھ گزاریں اور ایسے وقت میں قدم استقلال جمائے رکھیں اور سمجھ لیں

ع　　اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند　　ص ۲۳۷

شریعت محمدی کا اتباع

خط ۹۱ میں انگریزی خط جو آسٹریا سے آیا تھا اس کے جواب میں لکھا اور توحید و رسالت کو بہ دلائل عقلیہ ثابت کیا۔ اور کہا کہ اس وقت یعنی بعد بعثت حضور صلی اللہ علیہ وسلم، نجات اخروی بغیر اتباع شریعت محمدی ممکن نہیں ص ۲۴۷، اس

تحریر کو مولانا رشید احمد گنگوہی نے مسموع فرمایا اور پسند کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بریلی میں ہوا۔ مولوی عبدالغفور سیوہاروی نے اس کو نقل کیا۔ یہ خط ۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۱-اگست ۱۸۹۹ء کا ہے۔

مولانا عبدالغفور سیوہاروی حضرت دادا صاحب کی تحریروں کو نقل کرتے تھے۔

گلاوٹھی کا مناظرہ

خط ۹۹ میں گلاوٹھی کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ یہ مناظرہ مقلدین اور غیر مقلدین (اہل حدیث) کے درمیان تین دن گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں ہوا۔ اس میں حضرت محدث امروہی کے علاوہ حضرت شیخ الھند مولانا محمود الحسن، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا محمد صدیق انبیٹھوی شریک تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، مفتی ریاض الدین افضل گڑھی، حضرت مولانا امین الدین بانی مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی اور دیگر علما وعمائد میرٹھ اور بلند شہر احناف کی طرف سے اس میں شریک تھے۔ اہل حدیث کی طرف سے مولوی حمید اللہ، مولانا عبدالوہاب نابینا دہلوی، مولوی محمد ادریس لڈنی، مولوی علیم الدین میرٹھی تھے۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ کو مولانا انور شاہ کشمیری استاد مدرسہ امینیہ دہلی اور مولوی عبدالوہاب دہلوی کے درمیان مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں احناف کو غلبہ ہوا۔ ۲۰/ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ کو علی الصباح منشی مہربان علی مرحوم کے مکان پر حضرت محدث امروہی کی ایک معرکتہ الآرا تقریر ہوئی جس میں فاتحہ خلف امام پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا کہ امام کی قرأۃ، فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اس تقریر میں ایک ہزار کا مجمع تھا۔ اہل حدیث بھی اس تقریر میں موجود تھے۔ اس مناظرہ کی روداد السراج الانور کے نام سے نامی پریس میرٹھ سے شائع ہوئی۔ اس روئداد میں حضرت محدث امروہی کی تقریر بایدید کے عنوان سے درج ہے۔ اس تقریر کو مولانا سراج احمد رشیدی نے مرتب فرمایا ہے۔ ص ۲۵۸

ان خطوط سے یہ معلوم ہوا۔ ریل گاڑی ۱۹۰۰ء سے چلنا شروع ہوگئی تھی۔

خط ۱۰۸ میں سید محمد طال عمرہ کی ختنہ کا ذکر ہے۔ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء ص ۱۷۱۔ دادا صاحب کے بڑے بھائی سید اصغر حسین رضوی کا انتقال ۴؍اگست ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ خط ۱۳۹۔ دادا صاحب کی سوتیلی والدہ یعنی والدہ حکیم حامد حسن کا انتقال ۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ خط ۱۴۳ میں فارسی شعر quote کیا ہے۔

ہر بلائے کز آسماں آید گر چہ بر دیگرے قضا باشد

بر زمین نا رسیدہ می پرسد، خانہ انوری کجا باشد ص ۳۱۹

رام پور کا مناظرہ

خط ۱۴۳ میں رام پورم کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رئیس یعنی نواب رامپور کی خواہش ہے مناظرہ میری مشافهت میں ہو۔ رام پور کا مناظرہ قادیانیوں سے ہوا تھا۔ اس میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی خلیل احمد صاحب، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن، حافظ احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی شریک تھے۔ قادیانیوں کی طرف سے مولوی احسن امروہی اور مولوی سرور تھے۔ ۱۵ جون ۱۹۰۹ء کو مناظرہ کا سلسلہ شروع ہوا اور ۲۰ جون کو اہل حق کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ مولانا ثناءُ اللہ امرتسری اہل حق کی طرف سے مناظر تھے۔ قلعہ رام پور میں یہ مناظرہ ہوا۔ قادیانیوں کو بری طرح شکست ہوئی اس مناظرے میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اکابر دیوبند کے ساتھ شریک مناظرہ تھے۔ اس مناظرہ کی روئداد ہفتہ وار دبدبہ سکندری رامپور کے پرچوں یعنی ۱۵ جون سے ۲۸ جون ۱۹۰۹ء تک کے اشاعتوں میں ہے۔

اس مناظرے میں مولانا احمد حسن محدث امروہی کی پر اثر تقریر تھی جو روداد میں ہے۔ اس مناظرہ میں نواب رامپور نے مولانا محدث امروہی کو سب سے پہلے شرکت کی دعوت دی تھی۔ خط ۲۳ میں حضرت دادا صاحب جن کتابوں کا درس دیتے

تھے، ان کا ذکر ہے، یعنی بخاری، مشکوٰۃ، مؤطا، توضیح وتلویح، ابن ماجہ، مسلم۔

خط ۴۰ سے معلوم ہوا۔ جامع مسجد امروہہ کا حوض ۱۳۰۴ء میں دادا صاحب نے تعمیر کرایا تھا۔ اس حوض میں فوارہ ۱۳۰۸ کو نصب ہوا۔

خط ۹۳ سے حضرت حاجی امداللہ مہاجر مکی کی وفات کی خبر ملی جو ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو روز چہار شنبہ وقت صبح مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت کے ایصال ثواب کے لیے ۱۰۰ قرآن شریف ختم ہوئے۔

مولانا احمد رضا اور مولانا محدث امروہی

مولانا احمد رضا میرے دادا کے معاصر تھے۔ اور وہ رامپور کے مناظرے میں حضرت محدث امروہی کے ساتھ تھے۔ اسی طرح آنولہ ضلع بریلی کے مناظرے میں مولانا احمد رضا، میرے دادا حضرت محدث امروہی کے ساتھ تھے۔

باب چہارم

مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے علم حدیث رائج کرنے والے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں دہلی میں ہوا۔ انھوں نے مشکوٰۃ کی شرحیں لکھیں، جن کے نام یہ ہیں: (۱) لمعات التنقیح عربی اشعۃ اللمعات (فارسی)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ عبدالوہاب متقی التوفی ۱۰۰۱ھ سے حدیث پڑھی۔ جو شیخ علی متقی کے خلیفہ و جانشین تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں شیخ احمد بن محمد سے علم حاصل کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیٹے شیخ نورالحق تھے۔ ان کا انتقال ۱۰۷۳ھ میں ہوا۔ انھوں نے بخاری کی شرح تیسر القاری کے نام سے لکھی تھی اس طرح شیخ عبدالحق کے خاندان نے درس حدیث کی خدمات انجام دیں۔ مدارج النبوۃ اور اخبار الاخیار شیخ عبدالحق کی مشہور کتابیں ہیں۔ پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (احمد بن عبدالرحیم) التوفی ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء) نے علم حدیث کی خدمت کی۔ انھوں نے اپنے دادا عبدالرحیم دہلوی سے علم حاصل کیا۔ دہلی میں مدرسہ

رحیمیہ ان ہی کے نام پر تھا۔ شاہ ولی اللہ نے مدینہ منورہ میں شیخ اجل ابو طاہر محمد بن ابراہیم سے علم حدیث سیکھا۔ انھوں نے ان سے صحیحین یعنی بخاری، مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد اور مسند دارمی پڑھی۔ حدیث کی اجازت شیخ ابو طاہر سے حاصل کی۔ شاہ ولی اللہ نے محنت اور دلچسپی سے تدریس حدیث کی خدمت انجام دی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز المتوفی ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) نے درس حدیث دیا۔ شاہ عبدالعزیز کے بعد ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی متوفی ۱۲۶۳ھ مسند درس پر متمکن رہے۔ وہ ان کے حقیقی خلیفہ تھے۔ ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں ان کا فیض جاری رہا۔ اس کے بعد انھوں نے ہجرت مکہ کی۔ شاہ اسحاق کے شاگردوں میں شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی متوفی ۱۲۹۶ھ ہوئے۔ شاہ اسحاق کے شاگرد محشی بخاری مولانا احمد علی سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ بھی تھے۔ شاہ عبدالغنی، حضرت مجدد الف ثانی ۱۰۳۴ھ کے حفید تھے۔ اس لیے مجددی کہلاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبدالغنی تھا جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے والد محترم تھے۔ شاہ اسحاق کے بعد شاہ عبدالغنی مجددی نے دہلی میں بیٹھ کر علم حدیث کی اشاعت کی۔ وفات سے چند سال قبل مدینہ منورہ ہجرت کی۔ ۱۲۹۶ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

شاہ اسحاق دہلوی مہاجر مکی ۱۷۸۲-۱۸۴۵ء محمد افضل لاہوری کے صاحبزادے تھے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ-۱۲۳۸ھ (۱۷۴۶ء-۱۸۲۳) کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے ۷۷ سال کی عمر پائی۔ انھوں نے ۶۰ سال تک درس حدیث دیا۔ شاہ اسحاق کی ۶۴ سال کی عمر ہوئی۔ ان کے تلامذہ یہ ہیں:

(۱) شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء تا ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء انھوں نے ۵۹ سال کی عمر پائی۔

(۲) قاری عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی۔

(۳) شاہ عبدالقیوم بن شاہ عبدالحئی بڈھانوی جو آپ کے داماد بھی تھے۔ بڈھانہ

ضلع مظفر نگر میں قصبہ ہے۔

(۴) شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی انھوں نے شاہ عبدالعزیز سے بھی کسب فیض کیا۔

(۵) مولانا احمد علی سہارن پوری محدث محشی بخاری، صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

(۶) مولانا مظہر نانوتوی، صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

(۷) مفتی عنایت کاکوروی صاحب علم الصیغہ

(۸) مولانا نورالحسن کاندھلوی۔ کاندھلہ مظفر نگر یو۔ پی میں ایک قصبہ ہے۔ شاملی بھی مظفر نگر میں ہے۔

مولانا یحییٰ کاندھلوی، مولانا ذکریا کاندھلوی کے والد تھے اور مولانا الیاس کاندھلوی کے بڑے بھائی تھے۔ مولانا یحییٰ کاندھلوی یکم محرم ۱۲۸۸ھ/ ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھا تھا حالی نے بھی اسی مدرسے میں پڑھا تھا۔ مولانا یحییٰ کاندھلوی کے ممتحنین میں میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہی بھی تھے (۷۲) شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء - ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء کے حسب ذیل شاگرد ہوئے:

(۱) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء - ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء ۴۹ سال کی عمر ہوئی۔

(۲) امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء

(۳) مولانا محمد یعقوب نانوتوی ابن مولانا مملوک علی ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء - ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء، ۵۱ سال کی عمر پائی۔

(۴) سید العلماً مولانا سید احمد حسن محدث امروہی ۱۸۵۰ء - ۱۹۱۲ (۱۳۳۰ھ)

اس طرح میرے دادا کو براہ راست شاہ عبدالغنی سے سند حدیث مسلسل

---

(۷۲) سوانح عمری شیخ الحدیث مولانا ذکریا کاندھلوی صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ کراچی ۲۰۰۲ء

حاصل تھی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی ثم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد شاہ ابوسعید مجددی اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی سے حدیث پڑھی۔ اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی۔ اور نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے نانا نے اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حدیث پڑھی۔

اس طرح میرے دادا کو حدیث مسلسل بالا ولیت حاصل تھی، مسلسلات پر شاہ ولی اللہ کا ایک رسالہ ہے۔ اس کا نام الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین ہے۔

حدیث مسلسل

میرے دادا کی سند حدیث یہ ہوئی:

مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی نے شاہ عبدالغنی سے حدیث پڑھی۔ شاہ عبدالغنی نے شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث پڑھی۔ شاہ اسحاق نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی اور شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد شاہ ولی اللہ۔ سے حدیث پڑھی اور شاہ ولی اللہ کی حدیث ہر جگہ معتبر ہے۔

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) عمر ۶۰ سال

☆ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) عمر ۷۷ سال

☆ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکی (۱۷۸۲-۱۸۴۵ء) عمر ۶۴ سال

☆ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی (۱۸۲۰-۱۸۷۹ء) عمر ۵۹ سال

☆ مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی (۱۸۵۰-۱۹۱۲ء) عمر ۶۲ سال

☆ شاہ ولی اللہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمقام پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عبدالرحیم تھا اور والدہ کا نام فخر النساء تھا جو شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی تھیں۔ شاہ ولی اللہ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے خود اپنا نام احمد بن رحیم لکھا ہے۔

میرے دادا صاحب نے امروہہ میں مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ قائم

کیا تھا۔ اس مدرسے میں انھوں نے جو نصاب تعلیم مقرر کیا وہ یہ تھا:

کتب درس

پہلا سال

نحو: نحو میر، شرح مائۃ عامل مع ترکیب تمام، ہدایت النحو

صرف: علم الصیغہ، کافیہ، صغریٰ، کبریٰ (منطق) ایسا غوجی (فلسفہ)، مرقات، شرح تہذیب (نصف منطق) مفید الطالبین، نفحۃ الیمن (ادب) الفیہ ابن مالک، فصول اکبری، اصول الشاشی، قال اقول (منطق)

دوسرا سال

الفیہ، شرح تہذیب بقیہ، قطبی تصدیقات و تصورات (منطق)، تلخیص المفتاح (علم کلام) مقامات، نفحۃ الیمن، قصیدہ بانت سعاد (ادب) نورالایضاح۔

تیسرا سال

مختصر المعانی (کلام) نورالانوار، متنبیٰ، سبعہ معلقہ، حسامی، شرح جامی، کنز الدقائق، قدوری (فقہ) میبذی، سلم (منطق)

چوتھا سال

مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، جلالین، متنبی، حماسہ

پانچواں سال

سلّم، ملا حسن، حمد اللہ، میر زاہد، ملا جلال، موطا امام مالک، شمس بازغہ

چھٹا سال

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دورۂ حدیث دو سال میں مکمل کراتے تھے۔

نوٹ: شاہ عبدالغنی مجدی دہلوی کے والد کا نام ابوسعید دہلوی ہے، وہ حضرت مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳ء-۱۶۲۵ء کی نسل سے تھے۔ شاہ عبدالغنی ۱۲۳۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ اسحاق سے سند حدیث حاصل کی۔ طریقۂ نقشبندیہ میں اپنے والد سے

بیعت تھے۔ ۱۲۹۶ھ ۵۹ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ شاہ عبدالغنی کے والد شاہ ابوسعید مجددی دہلوی جلیل القدر محدث تھے۔ انھوں نے شاہ رفیع الدین سے حدیث پڑھی۔ نیز شاہ عبدالعزیز سے بھی اجازت عامہ حاصل کی اور شاہ غلام علی دہلوی سے فیض باطنی حاصل کیا۔ ۱۲۴۹ھ ٹونک میں وفات پائی۔ ان کا تابوت دہلی لایا گیا۔ شاہ غلام علی اور مرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تاریخ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

از مولانا سید محمد رضوی خلف الرشید
سید العلماء مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ

میرے والد حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی اپنے والد سید العلماء مولانا احمد حسن محدث کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ میرے پاس حضرت والد صاحبؒ کی لکھی ہوئی مختصر تاریخ (۶ صفحات) موجود ہے۔ جو ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں اس تحریر کو ذیل میں بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

اصل مسودہ

حضرت والد بزرگوار سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے خصوصی تعلق کی بناء پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ امروہہ میں متعدد بار تشریف لائے۔ ۱۲۷۳ھ کے کچھ عرصے بعد جب حضرت حجۃ الاسلام تشریف لائے تو آپ نے ایک دینی مدرسہ کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر جامع مسجد امروہہ میں ایک مدرسہ قائم ہوگیا۔ مگر چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا اور اس کے اثرات بھی کچھ باقی نہ رہے۔ ۱۳۰۱ھ میں جب حضرت والد بزرگوار مدرسہ شاہی مرادآباد سے مستعفی ہوکر وطن تشریف لائے اور مکان پر درس وتدریس کا مشغلہ شروع کیا۔ تو بعض حضرات مولوی علی صاحب عباسی مرحوم، مولوی نادر شاہ خاں صاحب مرحوم کی تحریک اور اصرار پر حضرت نے اٹھائیس سال بعد یہ مدرسہ قائم کیا یا یوں کہیے

کہ اپنے محترم استاد کی تحریک پر جو مدرسہ قائم ہو کر بند ہو گیا تھا۔ اس کو زندہ کیا۔ حضرت موصوف کے فضل و کمال اور غیر معمولی خداداد قابلیت، ذہانت کی شہرت اطراف ہند سے گزر کر بیرون ہند کابل وغیرہ پہنچی جس کی وجہ سے مستعد طلبہ دور دور سے آنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ بام عروج پر پہنچ گیا۔ آپ کی زبردست شخصیت نے اہل شہر کو مدرسہ کی طرف متوجہ کر لیا اور طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام اہل شہر کی توجہ سے آسان ہو گیا۔

حضرت حجۃ الاسلام کی دعائیں اور ہمدردیاں برابر حاصل رہیں۔ حالات کے تحت مدرسہ کا اہتمام بدلتا رہا۔ آخر دور میں منشی عبدالحمید صاحب مرحوم اور مولوی معظم حسنین صاحب (جو حضرت کے شاگرد بھی تھے) مہتمم رہے۔ حضرت کی وفات کے بعد حضرت کے قابل اور لائق شاگرد رشید حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم صدر مدرسہ بنائے گئے۔

حضرت موصوف نے جب مدرسہ قائم کیا اس وقت جامع مسجد میں صرف ایک پچھلی گہہ بنی ہوئی تھی اور مختصر سا صحن تھا۔ ۱۱۷۰ھ میں سید عبدالخالق بن سید محمود جو سید میر عدل کے خاندان سے تھے۔ اس گہہ کو تعمیر کرایا تھا۔ مرور زمانہ سے یہ مسجد شکستہ ہو گئی۔ صوفی خدا بخش عباسی مرحوم کی سعی سے ۱۲۷۳ھ میں یہ درست ہوئی۔ اگلا دالان حضرت مولانا کی تحریک پر مقامی مسلم عہدہ داران اور روسائے شہر کی توجہ سے اس کی تعمیر ہوئی۔ دروازہ کی ملحقہ عمارت یہ سب حضرت مولانا کی یادگار ہے۔ مسجد کے بائیں جانب کی عمارت بھی حضرت کے زمانے میں تیار ہو گئی تھی۔ مسجد کے داہنی جانب کی عمارت کی کچھ تکمیل باقی تھی وہ بعد وفات پوری ہوئی۔ کتب خانہ جہاں کچھ نہ تھا۔ حضرت کی توجہ سے وسیع حالت میں آ گیا۔ میرے عم مکرم حکیم سید حامد حسن صاحب مرحوم نظام اسٹیٹ میں بڑے عہدے پر فائز تھے۔ بارہا اصرار کے ساتھ حیدر آباد کی ترغیب دی اور فرمایا۔ مفتی اعظم کا عہدہ دلانے کا میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ ہزار آٹھ سو روپے تنخواہ ملے گی۔ لیکن حضرت نے اپنے قائم کیئے ہوئے، مدرسہ کو

چھوڑنا، گوارا نہ کیا۔ مدرسہ سے اس قدر انس تھا۔ جیسے اپنی اولاد سے۔ ایک مرتبہ آمدنی میں قلت ہوگئی چھ ماہ متواتر تنخواہ نہیں لی اور نہ بقایہ لیا۔ یہ کس قدر زبردست ایثار تھا کہ بڑی بڑی تنخواہوں کو نظر انداز کیا اور پچاس ساٹھ روپے پر پڑے رہے حالانکہ مہمان داری اور وسیع اخراجات کے مقابل یہ کفالت کے لئے بھی پوری نہیں ہوتی تھی لیکن تاحیات دینی، اسلامی، خدمات سے بندگان خدا کو مستفید فرماتے رہے۔ جہاں اب دفتر ہے۔ یہ عمارت حکیم اسرار الحسن صاحب مرحوم نے اپنے انتظام اور رقم سے بنوائی ہے۔

بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ حضرت مولانا صدر مدرس رہے اور اپنے فیوض سے مستفید فرمایا بلکہ یوں کہنا ہے کہ تعلیمی، مالی، عمارات، کتب خانہ سب ہی شعبے کلیتًا حضرت مولانا کی بے پناہ ہمدردی اور توجہ گرامی اور بے لوث خدمات کی مرہون منت ہیں۔ ان کی اہلیت، خلوص، ہمدردی، زبردست محنت، فضل وکمال نے اس مدرسہ کو تمام تر ترقیات کے ساتھ ترقی پر پہنچایا۔ حضرت مولانا کا ایثار قابل قدر ہے اور جو خدمات تاحیات انھوں نے کی ہیں۔ اس کے نقوش دلوں پر مرتسم ہیں کبھی فراموش نہیں ہوسکتے۔

آخر میں بخاری شریف کو درس دے رہے ہیں۔ طلبہ سے فرمایا شاید یہ ہمارا آخری درس ہے آپ علیل ہوگئے۔ تین دن کی علالت اور نماز عشاء ادا کرنے کے بعد ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ اور ۳۰ ربیع الاول کو بعد ظہر تدفین عمل میں آئی۔ افسوس کہ عالم اسلام کا بڑا محدث، بڑا فقیہہ، حدیث وتفسیر کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ آپ کا مزار شریف بجانب جنوب مسجد کے صحن میں واقع ہے۔ وفات کے بعد بھی مدرسہ کی رفاقت کا حق ادا کردیا۔ (مرحبا) آج یہ مدرسہ اپنی ہمہ تن عمارات اور وسیع کتب خانہ کے ساتھ حضرت مولانا کی یادگار ہے۔ بلاشبہ یہ مدرسہ حضرت مولانا کا قائم کردہ ہے۔

دوسری یادگار اولاد میں، میں حقیر زندہ یادگار ہوں۔ کوشش کرتا ہوں کہ حضرت کے نقش قدم پر چلوں۔ تحریر اور تقریر سے اسلامی خدمت کرتا رہتا ہوں۔ اکثر مضامین الجمیعۃ دہلی میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کنز الدقائق کی شرح اردو میں

لکھنا شروع کی ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ارادہ پورا کرے (آمین) آج بھی حضرت محدث کے روحانی فیوض کے برکات جاری ہیں اور آپ ہی کے نام کا چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ تیسری یادگار حضرت مولانا کے نادر مضامین کی طباعت ہے جو بعد وفات متصلا افادات احمدیہ کے نام سے بغرض افادہ وعام طبع ہو کر ہدیہ قارئین ہو چکے ہیں۔ اب مکرر طباعت کا ارادہ ہے۔ گرانی وغیرہ کے اثرات سے ہنوز طبع نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ سہولت فرما کر ارادہ کو پورا کرے (آمین)

(اب میں راقم الحروف ڈاکٹر وقار احمد رضوی اس کتاب کو شائع کر رہا ہوں)

آخر میں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت مدرسہ میں چند خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر ذمے دار حضرات اس کی اصلاح فرمائیں تو بہت مناسب ہوگا:

(۱) مدرسہ کا کوئی خازن نہیں، جہاں رقم کا داخل خارج ہوتا ہو۔ یہ طریقہ غلط ہے۔

(۲) دفتر پر غیر ضروری اخراجات کا بار ہے۔ تین عہدے دار، دو کلرک، دو چپراسی۔

(۳) درجہ قرآن پاک میں دو حافظ ہیں اور ایک قاری کے نام سے مدرس ہے۔ کل تین مدرس ہیں۔

(۴) درجہ عربی میں سات مدرسین ہیں۔

(۵) رجسٹر حاضری پر دفتر کا اعلیٰ عہدے داروں کی حاضری درج نہیں ہوتی۔ اسوجہ سے روزانہ حاضری کے اوقات کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ طریقہ غلط ہے۔

(٦) اردو شاخ میں چار مدرس ہیں۔ غرض ہر شعبہ اصلاح کا محتاج ہے۔

(۷) پاکستان سے مدرسہ کے نام پر رقم وصول کی گئی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ رقم کس قدر آئی اور کہاں خرچ ہوئی۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو مدرسہ کے قائم کرنے سے اصلی غایت دینی علوم کی اشاعت مقصود تھی۔ دنیوی منفعت کا حصول پیش نظر نہ تھا، جیسا کہ آپ کو

واضح ہو چکا، میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرت مرحوم و دیگر مدرسین چھ چھ سبق سے کم نہیں پڑھاتے تھے۔ بعض اوقات سات تک کی نوبت آجاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کی اہلیت اور خلوص کے اثرات اور برکات آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ہم خلوص کے ساتھ مشورہ دیتے ہیں کہ مدرسہ کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں اور قوم کے روپے کو درد سے صرف کریں۔ مجھے اس وجہ سے کہ یہ ایک دینی مدرسہ ہے اور نیز میرے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہوا ہے۔ خصوصی طور پر، فطری طور پر مدرسہ سے تعلق ہے۔ جو دوسروں کو نہیں ہو سکتا۔ اس کی ترقی باعث مسرت اور خرابیاں باعث تکلیف ہیں۔

مدرسہ کا اہتمام : بنا مدرسہ کے مہتمم کا

نوٹ: میرے والد حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت متشرع اور پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے والد سید العلماً مولانا سید احمد حسن محدث کے جانشین تھے اور بجا طور پر امام جمعہ وعیدین کے علاوہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے مہتمم بننے کے مستحق تھے۔ وہ بڑے باصلاحیت انسان تھے۔ اگر مولوی جمعہ میرے والد کو مدرسہ کا مہتمم بننے دیتے تو آج ہمارے گھر کا نقشہ بدلا ہوا ہوتا۔ مگر افسوس کہ جس کے باپ کا باغ لگایا ہوا تھا۔ اس کی اولاد کو اس کی بہار سے محروم رکھا گیا۔ جیسا کہ والد صاحب کی اوپر کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولوی جمعہ خود تو تا حیات مدرسہ کے مہتمم بنے رہے اور میرے والد کو مہتمم بننے نہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل شہر نے میرے والد کے لیے دوسرا مدرسہ مدرسہ چلہ قائم کیا، جس کے مہتمم میرے والد صاحب قبلہ تھے۔

میرے والد نے اپنے ایک مختصر سوانح (٦ صفحات) حیات بھی لکھی ہے۔ وہ بھی میں یہاں بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ یہ بھی ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مختصر

سوانح انھوں نے ''اپنی کہانی، اپنی زبانی'' کے عنوان سے لکھی ہے جو یہ ہے:

سوانح حیات مولانا سید محمد رضوی فرزند سید العلماؔ

میں ایک نامور معزز علمی گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید العلماؔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ہے۔ میں جب سن شعور کو پہنچا تو سب سے پہلے کلام الٰہی یاد کرایا گیا۔ میرے استاد کا نام استاد القرا مولانا قاری ضیاء الدین صاحب مرحوم تھا۔ اور مجھے تجوید حفص کی روایت کی سند ملی۔ حضرت والد بزرگوار نے ختم قرآن شریف پر دعوت کی اور شیرینی تقسیم فرمائی اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ محرابوں میں حضرت نے میرا قرآن پاک سنا۔ اس منزل کی فراغت کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت مدرسے میں مولانا برہان الدین مرحوم فارسی کے مدرس تھے اور اچھی استعداد کے مالک تھے۔ فارسی کی بڑی کتابوں کے بعد مجھے عربی شروع کرائی گئی۔ اور میں علوم عربیہ کی تحصیل مین مصروف ہوگیا۔ جس وقت میں نے شرح جامی شروع کی۔ بدقسمتی سے میرے سر سے حضرت والد بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا۔ میں نے اسلامی اور دینی ماحول میں پرورش اور تربیت پائی۔ اس لیے مجھے لہو ولعب سے دلچسپی نہ تھی اور بعد وفات حضرت والد بزرگوار میں نے علوم اسلامی کے حصول کا سلسلہ جاری رکھا اور ایک دن وہ آیا کہ میں نے حدیث و تفسیر، فقہ وغیرہ درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ اس وقت مدرسہ میں حضرت والد بزرگوار کے ممتاز شاگرد شیخ التفسیر حضرت مولانا حافظ الرحمٰن صاحب مرحوم صدر مدرس تھے۔ علوم کی تکمیل پر مجھے سند دی گئی اور تدریس کا کام میرے سپرد کیا گیا۔ میں نے ایک عرصہ تک تدریس کی خدمات انجام دیں۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد میں نے آپ کے ملفوظات جو موجود تھے۔ افادات احمدیہ کے نام سے ان کو طبع کرایا۔ مناظرہ نگینہ کی وہ معرکتہ تقریر بھی اس میں شامل ہے۔ جو حضرت نے غیر مسلم اور آریوں کے سامنے کی تھی۔ اس میں توحید اور رسالت کو عقلی دلیل سے ثابت کیا۔ غیر مسلموں نے

یہ تقریر سن کر حضرت مولانا کی خداداد قابلیت اور ذہانت کا اقرار کیا تھا اور کچھ لوگ آپ کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوئے تھے۔ یہ تمام نسخے ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گئے۔ اب مکرر کچھ زائد مضامین کے ساتھ طبع کرانے کا ارادہ ہے خداوند کریم پورا فرمائے۔

حضرت والد صاحب کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ اب میں اس کتاب کے ساتھ افادات احمدیہ کو دوبارہ شائع کر رہا ہوں۔

میرے والد صاحب نے اپنی سوانح میں آگے چل کر لکھا ہے۔

مدرسہ کا تنازعہ

کچھ عرصے بعد مدرسہ جامع مسجد میں اختلافات شروع ہو گئے اور ایک نئی اقتدار پسند جمات نے رخنہ ڈالا اور مدرسہ پر زبردستی قبضہ جمالیا۔ دفتر اور کتب خانہ پر قبضہ کر کے منتظمین مدرسہ کو علیحدہ کر دیا۔ منتظمین نے بات کو طول نہ دیا اور وہاں سے ہٹ کر انھوں نے اس مدرسہ کی شاخ مسجد چلہ میں کھول دی۔ میں بھی وہاں چلا گیا۔

مدرسہ چلہ

۱۹۳۹ء میں مدرسہ چلہ قائم ہوا۔ وہاں تدریس کے علاوہ مدرسہ کا اہتمام بھی میرے سپرد کیا گیا۔ اس وقت میرے ساتھ جن لوگوں نے تعاون کیا ان کے نام یہ ہیں۔ ۱- مولوی سید معظم حسنین ۲- مولوی حافظ زاہد حسن ۳- مولوی حکیم محمد اسمٰعیل ۴- مولوی سید شعیب احمد۔ ان سب کی مشترکہ سعی سے مدرسہ جلد ترقی کی شاہراہ پر پہنچ گیا اور تمام علوم اسلامیہ میں ایک اونچا مقام اس مدرسہ کو بھی حاصل ہو گیا۔

مدرسہ جامع مسجد

مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بنیادی حیثیت سے یہ مدرسہ حضرت والد بزرگوار کا قائم کیا ہوا ہے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

کی دعائیں حضرت والد بزرگوار کے ساتھ رہیں۔ حضرتؒ کی علمی شہرت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصے میں مدرسہ، اطراف واکناف میں مشہور ہوگیا اور دور دور سے بخارا تک کے طلبہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے آنے لگے۔

حضرت والد بزرگوار کی بردست شخصیت اور علمی شہرت نے مدرسہ کو بام عروج پر پہنچایا اور عمارات کا سلسلہ بھی بہت زیادہ حضرت کے سامنے تیار ہوگیا تھا۔ اور تازیست بہت تھوڑے مشاہرہ پر اس مدرسہ کی سرپرستی فرمائی اور حدیث وتفسیر کا درس دیتے رہے۔ حیدرآباد سے بارہا میرے عم مکرم حکیم سید حامد حسن صاحب مرحوم نے اس طرف ترغیب دی کہ آپ حیدرآباد تشریف لے آئیں۔ عدالت العالیہ یا صدر الصدور امور مذہبی بنا دیے جائیں گے۔ ہزار آٹھ سو روپے مشاہرہ ہوگا۔ مگر حضرت مدرسہ سے جدائی کو پسند نہ کیا اور آج بھی رفاقت کا یہ جذبہ کارفرما ہے کہ اسی مدرسہ کے ایک گوشہ میں آپ کا مزار شریف ہے ۲۹ ربیع الاول کی شب وفات پائی۔ مادۂ تاریخ:

حک ہوئی تصویر قاسم دیکھ لو (۱۳۳۰ھ)

مدرسہ چلہ

مدرسہ چلہ میں نے قائم کیا اور جب قائم ہوا تو میں نے اپنا کتب خانہ مستعار وہاں داخل کیا، تاکہ سردست طلبہ کو مشکلات نہ ہوں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ نے برقی رفتار سے ترقی کی اور عمارت اور کتب درسی سب لحاظ سے یہ مدرسہ بھی مشہور ہوگیا۔

سوانحی واقعات

آج سے تیس چالیس سال قبل فرقہ ضالّہ کی جب شورش ہوئی تو امروہہ میں انجمن اشاعت اسلام قائم کی گئی۔ اس کا مجھے ناظم یا سکریٹری بنایا گیا۔ اس انجمن نے اپنے قیام کے زمانے میں بڑی بڑی دینی خدمات انجام دیں۔ کئی مرتبہ آریہ جماعت سے مناظرہ ہوا اور ایک مرتبہ حضرات شیعہ سے بھی مناظرہ ہوا۔ احقاق حق کے لیے ہمیشہ یہ انجمن آگے رہی۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ تشریف لاتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید

فرماتے۔ اس کے اثرات یہ ہوئے کہ عوام کی بہت اصلاح ہوگئی۔

۱۹۲۲ء میں خلافت اور کانگریس کا جس وقت زور شور تھا۔ اور جابجا خلافت کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں۔ مجھے اس کا صدر بنایا گیا۔ میں نے بڑی جدوجہد کی اور تقریروں سے عوام کو تیار کیا کہ انگریز کے مال کا استعمال نہ کریں۔ چناں چہ بہت سامال جمع ہوگیا۔ اس کو آگ لگوادی گئی۔ روزانہ بڑے پیمانے پر خلافت کمیٹی کی جانب سے جلوس نکالے۔ اس سلسلہ میں میری گرفتاری کی خبر بھی کانوں میں آئی۔ مگر گرفتاری عمل میں نہ آئی۔

جمعیۃ العلماً

ملک کی آزادی کے لیے جب جمعیۃ العلماً کی شاخ امروہہ میں قائم ہوئی۔ تو مجھے اس کا صدر بنایا گیا۔ میں نے اس وقت ملک کی آزادی کے لیے کانگریس اور خلافت کی مخلوط سعی سے ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بالآخر سنہ ۱۹۳۰ء میں مرکز کا اجلاس امروہہ میں ہوا اور ملک کی آزادی میں جمعیۃ العلماً نے ملک کو آزاد کرانے میں جو مسلسل سعی کی اور قربانیاں کیں وہ ہندوستان کی تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔ میرا یہ ایقان ہے کہ اگر جمعیۃ العلماً اور علمائے ہند کانگریس کے پروگرام میں شامل نہ ہوتے تو ملک کی آزادی خطرہ میں تھی۔ جمعیۃ اور مسلمانوں کے اشتراک کا صدقہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور ملک آزاد ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان رہنماؤں نے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ جیلوں میں تکلیفیں برداشت کیں۔ فسادات کے موقعوں پر سامنے آکر فسادات کو ملک کی خاطر روکنے کی کوشش کی۔ بلاشبہ ملک کو آزاد کرانے میں جس طرح غیر مسلم حضرات کی قربانیاں ہیں مسلم رہنماؤں کی قربانیاں بھی دوش بدوش ہیں۔ اس لیے ملک کے حصہ دار مسلمان بھی ہیں۔ جبل پور کے فساد کے موقع پر میں نے دو ہزار سے زائد رقم جمعیۃ العلماً شاخ امروہہ کی جانب سے مرکز کو بھیجی۔

دیوبند

خلافت کا ابتدائی دور تھا، میں چند دنوں کے لیے دیوبند گیا۔ تقریباً ایک سال رہا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اس وقت شیخ الحدیث تھے۔ ترمذی وغیرہ میں میں نے سماعت کی اور سند فراغت ملی۔ وہاں کے دارالعلوم کی طرف سے ہم دو اشخاص مل کر شملہ گئے۔ وہاں انگریزوں کے خلاف تقریریں کیں۔ اور عوام کو جمعیۃ اور کانگریس کا ہم خیال بنایا، وہاں ہمارا جلوس نکالا گیا۔ اللہ اکبر کے نعروں نے انگریزوں کی کوٹھیوں کو ہلا ڈالا۔ تین چار دن قیام کے بعد ہم دیوبند واپس آئے۔ تا قیام مدرسہ سے ۳۰ روپے ماہانہ وظیفہ ملتا رہا۔

اس درمیان میں حیدرآباد گیا۔ وہاں اتفاق سے سررشتہ تعلیمات کے بعض ذمے دار حضرات مجھ پر مہربان ہو گئے اور انھوں نے محکمہ تعلیم میں ملازمت دلانے کی ذمہ داری لی۔ چنانچہ میں محکمۂ تعلیم میں معقول مشاہرہ پر ملازم ہو گیا اور وہاں علمی خدمات انجام دیتا رہا۔ مگر ہر جگہ اپنا دینی کام تبلیغ اور پند و نصائح، ترجمہ قرآن پاک کی شکل میں، وعظ اور تقریر کرتا رہا۔ ۳۰ سال کی خدمت کے بعد میری پنشن ہو گئی۔ میں اب وطن میں مقیم ہوں مگر اپنا پرانا جذبہ اور دینی ماحول کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ ہمیشہ مذہبی اور اسلامی کاموں سے مجھے دلچسپی رہی ہے۔ اور آج بھی مضامین اور تقاریر سے دینی خدمات انجام دیتا ہوں۔ اکثر مضامین اخبار الجمعیۃ میں آچکے ہیں اور آتے رہتے ہیں۔ بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) عوام کے لیے ہادی کی ضرورت (۲) سیاست اور مذہب (۳) حج آفاقی نظام حیات (۴) کربلا کا معرکۂ حق و باطل (۵) حق و صداقت کی راہ (۶) اشتراکیت اور اسلام (۷) معراج نبوی وغیرہ

میں نے فقہ کی کتاب کنزالدقائق کے مغلقات کو بھی حل کیا ہے۔ کتاب الزکوٰۃ تک حل کیا ہے۔ اب نظر ثانی کی جا رہی ہے۔ طلبہ کی خواہش تھی اس لیے یہ کام کیا۔

مہتمم مدرسہ چلہ

حیدرآباد سے واپسی پر مجھے پھر مدرسہ چلہ کا مہتمم بنایا گیا اور میں نے مالی اور تعلیمی اعتبار سے مدرسہ کو عروج پر پہنچایا۔ میں خود کلکتہ، دہلی وغیرہ مالی امداد کے سلسلہ میں سفر کرتا رہا ہوں جس کی وجہ سے مدرسہ کا مالیہ ایک حد تک درست ہو گیا ہے۔

سیرت کے جلسے

امروہہ میں سیرت کے نام سے انجمن سیرت النبیؐ قائم ہوئی، مجھے اس کا صدر بنایا گیا۔ میں نے مدتوں اپنے زمانے میں سالانہ جلسے بڑے پیمانے پر کیے۔ ٹاؤن ہال میں یہ عظیم الشان جلسے منعقد ہوتے رہے۔ ہمیشہ ہر سال نامور مقررین تشریف لاتے اور مستفیض فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو تکلیف دی۔ میونسپل بورڈ امروہہ سے اس تقریب مسعود کے موقع پر انجمن کو معقول امداد ملتی رہی۔ آج بھی یہ انجمن قائم ہے اور میں اس کا سرگرم ممبر ہوں اور یہ تقریری اور تحریری مقابلے کراتی ہے۔ اور انعام دیتی ہے۔ غرض انجمن مفید کام کر رہی ہے۔

امروہہ میں سیرت پاک کے سلسلے میں مسلم کمیٹی بھی قائم ہے۔ یہ سالانہ جلسے ۱۲ ربیع الاول کو بڑے اہتمام سے کراتی ہے۔ چند سال سے یہ سالانہ اجلاس میری ہی صدارت میں ہو رہا ہے۔ لکھنؤ سے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کو مدعو کیا جاتا ہے۔ موصوف تشریف لاکر اپنے ارشادات سے مستفید فرماتے ہیں۔ نیز ۱۲ ربیع الاول کو دن میں ایک جلوس بھی بڑی شان کے ساتھ کمیٹی کی طرف سے نکالا جاتا ہے۔ جس سے اسلام کی شان اور ہماری یک جہتی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بہر حال یہ میری دینی خدمات کی تفصیل تھی۔ اگر چہ اب میرا تعلق کسی مدرسے سے نہیں، مگر اسلامی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔ تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتا ہوں اور مسلمانوں کو نیک کاموں کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز وقتی مسائل پر جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ تقریر

کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین۔

نوٹ: میرے والد کی یہ تمام تحریریں دسمبر ۱۹۶۸ء کی لکھی ہوئی ہیں۔

مدرسہ چلّہ امروہہ

میرے والد مدرسہ چلہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں شعبہ تعلیم میں ترقیاں ہوئیں۔ امتحانات فارسی، عربی کا الہ آباد بورڈ سے الحاق اور اردو جامعہ علی گڑھ سے الحاق وانتظام ہوا۔ ابتدائی دور میں مدرسہ کی شہرت اور تعلیم کے پیش نظر حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کو مدرسہ کا صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ لائق اساتذہ کو رکھا گیا اور مدرسہ کی تعلیمی حالت کو فروغ دیا۔ اردو پرائمری کی تعلیم درجہ پنجم تک پہنچی۔ ناظرہ قرآن مجید اور حفظ قرآن کا انتظام کیا گیا۔ ان سب باتوں سے مدرسہ کی تعلیمی حالت بہتر ہوئی۔ اور اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ میرے والد لکھتے ہیں کہ بنے بنائے کارخانے، چلتی ہوئی مشینری پر قبضہ کر کے اس کو چلانا کیا مشکل ہے۔ لوگوں نے مدرسہ چلہ پر قبضہ کر لیا اور ان کو مہتمم نہ رہنے دیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ مدرسہ میرے والد کا قائم کیا ہوا ہے۔ جس تیزی سے مدرسہ نے ترقی کی وہ میرے والد کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کا صلہ عطا فرمائے، آمین۔ شعبہ فارسی میں منشی یٰسین عرفی، نظیری، قآنی پڑھاتے تھے۔ وہ بڑے قابل انسان تھے۔

تاریخ مدرسہ اسلامیہ چلّہ امروہہ

تحریر حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی بانی مہتمم مدرسہ چلہ

اصل مسودہ: ۱۳۳۰ھ میں والد بزرگوار سید العلماءؒ مولانا سید احمد حسن محدثؒ کے وصال کے چند سال بعد ۱۳۳۹ھ کے ابتدا میں اقتدار پسند حضرات نے مدرسہ جامع مسجد کے نظام کو بگاڑنا چاہا اور اپنے قبضے میں لانے کے لیے منظم اسکیم کے تحت مدرسہ پر حملہ کیا۔ دفتر اور کتب خانے پر اپنے تالے ڈال دیے۔ عہدے داران

مدرسہ نے جھگڑے اور مقدمہ بازی کو پسند نہ کیا۔ چناں چہ مولوی سید معظم حسنین جو اس وقت مہتمم تھے اور حافظ زاہد حسن نائب مہتمم، مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے۔ اس وقت مدرسہ میں درس و تدریس کا کام میرے سپرد تھا۔ ان حضرات کے اصرار پر میں نے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ ہم سب نے مسجد چلہ میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی اور ہم دونوں (یعنی سید معظم حسنین اور میرے والد) مہتمم بنائے گئے اور حافظ زاہد حسن کو نائب مہتمم بنایا گیا۔ اس وقت مدرسہ چلہ میں کچھ نہ تھا۔ نہ کاغذ، نہ دوات وقلم نہ درسی کتب نہ عمارت۔ محض اللہ کے نام پر حدیث وتفسیر اور علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے جو جذبہ ہم میں موجود تھا اس کو عملی جامہ پہنایا۔ اور محلّہ چلّہ کے معزز حضرات کے اصرار پر مسجد چلّہ میں مدرسہ بیادگار حضرت محدث امروہی کی بنیاد رکھی۔ مولوی سبط عباس صاحب، حکیم فرحت اللہ صاحب، مولوی سید شعیب احمد صاحب مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جعفر خان صاحب، سید علی متقی خاں صاحب، سب نے بڑے جوش کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ مولوی حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب نے اپنا کتب خانہ مستعار مدرسہ کو دیا۔ اور میں نے خود اپنا کتب خانہ مستعار مدرسہ کو دیا۔ شہر کے مسلمانوں نے بھی امداد کی طرف دست کرم بڑھایا۔ اور حضرت والد بزرگوار کی نسبت سے جو بندہ کو حاصل تھی۔ مدرسہ کی ترقیات میں بڑا اضافہ ہوا۔ حکیم صاحب نے اپنا کتب خانہ چند سال بعد واپس لے لیا۔ میرا کتب خانہ مدرسہ میں موجود ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ کا کام چند ہی دنوں میں اونچے درجے پر آ گیا۔

مدرسہ میں ایک حجرہ قدیم بنا ہوا تھا اور مسجد کے روبرو غرب رویہ ایک دالان اور اس کے بغل میں ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی۔ غسل خانوں کے قریب دالان کے برابر ایک دالان غیر مسقف بنا ہوا تھا۔ بس یہ عمارات ہم کو ملیں۔ جو قطعاً اتنے بڑے کام کے لیے ناکافی تھیں میں نے اپنے عزیز حاجی بشیر رضوی مرحوم اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو جو حضرت والد بزرگوار کے سلسلے میں داخل تھیں، کوشش کی کہ یہ دالان مسقف کرا دیں۔ چناں چہ میری درخواست پر انھوں نے اپنے صرفہ سے دالان کو

مسقف کرادیا۔ لیکن ضروریات مدرسہ کے لیے مزید دالانوں کے آگے چھپروں سے کام لیا گیا۔ پھران کو سفال پوش بنایا گیا۔ دروازہ کے باہر چبوترہ پر مسجد کے بائیں جانب نئے کمرے بنوائے گئے جو رنگون کے اہل خیر حضرات کی یادگار ہیں۔ حال ہی میں ابھی دو تین سال ہوئے ہوں گے کہ ایک کمرہ مرادآباد کے ایک مخیر صاحب کی اہلیہ صاحبہ کا تعمیر کردہ ہے۔ جو سراسر میری کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کتب خانے میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور آج کم وبیش دو ہزار کتابیں کتب خانے میں موجود ہیں۔ حافظ زاہد حسن مکرر مدرسہ جامع مسجد میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مولوی سید معظم حسنین صاحب اپنی خانگی ضرورت کی وجہ سے مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے۔ اب سارا بوجھ میرے کندھوں پر ہے۔ حکیم اسمٰعیل صاحب کو شریک مہتمم بنایا گیا۔ حکیم صاحب نے آنریری خدمات دلچسپی سے انجام دیں، میں نے بضرورت چندہ حیدرآباد کا سفر کیا۔ وہاں سے معقول رقم مدرسہ کو بھیجی اور عم محترم حکیم سید حامد حسن صاحب کے اصرار پر میں حیدرآباد میں رک گیا۔ اور حکیم صاحب کی سعی سے سررشتہ تعلیم میں ملازم ہو گیا۔ میرے غیاب میں حکیم محمد اسمٰعیل صاحب نے مستقل طور پر کام کیا۔ بمبئی کا سفر کیا واپسی میں گجرولہ اسٹیشن پر گر گئے۔ اور اسی چوٹ سے ان کا انتقال ہو گیا۔

جب میں وطن واپس آیا تو مدرسہ چلہ کے بعض ارکان کے اصرار پر مدرسہ کا اہتمام پھر دیا گیا۔ مدتوں کام کرتا رہا۔ منشی آفتاب الدین اور حکیم اسمٰعیل صاحب میرے ساتھ پورا تعاون کرتے رہے۔ لیکن حکیم صاحب کے انتقال کے بعد یہاں بھی ایک اسکیم کے تحت مجھے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ کچھ ناگوار واقعات پیش آئے۔ جس کی وجہ سے میں مدرسہ سے علیحدہ ہو گیا۔

ہر حالت میں میری تنخواہ کا بار مدرسے پر نہ تھا۔ تنخواہ سے زائد ہی مدرسہ کو آجاتا تھا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مدرسہ کی ترقیات میں میری جدوجہد کا زیادہ حصہ شامل ہے۔ جب مدرسہ کا ابتدائی دور تھا۔ وہ وقت مدرسہ کے لیے سخت تھا۔ ایسے وقت میں مدرسہ کو عروج پر پہنچایا۔ نئے نئے چندے جاری

کرائے۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ میری کوششوں کا مدرسہ مرہونِ منت تھا۔ بنے بنائے کام کو چلانے، جاری شدہ چندوں کا لانا کوئی اہم کام نہیں ہے۔ آج اگر حکیم فرحت اللہ، حکیم محمد اسمٰعیل، منشی آفتاب الدین، مولوی سید شعیب احمد حیات ہوتے تو میری خدمات کی قدر کرتے۔ بہرحال میں نے جھگڑے کو پسند نہ کیا۔ نہ مقدمہ بازی کو پسند کرتا ہوں، اس لیے میں نے مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرلی۔

مدرسہ چلہ میں مولانا انوارالحق صدیقی شیخ الحدیث اور مولانا فضل احمد صدر مدرس تھے۔ دونوں راقم الحروف وقاراحمد رضوی کے استاد تھے۔ مولانا انوارالحق صدیقی بڑے جید عالم تھے۔ میں نے آج تک اس قدر ذی استعداد عالم نہیں دیکھا۔ میں نے زیادہ تر عربی کی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) المتحف مرتبہ: سید علی نقی نقوی (۲) نقد الشعر از قدامہ بن جعفر (۳) ازھار العرب (۴) شرح تہذیب (۵) شرح وقایہ۔ عربی لغت قاموس اور صراح کا دیکھنا بھی بڑا مشکل کام ہے۔ لغت دیکھنا بھی مجھے انھوں نے ہی سکھایا۔

میرے دوسرے بڑے استاد مولانا سید عبدالدائم جلالی، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور اور تفسیر مظہری کے مترجم تھے۔ فلسفہ و منطق میں ان کا جواب نہ تھا۔ وہ ایک عالم بے بدل تھے۔ ان سے میں نے حسب ذیل کتابیں پڑھیں:

(۱) المفضلیات (۲) الکامل اللمبرد (۳) ہدیہ سعیدیہ (۴) حماسہ

باب پنجم
مولانا سید احمد حسن محدث ایک نابغہ روزگار ہستی

مولانا سید احمد حسن محدث ایک نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ اپنے دور کے عظیم مدبر اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ وہ برصغیر پاک و ہند میں چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، فقیہ اور عظیم محدث تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور شریعت اسلامیہ پر عمل کرکے گزاری۔ انھوں نے علم کے چراغ روشن کیئے اور شمع کی مانند تاریک دلوں کو علم نافع سے روشن کیا۔ آپ کے فتاویٰ

کا مجموعہ، فتاویٰ احمدیہ، علوم و معارف اسلامیہ کا خزینہ ہے۔ فقہ و حدیث پر آپ کی نظر گہری تھی۔ آپ نے علمی، مذہبی اور دینی خدمات کے علاوہ سیاسی محاذ پر بھی مسلمانوں کی رہنمائی و رہبری کے فرائض انجام دیئے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں موتمر الانصار مرادآباد کی صدارت کی۔ ان کے فتاویٰ عالمانہ، محققانہ ہیں۔ وہ زہد و تقویٰ میں یکتا تھے۔

وہ ایک عالم دین، فقیہہ، محدث ہونے کے علاوہ تصوف و روحانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ ان کے فتوے ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کے شاہد ہیں۔ انھیں جزئیات فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ عربی، فارسی، اردو زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔ علوم قرآنی کے ساتھ فن حدیث پر دسترس تھی۔ تفسیر و حدیث، عقائد و کلام تاریخ و سیرت کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ آپ نے دین کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کے خلاف صدا بلند کی۔ مثلاً قادیانیت۔ دسویں صدی سے چودھویں صدی ہجری تک ملت اسلامیہ مشکلات سے دوچار رہی۔ آپ نے علوم معارف اور اس کے اسرار و رموز کو شرح و بسط سے بیان کیا

تاریخی پس منظر

مولانا احمد حسن محدث امروہوی سے پہلے حسب ذیل علماء اور صوفیاء گزر چکے تھے:

۱- شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء - ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء

۲- خواجہ باقی باللہ ۱۵۶۳ء/۹۷۱ھ - ۱۶۰۳ء/۱۰۱۲ھ

۳- مجدد الف ثانی ۱۵۶۳ء/۹۷۱ھ - ۱۶۲۵ء/۱۰۳۴ء عمر ۶۳ سال

۴- خواجہ معین الدین چشتی۔ متوفی: ۱۲۳۵ء

۵- خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ متوفی: ۱۲۳۶ء

۶- بابا فرید گنج شکر۔ متوفی: ۱۲۶۵ء

۷- نظام الدین اولیاء۔ متوفی ۱۳۲۵ء

۸- علاء الدین صابر کلیری۔ متوفی ۱۲۶۵ء

۹- شہاب الدین سہروردی ۱۱۴۴ء/۵۳۹ھ - ۱۲۵۸ء/۶۳۰ھ

۱۰- شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۷۹ء/ ۹۸۷ھ

۱۱- اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۱۸ء - ۱۷۰۷ء

۱۲- شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم ۱۷۰۳ء - ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۰۷ء عمر ۶۰ سال ہوئی۔

۱۳- شاہ عبدالعزیز ۱۷۴۶ء/ ۱۱۵۹ھ - ۱۸۲۳ء/ ۱۲۳۸ھ عمر ۷۷ سال ہوئی

۱۴- سید احمد شہید ۱۷۸۶ء - ۱۸۳۱ء عمر ۴۷ سال ہوئی۔

۱۵- شاہ اسحاق دہلوی ۱۷۸۲ء - ۱۸۴۵ء عمر ۶۴ سال ہوئی

۱۶- شاہ عبدالغنی محدث ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء - ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء ۵۹ سال عمر ہوئی

۱۷- حاجی امداداللہ ۱۸۱۶ء/ ۱۲۳۲ھ- متوفی ۱۳۱۷ھ

۱۸- مولوی فضل حق خیر آبادی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۸ء خیر آباد میں انتقال کیا۔

۱۹- جمال الدین افغانی ۱۸۳۹ء - ۱۸۹۸ء ۵۷ سال کی عمر ہوئی۔

۲۰- غالب ۱۷۹۷ء - ۱۸۶۹ء ۷۲ سال کی عمر ہوئی۔

۲۱- سرسید ۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء ۸۰ سال کی عمر ہوئی۔

۲۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء - ۱۲۹۷ھ - ۱۸۸۰ء
۴۹ سال کی عمر ہوئی۔

۲۳- عبدالحق خیر آبادی ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء - ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء، ۷۱ سال کی عمر ہوئی۔

اس طرح مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی علمی اور تصوف کی ایک پوری تاریخ سے گزرے۔ اس لئے انھوں نے علمی ماحول اور تصوف کی وادیوں میں سرگردانی کی اور اپنا مقام بنانے کی کوشش کی۔

فلاسفہ

اور اگر علماء اور صوفیاء سے بہت پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مولانا سید احمد حسن محدث سے پہلے حسب ذیل مسلمان فلسفیوں کا دور گزر چکا تھا۔

۱- ابن سینا ۹۸۰ء - ۱۰۳۸ء

۲-فارابیؒ متوفی ۳۳۹ھ/۹۵۰
۳-الکندی متوفی ۲۷۰ھ/۸۸۳ء
۴-سنائی متوفی ۵۲۵ھ/۱۱۳۱ء
۵-عطار ۵۱۳ - ۶۲۸ھ مطابق ۱۱۱۹ء - ۱۲۳۱ء
۶-امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء
۷-فخر الدین رازی ۶۰۶ھ/۱۲۲۲ء
۸-ابن عربی ۵۶۰ - ۶۳۸ھ مطابق ۱۱۶۵ء - ۱۲۴۰ء
۹-مولانا رومی ۶۰۴ھ - ۶۷۲/۱۲۰۷ء - ۱۲۷۳ء
۱۰-حافظ شیرازی ۷۲۶ھ - ۷۹۱ھ
۱۱-شیخ سعدی متوفی ۱۳۱۳ء
۱۲-ابن تیمیہ ۱۲۶۳ء - ۱۳۳۸ء
۱۳-عبدالرحمٰن جامی متوفی ۸۹۸ھ/۱۴۹۳ء

اس طرح ایک بہت بڑا قافلہ فلسفہ کا مولانا سے پہلے گزر چکا تھا۔ اس کے پس منظر میں ان کو فلسفہ، کلام اور عقل و دانش کی دنیا میں اپنا مقام بنانا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کے درس حدیث و تفسیر میں عقل و درایت کا غلبہ رہتا تھا اور وہ شرعی اور مذہبی مسائل کا حل عقلی دلائل سے کرتے تھے۔ وہ نقل کے مقابلے میں عقل استقرائی سے کام لیتے تھے اور منقولات کو معقولات کی روشنی میں سمجھاتے تھے۔

معاصرین

مولانا کے معاصرین میں حسب ذیل علماء کے نام آتے ہیں:

۱-مولانا محمد یعقوب نانوتوی بن مولانا مملوک علی ۱۲۴۹ھ - ۱۳۰۲ھ/۱۸۳۳ء - ۱۸۸۴ء ۵۱ سال کی عمر ہوئی۔

۲-مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء۔ اگرچہ ان کا مرتبہ اساتذہ کے ضمن میں آتا ہے۔

۳-مولانا محمود الحسن دیوبند شیخ الھند متوفی ۱۹۲۰ء

مولانا محمود الحسن دیوبندی ولادت ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۵۱ء وفات ۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ء۔ عمر ۶۹ سال ہوئی۔

۴-مولانا فخر الحسن گنگوہی متوفی ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء

۵-مولانا سید احمد حسن محدث ۱۸۵۰ء - ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۰ھ عمر ۶۲ سال ہوئی۔ مولانا محدث امروہی کا انتقال ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/ ۱۹ مارچ ۱۹۱۲ء کو ہوا۔

۶-مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی مولانا احمد حسن محدث کے معاصر تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء ہے۔ ان کی کتاب 'کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن' قرآن کا ترجمہ ہے۔ تفسیر نہیں۔ ان کا انتقال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔

مجدد الف ثانی

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ۱۵۶۴ء میں سرہند انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ان کا مزار سرہند شریف انڈیا میں ہے۔ وہ خواجہ باقی للہ ۱۵۶۴ء-۱۶۲۵ء سے بیعت تھے۔ وہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ سلسلے میں اپنے والد سے بیعت تھے اور نقشبندیہ سلسلے میں خواجہ باقی اللہ سے بیعت تھے۔ اقبال نے بال جبریل میں ان کے بارے میں ایک نظم لکھی ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے' پنجاب کے پیرزادوں سے خطاب' اس کا پہلا شعر ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس نظم میں اقبال نے کہا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

شیخ احمد سرہندی شاہ ولی اللہ سے پہلے ہیں۔ اس لئے مولانا سید احمد حسن محدث ان سے بھی متاثر ہوئے۔

مولانا کے اساتذہ

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے اساتذہ کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا سید رافت علی۔ بلند پایہ عالم
۲- مولانا کریم بخش نقشبندی خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی
۳- مولانا سید محمد حسین جعفری
۴- حکیم امجد علی خاں اثناء عشری
۵- مولانا محمد قاسم نانوتوی
۶- قاری عبدالرحمٰن پانی پتی
۷- مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپال
۸- مولانا احمد علی سہارنپوری دہلوی
۹- استاد الاساتذہ مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی
۱۰- مولانا سید احمد حسن محدث شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔

۱- مولانا حاجی سید رافت علی

مولوی حاجی سید رافت علی، سید میر عدل کے خاندان سے تھے۔ نہایت متقی پرہیزگار اور مستعد عالم تھے۔ مولوی سید محمد حسین جعفری سے کتب معقول و دیگر متون پڑھنے کے بعد رامپور میں علوم دینیات کی تکمیل کی اور مدت العمر اپنے مکان پر طلبہ کو درس دیا۔ ان کے اہل خاندان کی سکونت اگرچہ محلہ سٹھی کی تھی لیکن وہ بعد میں دربار کلاں میں آگئے تھے۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا سید احمد حسن محدث، مولانا آل حسن نقشبندی

مولف نخبۃ التواریخ مولوی محمد احسن قادیانی اور نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین کے نام آتے ہیں۔ وہ سنی مذہب تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ کو وفات پائی اور درگاہ سید شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز میں مدفون ہوئے شیعہ سنی مناظرے میں ید طولی رکھتے تھے۔

۲۔ مولانا کریم بخش نخشبی

ان کے والد کا نام امام الدین نخشبی تھا۔ مولانا کریم بخش نخشبی، نیک سیرت، درویش خصلت، متقی، دیندار، منکسر المزاج راست گو عالم تھے۔ محلہ کنکوئی میں رہتے تھے۔ محلہ نخشبی کی مسجد کے امام بھی تھے۔ علم فقہ کے ماہر تھے۔ معقولات مولوی تراب علی لکھنوی اور منقولات شاہ عبدالغنی دہلوی سے حاصل کیئے تھے۔ شرح جامی، شرح تہذیب طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ مزاج میں صبر وقناعت تھا۔ ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔ محلہ کنکوئی موتی باغ میں مدفون ہیں۔ شاہ غلام علی دہلوی کے خلیفہ تھے۔

۳۔ مولانا سید محمد حسین جعفری

ان کا سلسلہ نسب علی الزینبی بن عبداللہ کے واسطے سے حضرت جعفر بن ابی طالب سے متصل ہوتا ہے۔ اسی لئے جعفری کہلاتے ہیں۔ وہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ جامع علوم عالم تھے۔ رامپور میں مولانا محمد علی منطقی سے درسیات کی تکمیل کی۔ پھر امروہہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے شاگردوں میں مولانا سید رافت علی مولانا سید احمد حسن محدث اور مولانا سید آل حسن نخشبی مصنف نخبۃ التواریخ تھے۔ طب کی کتابوں پر بھی حاوی تھے۔ حکیم سید ابن حسن اور حکیم عبدالسلام ان کے شاگرد تھے۔ ان کا طریقہ درس بہت اچھا تھا۔ معقولات میں درک حاصل تھا۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ درگاہ سید شرف الدین حسن شاہ ولایت میں مدفون ہوئے۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ تذکرۃ الکرام ص ۲۸۷

۴-مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۲-۱۸۸۰ء)

مولانا نانوتوی ۱۸۳۲ء/ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں شیخ نہال احمد نانوتوی اور مولوی محمد نواز سہارنپوری سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۴۴ء/ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے۔ مروجہ درسی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتوی مدرس اول مدرسہ دہلی (عربک کالج) سے پڑھیں اور حدیث کی سند شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی اور تحصیل علوم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ انگریزی واقع دہلی سے متعلق رہے۔ پھر اس تعلق کو ختم کر کے مولانا احمد علی سہارنپوری کے مطبع احمدی (دہلی) میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء کو بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت تھے۔ اس کے بعد ۱۸۶۸ء/ ۱۲۸۵ھ میں دوبارہ حج پر تشریف لے گئے۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔

(تذکرۂ علمائے ہند از رحمٰن علی ص ۴۶۶ - ۴۶۵)

مولانا نانوتوی نے منشی امتیاز علی میرٹھی کے مطبع مجتبائی میرٹھ میں بھی تصحیح کا کام سرانجام دیا۔ منشی امتیاز علی میرٹھ سے اپنا مطبع لے کر دہلی آئے۔ میرٹھ اور دہلی دونوں جگہ مولانا نانوتوی نے ان کے مطبع میں تصحیح کا کام کیا۔ یہ زمانہ ۱۸۶۸ء تا ۱۸۶۹ء ہے۔ اسی زمانے میں طلبہ کو درس بھی دیتے تھے۔

منشی صاحب آخر میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔ بعد کو مطبع مجتبائی مولوی عبدالواحد مرحوم کے پاس آ گیا تھا۔ غالب کے خطوط بھی منشی صاحب کے نام ہیں۔ غالب کے خطوط عود ہندی کو سب سے پہلے منشی صاحب نے غالب کی زندگی میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع کیا تھا۔ میرے دادا حضرت محدث امروہی نے اسی مطبع مجتبائی میرٹھ اور دہلی میں مولانا نانوتوی سے اخذ علوم کیا۔

جب مولانا احمد حسن محدث مولانا محمد قاسم نانوتوی سے میرٹھ طلب علم کے لئے پہنچے تو مولانا محمد قاسم نانوتوی مطبع ہاشمی میرٹھ میں ملازم تھے۔ مطبع میں کتابوں کی تصحیح کے بعد جو وقت ملتا تھا۔ ان میں دو چار ذہین طلبہ کو درس بھی دیتے تھے۔ حضرت محدث امروہی، حضرت نانوتوی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا فخر الحسن گنگوہی اور حضرت محدث امروہی تینوں باکمال تلامذہ نے حضرت نانوتوی سے میرٹھ میں رہ کر پڑھا تھا۔ تمام علوم وفنون منطق وفلسفہ، ادب، معانی، فقہ، اصول فقہ، حدیث وتفسیر کی تعلیم دے کر آخر میں ان حضرات کو ایک یا دو سال کے لئے دیوبند بھیج دیا گیا تھا اور وہیں حضرت نانوتوی نے ان حضرات کی دستار بندی کرائی تھی۔ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند مدرسہ عالیہ دیوبند کہلاتا تھا۔ جو ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا تھا۔ غالباً ۱۲۸۳ھ یا ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء کے آغاز میں حضرت امروہی مدرسہ عالیہ دیوبند میں داخل ہوئے ہوں گے۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی کی دستار بندی ۱۹رذ قعدہ ۱۲۹۰ھ/ ۹رجنوری ۱۸۷۴ء کو ہوئی تھی۔ گمان یہ ہے کہ حضرت محدث امروہی کو بھی دستار فضیلت اسی سال ملی ہوگی۔

حضرت محدث امروہی نے پہلا حج نوجوانی میں حضرت نانوتوی کے ہمراہ کیا تھا۔ اس وجہ سے بھی شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کی نظر التفات حضرت امروہی پر پڑی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تین حج کئے۔ پہلا حج ۱۸۶۰ء میں، دوسرا حج ۱۸۷۰ء میں اور تیسرا حج ۱۸۷۶ء میں حضرت امروہی غالباً تیسرے حج میں ساتھ تھے۔ جب ان کی عمر ۲۵ سال ہوگی۔ ہندوستان واپس آ کر حضرت نانوتوی نے اپنے تینوں شاگردوں کو جو معقول ومنقول میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ تین مختلف مدرسوں میں درس وتدریس کے لئے مقرر کیا۔ حضرت مولانا محمود الحسن دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے فخر الحسن کو گنگوہی کو نگینہ اور حضرت امروہی کو مراد آباد بھیجا۔

نوٹ: لیکن اگر میرے دادا کو مرکز یعنی دیوبند میں شیخ الحدیث بنا کر رکھا جاتا تو نہ صرف ان کے علم سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچتا ان کی شہرت کو مزید چار چاند لگ جاتے

بلکہ ہمارے گھر کا نقشہ بھی بدلا ہوا ہوتا۔

۵- قاری عبدالرحمٰن پانی پتی

آپ فن حدیث میں شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ فن تجوید حاصل کرنے امروہہ آئے اور حضرت مولانا قاری امام الدین نقشبندی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ استاد معظم نے سند فراغ سے نوازا۔ بقیہ بخاری شریف دہلی جا کر حضرت شاہ اسحاق دہلوی سے پڑھی۔ چونکہ آپ کی سند حدیث عالی تھی اس لئے حضرت محدث امروہی، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا اشرف علی تھانوی نے آپ سے خصوصی سند حدیث حاصل کی۔ ۵/ربیع الاول ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۱۸۹۶ء بروز شنبہ پانی پت میں وصال فرمایا۔ تذکرہ رحمانیہ آپ کی مبسوط سوانح عمری ہے۔ جو آپ کے پوتے مولانا قاری عبدالحلیم انصاری پانی پتی کی تالیف ہے۔

۶- شاہ عبدالغنی محدث دہلوی

(۱۲۳۵-۱۲۹۶ھ/۱۸۲۰-۱۸۷۸ء)

شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی بن شاہ ابو سعید مجددی ۲۵/شعبان ۱۲۳۵ھ/ ۸/جون ۱۸۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مکہ معظمہ جا کر شیخ محمد عابد سندھی سے سند حدیث حاصل کی اور شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے تکمیل درس کیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔ تو دہلی سے مکہ معظمہ چلے گئے اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں ماہ محرم ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں انتقال فرمایا۔ آپ شاہ ولی اللہ کے خاندان سے نہ تھے۔ البتہ شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ اسحٰق دہلوی کے شاگرد تھے اور مجدد الف ثانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لئے شاہ عبدالغنی مجددی کہلاتے ہیں۔ مولانا سید احمد حسن محدث ۱۸۷۶ء میں جب حج پر تشریف لے گئے تھے تو وہاں شاہ عبدالغنی سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ سے مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی درس لیا تھا۔

شاہ محمد اسحٰق دہلوی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ محمد افضل تھا۔ شاہ اسحٰق کی ولادت ۱۷۸۲ء میں ہوئی۔ تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور سند حدیث شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے لی۔ چالیس سال تک مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس دیا۔ چار سال اور چند ماہ حرم مقدس میں رہ کر ۱۸۴۵ء میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

مولانا سید احمد حسن محدث کی سند عالی تھی

مولانا سید احمد حسن محدث نے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے چند مشہور محدثین سے (جن کی سند اونچی تھی) سند حدیث حاصل کی تھی۔ مثلاً مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی سے سند حاصل کی۔

یہ دونوں شاہ محمد اسحٰق محدث دہلی کے نامی گرامی شاگرد تھے۔

معاصرین

معاصرین میں مولانا فخر الحسن گنگوہی بن عبدالرحمٰن طب میں حکیم محمود خان دہلوی کے شاگرد تھے۔ کانپور میں مطب کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں کانپور میں انتقال کیا۔

آل حسن نخشبی

دوسرے معاصر مولوی آل حسن نخشبی تھے۔ ان کے والد کا نام نذیر احمد اور دادا کا نام امام الدین نخشبی مودودی تھا۔ آپ نے امروہہ میں اپنے چچا مولانا کریم بخش نخشبی، مولوی سید رافت علی اور مولوی سید محمد حسین جعفری سے تعلیم حاصل کی۔ نہایت عسرت کی زندگی بسر کی۔ امروہہ سے باہر جا کر مولوی لطف اللہ علی گڑھی کے

حلقہ درس میں شامل ہوئے اور معقولات کی تکمیل کی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے بھی پڑھا۔ مرادآباد میں حدیث کا درس ابتدا مولانا عالم علی نگینوی ثم مرادآبادی سے لیا۔ پھر دہلی میں مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی کتب صحاح ستہ ختم کر کے سند حاصل کی۔ امروہہ کی تاریخ فارسی زبان میں نخبۃ التواریخ لکھی۔ جو شائع ہوگئی ہے۔ کچھ عرصہ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں درس دیا۔ ۱۳۰۶ھ میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں وفات پائی اولاد نرینہ نہ تھی۔ دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے ایک میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث کے عقد میں آئیں۔ 'تذکرۃ الکرام' ص ۳۱۲

تلامذہ

اگرچہ حضرت دادا صاحبؒ کے تلامذہ کی فہرست پہلے آچکی ہے لیکن میں نے تحقیق و تلاش کر کے ساٹھ سے زائد شاگردوں کے نام دریافت کیئے ہیں۔ جن کی مکمل فہرست (۶۰ تلامذہ) گزشتہ اوراق میں دے چکا ہوں۔ یہاں پر مشہور تلامذہ کے حالات مختصر طور پر درج کرتا ہوں۔ جو یہ ہیں:

۱- سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی (۱۲۷۷-۱۳۶۷ھ/۱۸۶۰-۱۹۴۸ء)

مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگردوں میں جلیل القدر محدثین اور فقہائے عظام تھے۔ ان میں سے ایک نام سراج المفسرین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی کا آتا ہے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی بن مولوی عنایت اللہ بن چودھری غلام شاہ صدیقی از اولاد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، بزرگوں کا وطن سندیلہ ضلع ہردوئی ہے۔ آباء و اجداد چودھراہت کا منصب اور مدد معاش میں معقول زمینداری رکھتے تھے۔

حافظ صاحب کے جد امجد چودھری غلام شاہ کے انتقال کے وقت ان کے

والد مولوی عنایت اللہ خوردسال تھے۔ اس لئے جائداد کے منتظم ان کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے والد بمبئی میں میر خادم علی ساکن دیوہ کی دختر کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔

حافظ عبدالرحمٰن ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد عبداللہ اور محمد عبدالرحیم آپ کے دو اور حقیقی بھائی تھے۔ پانچ سال کی عمر میں والدین کے ساتھ مکہ معظمہ گئے۔ سات سال عرب میں قیام رہا۔ قرآن شریف وہیں حفظ کیا اور عربی کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ حجاز سے سے ہندوستان آ کر بغرض تحصیل علم دیوبند گئے اور مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے اخذ علوم کیا۔ مولانا نانوتوی کی وفات کے بعد مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے مرادآباد کے مدرسہ شاہی میں سند فراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ بمبئی اور پونا میں قیام رہا۔ مطبع مجتبائی دہلی میں تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔ اس کے بعد حضرت محدث امروہی نے مدرسہ اسلامیہ کی خدمت کے لئے طلب کیا۔ مولانا کی حیات میں مدرس دوم رہے۔ ان کی وفات کے بعد صدر مدرس ہوئے۔

آپ کے درس سے بہت سے طلبہ فیضیاب ہوئے۔ سلسلہ تقریر دلچسپ ہوتا تھا۔ ہر قسم کی معلومات کا ذخیرہ آپ کے ذہن رسا میں موجود رہتا تھا۔ سوال کا جواب فی البدیہہ اور دل پسند دیتے ہیں۔ تفسیر و حدیث، علم بلاغت و کلام سے خاص مناسب اور ادبیات عربی میں کافی مہارت ہے۔ عربی عبارت لکھنے میں خاص قدرت رکھتے ہیں اور جلد لکھتے ہیں۔ نہایت نیک سیرت، نیک طینت، خوش خلق اور خندہ جبیں ہیں۔ مسکین و متواضع اور سادہ مزاج بزرگ ہیں۔ رامپور میں خالہ کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ عبدالقیوم، مولوی عبدالقدوس، عبدالسلام اور عبدالمومن۔ ایک دختر ہیں جو حکیم عبدالعزیز عباسی ساکن نوساری کے عقد میں ہیں۔ مولانا عبدالقیوم کی ولادت ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء ان کا نام حضرت محدث امروہی نے رکھا تھا۔ خط ۶۵ مشمولہ مکتوبات سید العلماء (تذکرۃ الکرام ص۳۲۲-۳۲۳)

مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مکہ معظمہ میں حافظ قرآن ہوئے۔ان کے استاد کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا۔ جو نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔جن کے پوتے عبیدالرحمٰن مکی معلم حجاج تھے۔حفظ قرآن کے بعد حضرت حافظ صاحب امروہہ بمبئی آئے۔ان کے والد ماجد بمبئی میں وکیل حجاج تھے۔مولویت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے صرف ونحو پڑھ کر دیوبند میں داخلہ لیا۔

دارالعلوم کی روداد میں حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہی کے آگے ساکن بمبئی لکھا ہے۔حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔انھوں نے بیضاوی کا حاشیہ لکھا تھا۔اس کے ٹائٹل پر بھی مولانا کے نام کے آگے ساکن بمبئی لکھا ہے۔انھوں نے اگر چہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی پڑھا تھا اور علامہ حسین بن محسن یمانی سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی۔حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کی وفات کے ۱۳۳۰ھ کے بعد مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں صدر مدرس ہوئے۔آپ کے ہمراہ مولانا عبدالغنی پھلاودی اور مولانا خادم حسین مرادآبادی ثم امروہوی بھی معین المدرسین تھے۔آپ آخر عمر تک مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں درس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔آپ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند میں بھی درس دیا۔

حضرت حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ " میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ان کو میرے دادا سے اس قدر عقیدت، انسیت اور محبت تھی کہ بڑے بڑے علماء سے درس حدیث حاصل کرنے کے بعد بھی ان کی تشنگی حضرت دادا صاحبؒ کے حلقۂ درس سے پوری ہوئی۔اس لئے وہ آخر وقت تک ان کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔یہاں تک کہ انتقال کے بعد مدرسہ جامع

مسجد کے صحن میں میرے دادا صاحب کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ وہ میرے دادا کے دست راست سمجھے جاتے تھے۔

حضرت حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سے اگرچہ میں نے تعلیم حاصل نہیں کی کیونکہ میرا بچپن تھا۔ میں ابتدائی درجات کا طالبعلم تھا اور حضرت حافظ صاحب بڑی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ پھر بھی مجھے یاد ہے کہ جب ایک مرتبہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ان سے ملنے گیا۔ تو انھوں نے مجھے نہ معلوم کس جذبے سے ایک سیب دیا۔ جس کو کھا کر مجھے ایسا لگا کہ میرے دادا کا علم منتقل ہوا۔ میں آج تک اس واقعے کو نہیں بھولا۔ مجھے جو کچھ بھی تھوڑا بہت علم ملا۔ اس کو میں حضرت دادا صاحب کا فیض تصور کرتا ہوں۔

مولانا عنایت اللہ (والد حافظ عبدالرحمٰن صدیقی)

مولانا عنایت اللہ صاحب سندیلوی ۱۲۰۶ھ میں بمقام سندیلہ پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد عالم شباب میں وطن کو خیرآباد کہہ کر بمبئی کو اپنا مستقر بنایا۔ یہاں وہ ریاست بھوپال کی جانب سے محافظ حجاج تھے۔ اس بناء پر وہ اکابر جو حج بیت اللہ کو جاتے تھے۔ ان سے متعارف تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی سب ان کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں آپ کا انتقال بمبئی میں ہوا۔ مشہور محدث اور مفسر مولانا حافظ احمد عبدالرحمٰن صدیقی متوفی ۱۳۶۷ھ آپ ہی کے باکمال منجھلے صاجزادے تھے۔

حافظ عبدالرحمٰن صدیقی

رأس الاذکیاء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی خورجہ، سنبھلی اور دہلی وغیرہ میں تعلیم دینے کے بعد ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں مدرسہ شاہی مرادآباد کے سب سے پہلے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ تو مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر

امروہی جنھوں نے ترمذی شریف مدرسہ چھتہ دیوبند میں حضرت محمد قاسم نانوتوی سے پڑھی تھی اور جو دارالعلوم کے فرزندان قدیم میں تھے۔ مدرسہ شاہی مراد آباد چلے آئے اور وہاں حضرت محدث امروہی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔(۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی کو مدرسہ شاہی سے سند فراغ ملی۔)

۲-قطب الوقت حضرت مولانا حافظ حاجی سید عبدالغنی پھلاودی

قطب الوقت حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی بھی حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ انھوں نے حافظ عبدالرحمٰن صدیقی کے ساتھ مدرسہ شاہی مراد آباد میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے سند فراغ حاصل کی تھی۔ ان کو بھی مولانا سید احمد حسن سے کمال عقیدت و محبت تھی اور مولانا احمد حسن کو بھی ان سے بدرجہ غایت محبت تھی۔ اس حد تک کہ انھوں نے اپنے زیادہ تر خطوط فارسی اور اردو میں اپنے اس عزیز شاگرد کے نام لکھے ہیں۔ جو مکتوبات سید العلماء کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطوط میں جن القاب سے انھوں نے حافظ عبدالغنی صاحب کو نوازا ہے۔ اس سے بھی ان کی خصوصی توجہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اتنے خطوط انھوں نے اپنے کسی شاگرد نہیں لکھے۔ ان خطوط سے ان کے خصوصی تعلق، رجحان طبع اور اعتماد کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان خطوط میں انھوں نے کبھی حافظ عبدالغنی سلمہٗ، کبھی بہتر از من عزیزم مولوی حافظ عبدالغنی، کبھی عزیزم، کبھی مجسم صد گونہ اخلاق و عنایت کبھی میرے بھائی، کبھی جامع کمالات مجموعہ حسنات لکھا ہے۔ غرض ایک علمی اور روحانی تعلق تھا۔ جو ایک استاد اور شاگرد میں ہوتا ہے۔ ان کو روحانی روابط سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا حافظ حاجی سید عبدالغنی پھلاودی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے واقعات سے براہ راست اور

ان کی تحریروں سے ان کے کمالات خاصہ کا ایک اندازہ ہتا ہے۔ جو درجات اولایت اور مقامات رفیعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا تھا اور ان کو خط لکھا تھا۔ حضرت حافظ عبدالغنی صاحب نہ صرف صوفی منش بزرگ تھے بلکہ فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے۔ حافظ تخلص کرتے تھے۔

خاندانی حالات

حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحب قصبہ پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے۔ آپ کا خاندان سادات رضویہ کا مشہور خاندان ہے۔ آپ کی پیدائش ۳رذیقعدہ ۱۲۶۸ھ/ ۲۰راگست ۱۸۵۶ء بروز جمعہ ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام عبدالغنی تھا۔

آپ نے اپنی تمام عمر تکمیل سلوک، تذکیہ نفس اور تعلیم و تدریس علوم دینیہ میں گزار دی آخر میں بصارت جاتی رہی تھی۔ مگر تمام علوم متداولہ مستحضر تھے۔

مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی کو مدرسہ شاہی مراد آباد سے سند فراغ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں ملی۔ حضرت حافظ سید عبدالغنی پھلاودی وبھی اسی سال سند فراغ مدرسہ شاہی سے ملی۔ حضرت حافظ عبدالغنی پھلاودی کو حضرت محدث امروہی نے جو سند حدیث اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمائی تھی۔ وہ ابھی تک پھلاودہ میں محفوظ ہے۔

جب ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں مدرسہ شاہی سے تعلق ختم کر کے حضرت محدث امروہی نے اپنے وطن امروہہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد قائم کیا۔ تو مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی اور مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودی دونوں اس مدرسے کے مدرس مقرر ہوئے۔ کئی سال تک اس مدرسے میں حضرت پھلاودی نے درس دیا۔ حضرت پھلاودی کے قیام امروہہ کے زمانے میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کا ایک مکتوب گرامی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے پتہ پر حضرت پھلاودی

کے نام آیا تھا۔ اس مکتوب میں حضرت حاجی صاحب نے مدرسہ اسلامیہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے۔

وفات

حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی نے ۷/ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ/ ۱۱/اگست ۱۹۳۲ء بروز چارشنبہ ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

کتب خانہ پھلاودہ کے نوادر

آپ کے ایک صاحبزادے سید محمد قاسم تھے۔ ان کے فرزند حضرت مولانا حکیم سید المغنی پھلاودی ہیں۔ حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی چند سال امروہہ میں مقیم رہے اور مدرسہ عربیہ میں درس دیتے رہے۔ پھر وہ اپنے وطن پھلاودہ تشریف لے گئے اور جب تک حضرت محدث امروہی زندہ رہے۔ ان سے خط و کتابت کا سلسلہ رہا۔ حضرت امروہی کے یہ خطوط فارسی اور اردو میں ہیں۔ حضرت پھلاودی نے ایک ایک خط کو محفوظ رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت امروہی کے حسب ذیل مسودات اپنے کتب خانے میں محفوظ رکھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱- <u>افادات احمدیہ حصہ دوم قلمی:</u> اس میں مولوی محمد حسن اسرائیلی، سنبھلی اور حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے درمیان تحریری مناظرہ ہے۔ اس کا موضوع بعض مسائل عقائد کلام سے ہے۔ طرفین کے مکتوبات سوال و جواب کی شکل میں افادات احمدیہ حصہ دوم قلمی کے نام سے مرتب ہو گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے مرتب مولانا محمد یحیٰ شاہجہاں پوری ہیں۔ یہ قلمی نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ یہ مناظرہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ہوا۔ کتابت ۱۳۶۱ھ میں ہوئی۔

مولانا محدث امروہی کی زندگی میں یہ نسخہ مرتب ہوگیا تھا۔ مولانا یحیٰ شاہجہاں پوری نے ترتیب کیا۔ اس کے ۸۹ صفحات ہیں۔ بڑی تقطیع کے۔

۲-ازالۃ الوسواس: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس عن انکار اثر بن عباس پر جو اعتراض ہوئے ان کے جواب میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہی نے رسالۃ الوسواس لکھا۔ یہ ۲۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ ترقیمہ میں کاتب کا نام نہیں۔ مگر اس کا خط بھی وہی ہے جو افادات احمد یہ قلمی حصہ دوم کا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ مولوی امجد علی نے نقل کیا ہے۔ تاریخ اتمام کتابت ۲ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ درج ہے۔ اس کا قلمی نسخہ حضرت مولانا پھلاودی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ تحذیر الناس عبداللہ بن عباس سے مروی ایک روایت کی عقلی ونقلی تشریح اور زمینوں کے سات طبقے ہونے اور حضورﷺ کے خاتم النبین ہونے پر دلیلیں دی گئی ہیں۔ مولانا نانوتوی نے رسالہ اَجوِبَہ اربعین بھی لکھا تھا جو علمائے رامپور کے اعتراضات کے جواب میں تھا۔ ازالۃ الوسواس کو حضرت دادا صاحب نے مولانا اسمٰعیل علیگڑھ اور مولوی فخر الحسن گنگوہی کو سنایا تھا۔ ان دونوں نے اس جواب کو شافی قرار دیا۔ ان دونوں نے اس کو سنا اور پسند فرمایا۔ خط نمبر ۲ اور ۳ مشمولہ مکتوبات سید العلماء۔ ازالۃ الوسواس اور اجوبۂ اربعین دونوں کا ذکر میرے دادا کے خطوط میں ہے۔

۳-بیاض قلمی: کتب خانہ پھلاودہ میں ایک مخطوطہ قلمی ہے جو ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس بیاض قلمی میں بعض فتاویٰ ہیں۔

اس طرح کتب خانہ پھلادہ میں مولانا احمد حسن محدث کے نوادر موجود ہیں۔ یہ بہت بڑا کام ہے جو مولانا پھلاودی کی وجہ سے محفوظ رہا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی اور حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے دو عزیز شاگرد تھے۔ جن پر حضرت دادا صاحب کو بہت ناز تھا۔

حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے مولانا عبدالغنی پھلاودی کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا تھا اور انھیں یہ خلافت نامہ

اپنے قلم سے لکھ کر دیا تھا۔

مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کے لئے

حضرت حاجی امداد اللہ کی دعا

ایک اور بات جس سے مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی کی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے مولانا پھلاودی کو جب وہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں مدرس تھے۔ مدرسے کے لئے ایک دعائیہ خط لکھا تھا۔ جو یہ ہے۔

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ

بہ خدمت سراپا برکت عزیزم مولوی عبدالغنی صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ رزق اللہ تعالیٰ محبتہ ومعرفتہ۔ بعد سلام مسنون ودعائے خیر وبرکت کے واضح رائے سعادت ہو کہ آپ کا نامہ مرقومہ ۳۰ر شعبان ۱۳۰۵ھ/ ۱۱ر مئی ۱۸۸۸ء قدسی وارد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اپنے فضل وکرم سے آپ کے مدرسہ کی مدد واعانت کرتا رہے گا اور سب سرمایوں سے باقی اور لازوال سرمایہ توکل ہے۔ جس چیز کا یا جس کا اللہ جل جلالہ خود کفیل ہو کہ اس کا کیا کہنا ہے۔ آپ لوگ نظر، حضرت حق کی رحمت پر رکھ کر، اس کے بندوں کو باخلاص تعلیم وتلقین فرمایئے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مستطیع فرما کر شرف زیارت حرمین شریفین سے مشرف فرما دے۔ السلام علیکم وعلی من لدیکم۔ ۲۰ر ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ

حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے اس خط اور ان کے خرقۂ خلافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حافظ عبدالغنی پھلاودی کس پائے کے بزرگ تھے۔

حضرت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی نے سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے تفسیر میں جلالین و بیضاوی، حدیث میں صحاح ستہ۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، نسائی کے علاوہ مشکوٰۃ اور موطا کی قرأت وسماعت کی اور ان سے درس حدیث لیا تھا۔ اس کا پتہ اس سند حدیث سے ملتا ہے جو حضرت

مولانا سید احمد حسن نے محدث نے اپنے قلم سے لکھ کر مولانا حافظ عبدالغنی کو مرحمت فرمائی تھی اور جواب تک کتب خانہ پھلاودہ میں محفوظ ہے۔ مولانا عبدالغنی پھلاودی مدرسہ شاہی مرادآباد میں حضرت محدث امروہی سے درس حدیث لیا اور یہیں سے سند فراغت حاصل کیا۔ یہیں سے ان کا تعلق مولانا محدث امروہی سے ہوا۔ جو بڑھتا رہا۔ امروہہ آکر وہ تعلق اور بڑھ گیا۔ رات دن حضرت امروہی کی خدمت میں رہتے تھے۔ وہ نہ صرف حضرت امروہی کے شاگرد تھے۔ بلکہ ایک دوست اور مونس وغمگسار بھی تھے۔

۳۔ مولانا سید رضا حسن رضوی

شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امروہہ

مولانا سید رضا حسن رضوی، برادرزادہ اور حضرت محدث امروہی کے داماد تھے۔ مولانا سید رضا حسن، حضرت محدث امروہی کے بڑے بھائی سید اصغر حسین رضوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت محدث امروہی کے چھوٹے داماد تھے۔ اس طور پر کہ میری چھوٹی پھوپھی سیدہ ان کے عقد مناکحت میں تھیں۔ ان کا نکاح ۱۶ر شعبان ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۷ء کو ہوا۔ وہ میرے دادا مولانا سید احمد حسن کے شاگرد تھے اور انہی سے انھوں نے اخذ علوم کیا تھا۔ فراغت تعلیم کے بعد تقریباً ۲۵ سال تک مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ نیک کردار عالم تھے۔ علم فقہ، صرف ونحو میں بڑا درک رکھتے تھے۔ آپ کے چھوٹے برادر حقیقی حکیم محمود حسن بھی بہت ذہین اور ذی علم طبیب تھے۔ عالم شباب میں انتقال کیا۔ تذکرۃ الکرام صفحہ ۳۴۹

میری پھوپھی سے آپ کی اولاد میں سید مرتضیٰ حسن رضوی ہوئے۔ حضرت محدث امروہی کے بڑے بھائی اور مولانا رضا حسن کے والد میر سید اصغر حسین نے

۵ رجب ۱۳۲۶ھ/۴ راگست ۱۹۰۸ء دوشنبہ کو انتقال کیا۔

۴- مولانا سید علی زینبی شیخ الحدیث مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ

مولانا سید علی زینبی مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں شیخ الحدیث تھے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی صدر المدرسین رہے۔ آپ کے والد کا نام احمد حسین تھا۔ آپ ۲۴ ر رمضان ۱۲۹۴ھ/۳ راکتوبر ۱۸۷۷ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ہیئت، عروض، ادب فرائض، وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے۔ آپ لکھنؤ یونیورسٹی میں بھی عربی فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ وہاں کثیر تعداد میں طلبہ نے آپ سے فیض علم حاصل کیا۔ بعض مجتہدین لکھنؤ بھی آپ کے شاگرد تھے۔ سید علی زینبی نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے اخذ علوم کیا اور کتب متداولہ عربی و فارسی پڑھیں۔ آپ حضرت محدث امروہی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں انٹرنس کی کلاس کو عربی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ مولانا غلام احمد لاہوری کے حلقۂ درس میں بھی شریک ہوئے آپ چودہ سال تک ندوۃ العلماء میں صدر المدرسین رہے۔ پھر مولانا عین القضاۃ نے آپ کو مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں شیخ الحدیث مقرر کیا۔ جہاں آٹھ سال تک درس حدیث دیتے رہے۔ ندوۃ العلما کے نائب مہتمم بھی رہے۔

عربی ادب سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ مختلف یونیورسٹیوں کے امتحانات عربی و فارسی کے ممتحن رہے۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱- حاشیہ امام رازی کتاب نہایت الایجاز
۲- شرح نقد الشعر از قدامہ بن جعفر (عربی میں)
۳- متفرق حواشی دواوین شعرائے جاہلیت پر
۴- تسہیل الفرائض (اردو)

سید علی زینبی نہایت سنجیدہ، متین، پاکیزہ نفس، نیک کردار انسان تھے۔ تصنع اور نمائش سے نفور تھے۔ مزاج میں سادگی تھی۔ شعر و سخن سے بھی تعلق تھا۔ ۱۹۴۹ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ عمر ۲۷ سال ہوئی۔

راقم الحروف کا مولانا سید علی زینبی صاحب سے ایک تعلق یہ بھی ہے کہ میں نے جب اپنے والد مولانا سید محمد رضوی کے ساتھ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء ۱۹۴۹ء میں داخلہ لیا۔ تو مولانا نے میرے داخلے میں بہت مدد فرمائی اور استادزادے ہونے کی حیثیت سے میری فیس وغیرہ سب معاف کرادی تھی۔ میں مولانا سے اپنے والد کے ساتھ ملا تھا اور میں نے ان کو دیکھا ہے۔

نوٹ: مولانا عین القضاۃ کا نام ہی عین القضاۃ تھا۔ حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے۔ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے شاگرد ہوئے پھر مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا عبدالشکور لکھنوی آپ کے شاگردوں میں تھے۔ مولانا عین القضاۃ نے ۱۹۰۸ء میں مدرسہ فرقانیہ کی بنیاد ڈالی۔

۵-مولانا حکیم محمد امین الدین خان شاہ آبادی ثم امروہوی وائس پرنسپل طبیہ کالج دہلی

مولانا حکیم محمد امین الدین خان، شاہ آباد، علاقہ ریاست رامپور کے رہنے والے ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب میں بغرض تحصیل علم امروہہ آئے اور مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت محدث امروہی سے عربی علوم متداولہ کی تحصیل کی اور حضرت محدث امروہی سے تکمیل علم کی اور ان سے معقول و منقول دونوں میں انھوں نے امروہہ ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اخذ علوم کیا اور اس میں مہارت پیدا کی۔ اور کثیر التعداد طلبہ کو فیض پہنچایا۔ آپ کو درس و تدریس میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ فراغت کے بعد عرصے تک مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں

مدرس دوم رہے۔ جامع فنون، صاحب فہم اور خوش استعداد عالم تھے۔ خداداد قابلیت اور اپنی کوشش سے نامور فضلاء کی صف میں داخل ہوئے۔ علم طب بھی حاصل کیا۔ حضرت محدث کی وفات کے بعد حکیم اجمل خان نے آپ کو طبیہ کالج میں استاد مقرر کیا۔ بعدہ آپ طبیہ کالج قرول باغ دہلی کے وائس پرنسپل بھی ہوئے۔ آپ نے کلیات نفیسی کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ جو شائع ہو گیا ہے۔

(تذکرۃ الکرام صفحہ ۳۴۴ جلد ثانی تاریخ امروہہ ۱۹۳۲ء)

مولانا نے نفیسی کی بہترین شرح دل نشین انداز میں لکھی تھی۔ جواب نایاب ہے۔ طبیہ کالج میں آپ طب کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ معقولات میں آپ کو بہت دخل حاصل تھا۔ جب تعطیلات میں امروہہ آتے تھے تو مدرسہ کے سرحدی طلبہ کو معقولات کا درس دیا کرتے تھے۔ بیاض قلمی میں آپ کے قلم سے ایک تحریر ۱۱ر شعبان ۱۳۰۸ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں طالب علم مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۰۹ء میں حضرت محدث امروہی کے شاگرد رہے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔

۶۔ مولوی سید احمد امین

خلف شاہ روح الامین بن شاہ محمد امین غازی ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نو عمری میں تحصیل علم کے لئے باہر چلے گئے۔ دس بارہ سال تک گلاوٹھی، دان پور، سکندرہ راؤ، مراد آباد، دیوبند میں مختلف اساتذہ سے پڑھتے رہے۔ مولانا محمد حسین مراد آبادی، مولانا محمد الدین پنجابی، مولوی دوست محمد خان شاگرد مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے علم حاصل کیا۔ بالآخر مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے تکمیل حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے تحصیل علم میں بڑی محنت شاقہ کی۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ مدرسہ عربیہ مرادیہ مظفر نگر، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ ریاست دان پور مدرسہ عالیہ میرٹھ، مدرسہ نہٹور، مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مدرس رہے۔ نیک نہاد، خوش طبع، جفا

شعار عالم تھے۔ آپ کے فرزند مولوی محمد صالح بھی ذی علم انسان ہیں۔
(تذکرۃ الکرام صفحہ ۳۵۴)

راقم الحروف نے ان کو دیکھا تھا۔

۷- استاد القراء قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی

استاد القراء قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی میرے دادا حضرت سید احمد حسن محدث امروہی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے ان کی خاص تعلیم و تربیت کی۔ انھوں نے دورۂ حدیث میرے دادا سے پڑھا تھا۔ پھر انہوں نے میرے والد مولانا سید محمد رضوی کو قرأت و تجوید سکھائی تھی کیونکہ میرے دادا نے حضرت قاری صاحب کو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس تجوید و قرأت مقرر کیا تھا۔

قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی قصبہ نارہ پرگنہ کنڑا ضلع الٰہ آباد کے باشندے تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبدالرزاق تھا۔ ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے شاہ محب اللہ الٰہ آبادی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد شیخ القراء قاری عبدالرحمٰن مکی کے پاس کانپور چلے گئے۔ ان سے قرأت سیکھی۔ آپ نے قرأت و تجوید میں بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کی غیر معمولی قابلیت کو دیکھ کر مولانا عین القضاۃ نے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں بلا لیا۔ آپ کے زمانہ میں مدرسہ فرقانیہ نے بہت ترقی کی۔ امروہہ میں آپ سے کثیر التعداد طلبہ نے تجوید قرأت سیکھ کر سند فراغت حاصل کی۔ پھر آپ کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں بلا لیا گیا۔ وہاں آپ علم تجوید و قرأت طلبہ کو سکھاتے تھے۔ پروفیسر غلام مصطفیٰ خان استاد فارسی واردو سندھ یونیورسٹی نے علیگڑھ میں آپ سے سند قرأت لی۔ فن تجوید پر آپ کی دو کتابیں ہیں: خلاصۃ البیان، ضیاء القرأۃ۔ ۷ر ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ/ مطابق ۵ر جنوری ۱۹۵۲ء کو بروز شنبہ قبل مغرب وفات پائی۔ آپ کے شاگردوں کی طویل فہرست ہے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱- میرے والد مولانا قاری سید محمد رضوی

۲- پروفیسر ڈاکٹر قاری غلام مصطفیٰ خاں

۳- شیخ القراء حافظ محمد نذر نابینا امروہی استاد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ

۴- قاری حافظ محمد عبداللہ مرادآبادی مدرس تجوید مدرسہ شاہی مرادآباد

۵- قاری محمد سلیمان مدرس تجوید مظاہر العلوم سہارنپور

۶- قاری حکیم محمد عبدالرحیم خان امروہوی

۷- قاری حمید الدین سنبھلی

۸- قاری عنایت اللہ اعظم گڑھی

۸- بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی

بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے طب میرے دادا سے طب پڑھی تھی۔ جو بعد میں بابائے طب کہلائے اور طبیہ کالج دہلی کے نمایاں استاد اور پرنسپل و ہاؤس فزیشین ہوئے۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں ہی نے آپ کا تقرر طبیہ کالج دہلی میں کیا تھا۔ اور آپ ان کے زمانے سے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ بڑے بڑے امراء اور والیانِ ریاست آپ کی قدر کرتے تھے۔ آپ کی پرنسپلی کے زمانے میں طیبہ کالج نے بڑی ترقی کی۔ حکیم فرید احمد عباسی نقشبندی تھے۔

حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ بڑی نیک نامی کی بات ہے کہ آپ کے شاگردوں میں کوئی محدث ہوا، تو کوئی مفسر، کوئی بابائے طب ہوا، تو کوئی شیخ الحدیث، کوئی استاد القراء ہوا، تو کوئی افسر الاطباء۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ جس سے ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔

۹-حضرت حافظ محمد احمد بن محمد قاسم نانوتوی

حضرت حافظ محمد احمد بن محمد قاسم نانوتوی بھی حضرت محدث امروہوی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ جب ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں مرادآباد کی شاہی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مدرسہ کا نام مدرسۃ الغرباء تھا لیکن شاہی مسجد کی وجہ سے مدرسہ شاہی مسجد کہلایا۔ تو اس کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث تھے۔ شوال ۱۳۰۳ھ/ جولائی ۱۸۸۶ء تک آپ وہاں شیخ الحدیث رہے۔ میرے دادا چوں کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اس لیے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحب کو میرے دادا مولانا سید احمد حسن کے سپرد کیا اور فرمایا کہ جس طرح مین نے تمہاری تعلیم و تربیت کی ہے اب تم میرے بیٹے کی تعلیم و تربیت کرو۔ چناں چہ حافظ احمد صاحب نے مدرسہ شاہی مرادآباد میں حضرت دادا صاحب سے حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم وہ حضرت دادا صاحب کے ساتھ امروہہ ہمارے مکان میں بھی آکر رہتے تھے۔ اس طرح کبھی مرادآباد، کبھی امروہہ حضرت حافظ احمد صاحب میرے دادا کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ حافظ محمد احمد صاحب کی ولادت ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں ہوئی۔ اور وفات ۳ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ہوئی۔ چھ بہنوں کے بعد پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں قرآن حفظ کیا۔ ۹ سال کی عمر میں نکاح ہوگیا تھا۔ لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے ۱۲۹۸ھ سے ۱۳۰۳ھ تک تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں درس دیا۔ ۱۳۰۳ھ میں دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے اور ان کے زمانے میں مدرسہ دیوبند دارالعلوم بن گیا۔ حافظ صاحب کا انتقال حیدرآباد سے دیوبند آتے ہوئے ریل میں ہوا۔ لاش حیدرآباد لے جاکر خطہ صالحین میں دفن کی گئی۔

۱۳۴۰ھ میں حافظ محمد احمد صاحب کو مفتی ہائی کورٹ ریاست حیدرآباد دکن

مقرر کیا گیا۔ ان کے ساتھ مولانا محمد اعزاز علی بھی تھے۔ اس طرح دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کو سلطان العلوم اعلیٰ حضرت خسرو دکن کے دربار میں باریابی ہوئی، ۱۳۴۸ھ میں جب حافظ محمد احمد صاحب کا انتقال ہوا تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو مہتمم دارالعلوم دیوبند بنایا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا انتقال ۳ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو میرے دادا مولانا سید احمد حسن سے اس قدر یگانگت اور محبت تھی کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام میرے دادا کے نام پر احمد رکھا۔ میرے دادا کی مہر میں اسمہ احمد لکھا ہوا ہے۔ جبکہ حافظ احمد صاحب کی مہر میں بھی اسمہ احمد لکھا ہوا ہے۔ اس سے دونوں خاندانوں کی موانست کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت حافظ محمد احمد صاحب اکثر حضرت محدث امروہوی سے ملنے امروہہ تشریف لاتے تھے۔ حضرت محدث امروہی نے اپنے خط نمبر ۸۶ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۹ء ان کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۲۳۹ مشمولہ مکتوبات سید العلماء۔

۱۰۔ مولانا شیخ خادم حسین صاحب

مولانا شیخ خادم حسین بن شیخ حسین بخش کا آبائی وطن مرادآباد تھا، مگر امروہہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ نے مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے اخذ علوم کیا اور حدیث وفقہ میں مہارت حاصل کی۔ بعد میں ادبیات فارسی کے استاد بنے۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ/ ۲۷ مئی ۱۹۳۴ء کو تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ مرادآباد اور مدرسہ عباسیہ بچھرایوں میں بھی مدرس رہے۔ نہایت پاک سیرت، منکسر المزاج انسان تھے۔ اسلاف کی یادگار تھے۔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی سے خاص تعلق رکھتے اور ان کے مداح تھے۔ آخر عمر میں خانہ نشین

ہو گئے تھے۔

١١۔ مولانا حکیم خلیل الرحمٰن امروہی

مولانا حکیم خلیل الرحمٰن بن شیخ الٰہی بن شیخ منیر علی از اولاد شیخ داؤد بڑیکہ تھے۔ محلہ ملانہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کے ذی استعداد شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے حضرتؒ سے مدرسہ عبدالرب دہلی میں سند فراغ حاصل کی۔ اس سند پر حضرت مولانا نانوتوی کی بھی اجازت درس، اپنے تصدیقی کلمات کے بعد مولانا نانوتوی نے اپنے شاگرد مولانا سید احمد حسن کو مدظلہ العالی لکھا ہے۔ حدیث وتفسیر مع دستخط درج ہے۔ فن طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ عرصہ تک مشن اسکول دہرہ دون میں مدرس رہے۔ آپ کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں بھی مدرس رہے۔ اس کے بعد تاحیات امیر ایوب خان مقیم دہرہ دون کے یہاں طبیب اور عالم کی حیثیت سے تعلق رہا۔ مسلمانان دہرہ دون کے مذہبی مقتدیٰ تھے۔ نہایت متقی، نیک سیرت اور پرہیزگار انسان تھے۔ دہرہ دون میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ٢٨ر جون ١٩٢٢ء بروز چہارشنبہ انتقال ہوا۔ 'شہاب ثاقب' اور 'ظفر المبین' آپ کی دو تصانیف ہیں۔

حضرت دادا صاحبؒ نے مولانا خلیل الرحمٰن کا ذکر اپنے خطوط میں کیا ہے۔

١٢- افسر الاطباء حکیم سید حامد حسن رضوی

افسر الاطباء حکیم سید حامد حسن رضوی مولانا سید احمد حسن محدث کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت کی زیر تربیت رہ کر اخذ علم کیا اور آپ نے ان سے طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ریاست حیدرآباد میں افسر الاطباء کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ١٣٥٢ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی اور وہیں درگاہ خاموش کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت دادا صاحبؒ نے اپنے خطوط میں ان کا بارہا ذکر کیا ہے اور حیدرآباد میں موسیٰ ندی کی طغیانی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ١٩٠٨ء میں آئی تھی اور جس میں

میرے چھوٹے دادا حکیم سید حامد حسن کی املاک کو نقصان پہنچا تھا۔

حکیم سید حامد حسن رضوی میرے دادا کے مایۂ ناز شاگردوں میں تھے۔ آپ نہ صرف طب جدید و قدیم کے اصول و فروع پر حاوی تھے۔ بلکہ علوم مذہبی، ہیئت، فلسفہ اور الہیات میں بھی کافی درک و بصیرت رکھتے تھے۔ طب نظری اور عملی کی تکمیل اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد حسن سے مکمل کر حیدر آباد تشریف لے گئے۔ جہاں وہ افسر الاطباء کے عہدے پر فائز ہوئے۔ میر عثمان علی خان والی نظام دکن آپ کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کا شمار خاص شاہی طبیبوں میں ہوتا تھا۔

آپ کے انتقال پر نظام حیدر آباد نظام گزٹ میں اظہار افسوس کیا تھا اور ان کی بیگم صاحبہ یعنی شرافت امان اور صاجزادوں کو ڈھائی سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا تھا۔ جو آخر وقت تک شرافت امان کو ملتا رہا۔

حکیم سید حامد حسن طب و الہیات کا درس بھی دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں: ۱- مولوی سید حیات الحسن رضوی ناظم ضلع ۲- مولوی سید امین الحسن رضوی ناظم ضلع (کلکٹر کو حیدر آبادی اصطلاح میں ناظم ضلع کہتے تھے) ۳- حکیم سید سبط احمد فریدی مہتمم طب یونانی سرکار عالی ۴- مولوی حکیم محمد حنیف صاحب مددگار مہتمم دواخانہ فتح دروازہ سرکار عالی ۵- حکیم سید فخر الحسن

نواب سر سالار جنگ بہادر، نواب مہدی یار جنگ بہادر، نواب ذوالقدر جنگ بہادر، نواب مہدی یار جنگ بہادر، یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد سب آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

سر اکبر حیدر کے پاؤں کی ہڈی شکست ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔ آپ نے طب یونانی سے اس کا علاج کیا اور وہ صحتیاب ہو گئے۔ اسی طرح سر علی امام کا ذیابطیس کا کامیاب علاج کیا گیا۔ اس طرح کے بہت سے معالجات انھوں نے کئے اس سے ان کی حذاقت طبی اور شہرت میں اضافہ ہوا۔ آپ نے مرض طاعون پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو طبع ہو گیا ہے۔ دوسری تصنیف توازن علوم قدیمہ و جدیدہ ہے۔

تیسری تصنیف تقابل طب مشرقی و مذہبی ہے۔

آپ کے بعض مرکبات مشہور ہیں جو یہ ہیں:

۱- حب اکسیر تریاق ملیریا

۲- حب اکسیر ذیابطیس

۳- حب تریاق طاعون

۴- مفرح اعظم عثمانی

۵- معجون اکسیر البدن

۶- معجون حفظ حمل

ہماری چھوٹی دادی شرافت اماں کو آخر وقت تک نظام اسٹیٹ سے منصب ملتا تھا اور وہ آخر میں ہمارے گھر رہنے لگی تھیں۔ راقم الحروف نے ان کو دیکھا ہے۔

۱۳- مولانا قمرالدین سہنسپوری

مولانا قمرالدین سہنسپوری میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث کے خاص شاگردوں میں تھے۔ اس حد تک کہ حضرت دادا صاحب کے انتقال کے بعد وہ ہمارے گھر سے وابستہ رہے۔ بڑے مخلص، خیر خواہ اور ہمدرد انسان تھے۔ انھوں نے صحیح معنوں میں حق شاگردی ادا کیا۔ وہ میرے والد مولانا سید محمد رضوی کے قائم کردہ مدرسہ چلہ امروہہ میں مدرس تھے۔ فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ راقم الحروف نے ان سے ابتدائی صرف ونحو اور فارسی کی کتابیں میزان مُنشعِب، نحومیر، مصدر نامہ، گلزار دبستان، شرح مائۃ عامل پڑھیں تھیں۔ وہ مجھے گھر پر بھی پڑھانے آتے تھے اور گردانیں سنتے تھے۔ میری ابتدائی تعلیم کی بنیادوں کو انھوں نے مضبوط کیا۔ بلند سیرت وکردار کے عالم تھے۔ سیرت وکردار پر بہت زور دیتے تھے۔

۱۴- مولانا حکیم رشید احمد خان صاحب

مولانا حکیم رشید احمد خان صاحب میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن

کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے طب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کی طبی خدمات کے صلے میں حکومت کی جانب سے شفاء الملک کا خطاب ملا تھا۔ وہ واقعی بہت لائق و فائق اور حاذق طبیب تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی حکیم ذکی احمد خان مالک جید برقی پریس دہلی نے بھی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا تھا وہ وہیں کے فارغ التحصیل تھے۔

۱۵- مولوی فیاض علی

خلف شیخ امداد علی بن شیخ رمضان علی بن شیخ عبدالکریم بن اللہ بخش بن محمد فاضل بن شیخ عبدالحلیم بن شیخ عبدالحفیظ بن شیخ محمد جعفر بن شیخ فرید۔

ان کا سلسلہ نسب خاندان نخشی سے ملتا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے تحصیل علم کیا۔ علم فرائض میں ملکہ رکھتے تھے۔

۱۶- حکیم ظہور الحق صدیقی

حکیم ظہور الحق صدیقی، حکیم عبدالحکیم صدیقی کے صاجزادے تھے۔ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ نے طب کی تعلیم ان سے حاصل کی تھی۔ بڑے ذہین، ذی استعداد، نیک سیرت، خوب رو، باوقار عالم وطبیب تھے۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۲۳ء کو انتقال فرمایا اور اپنے جد امجد حضرت شاہ عبدالہادی صدیقی چشتی کے احاطۂ درگاہ میں دفن ہوئے۔ کیوں کہ آپ شاہ عبدالہادی کی اولاد میں تھے۔ حکیم ظہور الحق کا تذکرہ حضرت محدث کے خطوط میں بار بار آیا ہے۔ شوال ۱۳۱۱ء کے خط نمبر ۴۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال مدرسہ میں ذی استعداد طلبہ زیادہ تھے۔ حضرت محدث امروہی بخاری، مسلم اور ترمذی کا درس دے رہے تھے۔ ترمذی کی جماعت میں ۲۵ طلبہ تھے۔ ان میں حکیم ظہور الحق صدیقی شاہ سلیمان احمد چشتی اور حکیم اسرار الحق بھی شریک تھے۔

۱۷- حکیم سردار احمد خان

مولانا حکیم سردار احمد خان مرحوم ساکن محلہ افغانان (کنکوئی) امروہہ، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے فارغ التحصیل عالم اور بلند پایہ طبیب تھے۔ غالباً آپ نے مولانا احمد حسن محدث سے علم طب حاصل کیا۔ بلند شہر میں مطب تھا۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔ وہاج احمد خاں آپ کے بھانجے تھے۔

۱۸- مولانا انوار الحق عباسی

بن منشی عبدالحق عباسی از اولاد مولانا لال بن مولانا رکن الدین عباسی، ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے اخذ علوم کیا۔ اس دوران قرآن شریف بھی حفظ کیا۔ ابتداً ضلع بدایوں، نگینہ، بلند شہر میں مدرس رہے۔ پھر جے پور میں ایک رئیس کے ہاں ملازم رہے۔ بعد میں مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس ہوئے۔ علم فرائض میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ بڑے متقی پرہیز گار عالم تھے۔ راقم الحروف نے مولانا سے فرائض کی کتاب سراجی پڑھی تھی۔ توضیح المسائل آپ کی کتاب کا نام ہے۔ مولانا انوار الحق عباسی، منشی عبدالحق عباسی کے بیٹے تھے۔ ان کا ذکر حضرت محدث نے اپنے خط نمبر ۸ میں کیا ہے۔ عبدالحق عباسی کے ایک بیٹے مولانا نور الحسن عباسی تھے۔ ان کے پوتے قاری عزیز الحق تھے۔ جو مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تجوید و قرأت کے استاد تھے۔ راقم الحروف نے بھی ان سے قراۃ سیکھی۔

۱۹- مولوی احمد حسین خاں

مولوی احمد حسین خاں خلف عباس علی خاں قوم کلال عالم فاضل، ادیب کامل صوفی منش انسان تھے۔ آپ مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگردوں مین تھے۔ آپ نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں پڑھا اور مولانا احمد حسن محدث سے علوم

متداولہ عربی، فارسی کی تکمیل کی۔ ان کے درس حدیث سے فیض یاب ہوئے۔ اور سند فراغ حاصل کی۔ ادبیات عربی کا ذوق تھا۔ سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے۔ ۶۵ سال کی عمر ہوئی۔ تذکرۃ الکرام ص ۳۴۲

۲۰ - مولوی شوکت حسین

مولوی شوکت حسین بن اقبال حسین بن پیر تجمل حسین از اولاد شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن قدس سرہ العزیز ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امروہہ میں مولانا سید احمد حسن محدث سے اخذ علوم کیا۔ جامع علوم، نیک سیرت اور ذاکر و شاغل انسان تھے۔

۲۱ - مولوی حافظ عبدالمغنی انصاری

خلف حافظ نذر اللہ بن شیخ بنیاد علی انصاری مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی آخری زمانے کے تلامذہ میں سے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں جہاں سے تحصیل علم کیا۔ وہیں تاحیات بلا معاوضہ درس دیتے رہے۔ علم حدیث اور فرائض میں درک تھا۔ وہ نیک سیرت، عبادت گزار اور ذی استعداد عالم تھے۔ ان کی عمر کم ہوئی۔ تذکرۃ الکرام ص ۳۴۴

۲۲ - مولانا عبدالباری گڑھ مکتیسری

قاضی عبدالباری گڑھ مکتیسری حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر مکتوبات سید العلماء میں ملتا ہے، لیکن ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۲۳ - حافظ عبدالحئی

دادا صاحب کے ایک خط نمبر ۴۵ مشمولہ (مکتوبات سید العلماً) میں حافظ عبدالحئی کا ذکر ملتا ہے۔ ص ۱۷۲، جو دادا صاحب کے شاگرد تھے، لیکن ان کے

حالات نہ مل سکے۔

۲۴-مولوی میر سید آل علی رضوی

مولوی میر سید آل علی رضوی حضرت مولانا امروہی کے چچا سید فیروز علی کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے حضرت امروہی کے زیر تربیت تعلیم حاصل کی۔ ستر سال کی عمر میں ۱۹۳۳ء/۱۳۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے سات فرزند ہوئے۔ (۱) سید ضیاء النبی رضوی (۲) سید سبط نبی رضوی (۳) عزیز الرحمٰن (۴) حفظ الرحمٰن (۵) ابن علی (۶) سید خورشید حسن رضوی (۷) سید عبد الرحمٰن رضوی (۸) دختر رقیہ۔

۲۵-مولانا عبد الغفور سیوہاروی

مولانا عبد الغفور سیوہاروی، حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ آپ کا حضرت محدث امروہی سے ایک خاص تعلق یہ ہے کہ آپ حضرت محدث کے حلقہ درس کی تقریریں قلم بند کرتے تھے۔ جو مولانا نسیم احمد فریدی کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ حضرت دادا صاحب نے اپنے خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر عبد الغفور سیوہاروی آجائیں تو ان فتاویٰ کو نقل کر دیں۔ درس بیضاوی شریف کی بعض تقریریں مولانا محمد جان نے بھی لکھی ہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے ابتدائی تعلیم مولانا عبد الغفور سیوہاروی سے حاصل کی تھی۔

۲۶-مولانا ظہور علی بچھرایونی

آپ حضرت محدث امروہی کے شاگرد تھے، مولانا ظہور علی بچھرایونی نے بیاض قلمی کے بعض فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ یہ بیاض قلمی وہ ہے جو حضرت محدث امروہوی کے بعض فوائد درس پر مشتمل ہے اور جنھیں ان کے بعض شاگردوں نے قلم بند کیا۔ ان میں سے ایک مولانا ظہور علی بچھرایونی تھے۔ یہ بیاض قلمی پھلاودہ کے کتب خانہ میں تھی، وہاں سے بعض فتاویٰ مولانا نسیم احمد فریدی لے آئے تھے۔ جو ان کے کتب خانہ

میں ہیں۔ اور کتب خانہ پھلا ودہ کے بیاض قلمی بھی مولانا نسیم احمد فریدی کے کتب خانہ میں ہے۔ مولانا ظہور علی بچھرایونی کے شاگردوں میں بڑے بڑے علماً تھے۔ ان میں سے دو کے نام یہ ہیں: (۱) مولانا مفتی عبدالرحمٰن (۲) مولانا حکیم قاری فضل الرحمٰن۔ مولانا ظہور علی بچھرایونی مدرسہ کے فرزند قدیم تھے جو مرادآباد سے حضرت محدث امروہی کے ساتھ امروہہ آئے۔

۲۷- حکیم اسرار الحق صدیقی

مولوی حکیم اسرار الحق صدیقی ہادوی، حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ آپ نے علم طب کی تعلیم حضرت محدث امروہی سے حاصل کی۔ آپ کی وفات ۱۳ رمضان ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ حکیم اسرار الحق صدیقی کا ذکر بھی حضرت محدث امروہی نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔۔

۲۸- شاہ سلیمان احمد ہادوی

شاہ سلیمان احمد صاحب ہادوی محلّہ قریشی امروہہ کے رہنے والے تھے۔ آپ حضرت محدث امروہی کے شاگرد تھے اور انہی سے آپ نے اخذ علوم کیا تھا، شاہ سلیمان احمد، حضرت شاہ عبدالہادی چشتی متوفی ۱۱۹۰ھ کے درگاہ کے سجادہ نشین پنجم تھے۔ ان کی ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں ہوئی۔ اور وفات رجب ۱۳۸۱ھ/یکم جنوری ۱۹۶۲ء کو ہوئی۔

آہ چراغ بزم حیثیت ان کا مادہ تاریخ وفات ہے۔

شوال ۱۳۱۱ء کے بعد حضرت محدث کا ایک خط نمبر ۷۴ مشمولہ مکتوبات سید العلماً سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال مدرسہ میں ذی استعداد طلبہ کثیر تھے۔ حضرت محدث بخاری، مسلم اور ترمذی کا درس دے رہے تھے۔ ترمذی کی جماعت میں ۲۵ طلبہ تھے۔ ان میں شاہ سلیمان احمد چشتی، حکیم اسرار الحق، حکیم ظہور الحق بھی شریک تھے۔

۲۹-مولانا قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی زنجانی مصنف تحفہ آریہ نہ صرف مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ بلکہ ان سے بیعت وارادت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک منظوم کتاب شجرات الاولیاً لکھی ہے۔ جس کا ذکر ہم گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ اس مین انھوں نے حضرت مولانا سید احمد احسن محدث کا شجرۂ بیعت اوپر تک بتانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے سرورق پر انھوں نے مولانا سید احمد حسن کو جن القابات سے نوازا ہے وہ یہ ہیں:

''مہر سپر شریعت، بدر فلک طریقت، امام السالکین، سلطان العارفین، حجۃ اللہ فی العالمین حضرت مولانا سید شاہ احمد حسن صاحب محدث مدظلہ العالی متوطن امروہہ ضلع مرادآباد۔''

(شجرات الاولیاً مطبع خلیل بجنور مطبوعہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء)

مشہور عالم مولانا عبدالصمد صارم الازہری، قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی کے صاحب زادے تھے۔ جن کا ۲۰۰۴ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ماموں تھے۔ قاضی صاحب کی مناجات کا مشہور شعر ہے:

بحق مولوی احمد حسن عالی نسب فاضل | کہ جن کا آستانہ ہے فضیلت بار یااللہ

۳۰-مولانا یحییٰ شاہ جہاں پوری

مولانا یحییٰ شاہ جہاں پوری، افادات احمدیہ قلمی حصہ دوم کا مرتب تھے، یہ قلمی نسخہ پھلاودہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس میں حسن سنبھلی اور مولانا محدث امروہی کے درمیان تحریری مناظرہ ہے۔ اس کے ۸۹ صفحات ہیں ۔ یہ مناظرہ ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء ہے۔ کتابت ۱۳۱۶ء میں ہوئی ۔ یہ مولانا محدث امروہی کی زندگی میں ترتیب دیا گیا ہے اوراس کے مرتب مولانا یحییٰ شاہ جہاں پوری تھے۔ اس کا

موضوع بعض مسائل، عقائد و کلام سے ہے۔ طرفین کے مکتوبات سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔

حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط نمبر ۳ مشمولہ مکتوبات سید العلماءؒ میں اس مناظرہ کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت محدث امروہی نے مولوی محمد حسن سنبھلی کو تقریری مناظرہ کی بھی دعوت دی تھی۔ مگر انھوں نے میدانِ مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی۔ (خط نمبر ۵ صفحہ ۱۰۵ مشمولہ مکتوبات سید العلماءؒ) آخر کار تحریری مناظرہ میں محمد حسن سنبھلی کو شکست ہوئی۔

نوٹ: مولوی محمد حسن سنبھلی اسرائیلی ایک شخص تھا جو سنبھل کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ ظہور حسن تھا۔ روایت ہے کہ اس نے مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعض درسی و غیر درسی کتابوں پر اس کے حواشی بھی ہیں۔

۳۱۔ شیخ الاساتذہ مولانا غلام یحییٰ ہزاروی

شیخ الاساتذہ مولانا غلام یحییٰ ہزاروی مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ سید اشتیاق اظہر اپنی کتاب ''مولانا غلام یحییٰ ہزاروی'' میں لکھتے ہیں:

آپ یعنی مولانا غلام یحییٰ ہزاروی امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں سید العلماءؒ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے اخذ علوم کیا۔ اور جی کھول کر اپنی تشنگی علم بجھائی۔ امروہہ کا قیام ایک طرح سے آپ کی دس سالہ طالب علمی کے دور کی آخری کڑی تھی۔ اس لیے کہ یہاں سے واپسی کے کچھ عرصے بعد آپ متعلم سے معلم بن کر ماہر علوم قرار پائے۔ امروہہ کا یہ آخری دور طالب علمی حضرت مولانا یحییٰ ہزاروی کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ یہیں سے آپ کی علمیت کا سارے ملک میں چرچا شروع ہوا۔

کتاب غلام یحییٰ ہزاروی از اشتیاق اظہر صفحہ ۲۵ مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۶ء میں سید اشتیاق اظہر نے آگے لکھا ہے:

علم حدیث میں حضرت مولانا غلام یحییٰ کے آخری استاد، سید العلماً حضرت مولانا احمد حسن تھے۔ آپ جب دہلی مین حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی محدث دہلوی سے تحصیل علم کر چکے تو پھر آپ وہاں سے امروہہ تشریف لے گئے اور حدیث کے باقی علوم کی تحصیل حضرت سید العلماً سے کی جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث تھے۔

(صفحہ ۳۵ مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۶ء)

مولانا عبدالعلی میرٹھی بھی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگردان میں تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے علماً اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے آخر میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے پاس آتے تھے۔ کیوں کہ یہاں ان کی تشفی ہوتی تھی اور علم سے سیرابی حاصل ہوتی تھی۔

مولانا غلام یحییٰ ہزاروی مدرسہ فیض عام کانپور، جامع العلوم کانپور اور مدرسہ الہیات کانپور تینوں مدرسوں میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ہزارہ پاکستان کا ایک خوبصورت پہاڑی علاقہ ہے۔ جہاں برف پوش چوٹیاں اور بے شمار چشمے ہیں۔ مناظر قدرت کا بہترین منظر پیش کرتا ہے۔ مولانا غلام یحییٰ پاکستان کے صوبہ سرحد کے ہزارو ڈویژن کے صدر مقام ایبٹ آباد کے ایک گاؤں مورکلاں میں ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل ذبیح آپ کے فرزند تھے۔ جو مشہور صحافی تھے۔ آپ کے دوسرے فرزندوں کے نام یہ ہیں: (۱) مولانا عبدالقیوم کانپوری (۲) مولانا اسحاق علی۔

ہزارہ صوبہ سرحد کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ جس کا نام ترکوں کے ایک تاریخی قبیلے ہزارہ کے نام پر ہے۔ یہیں سے سید احمد شہید کی تحریک نے جنم لیا۔

۳۲۔ مولانا شفیق احمد امروہی

مولانا شفیق احمد ساکن محلہ قریشی بریلی کے ہائی اسکول میں عربی کے استاد تھے۔ پنشن لے کر امروہہ آگئے تھے۔ آپ مولانا سید احمد حسن محدث کے

شاگردوں میں تھے۔

۳۳-مولانا حکیم محمد عمر شیر کوٹی

آپ شیرکوٹ کے اچھے طبیب اور خوش لباس انسان تھے۔

۳۴-مولانا سید بدر الحسن

فارغ ہونے کے بعد قادیانی ہو گئے تھے۔ پھر حضرت محدث کی ہدایت پر تائب ہوئے۔

۳۵-مولوی حاجی سید معظم حسنین

خلف سید اعزاز حسنین از اولاد شاہ ولایت میرے والد نے لکھا ہے کہ مولوی سید معظم حسنین میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ اسی نسبت سے وہ عرصے تک مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد کے مہتمم رہے۔ اگرچہ آپ کا درس وتدریس کا مشغلہ نہ تھا۔ لیکن علوم دینیہ کی تبلیغ واشاعت میں دل چسپی لیتے تھے۔ اپنے وقت کا کافی حصہ اس میں صرف کرتے تھے۔ سنی حنفی تھے۔ عقائد باطلہ کے ابطال وتردید میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ مولانا سید معظم حسنین نقوی میرے والد سید محمد رضوی کے معتبر دوستوں میں تھے اور میرے والد اور ہمارے گھر سے خاص محبت وانسیت رکھتے تھے۔ میں بچپن میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ بڑے خلوص اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

۳۶-مولوی سید حبیب احمد افق کاظمی

مولوی سید حبیب احمد افق کاظمی نقشبندی مجددی تھے۔ ان کے والد کا نام حافظ سید یوسف علی تھا۔ وہ ۲۳ رمضان ۱۳۱۰ھ کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اگرچہ میرے دادا فخر المحدثین حضرت مولانا سید احمد حسن کے مکمل شاگردوں میں نہ تھے، مگر انھوں نے تیمناً وتبرکاً اپنی عربی تعلیم کا آغاز میرے دادا حضرت محدث امروہوی سے

کیا تھا۔ بہر حال ان کو حضرت کے شاگردوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اگر کوئی ایک سبق بھی پڑھ لے تو وہ شاگرد ہو جاتا ہے۔ افق کاظمی بڑے اچھے شاعر تھے۔ پانچ دیوان اور نو کتابوں کے مصنف تھے۔ افق کاظمی کا شعر ہے۔

محدث بے بدل علامہ احمد حسن صاحب کہ جن سے علم دین میں نامور ہے شہر امروہہ

۳۷-مولانا حکیم مختار احمد

مولانا حکیم مختار احمد امروہوی، ثم بریلوی ساکن محلہ گھیر مناف از اولاد شیخ ابو المناف حضرت محدث کے شاگرد تھے۔

یہاں تک تو میں نے ان شاگردوں کا تذکرہ کیا جن کے تھوڑے بہت حالات مل سکے۔ اب میں ان شاگردوں کی بقیہ فہرست دیتا ہوں جن کے حالات نہ مل سکے لیکن ان کا شمار حضرت محدث امروہی کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۳۸-مولانا اسمٰعیل سنبھلی

۳۹-مولانا اسمٰعیل انصاری امروہی

۴۰-مولانا فضل حق سہنسپوری

۴۱-مولانا محمد فاروق انبیھٹوی،

سابق شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ و مدرس اول دار العلوم دیوبند۔

۴۲-مولانا ظفریاب خان صاحب بجنوری

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے اور مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں فارسی کے جید استاد تھے۔ آپ کے شاگردوں میں منشی عبد الرب شکیب کا نام آتا ہے۔ جن کا انتقال ۱۹۸۶ء میں ہوا۔

۴۳-مولانا خان زمان صاحب پشاوری

کانپور میں مقیم تھے اور چند کتب صرف ونحو کے مصنف تھے۔صرف ونحو کے امام مانے جاتے تھے۔

۴۴-مولانا محمد نعمت اللہ امروہی بن شیخ امان اللہ،

مدرسہ جامع امروہہ کے مدرس اور نائب مہتمم بھی رہے۔

۴۵-مولانا محمود حسن سہسوانی

۴۶-مولانا عبدالحق پیلی بھیتی

۴۷-مولانا مظہر الحق چاٹگامی

۴۸-حکیم محمد رفیع خان لودھی۔

آپ سے طب کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے نام یہ ہیں: (۱) حکیم حامد حسن افسر الاطبأ (۲) حکیم سید محمود الحسن رضوی فخر الاطبأ (نزھۃ الخواطر ۸/۲۴۳-۲۴۲)

۴۹-مولانا عبدالحلیم پنجابی

یہ حضرت محدث امروہی کے دیو بند کے شاگرد تھے۔فلسفہ کی کتاب صدریٰ کا درس لیا تھا۔

۵۰-مولانا نورالزمان پنجابی کالاباغ

۵۱-منشی چاندخان، ریاضی داں

۵۲-مظاہر طالب علم امروہہ

۵۳-مولانا محمد اسحاق کٹھوری

۵۴-مولانا حافظ محمد یوسف انصاری

۵۵-مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

۵۶-مولانا محمد صدیق قاسمی مرادآبادی

۵۷-مولانا حافظ عبدالحیٔ

۵۸-مولوی عبدالباری سنبھلی۔

آپ حضرت محدث امروہی کے خاص شاگرد تھے۔ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

۵۹-حافظ حمیدالدین سہنسپوری

۶۰-مولانا فیاض علی

۶۱-مولانا شاہ مخدوم ہادوی نقشبندی،

مولانا شاہ سلیمان احمد صاحب کے برادرخورد تھے۔ ولادت ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۵۹ء، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے فارغ التحصیل تھے اور حضرت محدث کے شاگرد تھے۔ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۸۹ھ/ ۹ ستمبر ۱۹۶۹ء کو وفات پائی۔

۶۲-مولانا احمد حسن کانپوری

خط نمبر ۹۳ ص ۲۴۹ مشمولہ مکتوبات سیدالعلماء میں حضرت محدث امروہی نے مولانا احمد حسن کانپوری کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محدث امروہی اپنے معاصرین سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔

نوٹ: مولانا احمد حسن کانپوری پنجاب کے باشندے تھے۔ مولانا لطف اللہ علی

گڑھی سے تعلیم پائی، اس لیے معقولات ومنقولات میں درک رکھتے تھے۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور مین مدرس رہے۔ اس کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں درس وتدریس کی۔ ۱۳۲۲ھ میں کانپور میں انتقال کیا۔

۶۳-مولانا سلطان الدین

مولانا سلطان الدین بن پیر وجیہہ الدین بن پیر کمال الدین رضوی امروہی حضرت شاہ ابن قدس سرہ العزیز کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے خورجہ میں حضرت محدث امروہی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ حضرت محدث کے شاگرد تھے۔ آپ کا انتقال دیوبند میں ہوا۔

باب ششم
عمائدین مدرسہ

ا-نواب وقار الملک

حضرت محدث امروہی کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کی مجلس شوریٰ کے ارکان شہر کے بڑے بڑے عمائدین تھے۔ ان میں سے سب سے بڑی شخصیت نواب وقار الملک کی ہے۔ جو مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور حضرت محدث امروہی سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

وقار الملک نواب مشتاق حسین سراوہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم نے امروہہ میں سکونت اختیار کی، کنبوہ خاندان سے تعلق تھا۔ ریاست حیدرآباد میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ سرسید احمد خاں کے تعلیمی رفقاء میں تھے، مگر یہ رفاقت عقائد میں نہ تھی۔ نواب محسن الملک کے بعد آپ علی گڑھ کالج کے شعبہ انتظامیہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ کی زوجہ اول سے ڈاکٹر محمد احمد تھے، جن کے انتقال کی خبر حضرت محدث امروہی نے اپنے خط مشمولہ مورخہ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں دی ہے۔ یہ خط مکتوبات سید العلماء میں شامل ہے۔ ص ۱۹۰۔ بعد میں زوجہ ثانیہ سے نواب وقار الملک

کے دوسرے صاحبزادے نواب مشتاق احمد ہوئے، جو بیرسٹر تھے۔ جج بھی تھے۔ ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔ نواب وقار الملک کا انتقال ۱۹۱۷ء میں ہوا۔

۲- نادر شاہ خان

مولوی نادر شاہ خان وکیل ساکن محلہ نیا زیاں شہر کے معزز اور باوقار بزرگ تھے۔ حضرت محدث امروہی سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اور عمائدین مدرسہ میں تھے۔ اس طور پر کہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کے مہتمم رہے۔ طلبہ سے بہت اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ۱۳۴۶ھ میں انتقال کیا۔ حضرت محدث امروہی نے اپنے خط نمبر ۸۶ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۹ء میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ خط مکتوبات سید العلماً میں شامل ہے۔

۳- منصف امتیاز علی

منصف امتیاز علی بھی عمائدین مدرسہ میں تھے اور حضرت محدث امروہی سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ وہ تحصیل امروہہ کی کچہری میں منصف کے عہدے پر فائز تھے۔

متوسلین احباب

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے بعض متوسلین بھی تھے۔ یعنی وہ ان کے شاگرد نہ تھے، مگر حضرت سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱- شاہ بہاًالدین

شاہ بہاء الدین نقش بندی امروہوی خلف شاہ امین اللہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن شاہ جہاں پوری خلیفہ شاہ غلام علی مجددی دہلوی سے بیعت تھے۔ مگر حضرت محدث امروہی اور مدرسہ اسلامیہ جامع امروہہ سے خاص تعلق تھا۔ آپ کی وفات ۶

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو ہوئی۔

۲- الحاج محبوب خان

الحاج محبوب خان امروہوی بھی حضرت محدث امروہی سے خاص تعلق رکھتے تھے، اُمّی تھے۔ مگر علم مجلس زیادہ تھا۔ بڑے بڑے علماً، اطباً اور امراً کی صحبت اٹھائی تھی۔ سو سے زیادہ عمر پا کر انتقال کیا۔ حاجی امداد اللہ نے ان سے مولانا احمد حسن سے تعلیم حاصل کرنے کو کہا تھا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے محبوب خان یا بختاور خان کے ذریعے حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کو خط بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ کرتہ بھی بھیجا تھا۔ حاجی صاحب نے حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شجرہ سلاسل بھی روانہ کیا تھا۔ (خط ۵۳ ص ۱۹۰ مشمولہ مکتوبات سید العلماً)

۳- ڈپٹی بشیر احمد

ڈپٹی بشیر احمد فریدی بن شیخ ابدال محمد، مولانا نسیم احمد فریدی کے دادا تھے۔ منشی ارشاد علی، ان کے بڑے بھائی تھے۔ (۱) بشیر النصائح (۲) بشیر المدائح، دو کتابیں ہیں۔ مولوی بشیر احمد فریدی تحصیل امروہہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ پالکی میں آفس جاتے تھے۔ منشی ارشاد علی فریدی پنجاب مین ڈپٹی محکمہ انہار تھے۔ ۱۹۱۵ء میں انتقال ہوا۔

ڈپٹی بشیر احمد سے حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات تھے۔ انھوں نے اپنے خط ۸۳ مورخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مشمولہ مکتوبات سید العلماً۔

۴- شاہ قیام الدین جعفری

شاہ قیام الدین جعفری بن شاہ بدر الدین جعفری سالک و مجذوب بزرگ تھے۔ ان کو حضرت محدث امروہوی سے خاص عقیدت تھی۔ کبھی کبھی مدرسہ اسلامیہ

جامع مسجد آکر آپ کے درس میں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ کی تعظیم وتکریم میں حضرت محدث امروہی طلبہ کا سبق ملتوی کرنا چاہتے تو فرماتے میاں جی آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ میں بیٹھتا ہوں۔ کبھی حدیث وتفسیر کا سبق سنتے۔ کبھی تھوڑی دیر میں کھڑے ہو جاتے۔ ۱۷ شعبان ۱۹۰۲ء کو شاہ صاحب کا انتقال ہوا تو حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۵- پیر جی علی جان

پیر سید علی جان بن پیر سید امین الدین رضوی حضرت شاہ اب قدس سرہ العزیز کی اولاد میں مشہور ومعروف شخصیت تھے۔ آپ وجاہت وریاست میں ممتاز تھے۔ امروہہ میں علی جان منزل جو ایک عظیم الشان تعمیر ہے۔ آپ کی یادمعمار ہے۔ حضرت مولانا سید احمد محدث امرہوی سے خاندانی تعلق کے علاوہ بہت زیادہ رابطہ تھا۔

۶- منشی حمید الدین بیخود سنبھلی

منشی حمید الدین بیخود سنبھلی اگرچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے۔ مگر حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی سے خاص تعلق خاطر رکھتے تھے۔ انھوں نے حذرجہ سے حضرت محدث امروہی کو سنبھلی بلالیا اور یہاں جامع مسجد سنبھل کے قریب ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ حضرت محدث سنبھل ایک سال سے زیادہ نہیں رہے۔ خان صاحب عبداللہ خان خورجوی منت ساجت کر کے اور منشی حمید الدین بیخود سنبھلی کو راضی کر کے پھر خورجہ لے آئے۔ وہاں سے ایک سال کے اندر استعفیٰ دے کر مدرسہ عبدالرب دہلی آئے۔ وہاں بھی تقریباً ایک سال رہے۔ ظہور الدین عیش سنبھلی، منشی حمید الدین بےخود سنبھلی کے صاحبزادے تھے۔ منشی حمید الدین سنبھلی کا ذکر حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطوط میں بار بار کیا۔ وہ امروہہ حضرت دادا صاحب سے ملنے آتے تھے۔

ان شخصیات کا تذکرہ لکھنے سے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضرت دادا صاحب کے کتنی بڑی بڑی شخصیات سے تعلقات تھے۔ وہ بہت سوشل تھے اور خاص و عام دونوں میں مقبول تھے۔

۷-رفیع الدین عثمانی

ان کے والد کا نام مولانا فرید الدین دیوبندی تھا۔ وہ سید احمد شہید کے رفقا میں سے تھے۔ ان کے تین بھائی (۱) بلند بخت (۲) فتح علی (۳) سید احم، جہاد بالاکوٹ میں شہید ہوئے، شاہ رفیع الدین ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں وفات پائی۔ مفتی عزیز الرحمٰن ان کے فرزند تھے۔ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے پوتے تھے۔ حضرت محدث امروہی کے خط میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

۸-شیخ الہند مولانا محمود الحسن

مولانا محمود الحسن دیوبندی بن مولوی ذوالفقار علی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں بانس بریلی روہیل کھنڈ میں پیدا ہوئے، وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے اور مولانا سید احمد حسن محدث کے ہم درس تھے۔ ان دونوں کی دستار بندی ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ مولانا محمود الحسن کا انتقال ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ء مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو دیوبند میں ہوا۔ حضرت مولانا محمود الحسن، مولانا احمد حسن محدث کے خاص دوستوں میں تھے۔ مولانا امروہی کے انتقال پر انھوں نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا تھا۔

۹-حکیم سید علی حسن رضوی

حکیم سید علی حسن رضوی بن حکیم سید نثار علی رضوی بن حکیم حسن عسکری بن رضوی از اولاد شاہ ابن قدس سرہ العزیز اطبائے خاندان عسکری میں ایک خاص مقام

رکھتے تھے عالم، محدث اور فن طب کے ماہر تھے۔ مفتی صدرالدین محدث دہلوی سے درس حدیث لیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی سے بھی بعض کتابیں پڑھیں۔ نواب صدیق حسن قنوجی کے شریک دورۂ حدیث رہے۔ نواب آف ٹونک کے خاص طبیب تھے۔ آپ کا انتقال ۲ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو ہوا۔

آپ مولانا سید احمد حسن محدث کے خاص دوستوں میں تھے۔ حضرت محدث امروہی نے اپنے خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خط ۵۶ ص ۱۶۵ مشمولہ مکتوبات سید العلماؑ۔

۱۰-نواب چھتاری

نواب حافظ احمد سعید خاں چھتاری حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے مرید تھے۔ وہ ان سے بیعت وارادت رکھتے تھے اور مدرسے کی مالی امداد بھی کرتے تھے۔ ان کے دادا نواب محمود علی خاں نے چھتاری میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ وہ دیوبندی مسلک کے تھے۔ جہاں مولانا احمد حسن طلبہ کا امتحان لینے جایا کرتے تھے۔ چھتاری، بلند شہر میں ایک تعلقہ کا نام ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کا منافع دو لاکھ پینسٹھ ہزار تھا۔ نواب سر احمد سعید خاں اس ریاست کے آخری رئیس اور تعلقدار تھے۔ ان کا شمار علی گڑھ اور بلند شہر کے چوٹی کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ملک میں ان کی شہرت ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد یہی چھتاری کے رئیس ہوئے۔ نواب صاحب کی نسل راجپوت تھی۔ ان کے والد کا نام کنور عبدالعلی تھا۔ نینی تال میں بھی ان کی کوٹھی پراسپکٹ لاج کے نام سے تھی۔ حافظ احمد سعید خاں برصغیر پاک و ہند کے نامور فرزند تھے۔ ان کی پیدائش ان کے ماموں راؤ خورشید علی خاں نواب آف باغپت ضلع میرٹھ میں ۱۱ جنوری ۱۸۸۹ء کو ہوئی۔ سب سے پہلے انھیں قرآن حفظ کرایا گیا۔

انھوں نے میکڈانل ہال مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۱۹۰۴ء میں تعلیم حاصل

کی۔ان کے ہم جماعتوں میں سر سکندر حیات اور خواجہ ناظم الدین تھے۔علی گڑھ میں ان کی کوٹھی بھی تھی۔اس میں مسجد بھی تھی۔اس کا نام سعید منزل تھا،وہ انھوں نے ہی تعمیر کرائی تھی۔وہ نظام حیدرآباد کی ریاست میں مدارالمہام وزیراعظم بھی رہے۔ اس زمانے میں حیدرآباد سب سے بڑی ریاست تھی۔اس کا اپنا سکہ،اپنا ڈاک خانہ، ریلوے اور ہوائی سروس تھی۔نظام نے ان کو سعید الملک کا خطاب دیا۔نظام ریلوے انہی کے زمانے میں شروع ہوئی۔جولائی ۱۹۴۶ء کو نواب احمد سعید خاں علی گڑھ واپس آگئے۔وہ ۱۹۶۲ء میں مسلم یونیورسٹی کے چانسلر مقرر ہوئے۔انھوں نے اپنی خودنوشت یادایام کے نام سے لکھی تھی،جس کی زبان ادبی ہے۔

نواب صاحب کا رعب دار چہرہ ، راجپوتوں جیسی مونچھیں،عقابی آنکھیں تھیں۔انھوں نے ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا۔۹۳ سال کی عمر پائی۔ چھتاری میں تدفین ہوئی۔ نواب حافظ احمد سعید خاں صاحب،حضرت مولانا سید احمد حسن محدث سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور اظہار عقیدت کے لیے امروہہ ان سے ملنے آتے تھے۔ حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی ان کا تعلق ہمارے گھرانے سے رہا۔وہ مالی امداد بھی کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ انھوں نے میرے زمانہ طالب علمی میں دوسو روپے مدد معاش کے طور پر بھجوائے تھے۔جو سبط علی ماموں سید سبط علی جعفری (تحصیلدار) آنریری خزانچی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ نے لاکر میری والدہ کو دیے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے مریدین کا حلقہ نوابان ریاست تک پہنچا ہوا تھا۔

۱۱- حافظ زاہد حسن

حافظ زاہد حسن میرے دادا کے شاگرد نہیں تھے۔لیکن ان سے فیض یافتہ تھے۔حافظ زاہد حسن دیوبند میں بیمار ہوگئے تھے۔ان کو لے کر دادا صاحب امروہہ آئے تھے۔ان کی بیماری کا تذکرہ ان کے خط نمبر ۱۴۹ میں ہے،صفحہ ۳۲۸،مشمولہ

مکتوبات سید العلماءؒ میں ہے حافظ زاہد حسن نے میرے والد سید محمد رضوی کے قائم کردہ مدرسہ چلّہ امروہہ میں تعاون کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے مالٹا سے حافظ زاہد حسن کو خطوط لکھے تھے۔ ان خطوں میں انھوں نے میرے والد کے بارے میں استفسار کیا ہے اور یہ پوچھا ہے کہ یہ تو فرمائیے کہ حضرت مولانا کے صاحبزادے کون سی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ جب اس استفسار کا حافظ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا تو دوسرے خط میں پھر حضرت شیخ الہند نے استفسار کیا۔ حافظ زاہد حسن ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ بمرض فالج کئی سال مبتلا ہو کر ۱۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ وہ مدرسہ اسلامیہ امروہہ کے نائب مہتمم بھی رہے، لیکن ان کا دل صاف نہیں تھا۔

اگر مولوی جمعہ اور حافظ زاہد حسن میرے والد حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کا مہتمم بننے دیتے تو ہمارے گھر کا نقشہ بدلا ہوا ہوتا۔

مریدین

مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے مریدین میں تین نام اور ملتے ہیں، جو یہ ہیں:

۱۲۔ مولانا بشیر بھٹہ: یوپی اسمبلی کے ممبر .M.L.A تھے۔ ان کا بھٹہ تھا۔ اس لیے بشیر بھٹہ کہلاتے تھے۔ انھوں نے لکھنؤ میں چودھری خلیق الزماں کا پریس اور اخبار تنویر خرید لیا تھا۔ اس کا دفتر امین آباد میں تھا۔ یہ عمارت دو منزلہ تھی راقم الحروف نے جب لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب (عربی) کا امتحان دیا تو اس عمارت میں قیام کیا تھا۔ مولانا نے میرا بہت خیال رکھا۔ کیوں کہ وہ میرے دادا کے مرید تھے۔ وہ نہٹور کے رہنے والے تھے۔ ان کے ایک بھتیجے حلیم تھے۔ شام کو تنویر اخبار کے دفتر میں شہر کے بڑے بڑے سیاسی رہنما جمع ہوتے تھے۔ میں نے وہاں حیات اللہ انصاری

مى

ایڈیٹر قومی زبان اور حافظ ابراہیم اور ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی کو دیکھا اور ملا۔

۱۳۔ ایک اور نام حافظ ابراہیم کا ہے۔ حافظ ابراہیم سیوہارہ کے رہنے والے تھے۔ وہ بھی یوپی اسمبلی کے .M.L.A تھے۔ حکومت یوپی میں منسٹر رہے۔ پھر ممبر پارلیمنٹ ہوئے تھے۔ اندرا گاندھی کی کابینہ میں وزیر برقیات تھے۔ وہ بھی میرے دادا کے مرید تھے۔ تنویر کے ایڈیٹر نفیس ان کے بڑے صاحبزادے تھے۔

۱۴۔ مولانا عبدالرحمٰن خورجوی بھی میرے دادا مولانا سید احمد حسن کے مرید تھے۔ خورجہ کا واقعہ انہی کی دادی کا ہے، جنھوں نے خواب میں رسول اللہؐ کو دیکھا تھا اور میرے دادا کے بارے میں کہا تھا کہ یہ میرا لڑکا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن خان خورجوی بڑے عالم فاضل انسان تھے۔ وہ فارسی میں میرے دادا کو خطوط لکھتے تھے۔ سجدہ تحیہ پر استفسار انہی کا ہے۔ جس کا جواب میرے دادا نے فارسی میں دیا ہے۔

ابنائے مدرسہ

۱۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ابنائے مدرسہ میں تھے، کیوں کہ انھوں نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ہی میں پڑھا اور پھر سند فراغ حاصل کرنے کے بعد اسی مدرسہ میں صدر مدرس ہوئے۔ مولانا عبدالصمد صارم الازہری نے بھی ان سے پڑھا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری اگرچہ میرے دادا کے شاگرد نہ تھے لیکن انھوں نے مولانا سید احمد حسن محدث کے تلمیذ اور داماد مولانا سید رضا حسن صاحب سے پڑھا تھا۔ جو اس وقت مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن بڑے پائے کے عالم اور مصنف تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱- بلاغ مبین ۲- اسلام کا اقتصادی نظام۔

وہ جمعیۃ العلماء ہند کے جنرل سیکریٹری تھے اور مدرسہ کے نامور فرزند

تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن اسلام کے بطل جلیل تھے۔ وہ علم و دانش کے پیکر اور میدان سیاست کے شہسوار تھے۔

ان کی ذات گرامی، اسلامیان ہند کے لئے مشعل راہ تھی۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی کے پھنسے ہوئے مسلمانوں کو جس طرح بچایا وہ ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی مجاہدانہ خدمات کے سلسلے میں قوم نے ان کو مجاہد ملت کا خطاب دیا۔ جس طرح انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے علمی نوادرات کو محفوظ کیا۔ اسی طرح انھوں نے سیاست میں اپنے مدبرانہ فیصلوں سے قوم کی رہنمائی کی۔ ان کی تنہا ذات سے دین اور خیر کے بہت سے شعبے چل رہے تھے۔

انھوں نے امن کے قیام اور انسانی اقدار کی بحالی میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ انڈین پارلیمنٹ کے ممبر تھے اور پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے حق میں ہر نازک موقع پر آواز بلند کرتے تھے۔ انھوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے پوری عمر رات دن محنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ اعلیٰ درجے کے مدرس تھے۔ معقولات اور منقولات دونوں میں درک رکھتے تھے۔ وہ بہترین مقرر تھے۔ ان کی تقریریں فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہوتی تھیں۔ جو روانی ان کی تقریروں میں ہوتی تھی۔ ایسی تقریریں کم سننے میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں قائدانہ صلاحیت رکھی تھی۔ وہ عام انتخابات میں حصہ لیتے تھے اور بھاری اکثریت سے ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے مقبول ترین مذہبی پیشوا اور قومی رہنما تھے۔ ان کی شخصیت فضائل علمی کا حسین مرقع تھی۔ مختلف علوم وفنون پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ حافظہ قوی تھا۔ عربی بھی روانی سے بولتے تھے۔ وہ نہایت ذہین، معاملہ فہم اور باریک بین انسان تھے۔ علم و مطالعہ کے ساتھ ساتھ ان کا اخلاق بھی بہت اچھا تھا۔ چھوٹوں پر شفقت، دوستوں سے محبت اور بزرگوں کا احترام ان کے اخلاق کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی کی ادارتی رہنمائی فرماتے تھے۔ میں نے مولانا عثمان فارقلیط ایڈیٹر

الجمیعۃ کو ان سے ہدایات لیتے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نطق و بیان کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ گفتگو معقولیت اور استدلال سے کرتے تھے۔ ان میں فکر کے ساتھ عمل، تدبر کے ساتھ حسن انتظام بھی تھا۔ ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق بہت روشن ہے۔ انھوں نے غیر ملکی استعمار اور جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ جہاد حریت کے سرفروش سپاہی تھے۔ انھوں نے بغیر صلہ و ستائش کی تمنا کے بے لوث ہو کر ملک و قوم کی خدمت کی۔ ان کا شمار امت کے بلند پایہ علمائے حق میں ہوتا ہے۔

انھوں نے وقت کے چیلنجوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ ان میں ایک مجاہدانہ شان تھی۔ وہ غیرت و شجاعت کا پیکر تھے۔ وہ علوئے ہمت اور عمل بالعزیمت کی مثال تھے۔ تصنیف و تالیف، درس و تدریس، علوم اسلامی کی تبلیغ و اشاعت ان کا ہدف تھا۔ اگرچہ وہ سیاست کے مرد میدان تھے۔ لیکن وہ صاحب علم و قلم بھی تھے۔ وہ ایک باعمل اور مثالی لیڈر رہے۔ وہ اسلام کے پاسبان اور وکیل تھے۔ ان کی شخصیت میں عظمت کردار، شخص و جاہت، علمی تبحر، سوز دروں اور حسن خطابت تھا۔ غرض مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک ہمہ جہت اور جامع الصفات شخصیت تھے۔ انھوں نے ہندوستان میں دین اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے بڑا کام کیا۔ وہ عزم و استقامت کا کوہ گران تھے۔ سیاست کے علاوہ وہ ایک بلند پایہ عالم بھی تھے۔ تاریخ، معاشیات پر ان کی گہری نظر تھی۔

۲۔ مفتی محمود

پاکستان کے مفتی محمود بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ وہ اگرچہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے لیکن ان کی آخری سند حدیث امروہہ کی ہے۔ مفتی محمود نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ داخلہ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم اکبری خطیب گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسمٰعیل خان، سوانح مفتی محمود میں لکھتے ہیں۔

(مفتی) محمود، جان محمد، سعد اللہ جان (مولانا عبدالحکیم اکبری کے عم زاد) اور ایک وزیرستانی طالبعلم وہاں (یعنی مراد آباد) سے امروہہ گئے اور مدرسہ اسلامی

میں داخل ہوئے۔ (مفتی) محمود اور سعد اللہ جان دورۂ حدیث کے شرکاء تھے چونکہ اس مدرسہ میں باقاعدہ سند دینے اور اسکے اندراج کا انتظام نہیں تھا۔ اس لئے دونوں ساتھی (یعنی مفتی محمود اور سعد اللہ جان) تعلیمی سال کے اختتام پر شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تحریری سند حدیث کی درخواست کی۔ مولانا نے ان کا امتحان لیا اور اپنے دست مبارک سے درج ذیل تحریر بہ طور سند عطا فرمائی۔ اس کے سند کا عکس یہ ہے۔ (۷۲)

اسی کتاب میں ایک دوسرا حوالہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود مفتی محمود نے فرمایا کہ میں امروہہ رہا ہوں۔ (۷۳)

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ مفتی محمود اگرچہ میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے براہ راست شاگرد نہیں تھے لیکن حضرت محدث امروہوی کے محبوب شاگرد حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی کے شاگرد تھے اور ان کی آخری سند حدیث مدرسہ امروہہ کی تھی۔ یہ سند حدیث ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۱ء کی ہے۔ مفتی محمود سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ وہ سیاسی رہنما ہونے کے علاوہ ایک جامع جہات شخصیت تھے۔ وہ دین حق کے داعی، عظیم محدث وفقیہہ اور ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ مفتی محمود ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں پنیالہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ۹ر جنوری ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ سند فراغ حاصل کرنے کے بعد وہ مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں مدرس ہوئے۔ پھر مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مسند تدریس وافتاء پر رونق افروز ہوئے اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ مفتی محمود نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ آپ کا انتقال ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ہوا۔ مولانا

(۷۲) کتاب 'مفتی محمود ایک قومی رہنما' مرتبہ فاروق قریشی، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی صفحہ ۵۲ مطبوعہ اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۷۳) ایضاً صفحہ 81-82

فضل الرحمٰن ممبر قومی اسمبلی آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ وہ دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان کی سن پیدائش ۱۹۵۳ء ہے۔ مفتی محمود کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے پاکستان میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی کوشش کی۔ چنانچہ اس سلسلے میں جنرل ضیاء کے دور میں زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس نافذ کرایا جس کے ذریعے بینک سے زکوٰۃ کاٹی جانے لگی۔ انھوں نے تحریک ختم نبوت، عائلی قوانین کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔ تحریک نفاذ شریعت اور حدود کا اجراء ان کے بڑے کارنامے ہیں۔

۳۔ مولانا محمد طس مجلس علمی والے

مولانا محمد طس ڈائریکٹر مجلس علمی کراچی بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ انھوں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا تھا۔ ۱۹۴۰ء-۱۹۴۴ء تک پھر سند فراغ کے بعد اسی مدرسہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا محمد طس صاحب بھی اگرچہ میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن کے براہ راست شاگرد نہیں تھے لیکن انھوں نے مولانا سید احمد حسن محدث کے تلمیذ اور داماد مولانا سید رضا حسن سے درس حدیث لیا تھا۔ جو اس وقت مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے۔ مولانا محمد طس کا قیام بھی مدرسہ کے ہوسٹل میں تھا۔ جہاں ان کے ساتھ مولانا ابراہیم بلیاوی صاحب بھی رہتے تھے۔ مولانا ابراہیم بلیاوی (فلسفے والے) بھی مدرسہ میں مدرس رہے ہیں۔ راقم الحروف کو مولانا محمد طس سے شرف ملاقات حاصل ہے۔ ان کے ساتھ میری ایک یاد بھی وابستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمانہ طالبعلمی میں میں نے اپنی پہلی تقریر مدرسہ کے دارالحدیث ہال میں مولانا محمد طس کی صدارت میں کی تھی۔ یہ غالباً ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔

۴۔ مولانا عبدالعزیز میمن

علامہ عبدالعزیز میمن بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۰۹ء تک مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا تھا۔ اس کا ایک ثبوت تو

وہ خط ہے جو مولانا محمود احمد عباسی نے مجھے لکھا تھا۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالعزیز میمن نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں پڑھا تھا۔ یہ خط مشاہیر کے خطوط میں چھپ چکا ہے۔ دوسرا ثبوت وہ انٹرویو ہے جو میں نے علامہ عبدالعزیز میمن سے ۱۹۷۴ء میں عطیہ خلیل عرب کے گھر واقع سبزی منڈی میں لیا تھا۔ اس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ میں نے امروہہ کے مدرسہ میں پڑھا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نے آپ کے دادا کو دیکھا ہے۔ بڑی نورانی شکل تھی ان کی وہ بڑی کتابیں پڑھاتے تھے اور ان سے انھوں نے شاید کچھ سبق لئے تھے۔ یہ گفتگو ریکارڈ بھی کر لی گئی تھی۔ اگر عطیہ خلیل عرب سے وہ انٹرویو کی کاپی اور کیسٹ مل جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔ اس انٹرویو کے بعد علامہ عبدالعزیز کے ساتھ میرا ایک فوٹو بھی ہوا تھا جو چھپ چکا ہے۔

علامہ عبدالعزیز میمن عربی زبان کے مشہور ادیب، محقق اور عالم تھے۔ وہ راج کوٹ کاٹھیا واڑ گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہ ۱۸۸۸ء میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالعزیز میمن اورینٹل کالج میں عربی کے استاد تھے۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ریڈر ہوئے۔ وہ ۱۹۵۰ء میں صدر شعبہ عربی کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کے شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱- ڈاکٹر محمد یوسف سابق صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی
۲- ڈاکٹر خورشید فارق سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی
۳- ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی
۴- ڈاکٹر مختار الدین آرزو

علامہ عبدالعزیز میمن نے امالی لقالی کی شرح کی تھی جو سمط اللیالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے ان کی عرب دنیا میں شہرت ہوئی۔ حماسہ اور متبنی کے دوادین کا انتخاب الطرائف الادبیہ کے نام سے کیا۔ میمن صاحب نے عبدالقادر بغدادی کی خزانۃ الادب کو چار جلدوں میں ایڈٹ کیا۔ انھوں نے عربی لغت لسان العرب کی

بھی تصحیح کی۔ انھوں نے کراچی یونیورسٹی میں شعبہ عربی قائم کیا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے ڈائریکٹر بھی رہے۔

انھوں نے یاقوت حموی کی معجم الادبا پر نقد وتبصرہ بھی کیا۔ مولانا عبدالعزیز میمن علمائے سلف کا نمونہ تھے۔ ہزاروں عربی اشعار نوک زبان تھے۔ دیوانہ حماسہ دیوان متنبی تقریباً حفظ تھا۔ مفضلیات، الکامل للمبرد اور جاحظ کی البیان والتبیین کے بیشتر حصے ازبر تھے۔ وہ عربی ممالک میں ابوالعلا المعری پر اتھارٹی تصور کیے جاتے تھے۔ ان کی شرح سمط اللیالی فی شرح امالی للقالی کی مصر کے مشہور ادیب احمد امین اور محمود شاکر نے تعریف کی ہے۔ علامہ عبدالعزیز میمن کی مدد ایک مستشرق کرنیکو نے کی تھی۔ جو جرمن مستشرق تھے۔ علامہ عبدالعزیز میمن کا انتقال ۲۷- اکتوبر ۱۹۷۸ء کو کراچی میں ہوا۔ راقم الحروف کو ان سے کئی مرتبہ شرف ملاقات حاصل ہوا۔

۵- شیخ الحدیث مولانا انوارالحق صدیقی

مولانا انوارالحق صدیقی بڑے عالم و فاضل اور قابل شخصیت تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ فضل حق تھا۔ وہ محلہ بٹوال کے ساکن تھے۔ ۱۳۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم حاصل کی اور مولانا سید رضا حسن تلمیذ حضرت مولانا سید احمد حسن محدث سے درس حدیث لیا۔ جو اس زمانے میں مدرسہ میں شیخ الحدیث تھے۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے درس میں بھی شامل رہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی کے خدمت میں بھی حاضر رہے۔ پھر میرے والد حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کے قائم کردہ مدرسہ چلہ مین شیخ الحدیث ہوئے۔ راقم الحروف نے زیادہ تر عربی کی کتابیں انہیں سے پڑھیں۔ جن میں سے کچھ کے نام پہلے دے چکا ہوں۔ باقی کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) الشعر والشعراء لابن قتیبہ (۲) مجانی الادب (۳) المحف (۴) نقد الشعر شرح وقایہ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صدیقی نے اپنے وقت کے مشاہیر علماء سے اکتساب علم کیا۔ یہاں تک کہ آپ علوم دینی اور علوم معقول ومنقول میں کامل ہوگئے۔ آپ علم و دانش کا پہاڑ تھے۔ آپ میں تقویٰ، طہارت اور استقامت تھی۔ نفس کشی، جسمانی آلام اور قوت لایموت کے ساتھ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت کا شہرہ تھا۔ بڑے اچھی شہرت علمی کے مالک تھے۔ اپنی علمیت اور تعلیم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔

مولانا نے تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ چلہ سے ہوا۔ اور وہیں آخر عمر تک پڑھاتے رہے۔ وہ آسمان علم پر سورج بن کر چمکے۔ آپ کو علم کلام، فلسفہ ومنطق اور دینی علوم، حدیث وتفسیر پر دسترس حاصل تھی۔ آپ کی نگاہ علوم قرآن وحدیث اور فقہ و تفسیر پر تھی۔ جدید عربی ادب پر بھی عبور تھا۔ میں نے آپ سے المنتخب پڑھی تھی جو جدید شعرائے مصر وعراق ا۔ حافظ ابراہم ۲۔ محسن کاظمی ۲۔ شوقی بک کے مشکل ترین عربی کلام کا مجموعہ ہے جس کا سمجھنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔

آپ جس مسند علم پر متمکن تھے اس سے ہر مشکل، مغلق اور ثقیل عربی کلام کو آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ ان کے علم کی تشنگی بجھ جاتی تھی۔ آپ نے ساری زندگی انتہائی سادگی سے بسر کی۔ کرتا اور شلوار آپ کا عام لباس تھا۔ سر پر ہمیشہ ٹوپی رہتی تھی۔ آپ عام طور پر کہیں کی دعوت قبول نہیں فرماتے تھے۔ شادی اور نکاح کی تقریبات میں کم جاتے تھے۔ امامت اور خطابت سے بھی گریز تھا۔ آپ علم وفضل کا پیکر تھے۔ حدیث وتفسیر کے علاوہ آپ کو عربی ادب میں مہارت حاصل تھی۔ میں نے ان سے زیادہ تر عربی ادب کی کتابیں پڑھیں۔ دوران درس طلبہ کے شکوک وشبہات کو بڑی حد تک دور کر دیتے تھے اور ان کا شافی جواب دیتے تھے۔ جب خاموش بیٹھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کسی گہرے خیال میں مستغرق ہیں۔ علم مین ڈوب کر درس دیتے تھے۔ درسیات میں اعلیٰ مقام کے مالک تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف وترجمہ کا بھی سلسلہ تھا۔ مگر ان کی تصانیف اور تراجم کا علم نہ ہو سکا۔

مولانا دوران درس خوش مزاجی اور خوش خلقی سے بھی پیش آتے تھے۔ وہ ایک معتبر عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا انوار الحق صدیقی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آپ کے سینے میں علم کا ایک دریا موجزن تھا جس سے بہت سے تلامذہ نے سیرابی حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا انوار الحق صدیقی کی ساری زندگی طہارت، پاکیزگی، سچائی، خلوص، ایثار، تقویٰ کا ایک اعلیٰ اور اچھوتا نمونہ تھی۔ ان کی بڑائی اور عظمت ان کا علم وفضل اور فیض عرفان میں تھی۔ فضائل علمی کا ایک چشمہ رُواں تھے۔ وہ علم وفضل، صلاح وتقویٰ، زہد وقناعت، دعوت وعزیمت اور ہمت وشجاعت میں سلف صالحین کی مثال تھے۔ وہ مفسر، محدث وفقیہہ تھے اور عالم بے بدل تھے۔

۶-مولانا سراج احمد خان

مولانا سراج احمد خان بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ انھوں نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کی سن پیدائش ۱۸۹۰ء ہے۔ وہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی تلمیذ حضرت مولانا سید احمد محدث کے شاگرد تھے۔ سند فراغت کے بعد کچھ عرصہ سنبھل پور میں درس دیا۔ پھر مدرسہ عربیہ کٹرہ موسیٰ خان میں عربی کے مدرس دوم رہے۔ مولانا عبدالصمد صارم الازہری کی تحریر کے (۷۴) مطابق مولانا سراج احمد ساکن محلہ بڑوال امروہہ سیوہارہ کے مدرسہ میں بھی صدر مدرس رہے۔ وہاں سے پھر وہ مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون گئے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس دوم ہوئے۔ جامع مسجد کے امام بھی مقرر ہوئے۔ راقم الحروف نے ان سے تفسیر جلالین پڑھی تھی اور اصول فقہ کی کتب۔ اصول الشاشی کا درس لیا تھا۔

---

(۷۴) خط بنام ڈاکٹر ریاض الاسلام پروفیسر ایمریطس کراچی یونیورسٹی مورخہ ۱۵رجنوری ۲۰۰۳ء

۷۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس

شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ انھوں نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا اور اپنے والد جو میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سے سند فراغ حاصل کی اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ راقم الحروف نے بھی ان سے اکتساب علم کیا۔ وہ میرے اساتذہ میں تھے۔ ان سے میں نے جو کتابیں پڑھیں ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ تلخیص المفتاح

۲۔ سبع معلقات

۳۔ متنبی

۴۔ کلیلہ و دمنہ

۵۔ حماسہ ۶۔قصیدۂ بانت سعاد

وہ فقہ، حدیث، علم و دانش کا حسین پیکر تھے۔ مسند حدیث پر متمکن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالقدوس کو ذہن و دماغ کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مولانا سید احمد حسن محدث نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں جو چراغ روشن کیا تھا۔ انھوں نے اس کے اجالے کو پھیلایا۔ وہ علم و عقل کے اعلیٰ اوصاف سے متصف تھے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ کے در و دیوار آج بھی ان کی یادوں کو نہیں بھولے۔ وہ حدیث کی بڑی کتابوں بخاری اور صحیح مسلم کا درس دیتے تھے۔ ان کی درسی تقریر میں ربط و تسلسل اور حاضر دماغی ہوتی تھی۔ استاد مکرم نے بڑی خندہ پیشانی سے علم کی ترویج کی۔ ان کے اندر سنجیدگی، متانت اور صبر و تحمل تھا۔ وہ بھی میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے مزار مبارک واقع جامع مسجد امروہہ میں بائیں جانب مدفون ہیں۔

۸-مولانا فضل احمد

مولانا فضل احمد بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔انھوں نے بھی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا تھا اور اسی مدرسے کے فارغ التحصیل تھے۔وہ نیک کردار عالم تھے۔سندفراغ کے بعد میرے والد حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کے قائم کردہ مدرسہ چلہ میں مدرس ہوئے اور پھر ترقی کرکے صدر مدرس اور نائب مہتمم بنے۔وہ مدرسہ چلہ کے لئے کلکتہ سے چندہ لاتے تھے۔راقم الحروف نے ان سے بھی پڑھا ہے۔کنزالدقائق اور کافیہ کا درس لیا۔

۹-مولانا منظور احمد

مولانا منظور احمد بھی ابنائے مدرسہ میں ہیں۔انھوں نے بھی مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد سے سندفراغ حاصل کی اور پھر اسی مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔بڑے قابل انسان ہیں۔دیہات اور مضافاتِ امروہہ میں انھوں نے اشاعت دین کا بڑا کام انجام دیا۔مدرسہ کے سرگرم کارکنوں میں ہیں۔راقم الحروف نے ان سے مقامات حریری،مفید الطالبین اور نفحۃ الیمن پڑھی۔

۱۰-مولانا محمود احمد عباسی

مولانا محمود احمد عباسی اگرچہ ابنائے مدرسہ میں نہیں تھے۔لیکن وہ میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔اس کا ثبوت ان کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے اپنی کتاب تذکرۃ الکرام جلد ثانی تاریخ امروہہ میں میرے دادا کے بارے میں بڑی محبت میں ڈوب کرلکھا ہے۔دوسری بات یہ کہ انھوں نے اپنی کتاب تاریخ امروہہ کو جن چار بڑی شخصیات کے نام منسوب کیا ہے۔اس میں میرے دادا سید احمد حسن کا نام بھی شامل ہے۔مولانا محمود احمد عباسی کے پورے خاندان کو ہمارے خانوادے سے گہری محبت تھی۔مولانا محمود احمد عباسی ۱۴ر جمادی

الثانی ۱۳۰۲ھ کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا شاہ احمد علی تھے۔ ان کے نانا صوفی غلام محمد صدیقی مرحوم تھے۔ انھوں نے ۱۸۹۷ء امروہہ ہائی اسکول میں پڑھا۔ ڈاکٹر محمد احسن عباسی ان کے بڑے بھائی تھے۔ انھوں نے اناؤ رائے بریلی میں ثانوی تعلیم حاصل کی۔ محمود احمد عباسی کے بڑے بھائی محمد داؤد عباسی تھے۔ جن کے نام پر ان کا مکان داؤد منزل تھا۔ وہ ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ میں ملازم ہوئے۔ جہاں مسلسل چودہ برس تک اسسٹنٹ سکریٹری اور سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر ہوئے۔ انھوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان کی ماتحتی میں دس سال کام کیا۔ اس زمانے میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کانفرنس کے آنریری سیکریٹری تھے۔ انہی کے زمانے میں مولانا محمود احمد عباسی کو کانفرنس سے سبکدوش کیا گیا۔

مولانا محمود احمد عباسی عظیم مورخ محقق اور اہل علم تھے۔ امروہہ پر ان کی تاریخ امروہہ استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ تین جلدوں میں اتنی ضخیم تاریخ اب تک امروہہ کی نہیں لکھی گئی۔ ان کی تاریخ امروہہ کی تینوں جلدوں کے نام یہ ہیں:

۱- تاریخ امروہہ
۲- تذکرۃ الکرام
۳- تحقیق الانساب (جلد سوئم)

اس کے علاوہ بھی وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں 'خلافت معاویہ و یزید' بہت مشہور ہوئی۔ 'تحقیق سید و سادات' اور 'تاریخ کنبوہ' بھی ان کی کتابوں کے نام ہیں۔ امروہہ میں ان کے مکان پر بہت بڑی لائبریری تھی۔ جو وہ پاکستان لے آئے تھے۔ راقم الحروف کے نام ان کے خطوط بھی ہیں جو مشاہیر کے خطوط میں شائع ہوگئے ہیں۔ راقم الحروف کو انؐ سے نیازمندی حاصل تھی۔ وہ چھوٹوں پر بہت شفقت فرماتے تھے اور بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ وہ بڑے ذی علم اور معارف پرور انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے (آمین) مولانا

عبدالعزیز میمن سے مجھے انھوں نے ہی کراچی میں ملوایا تھا۔

۱۱- مولانا مفتی نسیم احمد فریدی

مفتی نسیم احمد فریدی بھی ابنائے مدرسہ میں تھے۔ انھوں نے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی (متوفی ۱۹۴۸ء) مولانا انوارالحق عباسی اور مولانا سید رضا حسن برادرزادہ و داماد حضرت محدث امروہی سے حدیث، تفسیر، فقہ کی کتابیں، بیضاوی اور ترمذی تک پڑھیں۔ سند فراغ کے بعد کچھ دن مدرسہ اسلامیہ چلہ امروہہ میں مدرس رہے پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس رہے۔ یہاں درس و تدریس کے ساتھ مدیر دارالافتاء بھی رہے۔ آپ شہر کے مفتی تھے۔ آخر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کی ولادت ۶ ستمبر ۱۹۱۱ء/۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو امروہہ میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام مولوی حسین احمد فریدی تھا۔ وہ پابند شریعت اور صوم وصلوٰۃ کے پابند عالم تھے۔ ان میں قناعت، توکل اور استغناء تھا۔ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کو حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ سے والہانہ عشق تھا۔ انھوں نے ہی مکتوبات سید العلماء کو مرتب کیا اور فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے ازالۃ الوسواس کا رسالہ حافظ عبدالغنی پھلاودی کے کتب خانہ پھلاودہ سے حاصل کیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ ازالۃ الوسواس حضرت محدث امروہی نے اپنے استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رسالے تحذیر الناس عن اثر ابن عباس پر لوگوں کے اعتراضات کے جوابات میں لکھا تھا۔

۲- مولانا عبدالغفور سیوہاروی نے حضرت محدث امروہی کے حلقۂ درس کی بعض تقریریں قلمبند کی تھیں۔ ان کا مجموعہ بھی مولانا فریدی کے ذخیرے میں موجود ہے۔

۳- بیاض قلمی کے بعض فتاویٰ بھی مولانا فریدی کے ذخیرے میں موجود

ہیں اور کتب خانہ پھلاودہ کی بیاض قلمی بھی ہے۔ یہ بیاض قلمی ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ بیاض قلمی میں بعض فتاویٰ مولانا ظہور علی بچھرایونی نے نقل کئے ہیں۔ بیاض قلمی جو حضرت محدث امروہی کے بعض فوائد درس پر مشتمل ہے۔ اس کو ان کے بعض شاگردوں نے قلم بند کیا۔

۴- بیاض احمدی یا فتاویٰ احمدیہ قلمی: اس میں حضرت محدث امروہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ ہے۔ جنتی دروازے پر یہ فتاویٰ احمدیہ قلمی، مدرسہ فرقانیہ رامپور کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ وہاں سے مولانا نسیم احمد فریدی اپنے کتب خانہ میں لے آئے۔ مولانا فریدی کے ذخیرے میں حضرت محدث امروہی کی جو تحریریں، مسودات اور نوادر ہیں وہ یہ ہیں:

۱- رسالہ ازالۃ الوسواس

۲- مولانا عبدالغفور سیوہاروی نے حضرت محدث امروہی کے حلقۂ درس کی بعض تقریریں قلمبند کی تھیں۔ ان کا مجموعہ مولانا فریدی کے ذخیرے میں موجود ہے۔

۳- بیاض قلمی

۴- فتاویٰ احمدی قلمی

اگر مولانا نسیم احمد فریدی ان مسودات کے عکس شائع کر دیتے تو حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کا علمی وزن اور بڑھ جاتا۔ افسوس ہے کہ یہ نوادر میری دسترس میں نہیں ورنہ میں اس کتاب کے ساتھ شائع کر دیتا۔ مولانا فریدی کا انتقال ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ۵/ربیع الاولیٰ ۱۴۰۹ھ کو امروہہ میں ہوا۔

مولانا فریدی جھنڈا شہید کی مسجد میں واقع جس حجرے میں رہتے تھے وہ اسی میں مدفون ہوئے۔

باب ہفتم

سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث بہ حیثیت صاحب طریقت

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن، محدث ہونے کے علاوہ ایک صاحب طریقت بزرگ بھی تھے۔ تصوف کے ہر چہار سلاسل یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندی سب میں ان کو اجازت حاصل تھی۔ جس کی تفصیل میں آگے چل کر بیان کروں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا سید احمد حسن نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند، عرب و عجم بلکہ دنیائے اسلام کی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا۔ انھوں نے علم کو فروغ دیا۔ علمی مزاج پیدا کر کے ملت کے عروق مردہ میں نئی روح پھونکی۔ تجدید و احیاء کے راستے تلاش کئے۔ مولانا کے تلامذہ وسط ایشیاء، افغانستان، ہندوستان، ترکی، ملایا، جاوا، ساٹرا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا نے اپنے عمل کا جواز، قرآن و سنت نبوی سے پیش کیا۔ مولانا نے محبت الٰہی کو دینی عقائد و اعمال کا مرکزی نقطہ قرار دیا کیونکہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مقصود رب العالمین کی محبت ہے۔ خدمت خلق کا مطلب لوگوں کو برائیوں سے روکنا ہے اور بھلائی کی طرف بلانا ہے۔ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں شگفتگی پیدا کرے۔ یہی اچھی زندگی کا ضابطۂ اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد حسن نے بنی نوع انسان کے اخلاق و اطوار، فکر و عمل کو درست کرنے کی کوشش کی وہ ایک پاک باطن، نیک نفس انسان تھے۔ انھوں نے بتایا کہ انسان اپنے نفس، اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھ پر نگاہ رکھے۔ انھوں نے اخلاقی عیوب سے بچانے اور شریعت کی راہ دکھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اخلاقی احساس و شعور کو بیدار کر کے اصلاح و تربیت کا سامان فراہم کیا۔ ہدایت و اصلاح کی کامیابی کا انحصار، ہادی یا مصلح کی ذہنی عملی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ بے عمل انسان کے الفاظ کسی کے لوح دل پر منقش نہیں

ہوتے ۔ دل تک صرف اس کی آواز پہنچتی ہے جس کے الفاظ کے پیچھے عمل کی بے پناہ قوت ہوتی ہے ۔ مولانا احمد حسن کی درسگاہ، علوم باطنی کی بھی درسگاہ تھی ۔ یہاں اخلاق سکھایا جاتا تھا ۔ یہاں انسانی قلوب کی صفائی کی جاتی تھی ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قوم کی اجتماعی اور انفرادی نفسیات و ذہنی محرکات اور قلبی کیفیات سے واقف تھے ۔ وہ اصلاح وتربیت وتعلیم پر زور دیتے تھے ۔ وہ خود علوم ظاہری و باطنی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔

کشف وکرامات، حجاب راہ ہیں ۔ ان سے روحانی شخصیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے ۔ انسان کر اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے ۔ خانقاہی نظام کی بنیاد عوارف ومعارف کے اصول پر قائم ہے ۔ مولانا احمد حسن نے قرآن وحدیث اور سنت نبوی کو رہبر بنایا ۔ زندگی کی اصلاح، تذکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لئے کیمیائے سعادت اور کشف المحجوب بنیادی کتابیں ہیں ۔ مولانا احمد حسن، تربیت باطن کے لئے علوم ظاہری کی تعلیم از بس ضروری سمجھتے تھے ۔ ان کی درسگاہ ایک ایسی خانقاہ تھی جہاں علوم ظاہری و باطنی دونوں کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ ان کا کہنا تھا کہ انسانی زندگی کی تکمیل صرف اس وقت ممکن ہے جب اس میں اللہ سے قلبی محبت اور سنت رسول کا اتباع اجاگر ہو ۔ شخصیت کی تعمیر اللہ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں ۔ وہ طلبہ میں روحانی اور اخلاقی قدریں پیدا کرتے تھے ۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ علوم ظاہری کی تعلیم، روحانی اصلاح وتربیت کی پہلی منزل ہے ۔ غرض مولانا احمد حسن کی درسگاہ، تعلیم وتربیت کا مرکز تھی ۔ وہ ایک زبردست عالم تھے ۔ ان کو درس وتدریس کا خاص شوق تھا ۔ ان کا شمار بزرگ علمائے کبار میں ہوتا ہے ۔ مولانا احمد حسن کے تلامذہ نے اسلام کا پرچم سربلند کیا ۔ آپ نے ایک ایسے دور میں جب مادیت کا سیلاب امنڈا چلا آتا تھا ۔ باطل عقائد کے خلاف آواز بلند کی اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا ۔ غرض مولانا احمد حسن مایۂ صد نازش وافتخار ہستی تھے ۔ بلحاظ تقدس وعظمت، ارشاد وہدایت، علم وفضل، صلاح وتقویٰ، شہرت وناموری میں یکتائے روزگار تھے ۔

سید انیس الدین احمد رضوی نے مولانا احمد حسن کی شان میں یہ اشعار کہے

ہیں۔

جناب سید احمد حسن آں قاسم ثانی	مسیحائے زمانہ از پئے امراض روحانی
بہ زیر پائے اواز برکت دین، جنت الماویٰ	بہ بالائے سرش می تافت اکلیل سلیمانی
بہ علم دین مثیل انبیائے عہد اسرائیل	بہ فقرش جانشین بدر چشتی پیر کرمانی
نوید اتم الاعلان تکیہ ملک عقبی را	حدیث الفقر فخری آسرائے عالم فانی

(از انیس الدین احمد مشمولہ و مطبوعہ تاریخ امروہہ۔ تذکرۃ الکرام صفحہ ۴۹)

مولانا سید احمد حسن محدث کو مذکورہ ہر چہار سلاسل میں اجازت و خلافت

حاصل تھی۔ صوفیاء کے چہار سلاسل

۱- چشتیہ

۲- قادریہ

۳- سہروردیہ

۴- نقشبندیہ ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ صوفیاء کے چہار سلاسل، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کا تعلق سرزمین امروہہ سے ہے۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی بہ یک وقت ہر چہار مذکورہ سلاسل میں حضرت مولانا میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے بیعت تھے۔ جو عبدالرحیم فاطمی سے بیعت تھے۔ جو خلیفہ حضرت شاہ عبدالباری سے بیعت تھے اور شاہ عبدالباری امروہہ کے تھے۔ جو سلسلہ ہادویہ کہلاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شاہ عبدالباری اپنے دادا شاہ عبدالہادی چشتی امروہوی سے ہر چہار سلاسل میں بیعت تھے۔ شاہ عبدالباری کے والد ظہور اللہ صدیقی تھے۔ ان کے والد شاہ عبدالہادی تھے۔ جن سے سلسلہ ہادویہ چلا اور یہ سب امروہہ کے تھے۔

شاہ عبدالہادی صدیقی ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء شیخ اکبر ثانی مولانا سید عضد

الدین جعفری ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۶ء کے خلیفہ و مرید تھے۔ شاہ عضد الدین کا تعلق بھی امروہہ سے تھا۔ شاہ عضد الدین جعفری کے بیٹے شاہ سید معز الدین جعفری عرف میاں موج تھے۔ ان کے لڑکے شاہ سید قیام الدین جعفری تھے۔ شاہ عبدالہادی صدیقی ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء کے بیٹے شاہ عبدالباری صدیقی ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء تھے۔ شاہ عبد الباری کے خلفاء میں سید عبدالرحیم فاطمی نے سید احمد شہید کے جہاد میں شرکت کی اور بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ ان کے خلفاء میں میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۴۳ء ہوئے۔ ان کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے ہر چہار سلاسل کو عروج پر پہنچایا۔ یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء حاجی امداد اللہ کے فیوض و برکات ہندوستان تک محدود نہ رہے۔ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے۔ حضرت امداد اللہ ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حجاز مقدس چلے گئے۔ وہاں سے آ کر ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے انھوں نے جو تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع کی۔ اس نے دارالعلوم دیوبند کی شکل اختیار کی۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے حاجی امداد اللہ کے جو خلفاء ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء
۲۔ مولانا رشید احمد گنگوہی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۳۔ مولانا احمد حسن محدث امروہی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
۴۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی پسر مولانا مملوک علی
۵۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری
۶۔ مولانا اشرف علی تھانوی ۱۹۴۳ء
۷۔ شاہ سلیمان احمد پھلواری۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید مولانا سید سلیمان ندوی ۱۹۵۳ء تھے۔

اس طرح مولانا سید احمد حسن، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ہر چہار سلاسل یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں بیعت تھے اور ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ حاجی امداد اللہ کا انتقال ۲۰ر جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو ہوا اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا انتقال ۲۹ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو ہوا۔

شاہ سید عضد الدین محمد جعفری زینبی

۱۰۷۷ھ-۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۶ء

شاہ عضد الدین جعفری زینبی بن سید شاہ حامد جعفری ۲۴ر رجب ۱۰۷۷ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک قناعت دوست، متوکل، صابر و شاکر درویش تھے۔ ایک مدت تک درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ شاہ عضد الدین کی ایک کتاب مقاصد العارفین (قلمی) ۱۲۰۰ھ ہے۔ اس کا تذکرہ مولانا سید احمد حسن کے مکتوبات میں ملتا ہے۔ یہ کتاب تصوف میں ہے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ عضدیؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے حمد و نعت میں قصیدے ہیں روہیلکھنڈ کو کٹھیر بھی کہتے ہیں۔ میاں موج شاہ عضد الدین کے بیٹے تھے۔ ان کا نام شاہ معز الدین عرف میاں موج ہے۔ شاہ قیام الدین جعفری ان کے پوتے تھے۔ شاہ قیام الدین کو مولانا احمد حسن محدث سے اس قدر عقیدت تھی کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں مولانا احمد حسن کے پیچھے پڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ مولانا احمد حسن محدث نے پڑھائی تھی۔

شاہ عضد الدین جعفری کا وصال ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں ہوا۔

شاہ عبد الہادی صدیقی

متوفی ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء

شاہ عبد الہادی صدیقی گیارہویں صدی ہجری کے مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ شاہ عبد الہادی سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، صابریہ کے اکابر اولیاء

میں تھے۔ جنھوں نے امروہہ کے مضافات میں ایمان کے انوار وتجلیات پھیلائے۔
آپ آفتاب ہدایت تھے۔ان کی زندگی پابند شریعت اور سیرت نبوی کے مطابق تھی۔
آپ کے جد ششم مفتی محمد طاہر کو ۹۷۷ھ میں بعہد جلال الدین شہنشاہ اکبر موضع بواپور
تھن پرگنہ دہام پور میں املاک، مدد معاش عطا ہوئی۔

شاہ عبدالہادی کے والد کا نام مولانا محمد حافظ صدیقی تھا۔ جو بیٹے تھے۔ شیخ
الحدیث مولانا عبدالسمیع صدیقی امروہوی کے۔ اس طرح شاہ عبدالہادی ایک دینی
اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے دادا مولانا عبدالسمیع صدیقی
محدث تھے۔

شاہ عبدالہادی کا سلسلۂ بیعت چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، صابریہ تھا۔ شاہ
عبدالہادی سے بیعت تھے۔ شاہ عضدالدین جعفری امروہوی سے ان کا سلسلہ شیخ
جلال الدین تھانیسری سے ملتا ہے اور ان کا سلسلہ شاہ عبدالقدوس گنگوہی سے ملتا
ہے۔ جو بیعت تھے۔

علاء الدین علی احمد صابر کلیری چشتی قادری سے اور مخدوم علی احمد صابر
کلیری اور نظام الدین اولیاء بابا فرید گنج شکر کے مرید تھے۔ مخدوم علاء الدین علی احمد
صابر کلیری ۵۹۲ھ میں متولد ہوئے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے عوارف المعارف کی
شرح لکھی اور ابن عربی کی فصوص الحکم پر حاشیہ لکھا عوارف المعارف شیخ شہاب الدین
سہروردی (۵۳۶-۶۳۲ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے۔ شیخ
عبدالقدوس گنگوہی کے مرید جلال الدین تھانیسری۔ انھوں نے تھانیسر میں دارالعلوم
قائم کیا تھا۔ شیخ احمد سرہندی، جلال الدین تھانیسری کے بھانجے تھے۔ شیخ احمد سرہندی
نے تھانیسر کے اسی دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا سید احمد حسن محدث کا شجرۂ،
بیعت، شاہ عبدالہادی صدیقی امروہوی کے توسط سے یہ ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء

خواجہ بختیار کاکی م ۱۲۳۶ء

بابا فرید گنج شکر م ۱۲۶۵ء
صابر کلیری م ۶۹۰ھ/ ۱۳۶۵ء
نظام الدین اولیاء م ۱۳۲۵ء
شیخ عبدالقدوس گنگوہی
جلال الدین تھانیسری
شاہ سید عضد الدین جعفری امروہی م ۱۱۷۲ھ/ ۱۷۵۶ء
شاہ عبدالہادی صدیقی امروہوی م ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء
شاہ عبدالباری م ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء
شاہ عبدالرحیم فاطمی ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء
میاں جی نور محمد جھنجھانوی ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۴۷ء
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء
مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ۱۸۵۰ء/ ۱۹۱۲ء

اس طرح مولانا سید احمد حسن محدث ہر چہار سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ مجاز تھے۔

شاہ عبدالہادی کے فرزند شیخ ظہور اللہ صدیقی تھے۔ ظہور اللہ صدیقی امروہہ کے ذی اثر اور معزز ہستی تھے۔ ان کی بڑی جائداد صحرائی وسکنائی تھی۔ نواب دوندے خاں کے دوستوں میں تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۲۱ھ میں ہوا۔

شاہ عبدالہادی کی اولاد میں ان کے پوتے شاہ عبدالباری صدیقی سن پیدائش ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۳ء۔ ان کے بیٹے شاہ رحمٰن بخش سن پیدائش ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء وفات ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء۔ ان کے بیٹے شاہ غلام مصطفیٰ صدیقی سن پیدائش ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۵ء، سن وفات ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء۔ ان کے بیٹے حاجی ابرہیم صدیقی چشتی سن پیدائش ۱۲۶۱ھ وفات ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء اور ان کے بیٹے شاہ سلیمان چشتی

امروہوی تھے جو درگاہ شاہ عبدالہادی کے سجادہ نشین تھے۔ درگاہ شاہ عبدالہادی امروہہ میں محلہ قریشی کی سرحد پر واقع ہے۔ شاہ سلیمان احمد چشتی کا انتقال ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں ہوا۔

شمس العارفین حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صدیقی چشتی قادری نقشبندی صابری امروہوی، شاہ رحمٰن بخش چشتی امروہوی کے لڑکے تھے۔ رحمٰن بخش، شاہ عبدالباری کے لڑکے تھے اور شاہ عبدالباری شاہ عبدالہادی کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک بڑی جائداد صحرائی وسکنائی تھی۔ باغات تھے۔ یہ لوگ صاحب جائداد تھے۔ شاہ قیام الدین جعفری (نبیرۂ سید عضد الدین و فرزند میاں موج) کی طرح شاہ غلام مصطفیٰ صدیقی متوفی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء (پسر نبیرۂ شاہ عبدالہادی یعنی رحمٰن بخش صدیقی کے فرزند) کی نماز جنازہ بھی میرے مولانا سید احمد حسن محدث نے پڑھائی تھی۔

شاہ عبدالباری صدیقی چشتی صابری کا ایک سلسلہ مرزا مظہر جان جاناں سے بھی ملتا ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۲ھ) نقشبندی سلسلے کے بزرگ تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے حسب ذیل تین مرید ہوئے۔ شاہ غلام علی دہلوی، مولانا ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری، شاہ عبدالباری صدیقی چشتی صابری۔

شاہ عبدالباری سے سید عبدالرحیم فاطمی ان سے میاں نور محمد جھنجھانوی اور ان سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی بیعت تھے۔ اس طرح یہ سلسلہ چشتیہ، نقشبندی سلسلے سے مل جاتا ہے۔ ذکریا ملتانی متوفی ۶۶۷ھ سہروردی کے سلسلے کے تھے۔ خواجہ باقی باللہ دہلوی ۱۰۱۲ھ کے مرید و خلیفہ مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی متوفی ۱۰۳۵ھ/ ۱۲۶۵ء تھے۔ خواجہ باقی اللہ ذکریا ملتانی سہروردی سلسلے کے تھے جبکہ حضرت مجدد الف ثانی سے نقشبندی سلسلہ شروع ہوا۔ نقشبندی سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ کے بعد کا ہے۔ نقشبندی سلسلہ بھی سہروردی سلسلے سے مل جاتا ہے۔ اس طرح شاہ عبدالباری سے چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندی تینوں سلسلے یہاں آ کر مل جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی سے اکثر سلاسل منسوب ہیں۔ قادریہ سلسلے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ چشتیہ سلسلے کا تعلق شاہ معین الدین چشتی ۵۶۱ھ سنجری اجمیری سے ہے۔ جو سلطان الہند کہلائے۔ اجمیر میں ان کا مزار مبارک ہے۔

چشت

چشت افغانستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ افغانستان کے اس شہر چشت میں حضرت ابوریحان شامی ۳۲۹ھ/ ۹۴۰ء نے روحانی سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ وہ چشت کے رہنے والے تھے۔ اس لئے یہ سلسلہ چشتیہ کہلایا۔ چشتیہ سلسلہ چونکہ چوتھی صدی ہجری کا ہے۔ اس لئے وہ سب سے قدیم سلسلہ ہے۔ کیونکہ سہروردی سلسلہ ساتویں صدی ہجری کا ہے اور نقشبندی سلسلہ نویں صدی ہجری کا ہے۔ اس لئے چشتی سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ شہاب الدین سہروردی کا زمانہ ۵۳۹ھ - ۶۳۰ھ/ ۱۱۴۴ء - ۱۲۵۸ء ہے۔ جن سے سُہروردی سلسلہ منسوب ہے۔ جبکہ صابری سلسلہ چودھویں صدی ہجری کا ہے۔ چشتی سلسلے کا انتساب خواجہ ابواسحاق شامی سے ہے جو اپنے پیر شمشاد علی دینوری کے حسب ہدایت قصبہ چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ چھ واسطوں سے اتصال نسب خواجہ حسن بصری ۶۸ ۷ھ - ۸۵۹ھ سے ہوتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی عثمان ہارونی ۶۲۳ھ کے مرید تھے۔ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کا اجراء خواجہ معین الدین چشتی سنجری متوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء سے ہوا۔ معین الدین چشتی متوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان آئے۔ ان کا عہد سلطان شمس الدین التمش کا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی متوفی ۱۲۳۶ء تھے۔ ان کے خلیفہ شیخ فرید الدین گنج شکر فاروقی متوفی ۱۲۶۵ء تھے۔ بابا فرید کے دو نامور خلفاء نظام الدین اولیاء متوفی ۱۳۲۵ء اور علاء الدین صابر کلیری متوفی ۶۹۰ھ/ ۱۳۶۵ء ہوئے۔ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری، بابا

فریدالدین مسعود گنج شکر کے بھانجے اور داماد تھے۔

غرض امروہہ کو علم طریقت، شریعت، علم تصوف میں مرکزیت کا مقام حاصل ہے۔ اس طرح حضرت مولانا سید احمد حسن محدث، محدث ہونے کے علاوہ ایک صاحب طریقت بزرگ بھی تھے۔ جن کو ہر چہار سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ میں حاجی امداد اللہ سے مہاجر مکی سے بیعت و اجازت حاصل تھی اور وہ ان کے خلیفۂ مجاز تھے۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی نے مناجات مقبول کے آخر میں جو شجرۂ امدادیہ دیا ہے۔ اس میں انھوں نے حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کا نام بھی شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ سے بیعت ہیں۔ وہ شجرہ کے شعر اول و ثانی کے درمیان یہ شعر بڑھا لیں۔

نجّنی شیخی سیدی احمد حسن   من وجہہ کالقلب فی اللمعان (۷۳)

بوسیلۂ مرشدنا مولانا احمد حسن   کہ ظاہر ان کا مثل باطن کے ہے

نوٹ: میرے دادا مولانا سید احمد محدث کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مدنی سے بیعت تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے جو لوگ بیعت ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا محمد صدیق انبیٹھوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الھند مولانا محمود الحسن م۱۹۲۰ء، حافظ عبدالرحمٰن صدیقی م۱۹۴۸ء تلمیذ مولانا سید احمد حسن محدث، مولانا حسین احمد مدنی م۱۹۵۷ء، مولانا احمد حسن کانپوری، عبدالرحیم رائے پوری، عبدالرحیم رائے پورے سے مولانا عبدالقادر رائے پوری بیعت ہوئے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے جو لوگ بیعت ہوئے ان کے نام یہ ہیں: شیخ الحدیث مولانا ذکریا کاندھلوی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی م۱۹۴۴ء اور مولانا الیاس کاندھلوی سے مولانا یوسف کاندھلوی بیعت ہوئے۔ یہ دونوں تبلیغی جماعت کے سربراہ تھے۔

---

(۷۳) مناجات مقبول از اشرف علی تھانوی صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہے۔

مولانا سید احمد حسن محدث اور مادیت

مولانا سید احمد حسن محدث کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دور میں مادیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یہ بتایا کہ یورپ کے پاس مادیت ہے لیکن روحانیت نہیں ہے۔ جبکہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے روحانیت کی بھی ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنی تقاریر، فتاویٰ اور روحانی اقدار سے یہ بتایا کہ مشرق، مشرق ہے اور مغرب، مغرب ہے۔ ان دونوں کا اتصال ممکن نہیں ہے۔

انھوں نے بتایا کہ یورپ اور امریکہ کو مشرقی اقوام کے مقابلہ میں جو تفوق وامتیاز اثر ونفوذ، رعب ودبدبہ، قوت وشوکت حاصل ہے۔ وہ تمام تر مادی علوم، صنعتی، اقتصادی فوقیت کی وجہ سے ہے۔ اقوام مغرب کی صنعتی وحرفتی برتری واولیت سے ہرگز انکار نہیں لیکن مادیت کو فنا ہے۔ بقا نہیں۔ اس لئے روحانیت کی ضرورت ہے۔ مادر گیتی نے علوم وفنون کی ایسی ترقیوں کے بہت سے منظر دیکھے ہیں۔ اُمم قدیمہ کی مثالیں ذرا چشم تصور کے سامنے رکھ کے دیکھئے کہ اس خاکدان ارضی، اس طلسم کدہ ہستی اور اس خرابۂ عالم کے اسٹیج پر یکے بعد دیگرے کتنی قومیں آئیں اور اپنی تہذیب وتمدن، علوم وفنون، جاہ وحشمت، قوت وشوکت کے تماشے دکھا کر گمنامی اور فنا کے تاریک گڑھے میں روپوش ہوگئیں۔ مصر و یونان، بابل ونینوا کے کھنڈر آج بھی زبان حال سے عہد عتیق کے تمدن کی عجیب وغریب داستانیں سناتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اسلئے مولانا سید احمد حسن محدث نے اسی بات پر زور دیا ہے کہ ہمیں مادیت کے بجائے روحانیت اور اخلاقی قدروں کو اپنانا چاہئے۔ جو چیز باقی رہنے والی ہے۔ وہ روحانی اور اخلاقی قدریں ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کے اندر للّٰہیت تھی۔ اسی لئے انھوں نے ریاست حیدرآباد میں صدر الصدر امور مذہبی کا عہدہ قبول نہیں کیا۔ مادیت سے ان کو فطری طور پر نفرت تھی اور وہ مادیت کو مستحسن نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ ہمیشہ روحانی قدروں اور اخلاقیات کی برتری چاہتے تھے اور اسی کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں اخلاقی قدروں کا بول بالا ہوا اور نیکی کا چلن عام ہوا۔

خواجہ باقی باللہ

۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء-۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء۔ نقشبندی سلسلہ

خواجہ باقی باللہ سمرقند کابل کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام محمد باقی تھا۔ مگر باقی باللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالسلام تھا۔ باقی باللہ کابل میں ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ کابل اور ماوراالنہر کے مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے مرشد کا نام خواجہ محمد خواجگی اکملی تھا۔ جن سے وہ بیعت تھے۔ مرشد کے حکم سے دہلی آئے اور وہیں رہنے لگے۔ مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۸۵ھ-۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء دونوں خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے۔ ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلہ خواجہ باقی باللہ سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے چالیس سال کی عمر میں ۲۶/ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں وفات پائی۔ دہلی میں مدفون ہوئے۔ نقشبندی سلسلہ نویں صدی ہجری میں ہندوستان آیا۔ اس سلسلہ میں خواجہ عبیداللہ احرار باغستانی ۸۰۶ھ/۱۴۰۴ء کا نام آتا ہے۔ نقشبندی سلسلہ خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری سے شروع ہوتا ہے۔ خواجہ باقی اللہ کا سلسلہ نقشبندیہ یہ ہے۔

۱- خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری

۲- خواجہ محمد پارسا وفات ۸۲۲ھ/ ۱۴۱۹ء۔ مصنف رسالہ قدسیہ

۳- خواجہ محمد علاء الدین عطار وفات ۸۰۶ھ/۱۴۰۰ء مدفن جغانیاں ماورالنہر۔

خواجہ محمد عطاء الدین کے مندرجہ ذیل خلفاء ہوئے۔

۱-مولانا نظام الدین وفات ۸۶۰ھ/ ۱۴۵۶ء ہرات

۲-خواجہ حسن عطار وفات ۸۲۶ھ/ ۱۴۲۳ء

۳-خواجہ یعقوب چرخی وفات ۸۵۱ھ/ ۱۴۴۷ء مدفن ماورالنہر

۴-علامہ سید شریف وفات ۸۲۵ھ/ ۱۴۲۲ء

مولانا نظام الدین کے خلیفہ مولانا سعد الدین کاشغری

وفات ۸۶۱ھ/ ۱۴۵۷ء

مولانا یعقوب چرخی کے خلیفہ خواجہ عبید اللہ احرار

ولادت ۱۴۰۴ء وفات ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء

خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ مولانا عبد الرحمٰن جامی

مدفن سمرقند ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۴ء - ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء

خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ مولانا محمد درویش وفات ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء مدفن ماورالنہر مولانا محمد درویش کے خلیفہ خواجہ محمد خواجگی امکنی بخارا۔

خواجہ محمد خواجگی امکنی کے خلیفہ خواجہ باقی باللہ

خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الحق دہلوی ہوئے۔

اس طرح ہندوستان میں نقشبندی سلسلہ ان دونوں بزرگوں سے پھیلا۔

مولانا سید احمد حسن محدث کے مورث اعلیٰ
قدوۃ العارفین، قطب الاقطاب حضرت شاہ سید اَبّن بدر چشتی
قدس سرہ العزیز
شاہ ابن متوفی ۹۸۷ مطابق ۱۵۷۹ء

مولانا سید احمد حسن محدث کے مورث اعلیٰ قدوۃ العارفین، قطب الاقطاب حضرت شاہ سید اَبّن بدر چشتی قدس سرہ العزیز تھے۔ اب میں ان کے بارے میں تفصیل سے بتاتا ہوں۔

ان کا نام عبداللہ، ابوالفتح کنیت عرف اَبّن اور لقب بدر چشتی تھا۔ آپ سالک ومجذوب اور ولی کامل تھے۔ دوڈھائی صدی تک رشد وہدایت کا سلسلہ اس خانوادے میں جاری رہا۔ اظہار نسب میں اس خاندان کے لوگوں نے مفاخرنسبی سے کام نہیں لیا۔ آپ خاندان سادات سے ہیں۔ شاہ ابن صاحب کی وفات ۹۸۷ھ سو سال کی عمر میں ہوئی۔ ان کا زمانہ بہلول لودھی کا آخری دور حکومت ہے۔

شاہ اَبّن صاحب کے آباء واجداد کا مسکن موضع گٹھاولی ضلع بلند شہر یوپی بھارت ہے۔ وہ گٹھاولی میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے امروہہ آئے۔ آپ نے حج بھی کیا۔ آپ علوم باطنی کے علاوہ علوم ظاہری سے بہرہ ور تھے۔ آپ کو کلام پاک کی تفسیر اور معارف ونکات پر دسترس تھا۔ شاہ اَبّن صاحب شیخ علاء الدین چشتی نیل مست سے بیعت تھے جو ۸۷۲ھ میں پیدا ہوئے او جو نبیرۂ فرید الدین مسعود گنج شکر م ۱۲۶۵ء تھے۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ شیخ علاء الدین چشتی بن شیخ الاسلام حضرت

فریدالدین مسعود گنج شکر۔

شاہ سید اَبَن صاحب اپنے مرشد طریقت شیخ علاء الدین چشتی نیل مست کے حکم سے ۹۳۰ھ میں دہلی سے آگرہ آئے۔ وہاں سید علاء الدین مجذوب، جو شیخ علاول بلاول کے لقب سے مشہور تھے۔ انھوں نے کہا کہ تم امروہہ جاؤ کیونکہ آگرہ میں وہ یعنی علاول بلاول خود ہیں۔ شیخ نے کہا کہ

دو تیغ در یک نیام نمی گنجد

صاحب منتخب التواریخ نے لکھا ہے:

''از آنجا آگرہ بہ امروہہ آمد وسلوک وطریقت ورزید در اثنائے آں جذبہ، جذبات الہیہ وے را گرفت۔ (۷۵) وہ آگرہ سے امروہہ تشریف لائے اور سلوک وطریقت اختیار کیا۔ اس اثناء میں آپ پر کیفیت جذب طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت مخدوم شاہ سید اَبَن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا تذکرہ حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے۔

۱۔ اخبار الاخبار مولفہ مولوی عبدالحق محدث دہلوی سن تالیف ۹۹۷ھ

۲۔ طبقات اکبری مولفہ نظام الدین احمد بخشی عہد اکبری سن تالیف ۱۰۰۲ھ

۳۔ گلزار ابراہیم (قلمی) مولفہ محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری ۹۹۸ھ

۴۔ منتخب التواریخ (فارسی) مولفہ ملا عبدالقادر بدایونی سن تالیف ۱۰۰۴ھ، عہد اکبری کی نہایت قابل قدر تصنیف ہے۔ اس میں تفصیل سے حضرت مخدوم شاہ ابن صاحب کا تذکرہ ہے۔ خود ملا عبدالقادر بدایونی، خانقاہ شاہ اَبَن بدر چشت میں بڑی عقیدت واحترام سے حاضر ہوئے تھے۔

۵۔ اسراریہ (فارسی، قلمی) مولفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی سن تالیف ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۷ء اس کتاب میں حضرت مخدوم شاہ سید ابن اور ان کے

---

(۷۵) منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۳۹ ۱۰۰۴ھ

بیٹوں اور پوتوں کا تذکرہ تفصیل سے ہے۔
نوٹ: اسراریہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔اس کا ایک مخطوطہ نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دوسرا مخطوطہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔
سید کمال شاہ ولایت کے دوسرے بیٹے سید عبدالعزیز کی اولاد سنبھل سے تھے۔

۶۔ مآثر الکرام مولفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی سن تالیف ۱۱۶۶ھ
۷۔ جام جہان نما (قلمی) مولفہ قدرت اللہ صدیقی ساکن موضع مولی سن تالیف ۱۱۹۹ھ
۸۔ تحقیق الانساب مولفہ محمود احمد عباسی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء
۹۔ تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی ایضاً ۱۹۳۳ء
۱۰۔ تاریخ امروہہ مولفہ محمود احمد عباسی تجلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۳۰ء
۱۱۔ تاریخ اصغری مولف حاجی سید اصغر حسین نقوی امروہوی سن تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء مطبوعہ ۱۸۸۹ء
۱۲۔ آئینہ عباسی مولفہ محب علی خان عباسی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ
۱۳۔ تحبتہ التواریخ (فارسی) مولوی سید آل حسن مودودی امروہوی ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء
۱۴۔ خلاصتہ الانساب (قلمی) مولفہ سید ارشاد علی شفاعت پوتہ ۱۲۸۷ھ

ان سب کتابوں میں شاہ سید اُبن قدس سرہ العزیز کے حالات درج ہیں۔
مولوی عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب 'اخبار الاخیار' میں لکھا ہے:

شاہ اُبن درویشے بود درامروہہ (۷۶)

سید طیفور، شاہ سید ابن کے جدامجد تھے۔ان کے برادر بزرگ سید محمود مالا مال کرمانی تھے۔یہ دونوں بھائی کرمان (ایران) سے ہندوستان آئے۔سید محمود مالا مال کرمانی موہان میں آکر بسے۔ان کی اولاد میں سید فضل الحسن حسرت موہانی

(۷۶) شیخ عبدالحق اخبار الاخیار ص ۲۳۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء

مشہور شاعر ہوئے۔ جبکہ سید طیفور موضع گٹھاولی ضلع بلند شہر میں اقامت گزین ہوئے۔ سید طیفور کی شادی گٹھاولی میں ہوئی۔ سید طیفور کے ایک فرزند سید احمد گنج رواں ہوئے۔ سید احمد گنج رواں کے تین بیٹے ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱- سید حسن ۲- بابن ۳- سید اُبن

سید اُبن گٹھاولی سے ترک سکونت کر کے امروہہ آئے اور امروہہ کے سادات میں شادی کی۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی 'منتخب التواریخ' عہد اکبری کی مستند کتاب ہے۔ اس کتاب میں ملا عبدالقادر بدایونی نے شاہ ابن صاحب کو سید مشارُ الیہ لکھا ہے۔ اس سے آپ کی سیادت ثابت ہوتی ہے۔ شاہ سید ابن آسمان معرفت کے نیر ورخشاں تھے۔ آپ کرمان الاصل حسینی سید تھے۔ (۷۷) آپ کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے امام علی رضا سے ملتا ہے۔

اس زمانے میں جس خاندان میں مشیخت و طریقت ہوتی تھی۔ اس کے شروع میں شیخ لکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی لکھا جاتا ہے حالانکہ وہ سید عبدالقادر جیلانی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کا لفظ سلسلۂ طریقت کی وجہ سے لکھا جاتا تھا۔ اس لئے شیخ کا لفظ قادح سیادت نہیں۔

امروہہ میں ہمارا خاندان پانچ سو سال سے آباد ہے۔ عرف عام میں پیرزادگان کے لقب سے مشہور ہے۔ ہمارے محلہ کا نام بھی پیرزادہ ہے۔ چونکہ ہم لوگ پیر شاہ سید ابن کی اولاد ہیں۔ اس لئے پیرزادہ کہلاتے ہیں۔ یعنی پیر کی اولاد۔

چنانچہ آئینۂ عباسی میں لکھا ہے:

''ایک گروہ پیرزادہ ہے کہ اولاد جناب شیخ ابن قدس سرہ العزیز کثیر ہیں۔ بڑے معزز ہیں۔ خاندان حکیم عسکری' مولوی سبحان علی' پیر جی علی جان اور مولانا

---

(۷۷) 'تحقیق الانساب' مولفہ محمود احمد عباسی جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۶-۳۷

احمد حسن محدث ان میں ہیں۔" (۷۸)

تاریخ اصغری میں لکھا ہے:

"محلہ پیرزادہ میں اولاد شاہ ابن کی سکونت ہے۔" (۷۹)

نخبۃ التواریخ (فارسی) میں لکھا ہے:

"راس الیشان، حقائق آگاہ شمس العارفین سید عبداللہ المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی است۔ نبیرۂ سید طیفور برادر عینی سید محمود مالا مال کرمانی است۔" (۸۰)

ان حوالہ جات کے علاوہ کتاب اسراریہ مولفہ سید کمال سنبھلی اور اخبار الاخیار مولفہ مولوی عبدالحق محدث دہلوی میں اوصاف و خوارق شاہ ابن کے درج ہیں۔ تاریخ اصغری کے مصنف نے لکھا ہے کہ "شہرت بلدی کے اعتبار سے پیرزادہ کے خاندان کو شہر میں بڑی عزت حاصل ہے۔" (۸۱)

سید طیفور کی اولاد میں سید ابن گنھاولی سے امروہہ آئے۔ شاہ حسن اور شاہ بابن کے مزارات گنھاولی میں ہیں۔ گنھاولی میں ایک درخت شاہ ابن کی املی کے نام سے مشہور ہے۔ غرض امروہہ میں پیرزادہ خاندان کی سیادت نسبی علی وجہ الشہرت تواتر مسلم ہے۔ شاہ ابن کا سلسلہ ۱۶ واسطوں سے امام علی رضا سے ملتا ہے جو یہ ہے۔

شاہ ابن کا سلسلہ نسب

حضرت شاہ سید ابن سید احمد گنج رواں بن سید طیفور برادر سید محمود مالا مال کرمانی بن سید شہاب الدین بن سید محمود بن سید عبدالخالق بن سید محمد بن سید امیر محمد بن

(۷۸) 'آئینہ عباسی' مولفہ مولوی محب علی عباسی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ

(۷۹) تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی، سن تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء مطبوعہ ۱۸۸۹ء

(۸۰) نخبۃ التواریخ مولفہ سید آل حسن نغشبی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء

(۸۱) تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی سن تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء مطبوعہ ۱۸۸۹ء

سید محمود بن سید علی بن سید جنید بن سید معروف بن سید عبدالشکور بن سید عبداللہ بن سید ابراہیم بن امام علی رضا۔(۸۲)

امام علی رضا

امام علی رضا حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ علم وفضل اور تقویٰ میں یکتائے روزگار اور طبعاً غیر سیاسی شخصیت تھے۔ امام علی رضا خلیفہ مامون الرشید کے بہنوئی تھے۔ جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید نے اپنی خواہر کا عقد امام رضا سے کیا تھا۔ انہی کے بطن سے محمد تقی الجواد پیدا ہوئے جو مامون الرشید کے بھانجے تھے۔ امام رضا نے ۵۵ سال کی عمر میں طوس میں وفات پائی۔ طوس کا موجودہ نام مشھد ہے۔ ہارون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔

امام علی رضا کے پانچ فرزند تھے امجد تقی الجواد، ابراہیم، حسن، علی، جعفر۔ امام علی رضا کے فرزند محمد تقی الجواد سے نسل چلی۔ جو دسویں امام کہلاتے ہیں۔ امام علی رضا کے دوسرے فرزند ابراہیم سے بھی نسل چلی۔ دونوں کی اولاد رضوی کہلاتی ہے۔

حضرت شاہ ابن بدر چشتی کا سلسلہ نسب ثابت و مکمل ہے اور ان کی سیادت محقق ہے۔

نوٹ: غیر متصل، منقرض انسل اور منقطع کا مطلب ہے جس کی نسل نہ چلے۔

حضرت علیؓ کے مشہور فرزند امام محمد حنیفہ کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔ زینب بنت فاطمہ کے دو بیٹے عون اور محمد تھے۔ جو معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔

سید شرف الدین شاہ ولایت نقوی الواسطی سہروردی امروہوی تھے۔

انسان کے لئے عزوشرف کا معیار جوہر ذاتی ہے۔ نسب و خاندان کا امتیاز و شرف دوسرے نمبر پر ہے۔ قدرۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا خاندان امروہہ میں فاطمی النسب کرمانی الاصل سید خاندان ہے۔ ان کا سلسلہ حضرت امام علی رضا تک پہنچتا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب 'منتخب

(۸۲) تحقیق الانساب مولفہ محمود عباسی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء ص ۳۲

التواریخ' میں ان کو سید مشار الیہ لکھا ہے۔(۸۳) شاہ ابن عہد اکبری کے مشائخ میں تھے(۸۴) ملاعبدالقادر بدایونی نے سید ابن لکھا ہے۔ اسراریہ مولفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی ۱۰۶۸ھ 'مآثر الکرام مولفہ غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۶۶ھ نے شیخ ابن لکھا ہے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار ۹۹۷ھ میں شاہ ابن صاحب کا تذکرہ ضمنی ہے۔ ملاعبدالقادر بدایونی نے صراحتاً سید ابن اور سید مشار الیہ لکھا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اس زمانے میں جس خاندان میں مشیخت وطریقت ہوتی تھی۔ اس کے شروع میں شیخ لکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی لکھا جاتا ہے حالانکہ وہ سید عبدالقادر جیلانی ہیں۔ خود میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کی جانب سے جن طلبہ کو سند فراغ دی جاتی تھی اس میں 'اخذ من شیخ وقتہ ووحید عصرہ السید احمد حسن' لکھا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کا لفظ سلسلۂ طریقت ومشیخت کی وجہ سے لکھا جاتا تھا۔ اس لئے شیخ کا لفظ قادح سیادت نہیں۔

ملاعبدالقادر بدایونی محقق اور مورخ تھے۔ وہ حضرت شاہ ابن سے خانقاہ بدر چشت امروہہ میں ملے بھی تھے۔ اس کا تذکرہ انھوں نے اپنی محولہ کتاب منتخب التواریخ میں کیا ہے۔(۸۵) اس لئے ان کی بات قابل استناد ہے کیونکہ بدایونی واقعات وحقائق لکھتے ہیں۔ غرض شاہ سید ابن غیر معمولی شہرت وعظمت کے مالک تھے۔ فضل وکمال ان کی ذات سے مختص تھا۔ سید میر عدل شاہ ابن کے زمانے میں ہوئے۔ شاہ ابن کے جدامجد سید طیفور کا عقد مناکحت موضع گھٹاولی سے چند میل دور موضع سینٹھ کے خاندان سادات میں ہوا۔ ان کے صلب سے ایک فرزند سید احمد گنج رواں متولد ہوئے۔ ان کے تین فرزند تھے۔ سید حسن، سید بابن، سید ابن، آخرالذکر ترک سکونت کر کے امروہہ آئے اور یہاں کے خاندان سادات میں مناکحت کی۔ امروہہ میں ان کی اولاد پیرزادہ کے نام سے مشہور ہے۔ گھٹاولی کے کاغذات کھیوٹ

---

(۸۳) ملاحظہ ہو منتخب التواریخ (فارسی) مولفہ ملاعبدالقادر بدایونی مطبوعہ ایشائک سوسائٹی صفحہ ۳۹،۴ ۱۰۰ھ

(۸۴) طبقات اکبری مولفہ نظام الدین بخشی ۱۰۰۲ھ عہد اکبری

(۸۵) ملاحظہ ہو منتخب التواریخ (فارسی) مولفہ ملاعبدالقادر بدایونی مطبوعہ ایشائک سوسائٹی ص ۳۹،۴ ۱۰۰ھ

میں شاہ ابن کی قومیت سید تحریر ہے۔

جسٹس امیر علی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید نے اپنی خواہر کا عقد امام علی رضا کے ساتھ کیا اور انہی کے بطن سے محمد تقی الجواد پیدا ہوئے۔ جو مامون الرشید کے بھانجے تھے۔

شاہ ابّن کا سلسلہ بیعت

شاہ سید ابن کا سلسلہ بیعت یہ ہے۔

قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی عن شیخ علاء الدین فیل مست عن جدہ شیخ تاج الدین محمد عن شیخ عبدالصمد عن شیخ فضیل معز الدین شہید عن شاہ سلیمان عن شیخ علاء الحق یوسف عن شیخ بدر الدین سلیمان عن ابیہ شیخ الاسلام فرید الحق والملۃ و الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز (۸۶)

شاہ ابن کے پیر طریقت شیخ علاء الدین چشتی فیل مست نے آگرہ جانے کو کہا۔ چنانچہ آپ ۹۳۰ھ میں دہلی سے آگرہ آگئے۔ وہاں سید علاء الدین مجذوب جو شیخ علاول بلاول کے لقب سے مشہور تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے امروہہ جانے کو کہا شاہ علاول بلاول کے کہنے پر آپ امروہہ تشریف لائے اور سلوک طریقت اختیار کیا۔ آپ پر کیفیت جذب طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کے بارے میں آپ کے پیر نے یہ پیشین گوئی کی

''تو بدر چشتیاں خواہی شد'' (۸۷)

ان کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور آپ بدر چشت کے لقب سے مشہور ہوئے اور بڑی شہرت حاصل ہوئی شاہ ابن کا انتقال ۹۷۷ھ/۱۵۷۹ء کو ہوا۔

(۸۶) تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی محبوب برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء ص ۳۹

(۸۷) تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء ص ۴۲

۹۸۳ھ میں شہنشاہ اکبر نے آپ کو ملک بطور مدد معاش عطا کی تھی۔ آپ کی تین بیویاں تھیں جو آپ کے ساتھ مدفون ہیں زوجہ اولیٰ سے فرزند شاہ محمد زوجۂ ثانیہ سے شاہ احمد اور شاہ صدرالدین اور تیسری زوجہ سے تین فرزند شاہ نورالدین، شاہ قطب الدین، اور شاہ ابوالقاسم ہوئے۔ شاہ صدرالدین کی نسل منقطع ہوگئی۔ باقی صاحبزادوں کی نسل سے خاندان پیرزادگان ہے۔ آپ کی ایک شادی گٹھاولی میں بھی ہوئی تھی۔ جہاں آپ کے صاحبزادے شاہ سیف الدین ہوئے۔ جو شاہ سیفن کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی اولاد وہیں رہائش پذیر ہے۔

اولاد شاہ ابن

شاہ ابن کے چھ بیٹے ہوئے جو یہ ہیں:

۱۔ شاہ محمد ۲۔ شاہ احمد ۳۔ شاہ صدرالدین ۴۔ شاہ نورالدین

۵۔ شاہ قطب الدین ۶۔ شاہ ابوالقاسم

۱۔ شاہ محمد

شاہ محمد خلف اکبر قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن ہیں۔ آپ گرامی باپ کے گرامی فرزند تھے۔ فضائل و کمال سے بہرہ ور تھے۔ ۱۰۲۱ء تک بقید حیات رہے۔ آپ منقرض النسل ہوئے۔

۲۔ شاہ احمد

شاہ احمد قدوۃ العارفین شاہ ابن بدر چشتی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۰ء میں ہوئی۔ شاہ احمد کی اولاد میں میر بھاون گورنر یوپی، حکیم حسن عسکری کا خاندان اور مولوی سبحان علی ہیں۔ میر بھاون کا نام میر غلام امامین تھا۔

۳۔ شاہ صدرالدین

آپ منقرض النسل ہوئے۔

۴۔ شاہ نورالدین

شاہ نور الدین کمالات ظاہری و باطنی سے بہرہ ور تھے۔ آپ درویش کامل صاحب ذوق سماع تھے۔ شاہ نور الدین کے بارے میں صاحب اسراریہ نے لکھا ہے کہ وقت سماع سینے پر پیرہن جلنے لگتا تھا۔ سماع کا حال سن کر شہنشاہ اکبر نے آپ کو دربار میں طلب کیا تھا لیکن آپ نے انکار کیا تو شہنشاہ اکبر نے آپ کو کشمیر میں بند کر دیا تھا (۸۸) سری نگر میں آپ کی خانقاہ شاہ نور الدین ہے۔ پھر جہانگیر نے آپ کو رہا کیا۔ تب آپ امروہہ آئے۔ صاحب اسراریہ کے والد سید لال سنبھلی کشمیر میں شاہ نور الدین سے ملے تھے۔ (۸۹) جہانگیر بادشاہ نے آپ کو امروہہ میں ۶۲۵ بیگہ زمین عطا کی۔ (۹۰)

اکبر کا بیٹا جہانگیر۔ مشائخ کا عقیدت مند تھا۔ اس نے آپ کو نظر بندی سے آزاد کیا اور سنبھل و امروہہ کی صدارت و وزارت کے عہدے پر فائز کیا۔ آپ ۱۰۱۸ھ سے ۱۰۲۳ھ تک آپ اس عہدے پر متمکن رہے۔ یہ عہدہ صدارت جہانگیر نے دیا۔ آپ نے فرائض مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس عہدے پر نہایت متدین حضرات کو لیا جاتا تھا۔ ۱۰۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ روضۂ شاہ ابن کے بائیں طرف آپ کی قبر ہے۔ خاندان رضویہ کی سجادہ نشینی آپ کی اولاد میں متوارث ہے۔ شاہ مخدوم عالم اور شاہ غوث عالم آپ کے فرزندان تھے۔

شاہ مخدوم عالم بن شاہ نور الدین ۹۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ شاہ مخدوم عالم طریقۂ چشتیہ میں مرید و بیعت کرتے تھے۔ شاہ مخدوم عالم کے بیٹے محمد عاشق ہوئے۔ جو سجادہ نشین تھے۔ وہ صاحب ذوق و سماع بزرگ تھے۔ محمد عاشق عہد عالمگیری میں سرکار سنبھل میں جز وصدر کے عہدے پر مامور ہوئے۔ صاحب اسراریہ سید کمال سنبھلی

(۸۸) اسراریہ مولفہ سید کمال سنبھلی مخطوطہ قلمی، صفحہ ۱۲ ندوۃ العلماء لکھنؤ و کتب خانہ رامپور

(۸۹) ایضاً

(۹۰) ایضاً

نے شاہ مخدوم عالم کو دیکھا تھا۔ ان کے قول کے مطابق وہ نورانی صورت، ستودہ اخلاق بزرگ تھے۔ شاہ نورالدین کے دوسرے صاحبزادے شاہ غوث عالم بھی خوش خلق، متقی، پرہیزگار انسان تھے۔ ان کا انتقال ۱۰۷۹ھ میں ہوا۔ شاہ غوث عالم منقرض النسل ہوئے۔ شاہ نورالدین کی اولاد میں شاہ مخدوم عالم کے خاندان میں سجادہ نشین ہوئے۔

چنانچہ میاں سید فیض الحسن، پیر روح الامین اور سجادہ امیر عالم کے نام اس میں شامل ہیں۔

۵-شاہ قطب الدین

شاہ قطب الدین خلف شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز، مقتدائے وقت اور ذی عزو شرف بزرگ تھے۔ شاہ قطب الدین کی اولاد میں عبدالباری، فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں دس ہزاری اور یک صد سوار کے منصب پر فائز تھے۔ وہ منصب دار اور صاحب جاگیر تھے۔ عبدالباری منقرض النسل ہوئے۔ عبدالباری کے ایک بھائی ابوالمعالی تھے۔ ابوالمعالی کے ایک فرزند امام بخش ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ احمد بخش اور محمد بخش، احمد بخش کی اولاد میں پیر ایزد بخش ہیں۔

محمد بخش کے بیٹے علی بخش تھے۔ علی بخش کے تین بیٹے تھے۔ ۱- پیر علی حسن
۲-سید عابد حسن ۳-پیر احمد حسن

علی بخش کے دوسرے بیٹے پیر سید عابد حسن تھے۔ انھوں نے ریاست حیدرآباد میں تحصیلداری کا امتحان پاس کیا تھا لیکن مدرسۃ المعلمین کی سند حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں صدر مہتمم تعلیمات گلبرگہ ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں پنشن لے کر امروہہ آئے۔ محمد بخش کی اولاد میں پیر احمد حسن بن علی بخش بن پیر محمد بخش کے بڑے لڑکے سید شاہد حسین ہوئے۔ وہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریاست حیدرآباد ہوئے پھر ایس پی ہوئے اور انسپکٹر جنرل آئی جی پولیس کے عہدے تک پہنچے۔ نہایت متدین، پابند

صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کے بھائی سید مصطفیٰ حسن مددگار محاسب تھے ان کے چھوٹے بھائی الطاف حسین تھے۔ شاہد حسین کے والد کا نام احمد حسن تھا۔

پیر علی بخش بن محمد بخش کے بڑے لڑکے پیر علی حسن ذی وجاہت بزرگ تھے۔ ان کے لڑکے مبارک حسن حیدر آباد میں محکمہ تعلیمات میں تھے۔

٦- شاہ ابوالقاسم

شاہ ابوالقاسم، شاہ ابن کے فرزند اصغر تھے۔ اپنے والد کے مرید خلیفہ ومجاز تھے۔ سن وفات معلوم نہ ہوسکا۔ ان کی اولاد میں سلسلہ ہدایت مشیخت جاری رہا۔ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ جو یہ ہیں۔ ١- ابوالغیث ٢- شاہ ابوالمکارم عرف شاہ ماکھن ٣- شاہ رحم علی ٤- شاہ مسعود

ابوالغیث کے بیٹے ابواللیث تھے۔ جو منقرض النسل ہوئے۔ اسی طرح شاہ رحم علی بھی منقرض النسل تھے۔

شاہ ابوالقاسم کے دوسرے بیٹے شاہ ابوالمکارم صاحب نسبت و ارشاد بزرگ تھے۔ شاہ ابوالمکارم کے بیٹے شاہ ابوالمعالی عرف اچھے ہوئے۔ شاہ ابوالمعالی چشتیہ قادریہ میں اپنے والد سے بیعت وخلیفہ مجاز تھے۔ ان کا سلسلۂ بیعت یہ ہے۔

شاہ ابوالمعالی عن شاہ ابولمکارم عرف شاہ ماکھن عن شاہ منصور قادری عن شاہ عبداللہ حسن گیلانی عن شاہ عمر گیلانی عن شاہ عثمان گیلانی عن شاہ عبدالباسط گیلانی عن شاہ شہاب الدین گیلانی عن شاہ شرف الدین گیلانی عن شاہ مبارک گیلانی عن شاہ شمس الدین گیلانی عن شاہ عماد الدین گیلانی عن شاہ جمال الدین ابوبکر الرزاق عن ابیہ حضرت غوث صمدانی، قطب زمانی، محبوب سبحانی، محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز۔ (٩١)

شاہ ابولمعالی کی اولاد سے تین خاندان متفرع ہوئے۔ خاندان پیر تہور علی

(٩١) تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی، محبوب المطابع برقی پریس دہلی ١٩٣٢ء صفحہ ٥٦

جس میں پیر تمیز علی آنریری مجسٹریٹ و پنشنر سب رجسٹرار ہوئے۔ دوسرا خاندان حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کا ہے۔ مولانا سید احمد حسن کو ذریت مصطفوی لکھا گیا ہے۔ (۹۲)

تیسرا خاندان پیرزدگان پیر فقیر علی ساکن محلہ چلہ ہے۔

مولانا احمد حسن محدث کا شجرۂ نسب

مولانا سید احمد حسن محدث کا شجرۂ نسب یہ ہوا۔ سید احمد حسن محدث بن اکبر حسین بن نبی بخش بن محمد حسین بن محمد حسن بن سیف اللہ بن ابوالمعالی عرف اچھے بن ابوالمکارم عرف ماکھن بن شاہ ابوالقاسم بن شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز۔

امروہہ میں شاہ ابن بدر چشتی عہد اکبری کے بزرگ تھے۔ جو بدر چشت یعنی چشتیوں کا بدر کامل کہلاتے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب اور شجرۂ بیعت تفصیل سے اوپر لکھا جاچکا ہے۔ امروہہ کے سادات رضویہ انہی کی اولاد ہیں جو سنی حنفی ہیں۔

شاہ ابوالقاسم کے چوتھے اور چھوٹے بیٹے شاہ مسعود تھے۔ شاہ مسعود کے بیٹے شاہ مقصود پیر بنجارا تھے۔ ان سے بنجارہ لوگ مرید ہوتے تھے۔ اس لئے وہ پیر بنجارہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ شاہ مقصود کے پوتے عوض علی تھے۔ جن کی دکان تھی۔ وہ منقرض النسل ہوئے۔ شاہ مقصود پیر بنجارہ کے چھوٹے فرزند شاہ ہدایت اللہ تھے۔ شاہ ہدایت اللہ کے بیٹے عزیز اللہ پیر جیون ہوئے۔ پیر جیون کی بیٹی بی بی فیضا ابدال محمد کی زوجہ تھیں۔ جو منشی ارشاد علی کی والدہ ہوئیں۔

پیر جیون پیر بنجارہ کے پوتے

مولوی سید عزیز اللہ عرف پیر جیون نہایت ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ پیر جیون کا انتقال ۱۲۰۷ھ میں ہوا۔ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور تھے۔ ان کی اولاد

(۹۲) ملاحظہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۲ء و کتاب تذکرہ مشائخ دیوبند از عزیز الرحمٰن

میں پیر کمال الدین نے محلہ قریشی سے متصل وسیع قطع زمین پختہ احاطہ بنا کر دیوان خانہ، محل سرا اور پائیں باغ بنوایا جو اب علی جان منزل کے نام سے موسوم ہے۔ پیر سید کمال الدین کی وفات ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔

پیر کمال الدین کے لڑکے امین الدین تھے۔ امین الدین کے لڑکے نذیر الدین عرف پیر جی علی جان تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۰۸ھ میں ہوا۔ پیر جی علی جان نے ۹۰ سال کی عمر پائی سید کمال الدین کے دوسرے بیٹے علی الدین تھے۔ علی الدین کی بیٹی الٰہی جان منشی ارشاد علی فاروقی کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ علی جان منزل پیر بنجارا کی اولاد میں ہیں۔ جو شاہ ابوالقاسم کے فرزند اصغر شاہ مسعود کے بیٹے تھے۔

وفات

قدوۃ العارفین حضرت مخدوم شاہ ابن بدر چشتی کا وصال ۵/ ذیقعد ۹۸۷ھ امروہہ میں ہوا۔ جہاں آپ کی تدفین ہوئی۔ وہ جگہ امروہہ میں روضۂ شاہ ابن کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔ لوگ دور دور سے آکر مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

سلسلۂ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کا تعلق شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہے۔ ان کی ولادت ۵۳۹ھ میں اور وفات ۶۳۳ھ میں ہوئی۔ تصوف میں عوارف المعارف ان کی مشہور کتاب ہے۔ بغداد میں مدفون ہیں۔ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی ان کے مرید ہیں۔ بہاء الدین ذکریا ملتانی ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ سید العارفین سید شرف الدین حسن شاہ ولایت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کے خانوادے سے فیض یافتہ تھے۔ شاہ ولایت کا قیام ملتان میں رہا۔ وہیں سے وہ امروہہ آئے۔ اس لئے شاہ ولایت کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے تھا۔ شاہ ولایت کے والد سید علی، سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں ۶۸۶ھ میں ہندوستان آئے۔

مولانا سید احمد حسن محدث کا وطن - امروہہ

امروہہ کی تاریخ

وجہ تسمیہ محل وقوع وغیرہ

امروہہ ہندوستان کے صوبہ یوپی کی مشہور مردم خیز بستی ہے۔ جس کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ امروہہ، لکھنؤ اور دہلی کے درمیان ایک قدیم تاریخی بستی ہے۔ جو دہلی سے مشرق میں ۱۲۹ کلومیٹر اور لکھنؤ سے مغرب میں ۲۵۰ کلومیٹر پر آباد ہے۔ شیر شاہ سوری روڈ (گرانڈ ٹرنک روڈ) پر لکھنؤ اور دہلی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ امروہہ پر راجہ ہستنا پور شری امر جودھ کی حکومت تھی۔ امروہہ سنسکرت کے لفظ امروانم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں آموں کی جگہ۔ یہاں آم اور روہو مچھلی ہوتی ہے۔ اس سے بھی امروہہ ہوا۔ فارسی میں انبہ، آم کو کہتے ہیں۔

امروہہ کی آب وہوا معتدل ہے۔ اس کے اطراف میں گنگا، گاگن، سوت ندیاں بہتی ہیں اور یہ ہمالیہ کے شمال میں تقریباً ایک سو کلومیٹر پر واقع ہے۔ امروہہ کا رقبہ تقریباً ایک سو کلومیٹر ہے۔ زرخیز زمین ہے۔ امروہہ کے چاروں طرف پختہ سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جو مرکزی راجدھانی دہلی اور اطراف کے اضلاع مرادآباد، رامپور، بدایوں، بجنور، میرٹھ، بلند شہر سے ملاتی ہیں۔

۷۵ سے ۱۵۰ سنٹی میٹر تک بارش ہوتی ہے۔ امروہہ کی تہذیب وتمدن، زبان ولباس دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، علیگڑھ سے متاثر ہے۔ شیروانی مخصوص لباس ہے۔ امروہہ اردو کا گہوارہ ہے۔ امروہہ کی موجودہ آبادی دولاکھ پر مشتمل ہے۔ جس میں مسلم آبادی ۷۵ فیصد ہے۔

امروہہ کی تاریخ

سلطان قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ نے اپنے دور حکومت میں امروہہ کا حاکم شمس الدین التمش کو مقرر کیا۔ اس زمانے میں امروہہ سنبھل، بدایوں ایک ہی ڈویژن تھے۔ جس پر گورنر مقرر کیا جاتا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش (۱۲۳۵ء-۱۲۱۰ء) جب ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوا تو اس نے امروہہ کو ولایت امروہہ قرار دیا۔ سلطان علاء الدین مسعود ۶۴۰ھ کے زمانے میں امروہہ کا حاکم (گورنر) ملک جلال الدین تھا۔

امروہہ کے صدیقی خاندان میں عہدۂ قضاۃ ہمیشہ رہا۔ پہلے قاضی (حاکم) قاضی نظام الدین صدیقی تھے۔ جن کو دہلی سے منصب قضا امروہہ و سنبھل ملا۔

۶۵۲ھ میں سلطان ناصر الدین محمود، راجپوتوں کی شورش کی سرکوبی کے لئے امروہہ آیا۔ وہ ایک نیک سیرت اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۵ھ میں مفسدوں کی سرکوبی کے لئے امروہہ آیا۔ اسی نے قاضی نظام الدین کو عہدۂ قضاۃ پر مامور کیا۔ ۶۶۵ھ میں سلطان بلبن کے زمانے میں ملک امیر علی حاتم خان امروہہ کا حاکم تھا۔ امیر خسرو اسی حاکم کے دامن سے وابستہ تھے۔ سلطان بلبن کے زمانے میں اعز الدین غور، حاکم امروہہ مقرر ہوا۔ اسی کے نام پر محلہ چاہ غوری ہے۔ معز الدین کیقباد ۶۸۶ھ نے قاضی نصر اللہ صدیقی کو عہدۂ قضاۃ پر مامور کیا۔ جو قاضی نظام الدین صدیقی کے لڑکے تھے۔ سلطان معز الدین کیقباد کے زمانے میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطان ہوا۔ اسی حاکم کے زمانے میں مسجد کیقباد تعمیر ہوئی۔ اسی میں مدرسہ معزیہ اور دار الاقامہ بھی تھا۔ مدرسہ و خانقاہ کا اب کوئی وجود نہیں۔ مسجد کیقباد امروہہ کی قدیم جامع مسجد تھی۔ بعد میں یہ مسجد، شیخ صدو کے نام پر موسوم ہوگئی۔

علاء الدین خلجی کے زمانے میں مغلوں کا لشکر بجنور کی جنوبی سمت سے ولایت امروہہ پر حملہ آور ہوا۔ علاء الدین خلجی کے وزیر اعظم ملک کافور نے مغلوں کو

رام گنگا کے کنارے شکست دی۔ سلطان علاء الدین خلجی کا لڑکا شہزادہ خضر خان امروہہ شکار کھیلنے آیا تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں نے دنیا کو فتح کرنے کے لئے منگولیا سے طوفانی شکل میں اسلامی ممالک خوارزم شاہ، بخارا، ترکستان، عراق، افغانستان، عرب کو روند ڈالا۔ پھر یہ لشکر ہندوستان آیا۔ تاتاریوں نے علاء الدین خلجی کے زمانے میں ۷۱۴ھ میں امروہہ پر حملہ کیا۔ اس زمانے میں امروہہ چھاؤنی تھا۔ رہب ندی کو رام گنگا بھی کہتے ہیں۔

امروہہ میں عہدۂ قضاۃ صدیقی خاندان میں رہا، لیکن سلطان محمد تغلق ۱۳۲۱ء/۷۴۱ھ کے دور میں امیر علی بن سید شاہ شرف الدین شاہ ولایت قاضی مقرر ہوئے۔

ابن بطوطہ امروہہ آیا

اسلامی دنیا کا عظیم سیاح ابن بطوطہ اندلسی، ایشیاء، افریقہ اور ممالک اسلامیہ کی سیر کرتے ہوئے دہلی آیا اور سلطان محمد تغلق کے حکم سے امروہہ آیا۔ اس نے امروہہ میں دو ماہ قیام کیا۔ یہ مشہور عرب اندلسی سیاح ابن بطوطہ ۷۴۱ھ میں امروہہ آیا۔ اس نے شاہ محمد ثانی صدیقی جد ہشتم شاہ عبدالہادی صدیقی سے ملاقات کی۔ اس نے اپنے سفرنامے میں امروہہ کے بارے میں لکھا ہے۔

''بَلدۃٌ صغیرۃ جمیلۃ'' یعنی امروہہ ایک چھوٹا خوبصورت شہر ہے۔

ابن بطوطہ جب امروہہ آیا تو شاہ ولایت کے فرزند اکبر امیر علی یہاں کے قاضی تھے اور عہدۂ قضاۃ پر مامور تھے۔ جو اس زمانے میں حکومت کے مترادف تھا۔ قاضی امیر علی کے بعد عہدۂ قضاۃ ان کی نسل میں باقی نہ رہا۔ قاضی امیر علی کا سن وفات ۷۸۳ھ ہے۔ ابن بطوطہ جب امروہہ آیا تو دو سال قبل شاہ ولایت کا انتقال ۷۳۹ھ میں ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کی ملاقات شاہ ولایت سے نہیں ہو سکی۔

امروہہ کی تاریخ

سلطان محمد تغلق کا انتقال ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۳۲ھ میں ہوا۔ سلطان فیروز

شاہ تغلق کے زمانے میں امروہہ کا حاکم ملک محمود بک شیر خان تھا۔ سید خضر خان بادشاہ نے ۸۲۲ھ مطابق ۱۴۰۲ء میں امروہہ کو مفسدین سے پاک کیا۔ ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۶۳ء، میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا۔ سلطان سکندر لودھی ۹۰۵ھ مطابق ۱۴۸۵ء میں سنبھل آیا اور امروہہ بھی آیا۔ شکار و چوگان اطراف میں کھیلا اور امروہہ میں قیام کیا۔ لودھی خاندان کے آخری حکمران ابراہیم لودھی کو ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۱۲ء میں بابر نے شکست دی۔ شہنشاہ بابر نے ابتدائی دور میں امروہہ و سنبھل میں قیام کیا۔ مغل بادشاہ ہمایوں یعنی شہزادہ خرم جو بابر کا بیٹا تھا، شکار کھیلنے امروہہ آیا اور ایام شہزادگی میں امروہہ میں مقیم ہوا۔ شہنشاہ اکبر نے ۹۷۷ھ میں خاندان صدیقی کو مواضعات عطا کیئے۔ عہد جہانگیری میں امروہہ و سنبھل ایک ہی حاکم کے تحت رہے۔ عہد شاہجہاں میں شیخ الحدیث مولانا عبدالسمیع صدیقی ہوئے۔ یہ محدث ۱۰۷۸ء عہد شاہجہاں میں تھے۔ مراد آباد شہزادہ مراد کے نام پر ہے۔ بعہد شاہ فرخ سیر بادشاہ ۱۱۲۷ھ مطابق ۱۷۰۷ء اعتماد الدولہ کو مراد آباد کا گورنر مقرر کیا اور ۱۷۰۸ء مطابق ۱۱۲۸ھ میں نظام دکن کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ اول، مراد آباد کے گورنر رہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں مرہٹوں نے امروہہ پر حملے کیئے۔ ۱۱۵۵ھ/۱۷۳۵ء میں نواب علی محمد خان روہیلہ، مورث اعلیٰ نوابان رامپور نے شاہی افواج کو شکست دی اور مراد آباد، امروہہ، سنبھل پر اپنا قبضہ جما لیا۔ رامپور اور بدایون بھی اس میں شامل ہو گئے اور یہ علاقہ روہیلکھنڈ کہلایا۔ نواب علی محمد خان روہیلہ کا انتقال ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۴۵ء میں ہوا۔ اس کے بعد حافظ رحمت علی خان روہیلہ صدر ہوئے اور سپہ سالار نواب دوندے خاں روہیلہ تھے۔ اصل اقتدار دوندے خاں روہیلہ کے ہاتھ میں تھا۔ نواب دوندے خان کا انتقال ۱۱۸۴ھ/۱۷۶۴ء میں ہوا۔ ان کا اقتدار بیس سال رہا۔ ان کے انتقال کے بعد روہیلوں کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ اس زمانے میں شاہ عبدالباری چشتی امروہہ کے مشہور بزرگ تھے۔ ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۶۸ء میں فیض اللہ خان پر نواب دوندے خاں روہیلہ کو رامپور کی جاگیر دی گئی۔ بقیہ علاقہ روہیلکھنڈ، نواب

اودھ کے تحت آیا اور نواب شجاع الدولہ اس علاقے کے حاکم ہوئے۔

۱۱۸۸ھ/ ۱۷۶۸ء سے ۱۲۱۶ھ/ ۱۷۹۶ء یعنی تقریباً ۲۸ اٹھائیس سال تک اس علاقے میں نوابان اودھ کی حکومت رہی۔ بریلی، بدایون، مرادآباد تین ضلعوں میں روہیلکھنڈ کو تقسیم کیا گیا۔ نواب اودھ نے ۱۲۱۶ھ/ ۱۷۹۶ء کو بالعوض اخراجات، فواج کے روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ جس میں مرادآباد بھی شامل تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیدیا اور مرادآباد ضلع کا صدر مقام رہا۔ مسٹر ڈبلیو لیسٹر W. Laster پہلے کلکٹر ہوئے۔

امیر خان جو نسب کے لحاظ سے سلارزئی پٹھان تھے اور بعد کو نواب ٹونک کہلائے۔ نواب ٹونک امروہہ کے قریب ۱۲۱۹ھ/ ۱۷۹۹ء میں ابراہیم پور کے میدان میں انگریزوں سے ٹکرائے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی امروہہ میں قائم کی۔ بعد میں یہ چھاؤنی امروہہ سے میرٹھ منتقل ہوگئی۔

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کی خبریں پہنچنے کے بعد ۱۷ رمئی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۷ھ کو امروہہ کے عمائدین شہر نے مشاورت کی اور درگاہ شاہ ولایت میں جمع ہوئے۔ جلسہ میں سید علی مظفر خان گھڑیال والے، میر بنیاد علی پیرزادہ، مولوی کریم بخش عباسی، سید رمضان علی کٹرہ غلام علی، سید محمد حسین مجاپوتہ مولوی گلزار علی، خاندان شاہ عبدالہادی، خاندان سید محمود دربارکلان نے شرکت کی۔ شاہ ولایت میں مجاہدین کی پہلی میٹنگ ۱۷ رمئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔ اس جلسۂ مشاورت میں طے پایا کہ اگر انگریزوں کا اقتدار ضلع مرادآباد سے اٹھنے لگے تو انگریزوں کی عملداری ختم کرکے اقتدار خود سنبھال لیا جائے۔ یہ جلسۂ مشاورت اسی طرح کا تھا جس طرح تھانہ بھون میں مجاہدین آزادی نے منعقد کیا تھا۔ ۱۲ رمئی ۱۸۵۸ء کو مرادآباد پر انگریزں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مرادآباد کا ایک کلکٹر اسٹریچی تھا۔ اسی کے نام پر علیگڑھ میں اسٹریچی ہال ہے۔ ۲۰ رمئی ۱۸۵۷ھ کو باغیوں نے تھانہ امروہہ پر حملہ کیا تحصیل وخزانہ لوٹ لیا۔

امراء اور سربرآوردہ افراد نے کوشش کی کہ امروہہ میں اسلامی حکومت قائم کرلیں۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا۔ اہل شہر نے جاٹوں کا مقابلہ کیا۔ جاٹوں کو شکست ہوئی کہ پھر کبھی جاٹوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں مرادآباد کا کلکٹر جے جے گرانٹ ونسن تھا۔

امروہہ پر نواب رامپور انگریزی حکومت کی طرف سے منتظم تھے۔ انھوں نے پورے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ باغیان امروہہ کی جائیدادیں ضبط کیں۔ ان میں سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی، درویش علی خان کے نام ہیں۔ جن کی املاک ضبط ہوئیں۔ امروہہ کے نواح میں سالار مسعود غازی نے مجاہدانہ حملے کیئے جہاد اسلامی میں یہاں کے مجاہدین نے حصہ لیا۔

آپ کے ساتھ کے شہداء کے مزار امروہہ ہی میں ہیں۔ اس میں جھنڈا شہید مشہور ہیں بھورے خان شہید متصل امروہہ ریلوے اسٹیشن بھی انہی میں سے تھے۔ فتح خان شہید بھی اس میں سے تھے۔ امروہہ اور اس کے نواح میں شیخ سالار اور ان کے بیٹے شیخ مجید الدین اوزان کی اولاد کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ شیخ مجیر الدین کے اخلاف کو رجب پور میں جاگیر ملی اور انھوں نے وہاں سکونت اختیار کرلی اس کے علاوہ ۱۸۸۷ء کی جنگ آزادی میں امروہہ کے ہزاروں مجاہدین نے جنگ آزادی میں اپنی جانیں نچھاور کیں۔ سزائیں پائیں اور تحریک آزادی کو جاری رکھا۔ امروہہ کے مجاہدین نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک آزادی میں خاندان ہادویہ کے علاوہ بہت سی مسلم تنظیمیں مثلاً خاکسار، احرار، جمیعتہ العلماء، تحریک خلافت، کانگریس، مسلم لیگ نے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ جیلیں بھریں۔ غرض امروہہ کی سرزمین سے جنگ آزادی کا بگل بجایا گیا اور تحریک آزادی کا رزولیوشن پاس ہوا۔ بالآخر ۱۹۴۷ء میں قید غلامی کی زنجیریں کٹیں اور ملک آزاد ہوا۔

امروہہ اپنی گنگا جمنی تہذیب کے لئے منفرد مقام رکھتا ہے۔ ہندو مسلم، شیعہ سنی، بریلوی دیوبندی سب مل جل کر رہتے ہیں۔ فرقہ واریت کے اس دور میں

امروہہ پورے ملک کے لئے مشعل راہ رہا۔

غرض امروہہ ہمیشہ مختلف تحریکوں کا گہوارہ رہا ہے۔ روحانی تعلیمات کا مرکز رہا ہے۔ امروہہ میں سید احمد گنج رواں، سید شرف الدین شاہ ولایت، شیخ عبدالمجید صدیقی المعروف بہ زندہ پیر سہروردی امروہوی، حضرت ابوالفتح المعروف شاہ سید ابن بدر چشتی، شیخ چاپلدہ المعروف بہ شیخ چاہ مولانا شاہ سید عضدالدین جعفری چشتی صابری، شاہ عبدالباری، حضرت شاہ گھاسی چشتی، شاہ قیام الدین چشتی مولانا سید احمد حسن محدث کے مزارات چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا فیض روحانی جاری ہے۔

غرض امروہہ کو ہر زمانہ میں مرکزیت حاصل رہی۔ علماء مشائخ کا مرکز رہا۔ امروہہ کے خطیب وذاکر، مناظر و واعظ ملک کے دوسرے حصوں میں سرگرم رہے۔ امروہہ کو علم طریقت، شریعت، علم تصوف میں بھی بڑا مقام حاصل ہے۔ یہاں ملک کے عظیم بزرگ مشائخ، علماء، اطبار، ادیب و نقاد و شاعر پیدا ہوئے۔ مشہور طبیبوں سے امروہہ خطہ یونان کہلایا۔ اب میں ان مشائخ میں شاہ ولایت اور طبیبوں کے خاندان کا ذکر کرتا ہوں۔

شاہ ولایت ۶۶۳ھ تا ۷۳۹ھ

سید شرف الدین شاہ ولایت بعہد غیاث الدین تغلق ۷۲۱ھ-۷۲۵ھ امروہہ آئے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام علی نقی سے ملتا ہے۔ شاہ ولایت کے دو بیٹے تھے۔ ۱- قاضی امیر علی ۲- سید عبدالعزیز۔ قاضی امیر علی کا نام علی تھا۔ وہ قاضی شہر بلکہ حاکم شہر امروہہ تھے۔ امیر، حاکم کے معنی میں ہے۔ قاضی امیر علی کے دو بیٹے تھے۔ ۱- سید اشرف جہانگیر جو لاولد رہے۔ دوسرے سید محمد حسن سے نسل چلی۔ قاضی امیر علی کے بعد عہدۂ قضاۃ ان کی نسل میں باقی نہ رہا۔ متولیوں کا خاندان ہوا۔ شاہ ولایت کے والد عراق عرب سے ہندوستان آئے۔ شاہ ولایت کے پسر خورد سید عبدالعزیز

کے تین بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے سید ابدال، لاولد تھے۔ دوسرے بیٹے سید مجد الدین کی اولاد سنبھل میں ہے۔ انھیں میں سید کمال مولف اسراریہ ہوئے۔ ن کی تاریخ اسراریہ ۱۰۶۹ھ کی ہے۔ جو امروہہ کی تاریخ پر مستند حوالہ سمجھی جاتی ہے۔ شاہ ولایت کے پسر خورد سید عبدالعزیز کے تیسرے بیٹے سید راجا کی اولاد میں میر عدل اور سید مبارک کا خاندان صحیح النسب ہے۔ امام علی نقی اور ان کی اولاد کی سکونت عراق میں تھی۔ واسط ایک شہر کا نام ہے۔ جو کہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہے۔ مقام واسط عراق میں ہے۔ اسی سے واسطی نسبت ہے۔ تاریخ واسطیہ ۱۳۲۲ھ کی ہے۔ اس کے مولف سید رحیم بخش نقوی محلّہ قاضی زادہ میں سے تھے۔ یہ کتاب بھی امروہہ کی تاریخ پر حوالہ مانی جاتی ہے۔ شاہ ولایت کی ولادت ۶۵۳ھ اور وفات ۷۳۹ھ ہے۔ شاہ ولایت کی پیدائش قصبہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ (چناب کے کنارے) پنجاب میں ہوئی۔ شاہ ولایت، بہاء الدین ذکریا ملتانی کے خانوادے سے فیض یافتہ تھے۔ اس لئے یہ خیال کہ شاہ ولایت براہ راست شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ولادت ۵۳۶ھ اور سن وفات ۶۳۲ھ ہے۔ عوارف المعارف ان کی کتاب ہے۔ بغداد میں مدفون ہیں۔ البتہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی ان کے مرید تھے۔ بہاء الدین ذکریا ملتانی ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۶۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ ولایت کا قیام ملتان میں رہا۔ وہیں سے آپ امروہہ آئے۔ اس لئے یہ بات درست ہے کہ شاہ ولایت سہروردیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور بہاء الدین ذکریا کے خانوادے سے فیض یاب تھے۔

شاہ ولایت اپنے والد سید علی کے ساتھ امروہہ آئے تو ان کی عمر پچاس سال تھی۔ دامن کوہ میں عبادت گزار ہوئے۔ امروہہ آکر شاہ ولایت آبادی کے اندر نہ رہے بلکہ جنگل میں مناظر فطرت کے ساتھ عبادت الٰہی میں معروف رہتے تھے۔ امروہہ میں جہاں ان کا مزار ہے۔ وہی ان کی عبادت گاہ تھی۔ شاہ ولایت علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ ان کے اوپر استغراق کا عالم طاری رہتا تھا۔ تابناک

چہرے سے نورِ عبادت اور جلال الٰہی ظاہر ہوتا تھا۔ اپنے وقت کے بڑے صوفی بزرگ تھے۔ آپ کا چہرہ منور تھا۔ شاہ ولایت کے پسر خورد سید عبدالعزیز کے تیسرے بیٹے سید راجا کی اولاد میں سید میر عدل گورنر سندھ ہوئے۔ ان کا مزار بکھر (سندھ) کے پرانے قلعے میں ہے۔

بہرکیف یہ حقیقت ہے کہ شاہ ولایت نقوی الواسطی اور سنی حنفی سہروردی تھے۔ شاہ ولایت کے ایک چھوٹے بھائی، سید محمود سالار تھے۔ جن کی اولاد میں قاضی زادہ کے نقوی سادات ہیں۔ (۹۳)

پیرزادوں کا حکیموں کا خاندان

خاندان رضویہ کے مایۂ ناز اطباء میں میرے چھوٹے دادا حکیم سید حامد حسن رضوی کا نام آتا ہے۔ جو ریاست حیدرآباد دکن میں افسر الاطباء اور نظام حیدرآباد کے طبیب خاص تھے۔ آپ کو طب جدید وقدیم کے علاوہ فلسفہ والہیات میں بصیرت و درک حاصل تھا۔ وہ میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ جو ان کے بڑے بھائی تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کا شمار قابل اطباء میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ذیابطیس کا کامیاب علاج کیا۔ ان کی علمی یادگاروں میں ایک رسالہ مرض طاعون پر ہے۔ جو شائع ہو چکا ہے۔ دوسری تصنیف توازن علوم قدیمہ وجدیدہ ہے۔ تیسری تصنیف طب مشرقی پر ہے۔ ان کے مشہور اختراعی مرکبات میں ۱۔ حب اکسیر تریاق ملیریا، ۲۔ حب اکسیر ذیابطیس، ۳۔ حب تریاق طاعون، ۴۔ مفرح اعظم عثمانی، ۵۔ معجون اکسیر البدن اور ۶۔ معجون حفظ حمل ہے۔ فخر الاطباء حکیم سید محمود حسن رضوی بھی خاندان رضویہ کا روشن دماغ تھے۔ وہ طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر تھے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان دہلوی کی خصوصی دعوت پر بھوپال سے دہلی آئے۔ اس سے قبل وہ ریاست بھوپال کے حکیم تھے۔ افسوس ہے ان کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا۔

(۹۳) تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء

سادات رضویہ امروہہ کی ایک شاخ حکیموں کا خاندان کہلاتی ہے۔ اس میں حکیم بخش اللہ بڑے پائے کے طبیب تھے اور امروہہ میں طب کے بانی تھے۔ حکیم بخش اللہ شاہ احمد کی اولاد ہیں۔ جو شاہ ابن کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ آصف الدولہ والیٔ اودھ اور نواب فیض اللہ خان والیٔ رامپور کے طبیب خاص کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ رامپور میں وفات ہوئی۔ لیکن وصیت کے مطابق امروہہ روضۂ شاہ ابن پر تدفین ہوئی۔ آپ کی بعض تالیفات اور حواشی بھی تھے۔ جن کا تذکرہ افسر الاطبا حکیم احمد سعید نے اپنی تصنیف تعلیقات سعیدیہ میں کیا ہے۔ لیکن دستبرد زمانہ سے طبی بیاضوں کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ آپ کی ایک تصنیف علاج الصبیان باقی رہ گئی ہے۔ آپ کے بعد آپ کے ایک شاگرد رشید حکیم محمد علیم صدیقی امروہوی کا تقرر رہا۔ جس سے محلہ چلہ کے خاندان اطباء کا آغاز ہوتا ہے۔

حکیم سید بخش اللہ رضوی کے خاندان میں حکیم سید حسن عسکری کا خاندان آتا ہے۔ پیرزادوں میں حکیم عسکری کا خاندان بہت مشہور ہے۔ حکیم حسن عسکری رضوی، حکیم بخش اللہ رضوی کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ بہت جلد شہرت حاصل کی۔ یہاں تک کہ ریاست ٹونک کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔ ہوا یہ کہ نواب امیر خان بہادر والیٔ ریاست ٹونک مرض استسقاء میں مبتلا ہوئے۔ تمام اطبائے وقت علاج میں ناکام ہو چکے تھے۔ تو نواب صاحب نے حکیم عسکری کا علاج کیا اور وہ ایک ہفتہ میں شفایاب ہو گئے۔ تو نواب صاحب نے اس کے صلے میں سوا لاکھ روپے دو ہاتھی مع زرنگار ہودج، جاگیر اور خلعت اور پالکی عطا کی۔

آپ کا انتقال بھی ٹونک میں ہوا۔ لیکن نعش امروہہ لا کر روضہ شاہ ابن پر تدفین ہوئی۔ آپ کی حذاقت فن کا اعتراف اس سے کیا ہو سکتا ہے۔ اس طبی خاندان کا نام آپ کے نام سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ اور اس کو خاندان عسکریہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حکیم عسکری کے بڑے صاحبزادے حکیم سید اکبر علی رضوی بڑے عبادت

گزار اور ذی اثر شخصیت کے مالک تھے۔ کالی کھانسی کے علاج میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ نواب رامپور اور نواب ٹونک سے آپ کے خاص تعلقات تھے۔ مگر کبھی کسی نواب کی نوکری نہیں کی۔ حکیم عسکری کے دوسرے صاحبزادے حکیم سید نثار علی رضوی بڑے بارعب طبیب تھے۔ آپ نہایت عیش و عشرت کے ساتھ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ نواب وزیر خان کے اصرار پر ریاست ٹونک کے حکیم مقرر ہوئے۔ لیکن چھ ماہ وطن اور چھ ماہ ٹونک میں رہتے تھے۔ آمدورفت پالکی میں ہوتی تھی چوبیس کہار علاوہ دیگر ملازمین اور خدمت گاروں کے آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ پھر آپ امروہہ ہی میں رہنے لگے تھے۔

آپ ہی کا مرتب کردہ مطب سارے خاندان رضوی میں رائج ہے۔ حکیم سید احمد سعید افسر الاطباء ریاست حیدرآباد دکن، حکیم سید اکبر علی رضوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حکیم عسکری کے پوتے تھے۔ عربی ادب میں آپ کو خاص مہارت تھی۔ فن طب میں آپ کو سینا و فارابی کا ہم پلہ کہا جاتا تھا۔ آپ کی آٹھ ضخیم تصنیفات ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱-تشخیص کامل ۲-معیار سعیدیہ ۳-شرح اسباب ۴-معیار الاطباء

۵-مدار العلاج ۶-تعلیقات سعیدیہ۔

ان میں تشخیص کامل کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ طب نظری میں ایک بلند پایۂ کتاب ہے۔ آپ نے اس میں متشابہ امراض کے فرق کو بیان کیا ہے۔ آپ ریاست حیدرآباد کے پہلے افسر الاطباء تھے۔ آپ نے مرض جذام پر بھی رسالہ لکھا تھا۔ حکیم سید اکبر علی رضوی کے صاحبزادے حکیم زین العابدین ان کے صاحبزادے حکیم سید آل محمد رضوی عرف حکیم منو میاں لائق طبیب تھے۔ حکیم سید علی حسن رضوی، حکیم سید نثار علی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ریاست ٹونک میں اپنے والد کی جگہ پر جانشین مقرر ہوئے۔ یمین الدولہ نواب محمد علی خان والیٔ ٹونک نے آپ کا حکیم صاحب موصوف کی جگہ پر تقرر کیا۔ نواب صاحب

آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں علاج نسواں اور موتی جھرہ کا علاج ہے۔ حکیم ظہور الحق امروہوی، حکیم مہدی میاں ٹونکی، حکیم سید نور احمد رضوی آپ کے شاگردان ہیں۔

حکیم سید ابن حسن رضوی، حکیم سید نثار علی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے اور حکیم طفیل حسن کے والد تھے۔ بیس سال تک اپنے والد حکیم سید نثار علی سے مطب سیکھا اور ان کی زندگی بھر کے تجربات کے وارث قرار پائے۔ حمیات مرکبہ، امراض سوداویہ اور ان امراض مُزمنہ میں زبردست شہرت کے مالک تھے۔ صوبۂ یوپی کے امراء، راجگان، نواب اور حکام آپ کی طبی قابلیت کے معترف تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو سابق صدر کانگریس سے آپ کے بہت تعلقات تھے اور پنڈت جی آپ سے بہت اعتماد رکھتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں جب پنڈت جواہر لال نہرو امروہہ تشریف لائے تو اپنے والد کے خطوط کو دیکھ کر چشم پرنم ہو گئے۔ خاندان عسکریہ کا تجرباتی ذخیرہ آپ کو حاصل ہوا۔ جو حکیم طفیل حسن کو ملا۔

حکیم سید علی احمد رضوی، حکیم سید نثار علی رضوی کے پوتے تھے۔ حذاقت و طبابت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۵۲ھ میں مرض طاعون میں ہوا۔

حکیم سید سلطان احمد رضوی، حکیم سید علی احمد رضوی کے صاحبزادے تھے۔ بڑے قابل حکیم تھے۔

امروہہ میں رضوی خاندان کے علاوہ اور بھی بہت سے طبیب ہوئے جو آسمان طب پر آفتاب و ماہتاب ہو کر چمکے۔ ان میں بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی کا نام سرفہرست ہے۔ جو میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن کے شاگرد تھے اور طبیہ کالج دہلی کے پرنسپل تھے۔ والیاں ریاست اور رؤسائے ہند آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان نے آپ کو خاص طور سے اپنے طبیہ کالج دہلی میں پرنسپل مقرر کیا۔ اسی طرح حکیم امین الدین بھی میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے شاگرد تھے۔ وہ بھی طبیہ کالج دہلی میں پروفیسر اور نائب پرنسپل مقرر ہوئے۔

محلہ چلہ میں حکیم فرحت اللہ امروہہ کے خاندانی اور مشہور طبیب تھے۔ ان کے بزرگ حکیم محمد حکمت اللہ صاحب نواب رامپور کے طبیب خاص تھے اور امراض کہنہ کے علاج میں بینظیر تھے۔ درد گردہ، سل، دق، تپ کہنہ کے مریضوں کا خاص علاج کرتے تھے۔ آپ کے جانشین حکیم فرحت اللہ تھے۔ حکیم فرحت کے لڑکے حکیم سعادت اللہ اور حکیم صیانت اللہ تھے۔

امروہہ میں شاہ عبدالہادی کے خاندان میں حکیم عبدالسلام صدیقی متوفی ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۲۹ھ بڑے قابل حکیم تھے۔ وہ حکیم رحیم اللہ صدیقی کے بڑے لڑکے تھے۔ حکیم عبدالسلام، حسن صورت، حسن سیرت کے مالک ذی وجاہت طبیب تھے۔ فن طب میں ارسطوئے زمان اور افلاطون ثانی کہلاتے تھے۔ یوپی کے نواب راجہ ان سے علاج کراتے تھے۔ خاص طور سے وہ نواب چھتاری کے معالج تھے۔ حکیم رحیم اللہ صدیقی کے حسب ذیل چار بیٹے تھے۔

۱۔ حکیم عبدالسلام صدیقی ۲۔ حکیم عبدالحکیم ۳۔ حکیم عبدالقیوم صدیقی
۴۔ حکیم عبدالصمد صدیقی

ان میں حکیم رحیم اللہ کے دوسرے بیٹے حکیم عبدالحکیم صدیقی ۱۹۰۹ء تھے۔ وہ بھی نہایت حسین وجمیل سرو قامت تھے۔ حسن صورت اور حسن سیرت میں یکتا تھے۔ حکیم عبدالحکیم صدیقی کے تین فرزند تھے۔ جو یہ ہیں:

۱۔ ضیاء الحق ۲۔ حکیم ظہور الحق صدیقی ۳۔ حکیم احسان الحق صدیقی

ان میں حکیم ظہور الحق صدیقی اور حکیم احسان الحق صدیقی دونوں میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن کے شاگرد تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے اجداد کی طرح نوابان ریاست چھتاری کے معالج تھے۔ حکیم احسان الحق کے بیٹے حکیم اسلام الحق صدیقی تھے۔ حکیم رحیم اللہ صدیقی کے چوتھے بیٹے حکیم عبدالصمد صدیقی ۱۹۲۵ء۔ پیر جی علی جان کے داماد تھے۔ حکیم عبدالصمد کی دوسری شادی مسیح النساء سے ہوئی تھی۔ جو سید شاہد حسن رضوی

کی ہمشیرہ تھیں۔ حکیم عبدالصمد کے پوتے درویش احمد صدیقی تھے۔ جو حکیم بدرالاسلام صدیقی ابن حکیم عبدالصمد کے لڑکے تھے۔ درویش بھائی کی شادی ہمشیرہ اکرام الحق سے ہوئی تھی۔ غرض امروہہ اپنے مشہور حکیموں سے خطہ یونان کہلایا۔ امروہہ کی سرزمین نے مشائخ، علماء، صوفیاء، اطباء، ادباء اور شعراء پیدا ہوئے۔ شریعت ہو یا طریقت، طبابت ہو یا خطابت امروہہ نے ہمیشہ ایک صالح اور صحت مند نظریہ کو اختیار کیا۔ شعری دنیا میں بھی امروہہ نے قائدانہ رول ادا کیا۔ دہلی اور لکھنؤ دونوں اسکولوں کی شاعری امروہہ کی مرہون منت ہے۔

امروہہ تمدنی اعتبار سے ایک انفرادی مقام رکھتا ہے۔ شائستگی میں لکھنؤ کا ہمسر ہے۔ زبان و بیان میں دہلی کا رنگ نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ امروہہ مختلف تحریکوں کا گہوارہ رہا۔ روحانی تعلیمات کا مرکز رہا۔ میں نے تفصیل سے امروہہ کی تاریخ اور یہاں کے خانوادوں سے اس لئے بحث کی تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے دادا سید العلماء سید احمد حسن محدث جس سرزمین امروہہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی علمی، تاریخی اور روحانی اہمیت کیا ہے۔

<u>نوٹ:</u> حکیم سید حسن مثنی رضوی کا انتقال ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ علم رجال اور تحقیق انساب میں مہارت رکھتے تھے۔ حکیم طفیل حسن کا انتقال ۱۸ اپریل ۱۹۵۶ء کراچی میں ہوا۔ علمی بصیرت، حاضر دماغی اور دلکش انداز تحریر میں ممتاز تھے۔

شیخ چاہ

شیخ چاہ کا اصل نام شیخ چائلدہ فاروقی ہے۔ ان کو عرف عام میں شیخ چائیاں بھی کہتے ہیں۔ ملا امان کے کنویں کے اس پاران کا مزار ہے۔ وہ بابا فرید گنج شکر کی صلبی اولاد کی ایک شاخ سے ہیں۔ حاجی عبدالغفور فاروقی اور شیخ چائلدہ نے امروہہ میں قیام کیا۔ شیخ عبدالغفور فاروقی شیخ چائلدہ کے برادر عم زاد تھے۔ شیخ عیسیٰ المعروف بہ شیخ چاہ کے والد کا نام شیخ منور (م ۹۱۸ھ) ہے۔ شیخ عبدالغفور کے والد کا نام شیخ

مظفر ہے۔ شیخ چاہ اور شیخ عبدالغفور جھنڈا شہید کے رہنے والے تھے۔ ان کی اولاد فاروقی ہے۔ محلہ جھنڈا شہیدان کا مسکن ہے۔

حوالہ: نگاہ فقیر خلیق احمد نظامی ص ۵۵، ۶۳ تاریخ امروہہ تحقیق الانساب ج ۴ ص ۲۸۹ تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ ص ۳۴

حاجی عبدالغفور فاروقی کی نسل میں ابدال محمد کے دو بیٹے ایسے تھے جن سے نسل چلی اور وہ یہ ہیں: ۱- منشی ارشاد علی ۲- ڈپٹی بشیر احمد

منشی ارشاد علی فاروقی کے حسب ذیل تین بیٹے تھے:

۱- منشی فرید احمد پنشنر سب رجسٹرار علم دوست تھے۔ ان کے فرزند عزیز احمد وکیل میرٹھ تھے۔ جو پروفیسر خلیق احمد نظامی کے والد تھے۔

۲- منشی فضل احمد صوفی مشرب تھے۔ ۳- منشی شریف احمد مختار عدالت کلکٹری مرادآباد تھے۔

شیخ ابدال محمد کے دوسرے بیٹے ڈپٹی بشیر احمد صوبہ پنجاب کے محکمہ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے۔ ان کو حکومت کی جانب سے دو مرتبہ خلعت و انعام ملا۔ ابتداً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔

ڈپٹی بشیر احمد کے نام سے مشہور تھے۔ ڈپٹی بشیر احمد کے لڑکے مولوی حسین احمد تھے۔ حسین احمد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، سبحان احمد رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی، ابرار احمد فاروقی ہوئے۔ دوسری بیوی جمیلہ خاتون، حکیم علی احمد کی بہن سے مولوی نسیم احمد فریدی، تسلیم فاروقی، تحسین فاروقی تھے۔

منشی ارشاد علی فاروقی کے تیسرے بیٹے شریف احمد تھے۔ شریف احمد مختار کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ ۱- جمیل احمد نظامی ۲- محمود احمد نظامی ۳- سبط احمد نظامی

زوجہ جمیل احمد نظامی ولد شریف احمد، پیر جی علی جان کے بڑے بھائی حسین الدین رضوی کی اولاد میں تھیں ڈپٹی بشیر احمد فاروقی کی لڑکی فاطمہ خاتون ڈاکٹر آل احمد رضوی کی زوجہ تھیں۔ سبط احمد نظامی کی زوجہ بابو عبدالعزیز کی دختر ہیں۔

<u>نوٹ:</u> سید عزیز اللہ رضوی عرف پیر جیون کی دختر، بی بی فیضا ابدال محمد فاروقی کی زوجہ تھیں جو منشی ارشاد علی فاروقی کی والدہ ہوئیں۔ ڈپٹی بشیر احمد ولد ابدال محمد کی زوجہ

فضیلۃ النساء رضوی، پیر جیون کی پوتی اور قادر بخش کی دختر تھیں۔

فرید احمد ولد منشی ارشاد علی کی زوجہ قدرت النساء، پیر جی علی جان کی دختر تھیں جو خلیق احمد نظامی کی دادی تھیں اور سید رئیس الدین احمد رضوی کی بہن تھیں۔ منشی ارشاد علی فاروقی (۱۹۰۰ء-۱۸۲۵ء) کی زوجہ ثانیہ سید کمال الدین رضوی کے دوسرے بیٹے علی الدین رضوی کی بیٹی الٰہی جان تھیں۔ جو سید کمال الدین رضوی کے بڑے لڑکے سید امین الدین کے بیٹے نذیر الدین عرف پیر جی علی جان کی چچازاد بہن تھیں۔

اس طرح فاروقی خاندان نے شروع سے پیرزادوں میں رشتے ناطے کیئے۔ میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے خطوط منشی ارشاد علی کے نام ہیں۔ ان سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔

ان کے چھوٹے بھائی ڈپٹی بشیر احمد فاروقی سے بھی میرے دادا کے مراسم تھے۔
غرض امروہہ شمالی ہندوستان کی ان قدیم بستیوں میں سے ہے۔ جہاں اسلامی تہذیب اور تمدن کی آبیاری ہوئی۔ ہندوستان کی کوئی بھی علمی، مذہبی تاریخ، امروہہ کی علمی اور تہذیبی کا رناموں کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ امروہہ کی سیاسی، تمدنی اور تاریخی اہمیت ہے۔ اس سرزمین پر میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث نے علم ودین کے چراغ جلائے۔ ارشاد وتربیت کی بساط بچھائی اور درس وتدریس کی مسند آراستہ کی۔

کتابیات

امروہہ کی تاریخ پر حسب ذیل کتابیں استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱- ثمرات القدس ۱۰۰۱ھ مولف لال بیگ لعلی بخشی۔ شہزادہ مراد عہد اکبری کا منصب دار مخطوطہ نسخہ نیشنل میوزیم کراچی

۲- تاریخ اسراریہ (فارسی قلمی) ۱۶۵۷ء/ ۱۰۶۸ھ مولف سید کمال بن سید لال سنبھلی جو شاہ ولایت کے دوسرے بیٹے سید عبدالعزیز کی اولاد سنبھل سے تھے۔ مخطوطہ نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳- تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی امروہوی ۱۸۷۴ء/۱۲۹۱ھ مطبوعہ ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۷ھ مطبع گلزار ابراہیم مراد آباد

۴- تحفۃ التواریخ (فارسی) مولف سید آل حسن بخشی مودودی امروہوی ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۸ھ عمدۃ المطابع امروہہ

۵- تاریخ واسطیہ مولف منشی سید رحیم بخش نقوی ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ تاریخ واسطیہ کے مصنف محلہ قاضی زادہ کے تھے۔

۶- خلاصۃ الانساب مولفہ سید ارشاد علی ۱۲۸۷ھ

۷- آئینہ عباسی مولف محب علی خان ۱۲۹۱ھ مطبوعہ مطبع العلوم مراد آباد

۸- منتخب التواریخ (فارسی) ملا عبدالقادر بدایونی (عہد اکبری) ۱۰۰۴ھ

۹- سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء

۱۰- عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی ۵۳۶ھ-۶۳۳ھ اردو ترجمہ حافظ سید رشید احمد علمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۸۲ء

۱۱- لغات کشوری از مولوی سید تصدق حسین رضوی مطبع نولکشور لکھنؤ اگست ۱۹۰۱ء

۱۲- تاریخ امروہہ جلد اول مولف محمود احمد عباسی جگی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۳۰ء

۱۳- تذکرۃ الکرام جلد دوم مولف محمود احمد عباسی محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء

۱۴- تحقیق الانساب جلد سوم مولف محمود احمد عباسی جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۲ھ

۱۵- تاریخ فرشتہ (فارسی) از محمد قاسم فرشتہ

۱۶- تاریخ سادات امروہہ مولف نہال احمد نقوی عرف خصال احمد اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن ۱۹۳۴ء

۱۷- مقاصد العارفین (فارسی قلمی) حضرت شاہ عضد الدین جعفری امروہوی ۱۲۰۰ھ

۱۸- کشف المحجوب (فارسی) حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری

باب ہشتم

مولانا سید احمد حسن محدث کی فضیلت بہ حیثیت محدث

مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی، خدا رسیدہ عالم تھے۔ وہ باطنی علوم کے محرم اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ آپ متواضع، خوش اخلاق، متقی، حلیم الطبع، کریم النفس اور خدا ترس انسان تھے۔ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب دل اور صاحب نظر تھے۔ وہ معرفت علم وعرفان کے رتبۂ بلند پر فائز تھے۔ مولانا سید احمد حسن کو تفسیر، حدیث، فقہ، سیر، تاریخ، منطق، فلسفہ، طب وحکمت پر دسترس تھی۔

وہ جملہ علوم وفنون کی مشکلات، ان کے متعلقات کو بہ سہولت و آسانی حل فرما دیتے تھے۔ ہر فن کے طلبہ کا اجتماع ان کے ساتھ رہتا تھا۔ علم طب کی تعلیم ہر ایک کی استعداد کے مطابق دیتے تھے۔ مولانا سید احمد حسن وعظ بھی فرماتے تھے اور خوش اسلوبی سے وعظ فرماتے تھے کہ ہر خاص و عام کی سمجھ میں آجاتا تھا۔ خوش بیانی اور باطن کی ترجمانی کی وجہ سے وعظ کا اثر رہتا تھا۔ ان کے پاس اطراف وجوانب سے استفسارات آتے تھے۔ ان کا جواب آپ دیتے تھے۔ آپ اپنے وقت کے علماء اور فضلائے زمانہ کے آخری مرجع شمار ہوتے تھے۔ جوابات انتہائی تحقیق اور تفتیش کے ساتھ لکھتے تھے۔ پورا علم مستحضر تھا، وہ ریاضات، مجاہدات اور عبادات وطاعات میں مشغول رہتے تھے۔

حدیث مسلسل

مولانا سید احمد حسن کو حدیث مسلسل میں سند حاصل تھی۔ حدیث مسلسل، محدثین کی ایک اصطلاح ہے۔ تسلسل سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی۔ حدیث مسلسل وہ ہے جس کے رجال اسناد کسی صفت یا کسی حالت پر متحد ہوں۔ کبھی یہ اتفاق روایت کے بارے میں ہوتا ہے اور کبھی رواۃ کے بارے میں اور وہ رواۃ کے صفات کبھی قولی ہوتے ہیں کبھی فعلی اور تسلسل کی ایک صورت یہ ہے کہ روایت کے اثبات میں اتحاد ہے۔ مثلاً یہ کہ ہر راوی سمعت یا اخبرنا کہتا ہو۔ یا اخبرنا فلاں کہتا ہو۔ اور اس میں سب سے افضل یہ ہے کہ جو اتصال پر دلالت کرے۔ حدیث مسلسل کے فوائد میں

یہ ہے کہ تسلسل، خلل سے سالم رہے۔ حدیث مسلسل بالا دلیت یہ ہے کہ جس میں ہر راوی یہ کہتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے اپنے شیخ سے یہ حدیث سنی۔

مسلسلات پر بہت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی بھی مسلسلات پر کتاب ہے۔ اس کا نام یہ ہے۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین۔

علم حدیث کی ضرورت

علم حدیث کی ضرورت یہ ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے۔ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ لیکن ان کی رکعات کی تعداد مذکور نہیں۔ یہ احادیث سے معلوم ہوا۔ قرآن، اصل دین اور مدار شریعت ہے۔ اور اس کی شرح حدیث مبارک میں ہے۔ تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث، کا پڑھنا ضروری ہے۔ حدیث، حادث سے بنا ہے۔ کیوں کہ اللہ قدیم ہے اور رسول حادث یعنی فانی ہے۔ فقہ، درایت الحدیث ہے، علم فقہ، قرآن و حدیث کو معارض نہیں۔ حدیث کے معنی بات کے ہیں۔ احادیث میں رسول اللہ کی باتیں ہیں۔ خبر کے معنی بھی بات کے ہیں۔ خبر، اخبار ملوک بھی ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے احادیث صحیحہ مجرد کو جمع کیا۔ حدیث کو سب سے پہلے جمع کرنے والے مدینہ میں امام مالک، بصرہ میں ابن جریج، رے ایران میں عبداللہ بن مبارک، یمن میں معمر بن راشد ہیں۔ یہ سب احادیث جمع کرنے والے ہیں۔ علم حدیث، علوم نقلیہ میں سے ہے۔ حدیث کی فضیلت قرآن مجید کے بعد ہے۔ تعلیمی اعتبار سے اس کا مرتبہ سب کے بعد ہے۔ اسی لیے درس نظامی میں پہلے صرف و نحو اور دوسرے علوم و منطق و فلسفہ پڑھایا جاتا ہے۔ بعد میں حدیث پڑھائی جاتی ہے۔ حدیث کے آٹھ ابواب ہیں، جو یہ ہیں۔

۱۔عقائد ۲۔احکام ۳۔تفسیر ۴۔تاریخ ۵۔رقاق ۶۔آداب ۷۔مناقب ۸۔فتن۔ جو کتاب ان آٹھ ابواب کو مجتمع کرے اس کو جامع کہتے ہیں۔ اس لیے بخاری شریف جامع ہے۔

ترمذی کی ترتیب فقہی انداز پر ہے۔ اس کو کتاب الطہارات سے شروع کیا

گیا ہے۔ کتاب الایمان سے نہیں۔

حدیث وفقہ کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ علم حدیث کی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی تشریح وتفسیر کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے تراجم بخاری کے نام سے کتاب لکھی۔ ختم بخاری شریف سے مریض کو شفا ہوتی ہے۔ بخاری کو جامع اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں آٹھوں ابواب ہیں اور مستند اس وجہ سے کہ جتنی روایات ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالرفع منقول ہے اور صحیح اس وجہ سے کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ذخیرہ ہے اور اس کا کوئی راوی ضعیف نہیں۔ اور سنن اس لیے کہ اس میں آنحضرت کی تقاریر ہیں۔ قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی کے حفظ کے لیے محدثین کرام نے بہت اہتمام کیا۔ امام ذہبی نے حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مبسوط کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' لکھی ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں اور ابن جوزی نے ''المنتظم'' میں حفاظ حدیث کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہیں۔ پھر ابن کے بعد عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہیں۔ ان کے علاوہ ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عباس سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اکرمؐ کی احادیث کو محفوظ کرنے میں کس قدر محنت کی۔ امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ کا قوت حافظہ زبردست تھا۔ ان کا نام ابوالحسن تھا۔ امام ابوبکر بن ابی داؤد بجستانی متوفی ۳۱۶ھ کو احادیث مبارکہ زبانی یاد تھیں۔ غرض محدثین نے احادیث کو محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

امام بخاری

امام یوسف، امام بخاری کے شاگرد تھے۔ امام بخاری کی قوت یادداشت زبردست تھی۔ تمام احادیث زبانی یاد تھیں۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری کے استاد

ہیں۔امام احمد حنبل کے زمانے میں معتزلہ کا زور تھا۔معتزلہ قرآن کو حادث اور مخلوق مانتے تھے۔لفظ کن سے پیدا کیا۔اس کا رد حنابلہ نے کیا۔امام احمد بن حنبل اور ان کے معتقدین نے نظریۂ خلق قرآن کا ابطال کیا۔امام بخاری کو بخارا سے نکلنے کا حکم امیر نے دیا۔امام بخاری وہاں سے سمرقند چلے گئے۔امام بخاری کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا۔ابوداؤد حنبلی تھے۔امام نسائی اور امام ترمذی، شافعی ہیں۔طحاوی پکے حنفی ہیں۔امام مسلم شافعی ہیں۔امام بخاری حنفی ہیں۔امام بخاری نے بخاری کو ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۲۳۳ھ میں اس کے نصف سے فارغ ہوئے۔گویا سولہ سال کی مدت میں ترتیب دیا۔

امام بخاری کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی ہیں۔امام احمد بن حنبلی کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا۔امام بخاری نے احادیث کی تمییض وتسوید کی چھ لاکھ احادیث سے تخریج کیا۔چھ لاکھ میں سے ڈھائی ہزار منتخب کیں۔بخاری کی ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہیں۔ایک تبع تابعی دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی۔

احادیث کی اقسام

احادیث کی اقسام یہ ہیں: جامع، سُنَن، مُسنَد، مُعجم، اطراف، علل، مُستدرک، مُستخرج، تراجم، غرائب، تخاریج، تعالیق، زوائد۔

جامع: جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو۔یعنی ۱۔عقائد ۲۔احکام ۳۔تفسیر ۴۔تاریخ ۵۔آداب ۶۔رقاق ۷۔مناقب ۸۔فتن۔بخاری اور ترمذی جامع ہیں۔اس میں آٹھوں ابواب موجود ہیں۔لیکن ترمذی کو سنن ترمذی بھی کہتے ہیں۔کیوں کہ وہ ابواب فقیہ کی ترتیب پر ہے۔مسلم شریف میں اختلاف ہے کہ وہ جامع ہے یا نہیں۔

سُنَن: اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طرز پر مرتب ہوں۔

جیسے سنن نسائی، سنن ترمذی، کیوں کہ ان میں ابواب فقہ کا خیال رکھا گیا ہے۔

مُسند: اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی مرویات کو ایک جگہ ذکر کیا جائے۔ خواہ وہ کسی مسئلے پر ہو۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل ہے۔

معجم: وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب روایات کا ذکر ہو۔

اطراف: اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا اول سے لے کر جمع کر دیا جائے۔

مستدرک: اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی کتاب کی شرط کے مطابق وہ روایات جمع کر دی جائیں جیسے مشکوٰۃ شریف کہ یہ علامہ بغوی کی کتاب مصابیح پر تخریج ہے۔ اس لیے اس کو مشکوٰۃ المصابیح کہتے ہیں۔

تراجم: یہ ہے کہ کسی خاص سند کو لے کر اس سند کی روایات مرویہ کو جمع کر دیا جائے۔

غریب: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ایک راوی رہ جائے۔ حدیث کی سند غریب نہ ہو عزیز ہو۔ غریب کے لیے ضعیف ہونا ضروری نہیں۔

تعلیق: جس میں روایات حدیث کو بلا سند ذکر کیا جائے۔ یعنی اسانید حذف کر دی جائیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح ہے۔

مولانا سید احمد حسن اپنے درس حدیث میں احادیث کی ان تمام اقسام کو بتاتے تھے اور تمام دورہ یا صحاح ستہ خود پڑھاتے تھے۔

صحاح ستہ

صحاح ستہ میں چھ کتابیں ہیں جو یہ ہیں: ۱۔ بخاری ۲۔ مسلم ۳۔ ترمذی ۴۔ ابوداؤد ۵۔ نسائی ۶۔ ابن ماجہ۔ صحاح ستہ کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے ترمذی پھر ابوداؤد، پھر بخاری شریف، پھر مسلم، اس کے بعد نسائی اور ابنِ ماجہ۔

مولانا اس ترتیب سے درس دیتے تھے۔ ترمذی کو اس لیے پہلے پڑھاتے

تھے کہ امام ترمذی کے نزدیک اختلاف ائمہ کو بتاتا ہے۔ وہ ہر باب میں ائمہ کے اختلاف کو نقل کرتے ہیں۔ امام ابوداؤد کے ہاں مستدلات ہیں۔ امام بخاری کے نزدیک احادیث سے استنباط ہے۔ مسلم شریف کا وظیفہ صحیح حدیث کو جمع کرنا ہے۔ امام نسائی کا مقصد یہ ہے کہ احادیث کی علل خفیہ پر زور دیتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ہر قسم کی احادیث ہیں۔

یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔ یہ وظیفہ امام بخاری کا ہے۔ سب سے مقدم بخاری ہے۔ یہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ بعض مسلم شریف کو اصح وافضل مانتے ہیں لیکن یہ شاذ ہے۔ یہ وہ تشریحات ہیں۔ جو مولانا احمد حسن اپنے درس حدیث میں بیان فرماتے تھے۔ بخاری میں ۷۸ اور مسلم کی سو احادیث متکلم فیہ ہیں۔ موطا امام مالک میں احادیث کم ہیں۔ آثار صحابیہ زیادہ ہیں۔ سند کے اعتبار سے سب صحیح ہے۔

بخاری کے بعد مسلم کا درجہ ہے۔ اس کے بعد ابوداؤد کا، چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے۔ ان کے بعد ترمذی کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد ابن ماجہ کا۔

یہ ہے مولانا سید احمد حسن کے درس حدیث کا ایک خاکہ جو میں نے اوپر پیش کیا۔

سند کی اہمیت

سند بیان کرنا بھی دین کا حصہ ہے۔ اگر اسناد کا سلسلہ نہ ہوتو جس کا جو جی چاہے کہہ دے۔ ہندوستان میں کوئی بھی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے بچ کر نہیں نکل سکتا، کیوں کہ ہندوستان میں منتہائے سند حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی سے سند حدیث مولانا سید احمد حسن نے حاصل کی۔ شاہ عبدالغنی نے حدیث، شاہ محمد اسحاق دہلوی سے پڑھی۔ شاہ اسحاق نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی اور نانا کی وفات کے بعد مسند حدیث سنبھالی۔ ان کے نانا شاہ عبدالعزیز نے حدیث شاہ ولی اللہ سے پڑھی۔

شاہ عبدالغنی کی اسانید کو ان کے ایک شاگرد شیخ محمد محسن ترہتی نے اپنی معروف کتاب 'الیانع الجنی فی اسانید عبدالغنی' میں جمع کر دیا ہے۔

احادیث موضوعہ

علامہ سیوطی کی کتاب 'اللآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ' ہے۔ اس طرح مولانا سید احمد حسن کی سند حدیث یہ ہوئی۔

شاہ ولی اللہ

شاہ عبدالعزیز

شاہ محمد اسحاق

شاہ عبدالغنی

سید احمد حسن

ان کی سند حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے توسط سے ہے۔

حضرات اکابر علمائے دیوبند کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ تمام ائمہ مجتہدین اور محدثین کا پورا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح مولانا سید احمد حسن بھی تمام اکابر کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ، امام ابوحنیفہ کو نہیں مانتے تھے۔ ان کو قال بعض الناس کہتے تھے۔ مولانا سید احمد حسن کا درس، شرح حدیث تطبیق بین الروایات واسناد پر مشتمل ہوتا تھا۔ جن کا بیان کرنا ایک محدث کے لئے ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حقائق ومعارف بھی بیان کرتے تھے۔ جس میں ان کی ذاتی تحقیق شامل ہوتی تھی۔ مثلاً

سورۂ فاتحہ خلف الامام

فقہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ قرأۃُ الامام لہ قرأۃُ یعنی امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔ قرآن مجید نے مقتدی کو خاموش رہنے اور امام کی قرأۃ سننے کا حکم دیا ہے۔ إِذَا قُرِئَ القرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَأَنْصِتُوا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور

خاموش رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن نماز میں پڑھا جائے تو اس کو سنا کرو اور خاموش رہا کرو اور امام کے ساتھ تلاوت نہ کیا کرو۔

مسلم شریف کی حدیث ہے اذا قُرِیَٔ فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اس حدیث سے آیت کریمہ کی تشریح ہوتی ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو۔ اس مسئلہ یعنی فاتحہ خلف الامام پر تقریر کرتے ہوئے مولانا سید احمد حسن نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے لیکن امام شافعی جمہور کے خلاف ہیں۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا اور کوئی سورۃ پڑھنا ہر مقتدی پر فرض نہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ پڑھنا نہ فرض ہے اور نہ واجب البتہ سرّی نماز میں پڑھنا افضل ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ اور کسی سورۃ کا پڑھنا سری نماز میں مستحب ہے۔ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی فرض یا واجب نہیں۔ ترمذی نے امام احمد بن حنبل کی روایت نقل کی ہے۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ امام کے پیچھے پڑھنا ضروری نہیں جو شخص رکوع میں شامل ہوتا ہے تو اس کو امام کے ساتھ نماز میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس کو رکعت پانے والا مانا جاتا ہے۔ مذاہب اربعہ کا اس پر اجماع ہے۔ اس سے امام شافعی کی بات غلط ہوگئی۔ یہ ہے مولانا سید احمد حسن کا انداز تحقیق جو انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اختیار کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ سوتے رہ جانے میں قصوروار ی نہیں۔ بیداری میں نماز چھوڑنا قصور ہے۔ اس کو تفریط فی النوم کہتے ہیں۔

نوٹ: ایک اور بات یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ کا آغاز جنگ جمل اور صفین سے ہوا۔ جس چیز کو حق سمجھتے تھے اس کے لئے جنگ و جدل کرتے تھے۔ ایسے واقعات تکوینی طور پر آئے یعنی جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ بشری ضروریات کو بشر ہی پہچانتا ہے۔ اس

لئے انسانوں میں سے پیغمبر بھیجے، فرشتے نہ بھیجے۔ فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ اس لئے ان کو قضائے حاجت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مونث اس لئے وہ انسانی حاجات کو نہیں جانتے۔ نہ ان میں شہوت ہوتی ہے۔ ان باتوں کا ادراک انسان کرسکتا ہے۔ اس لئے انسانوں کی تعلیم کے لئے انسانوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

مولانا کا اخلاق

مولانا سید احمد حسن ہر ایک طالبعلم کے ساتھ خواہ کسی رتبہ کا ہوتا۔ عام اخلاق اور فیاضی سے پیش آتے۔ سب کے ساتھ متواضعانہ برتاؤ کرتے بعض محنتی اور قابل طلبہ کو ذات خاص سے امداد دیتے اور تسلی اور دلجوئی سے انھیں خوش رکھتے۔ اس دوران ان کی تعلیمی و تدریسی شہرت کمال کو پہنچی۔ درس حدیث کے علاوہ ان کا باقی وقت اعمال واشغال کی تعلیم وتلقین میں گزرتا تھا۔

مولانا سید احمد حسن کو جملہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں دستگاہ حاصل تھی۔ وہ ورع وتقویٰ، ذہانت وذکاوت کی صفات سے بھی آراستہ تھے۔ اسرار وحکم مباحث کلام، علم حکمت واخلاق پر گہری نظر تھی۔ وہ قرآن وحدیث کے حقائق کو اچھی طرح سمجھاتے تھے۔ ان کے فضل وکمال کا اہل عصر کو بھی اعتراف تھا۔ دنیا ان کی فہم و فراست، شرح حدیث اور توضیح مطالب کو مانتی تھی۔ غرض مولانا سید احمد حسن ایک جامع شریعت اور طریقت انسان تھے۔

تصانیف

مولانا سید احمد حسنؒ، ان کی جتنی بڑی شخصیت تھی۔ اسکے اعتبار سے ان کی بلند پایہ اور مبسوط کتابیں ہونا چاہئے تھیں لیکن اشتغال بالتدریس کی وجہ سے تالیفات کا زیادہ موقع نہ ملا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعتہ۔

باب نہم

مولانا سید احمد حسن محدث کا علمی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی پس منظر

کچھ لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ ان کا نام اسی طرح عزت و احترام سے لیا جاتا ہے جس طرح ان کی زندگی میں لیا جاتا تھا۔ مولانا سید احمد حسن کا نام بھی ایسے ہی بزرگوں میں شامل ہے۔ جو حیات دوام حاصل کر چکے ہیں اور ان کو یہ حیات جاوید، درس حدیث کے باعث نصیب ہوئی۔ امروہہ میں انھوں نے دینی مدرسہ کا جو علمی باغ لگایا ہے۔ وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سادگی، ہمدردی، لوگوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کی صفات عطا کی تھیں۔

مولانا سید احمد حسن کا حلیہ، اخلاق و شمائل یہ تھے۔

حلیہ

میانہ سڈول، موزوں قد، نہ طویل نہ قصیر، بھرے ہوئے رخسار، سیدھی ستواں ناک، کشادہ پیشانی، کتابی خوبصورت چہرہ، چوڑا کشادہ سینہ، متوازن ریش، متناسب اندام۔

شمائل

نہایت خوش خلق، شیریں کلام، کم سخن، ظریف الطبع، کثیر الحلم، قلیل الغضب، منکسر و متواضع، سب و شتم سے کبھی زبان آلودہ نہ کی۔ مولانا بہت خوبصورت تھے۔ ایسا حسین و جمیل اور روشن چہرہ تھا کہ بڑے بڑے علماء کے مجمع میں نمایاں نظر آتے تھے۔ علمی لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔

علمی اور تاریخی پس منظر

اگر مولانا سید احمد حسن محدث کے علمی اور تاریخی پس منظر کا مطالعہ کیا جائے

تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ، مسجد نبوی ہے۔ جہاں مشہور چبوترہ تھا جو صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو حضرات یہاں فروکش رہتے تھے۔ وہ اصحابہ صفہ کہلاتے تھے۔ ان کی تعلیم کے لئے معلم مقرر تھے۔ صفہ کے رہنے والوں کی خبر گیری اہل ثروت صحابہ کے سپرد تھی۔ گویا صفہ اسلام کی پہلی درسگاہ تھی۔ جس کا انتظام حضرت معاذ بن جبل کے سپرد تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن کی پہلی وحی بھی اقراء تھی۔ جس کا آغاز پڑھنے اور تعلیم سے کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں یونیورسٹی قائم کی۔ جہاں انصار و مہاجرین کو قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہ کی تمام تر توجہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے پر مرکوز رہی۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں حجاز اور ہر اسلامی آبادی میں مکاتب قائم کیئے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر نے معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابو درداء کو شام اور فلسطین میں متعین کیا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور قرآنی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ حضرت ابو درداء صبح نماز فجر کے بعد جامع دمشق میں درس دیتے تھے۔ ان کے گرد قرآن مجید پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۶ سو طلبہ نے ان سے علم حاصل کیا۔ حضرت عمر نے جو مکاتب قائم کیئے تھے ان کے معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں۔ یہ تنخواہ جو پندرہ درہم تھی۔ بیت المال سے ادا کی جاتی تھی۔ یہ مکاتب جو ابتدا قرآن مجید کی تعلیم کے لئے قائم ہوئے تھے آگے چل کر ان میں ادب، لغت اور شعر کی بھی تعلیم دی جانے لگی کیونکہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ عَلِّمُوا اولادَکُم الشعرَ اپنی اولاد کو شعر یاد کراؤ۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا 'إِذَا قَرأتم القرآنَ فَلَم تَعرِفُوه فَاطلُبُوا فی اشعار العرب' اگر تم قرآن پڑھ رہے ہو اور اسکا مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ یعنی کسی لفظ کے معنی کو اشعار عرب سے حل کرو۔

حضرت عثمان کے زمانے میں ان مکاتب میں اور وسعت ہوئی اور تمام ممالک مفتوحہ میں جابجا مدارس قائم ہوئے۔ یہ انتظام قرآن مجید اور بچوں کی ابتدائی

تعلیم سے متعلق تھا۔اس کے علاوہ درس حدیث کے حلقے بھی قائم کیے گئے۔جس میں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ درس حدیث بھی جاتا تھا۔اس سلسلے میں حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، معقل بن سیار، عمر بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور حضرت ابو درداء کو شام میں مقرر فرمایا اور لوگوں کو تاکید کہ کہ ان سے حدیث حاصل کریں۔اس باب میں مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔جہاں حضرت جابر بن عبداللہ، مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کا حلقۂ درس بھی بہت وسیع تھا۔جہاں بے شمار طلبہ ان کے علم سے خوشہ چینی کرتے تھے۔چنانچہ ان کی تفسیر ابن عباس اب تک مشہور ہے اور اس کو تفسیر میں اولیت حاصل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا اور شب و روز تعلیم و تعلم اور علمی مذاکروں میں صرف ہوتے تھے۔ان کے درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مختلف اوقات میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم دیتے تھے۔یہ علمی حلقے جو ابتدا قرآن و حدیث کے لئے قائم ہوئے تھے۔بعد میں دوسرے علوم و فنون یعنی حدیث و فقہ و تفسیر بھی اس میں شامل ہو گئے۔یہ علمی حلقے بالعموم مساجد کے صحنوں میں ہوتے تھے۔ان علمی حلقوں کی مقبولیت یہ تھی کہ ان میں تیس تیس چالیس چالیس ہزار طلبہ جمع ہو جاتے تھے۔جب مساجد کے صحن ناکافی ہو گئے تو اساتذہ کو وسیع میدانوں میں چبوتروں پر بیٹھ کر درس دینا پڑتا تھا۔استاد کی آواز کو شاگردوں سے حلقہ میں پہنچانے کے لئے تین تین سو مُستملی (املا لکھوانے والے) کھڑے ہوتے تھے۔مشہور محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے جب جامع رصافہ بغداد میں اپنا درس حدیث جاری کیا تو ان کی مجلس میں تیس ہزار طلبہ موجود تھے۔علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیخ ابو حامد الاسفرائنی کی مجلس میں تین سو سے زائد فقہا اور سات سو طلبہ صرف فقہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔امام بخاری نے جب بصرہ کی جامع مسجد میں مجلس املا منعقد کی تو عام لوگوں کے علاوہ ایک ہزار کے قریب محدثین و فقہا اور علماء شامل تھے۔خود امام بخاری سے جن لوگوں نے سند حدیث حاصل کی ان کی تعداد نوے ہزار

کے قریب ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اس زمانے میں قوت حافظہ زبردست ہوتا تھا۔ جو حدیث سن لی مدت العمر نقش کالحجر ہو جاتی تھی۔ اساتذہ کی تقریر قلم بند کرنے کا رواج دوسری صدی کے اواخر سے شروع ہوا۔ امام مالک کی مجلس میں بھی یہ طریقہ رائج تھا۔ یہ طریق تعلیم 'املا' کہلاتا تھا۔ اس طرح وہ مجموعہ تیار ہوا جو امالی کہلاتا تھا۔ امالی، املا کی جمع ہے چنانچہ امالی للقالی مشہور ہے۔ فراء نحوی متوفی ۲۰۷ھ کی معانی القرآن اور ابن درید متوفی ۳۴۱ھ کی کتاب 'الجمہرۃ' جو لغت میں ہے اسی طریق پر جمع کی گئی۔ مسلمانوں کی علمی تاریخ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک اگرچہ باقاعدہ اصطلاحی مدارس کے قیام کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس زمانے میں زیادہ تر یہ کام مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجروں، علماء کے مکانات اور وسیع میدانوں سے لیا جاتا تھا۔ تعلیم مفت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ غریب طلبہ کے لئے کھانے، کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضروریات بغیر کسی معاوضے کی پوری کی جاتی تھیں۔ اس عہد کی یادگاروں میں تیونس کی جامع زیتون اور مصر کی جامع ازھر ہے۔ یہ دونوں یونیورسٹیاں قدیم ہیں اور مشہور ہیں۔ مصر کی جامع ازھر فاطمی سلاطین مصر کے زمانے کی ہے۔ جس کی تکمیل ۳۶۱ھ میں ہوئی۔ تیونس یونیورسٹی بھی تیسری صدی ہجری کی ہے۔ جامع ازہر ہمارے اس زمانے میں بھی اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور قدیم دارالعلوم ہے۔ جو ایک ہزار سال سے جاری ہے۔ دس پندرہ ہزار طلبہ اس میں زیر تعلیم رہتے ہیں اور سینکڑوں اساتذہ تعلیم کے لئے مقرر ہیں۔ شیخ الازہر کا منصب علم وفضل اور اپنے اقتدار کے لحاظ سے مصر کی وزارت عظمٰی سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔ جامع ازہر کے مصارف کے لئے مصر کے مختلف سلاطین نے جو جاگیریں وقف کی ہیں۔ ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں پونڈ ہے۔ قیام مدارس سے قبل کی ذاتی اور شخصی درسگاہوں نے علوم وفنون کی جو مہتمم بالشان خدمات انجام دیں۔ اس پر اگر بڑی بڑی یونیورسٹیاں رشک کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ مورخین نے اس زمانے کے علوم وفنون کو عہد شباب سے تعبیر کیا ہے۔ اسماء الرجال، طبقات، تذکرہ اور تراجم کی جو بے شمار

کتابیں آج موجود ہیں۔ وہ اسی دور کی ہیں۔ مشہور یورپی محقق ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور علماء کے حالات ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے ذوق علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مدارس کی ابتداء

اسلام میں مدارس کی ابتدا پانچویں صدی ہجری کے اوائل سے ہوئی۔ پہلا مدرسہ ۴۱۰ھ/ ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان مدرسہ بھی تھا۔ مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے کچھ دیہات وقف کر دیئے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کی اس مثال سے امراء اور ارکان دولت کو بھی مدارس قائم کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ بے شمار مدرسے غزنی کے اطراف و جوانب میں بنے۔ سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود نے بھی اپنی حکومت میں بکثرت مدارس قائم کیئے ابن خلکان کی روایت کے مطابق علامہ اسحاق الاسفرائینی متوفی ۴۱۸ھ/ ۱۰۲۷ء نے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

نظام الملک طوسی متوفی ۴۸۵ھ نے بغداد میں دارالعلوم قائم کیا۔ جو مدرسہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ سے قبل نیشاپور میں سعیدیہ اور بیہقیہ کے نام سے بھی دو بڑے دارالعلوم تھے۔ امام غزالی نے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر اسی میں مدرس ہوئے۔ نظام الملک نے بغداد کے علاوہ نیشاپور میں بھی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس کے زمانے میں اور بھی مدارس قائم ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ کے لئے نظام الملک نے چھ لاکھ دینار کی رقم شاہی خزانے سے مقرر کرائی تھی اور اس نے خود اپنی جاگیر کا دسواں حصہ مدرسہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس مدرسہ میں مختلف اوقات میں چھ ہزار طلبہ نے تعلیم پائی۔ غریب طلبہ کے لئے وظائف بھی تھے۔ اس مدرسہ کی تعمیر ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں شروع ہوئی اور ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء میں اسکا افتتاح ہوا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کے افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا۔ اس کے

اساتذہ میں امام غزالی اور ابن الخطیب تبریزی شارح حماسہ کے نام آتے ہیں۔ شیخ سعدی نے بھی اسی مدرسہ میں پڑھا تھا۔ ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء میں خلیفہ المستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں ایک دارالعلوم المستنصریہ کے نام سے قائم کیا گیا۔ بڑے بڑے محدثین اور مذاہب اربعہ کے فقہا اس مدرسہ کے اساتذہ مقرر ہوئے۔ طلبہ کے قیام و طعام کا بھی انتظام تھا۔ اس کے علاوہ ایک دینار ہر طالبعلم کو وظیفہ ملتا تھا۔ کتب خانہ بھی قائم کیا۔

درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کے دائیں بائیں دو معید بیٹھے رہتے تھے۔ جو استاد کی تقریر کو دہراتے تھے۔ اس طرح دور کے طلبہ تقریر سے محروم نہ رہتے تھے۔ ۸۶۵ھ/۱۴۶۰ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ میں ایک بڑا دارالعلوم قائم کیا۔ جس کے ماتحت ملک میں آٹھ بڑے مدارس تھے۔ اس کے اساتذہ میں ملا عبدالکریم شہرستانی، علامہ علاء الدین طوسی اور خواجہ زادہ تھے۔ ان لوگوں کی بڑی بڑی تنخواہیں تھیں۔ سلطان خود بھی درس میں شریک ہوتا تھا۔ قسطنطنیہ ۸۵۷ھ/۱۴۵۲ء سے میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ اس کی فتح کے بعد ترکی میں مدارس قائم ہوئے۔ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء سے ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء کے درمیان قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی۔ یہ ساتویں ہجری کا زمانہ ہے۔ قطب الدین ایبک کے زمانے میں ہندوستان میں مدارس قائم ہوئے۔ پھر سلطان محمد تغلق ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء سے ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء کے دور میں دہلی میں مدارس قائم ہوئے۔ مدرسین کو شاہی خزانے سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ ان مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ معقولات اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ خود سلطان بڑا عالم فاضل اور علم دوست انسان تھا۔ قلقشندی متوفی ۸۲۱ھ/ ۱۴۱۸ء نے اپنی کتاب 'صبح الاعشیٰ' میں لکھا ہے کہ محمد تغلق کے زمانے میں ایک ہزار مدرسے تھے۔ فیروز شاہ تغلق نے بھی مدارس تعمیر کروائے۔ شاہی خزانے سے مدارس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے۔ اس کا مدرسہ کا نام مدرسہ فیروز شاہی تھا۔ ضیاء برنی نے اپنی مشہور تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سینکڑوں طلبہ

اور علماء یہاں موجود رہتے ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے ہوسٹل ہیں۔ باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں۔ سلطنت بیجاپور کے مشہور حکمران سلطان محمد عادل شاہ نے بھی اپنے ممالک محروسہ میں مدارس قائم کیے تھے۔ عہد اورنگزیب میں سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ میں چار سو مدارس تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک میں سلاطین اور امراء نے علوم وفنون کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ غرض حجاز، شام، فلسطین، یمن، مصر، اندلس، ایران، خراساں، کابل، مراکش، ہرات، نیشاپور، بغداد، اصفہان، طوس، قرطبہ، سندھ اور ہندوستان میں مدارس تھے۔ گھر گھر علم کا چرچا تھا۔ ممالک اسلامیہ میں علم کے دریا بہہ رہے تھے۔ مسلمانوں کو ذوق علم ورثہ میں ملا تھا۔ اسلامی حکومتوں کے خزانے مدارس کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ زیادہ تر علماء اور ائمہ اپنے گھروں اور مساجد میں تعلیم دیتے تھے۔ جائدادوں کا وقف، علماء اور طلبہ کی مالی اعانت کو خیر و برکت کا موجب سمجھا جاتا تھا۔

علمائے فرنگی محل

فرنگی محل لکھنؤ کا مدرسہ نظامیہ بھی اورنگزیب کے زمانے کی علمی یادگار ہے۔ درس نظامی جو آج پاک و ہند کے تمام مدارس عربیہ میں رائج ہے۔ اسی مدرسہ کے بانی ملا نظام الدین کا تجویز کردہ ہے۔ اس خاندان کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی اور میزبان رسولؐ حضرت ابوایوب خزرجی انصاری تک پہنچتا ہے۔ اسی نسبت سے یہ لوگ انصاری لکھتے ہیں۔ ملا قطب الدین شہید، علمائے فرنگی محل کے جد ہیں۔ ان کی شہادت ۱۶۹۲ء میں ہوئی۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ جو یہ ہیں:

۱- ملا محمد اسعد ۲- ملا سعید ۳- ملا نظام الدین ۴- ملا رضا

اورنگزیب عالمگیر (۱۶۱۸ء-۱۷۰۷ء) نے لکھنؤ میں احاطۂ چراغ بیگ میں گھوڑوں کے یورپین تاجر کی چھوڑی ہوئی خالی عمارت جو فرنگی محل کے نام سے

مشہور تھی، ان لوگوں کو دے دی۔ اس محلہ کا نام فرنگی محل اس لئے ہوا کہ یہاں فرنگی رہتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ اس محلہ میں رہتے تھے۔ اس لئے علمائے فرنگی محل کہلائے۔ ان چاروں بھائیوں میں ملا نظام الدین کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ملا نظام الدین کا زمانہ ۱۰۸۹ھ تا ۱۱۶۱ھ ہے۔ ۲۷/اپریل ۱۷۴۸ء کو ان کی وفات ہوئی۔ ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔ ملا نظام الدین نے درس نظامیہ ترتیب دیا جبکہ اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء-۱۷۶۳ء) نے اپنے درس میں منقولات پر زور دیا جبکہ ملا نظام الدین اپنے ترتیب دادہ درس نظامی میں منقولات و معقولات دونوں پر یکساں زور دیا۔ بعد میں یہی درس نظامی زیادہ مقبول ہوا اور اب تک جاری ہے۔ ملا نظام الدین کو بہ حیثیت استاد الہند کا درجہ حاصل ہوا۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱-شرح سلم الثبوت ۲-حاشیہ شرح عقائد جلالی ۳-حاشیہ صدرا
۴-حاشیہ شمس بازغہ۔

ملا نظام الدین کے بعد جو علمائے فرنگی محل پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱- ملا عبدالعلی بحرالعلوم ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء- ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء عمر ۸۱ سال
۲- ملا حسن متوفی ۱۲۰۹ھ/ ۱۸۰۴ء
۳- ملا احمد انوار الحق ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء- ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۱ء
۴- ملا مبین ۱۱۵۷ھ/ ۱۷۴۴ء- ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء

علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین کا زمانہ پہلے ہے۔ ان کی وفات ۱۷۴۸ء میں ہوئی۔ جبکہ شاہ ولی اللہ کی وفات ۱۷۶۳ء میں ہوئی۔ ملا حسن (م ۱۸۹۴ء) مدرسہ عالیہ رامپور میں درس دیتے تھے۔ نواب فیض اللہ خان نے ان کو رامپور بلا لیا تھا۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ملا حسن کی وجہ سے مدرسہ عالیہ رامپور کو معقولات میں شہرت ہوئی۔ استاد اور عالم ہونے کے علاوہ ملا حسن کی بھی کتابیں تھیں۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱-شرح سلم الثبوت ۲-حواشی صدرا ۳-حاشیہ شمس بازغہ ۴-ملاحسن

ملا عبدالعلی بحر العلوم بھی علمائے فرنگی محل میں تھے۔ نواب ارکاٹ (مدراس) نے ان کی بڑی قدردانی کی۔ بحر العلوم کا خطاب ان کو شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء-۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء (عمر ۷۷ سال) نے ان کی علم دانی کی وجہ سے دیا۔ بحرالعلوم کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا۔ جبکہ شاہ عبدالعزیز کی وفات ۱۸۲۳ء کی ہے۔ اس اعتبار سے بحرالعلوم شاہ عبدالعزیز کے معاصر تھے۔

ملاعبدالعلی بحرالعلوم کو عربی و فارسی دونوں زبانوں پر عبور تھا۔ ان کی بھی بہت سی تالیفات ہیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱-شرح سُلّم العُلُوم ۲-شرح مثنوی معنوی ۳-حواشی بر میرزاہد ۴-حاشیہ صدرا

علمائے فرنگی محل میں ایک اور نام ملا مبین ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء-۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ کا ہے۔ آپ ملاحسن متوفی ۱۸۹۴ء کے شاگرد تھے۔ ملامبین کی کتابیں یہ ہیں:

۱-شرح سلم العلوم ۲-حواشی زواہد ۳-احوال ائمہ اثناعشری ۴-ملامبین

اگر غور سے دیکھا جائے تو علمائے فرنگی محل کی کتابیں حواشی کے گرد گھومتی ہیں۔ مثلاً حاشیہ میرزاہد حاشیہ شرح عقائد جلالی، حاشیہ بر شرح ہدایت الحکمۃ، حاشیہ سُلّم، شرح مواقف، شرح سُلّم ملاحسن، قاضی مبارک، حاشیہ شمس بازغہ، سب نے انہی کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے فرنگی نے علم کا اجالا پھیلایا اور برصغیر پاک و ہند کو اپنے علم کی روشنی سے منور کیا۔ یہ علماء بنیادی طور پر صاحب درس تھے اس لئے ان کی بیشتر تالیفات کا تعلق بھی درس ہی سے ہے۔ ان کی تالیفات میں شرحوں اور حاشیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص تھا محب اللہ بہاری اس نے منطق کی بنیادی کتاب 'سلم العلوم' لکھی۔ اس نے یہ کتاب کیا لکھی کہ اس کی بیشتر شرحیں لکھی گئیں۔ چنانچہ ملاحسن، ملامبین، حمد اللہ اور قاضی مبارک سب سلم کی شرحیں ہیں۔ ان میں ملاحسن اور ملامبین دو کا تعلق علمائے فرنگی محل سے ہے۔ اسی طرح

ملا جلال الدین دوانی نے منطق میں اپنی کتاب 'ملا جلال اور میر زاہد ہروی (ہرات بہار) نے بھی منطق میں اپنی کتاب میر زاہد لکھی۔ اسی طرح قطب الدین شیرازی نے منطق نے اپنی کتاب قطبی لکھی۔

ایک اور شخص تھا اثیر الدین ابہری اس نے فلسفہ کی بنیادی کتاب 'ہدایۃ الحکمۃ' لکھی۔ اس نے یہ کتاب کیا لکھی کہ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ چنانچہ میبذی اور صدرا کتاب ہدایۃ الحکمۃ کی شرحیں ہیں۔ اثیر الدین ابہری نے منطق میں بھی ایک کتاب ایسا غوجی لکھی تھی۔ ایسا غوجی یونانی لفظ ہے اس کے معنی کلیات خمسہ کے ہیں۔ منطق میں کلیات خمسہ سے بحث ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ ایسا غوجی منطق کے ایک ماہر حکیم کا بھی نام ہے۔ ملا حسام الدین کی کتاب 'قال اقول' ایسا غوجی کی شرح ہے۔ منطق اور فلسفہ کی بنیادی کتابیں ہیں۔

منطق: ا-سلم ۲-میر زاہد ۳-قطبی

فلسفہ: ا-ہدایۃ الحکمۃ ۲-شمس بازغہ از ملا محمود جونپوری

علمائے فرنگی محل سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔ اس لئے علمائے فرنگی محل نے ان پر حواشی لکھے۔ چنانچہ کتابیں ملا حسن اور ملا مبین، منطق میں اثیر الدین ابہری کی کتاب 'سلم العلوم' کے شرحیں ہیں۔ یہ سب کتابیں درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہیں۔

مولانا عبدالحئ فرنگی محل ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء تا ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء، میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث (متوفی ۱۹۱۲ء) کے معاصر تھے۔ علوم فقہ اور انساب میں درک کرتے تھے۔ مولانا نے کل انتالیس سال کی عمر پائی۔ فقہ میں شرح وقایہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ علمائے فرنگی محل میں ایک ملا نور الحق تھے۔ جو جید عالم اور فاضل کامل تھے۔ ان کے شاگردوں میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور مولانا اولاد حسن قنوجی (والد نواب صدیق حسن) کے نام آتے ہیں۔

غرض علمائے فرنگی محل نے بڑا نام پیدا کیا۔ صدریٰ جو ہدایۃ الحکمۃ کی شرح ہے۔ اس کا مولف صدر الدین شیرازی تھا۔ برصغیر میں علمائے فرنگی محل کی خدمات کو

نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کئی پشتوں تک اس خاندان کا فیض جاری رہا۔ ایک چشمۂ علم تھا جس سے لوگ سیراب ہوتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔

علمائے فرنگی محل نے زیادہ تر محبّ اللہ بہاری کی منطق کی بنیادی کتاب 'سلم العلوم' کی شرحیں لکھیں جیسے ملا حسن اور ملا مبین اس کے علاوہ اثیر الدین ابہری کی فلسفہ کی بنیادی کتاب 'ہدایت الحکمۃ' کی شرحیں لکھیں یا اس پر حواشی لکھے۔ جیسے ملا نظام الدین کی حاشیہ صدرا اور حاشیہ شمس بازغہ، ملا محمود جونپوری کی فلسفہ کی کتاب ہے۔ اسی طرح ملا عبد العلی بحر العلوم نے حاشیہ صدرا، حاشیہ میر زاہد لکھا۔ میر زاہد، منطق کی کتاب ہے۔ جبکہ صدرا فلسفہ کی کتاب ہے۔ جو اثیر الدین ابہری کی کتاب 'ہدایۃ الحکمۃ' کی شرح ہے۔ اسی طرح ملا حسن کی حواشی صدرا، حاشیہ شمس بازغہ جو فلسفہ کی کتاب ہے۔ جبکہ خود انکی کتاب 'ملا حسن' منطق میں محبّ اللہ بہاری کی کتاب 'سلم العلوم' کی شرح ہے۔ اسی طرح ملا مبین نے حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ لکھی حاشیہ سلم جو ملا مبین کے نام سے مشہور ہے، لکھی۔

اس طرح منطق و فلسفہ کی بنیادی کتابوں اور ان کی شرحوں کا احوال یہ ہوا:

فلسفہ

۱-ابہری، اثیر الدین ہدایت الحکمۃ (فلسفہ کی بنیادی کتاب)
۲-میبذی شرح ہدایت الحکمۃ
۳-صدریٰ شرح ہدایت الحکمۃ (صدرا صدر الدین شیرازی کی ہے)
۴-شمس بازغہ فلسفہ مصنف ملا محمود جونپوری
۵-الافاضۃ القدسیہ از سید علی زینبی

منطق

۱- بہاری، محبّ اللہ سلم العلوم
۲- ملا حسن سلم کی شرح

۳- ملا مبین سلم کی شرح

۴- حمداللہ سلم کی شرح (اس کا اصل نام 'شرح تصدیقات سلم العلوم' ہے لیکن حمداللہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے)

۵- قاضی مبارک سلم کی شرح

نوٹ: حمداللہ شرح سلم کے مصنف کا نام مولوی حمیداللہ سندیلوی ہے۔ انھوں نے قصبہ سندیلہ (لکھنؤ) ایک بڑا مدرسہ جاری کیا تھا۔ ان کے دامن فیض سے بہت سے علماء تربیت پا کر نکلے۔ ان کی وفات ۱۱۶۰ھ/ ۴۷ے۱ء دہلی میں ہوئی۔ ان کی مشہور تصانیف میں حمداللہ کے علاوہ حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ صدرا ہے۔

ان کے علاوہ منطق کی کتابیں

۱-	شیرازی، قطب الدین	قطبی/منطق
۲-	شرح تہذیب	
۳-	ملا جلال الدین دوانی	ملا جلال
۴-	میرزاہد ہروی	میرزاہد
۵-	اثیرالدین ابہری	ایساغوجی
۶-	ملا حسام الدین	قال اقول شرح ایساغوجی

علمائے فرنگی محل میں ملا عبدالعلی بحرالعلوم کو بعض وجوہ سے لکھنؤ چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر وہ نواب ارکاٹ مدراس کے ہاں رہے۔ ان کی مثنوی معنوی کی شرح بہت مشہور ہے۔ اسی طرح ملا حسن کو بھی بعض اسباب کے تحت لکھنؤ کو چھوڑنا پڑا تھا۔ ان کو نواب رامپور فیض اللہ خان نے رامپور بلا لیا تھا۔ وہ مدرسہ عالیہ رامپور کے صدر مدرس رہے۔

بعد میں ان شرحوں کی بھی شرحیں لکھی گئیں۔ مثلاً منشی محمد یوسف بن محمد اصغر کی یہ کتابیں ہیں:

۱- حاشیہ شرح سلم ملا حسن

۲- حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک

۳- حاشیہ شمس بازغہ

مفتی محمد یوسف بھی علمائے فرنگی محل میں تھے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محل نے مولانا عبدالحیٔ سے اخذ علوم کیا۔ مولانا عبدالباری نے ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا تھا۔ جو ملا نظام الدین کی یاد میں قائم کیا تھا۔ موجودہ دور میں حیات اللہ انصاری بھی فرنگی محلی تھے۔ وہ اردو کے صف اول کے افسانہ نگار اور ناول نویس تھے۔ ان کا ضخیم ناول 'لہو کے پھول' بہترین ناول ہے۔ جو جنگ آزادی کے موضوع پر ہے۔ وہ کانگریس کے روزنامہ قومی آواز لکھنؤ کے تاحیات ایڈیٹر رہے۔ ان کی صحافتی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا جمال میاں فرنگی محلی بھی مشہور سیاسی و مذہبی بزرگ تھے۔

عنایت اللہ انصاری نے علمائے فرنگی محل کی تاریخ اپنی کتاب 'تذکرۃ علمائے فرنگی محل لکھی ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا تھا کہ علمائے فرنگی محل کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری سے ملتا ہے۔ جو صحابی رسولؐ تھے۔ ان کی اولاد میں ایک شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہوئے ہیں۔ جو علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ہیں۔ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ۳۸۶ھ/۱۰۰۶ء ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا سن وفات ۴۸۱ھ/۱۰۸۹ء ہے۔ جب وسط ایشیاء، خراساں، ایران پر چنگیزی حملے ہوئے تو انصاریاں ہرات کو ہندوستان ہجرت کرنا پڑی۔ ان میں خواجہ علاء الدین انصاری ہروی بھی تھے۔ جو علمائے فرنگی محل کے اجداد میں ہیں۔ اس خاندان نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ارشاد کے مطابق پہلے موضع برناوا ضلع میرٹھ میں قیام کیا۔ پھر برناوا سے سہالی ضلع بارہ بنکی ہوتے ہوئے لکھنؤ آئے۔ اس لئے شیخ نظام الدین کو سہالوی بھی لکھا جاتا ہے۔ لیکن ملا نظام الدین دوسرے ہیں۔ وہ اپنے ہمنام مذکورہ شیخ نظام الدین کی آٹھویں پشت میں ملا قطب الدین شہید کے بیٹے تھے۔ جو علمائے فرنگی

محل کے جد ہیں ملا قطب الدین کی شہادت ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء میں ہوئی۔ انہی کی شہادت کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے فرنگی محل کا محلہ ان کی اولاد کو دیا تھا۔

ملا نظام الدین فرنگی محل ملا قطب الدین شہید کے تیسرے بیٹے تھے۔ جو وحید عصر، فرید دہر اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ وہ شاہ عبدالرزاق بانسوی کے مرید تھے۔ شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ وہ صاحب درس تھے اور موجودہ درس نظامی کے بانی تھے۔ ان کی وفات ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء میں ہوئی۔

ملا عبدالعلی بحر العلوم بن نظام الدین بن ملا قطب الدین شہید کی پیدائش ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ بانی درس نظامی ملا نظام الدین کے بعد ان کی حیثیت نمایاں ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ملا نظام الدین سے حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا۔ تو انھوں نے اپنے والد کے خاص شاگرد ملا کمال الدین سے استفادہ کیا۔ تقریباً دس سال تک اپنے والد کی جگہ درس دیتے رہے۔ اس کے بعد شاہجہاں پور میں حافظ الملک حافظ رحمت خان کے ہاں بیس سال طلبہ کو درس دیا۔ حافظ الملک کی وفات کے بعد نواب 'فیض اللہ رامپور کے پاس رہے۔ پھر نواب ارکاٹ جان محمد علی خان کے ہاں مدارس میں رہے۔ مولانا نے ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء میں وفات پائی اور مدراس مسجد والا جاہی میں دفن ہوئے۔ ان کی مثنوی' مولانا روم کی شرح 'مشہور ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کو بحر العلوم کا خطاب دیا تھا۔

ملا مبین بن ملا محب اللہ لکھنوی فرنگی محل آپ ملا حسن شارح سلم العلوم کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بھی شرح سلم لکھی تھی جو ملا مبین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ حاشیہ میر زاہد، حاشیہ ملا جلال شرح مواقف ان کی کتابیں ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء میں ہوا۔

ان کا زمانہ بھی شاہ عبدالعزیز کا زمانہ ہے کیونکہ شاہ عبدالعزیز کا انتقال ۱۸۲۳ء میں ہوا۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا علمائے فرنگی محل کی حیثیت شارحین کی ہے۔ واضع کی نہیں جبکہ محب اللہ بہاری مصنف سلم اور اثیر الدین ابھری مصنف

ہدایت الحکمۃ، منطق وفلسفہ میں واضعین کی حیثیت ہے۔ میرزاہد ہروی (ہرات بہار) کے رہنے والے تھے۔ ان کا رسالہ میرزاہد بھی شرح سُلم ہے۔ میرزاہد پر ملا مبین کا حاشیہ ہے۔ رسالہ میرزاہد پر فضل امام خیرآبادی کا بھی حاشیہ ہے۔ صدرا پر ملا نظام الدین کا حاشیہ ہے۔ شمس بازغہ پر بھی ملا نظا الدین کا حاشیہ ہے۔ مولوی حمد اللہ کا حاشیہ شمس بازغہ پر ہے۔ مولوی عبدالحق خیرآبادی کا حاشیہ حمداللہ پر ہے۔ میر باقر داماد کی کتاب صراط مستقیم ہے۔ شرح چغمنی ہیئت کی کتاب ہے۔

مدرسہ غازی الدین

اٹھارویں صدی عیسوی میں دہلی میں مسجد فتحپوری کے قدیم مدرسہ کے علاوہ غازی الدین فیروز جنگ کا مدرسہ جو عربک کالج کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان میں قدیم مدارس کی یادگار ہے۔ مدرسہ غازی الدین، اجمیری گیٹ کی وسیع وعظیم الشان سے بھی ہمارے امراء کے علمی ذوق اور عالی ہمتی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مدرسہ کی مستطیل چوکور دومنزلہ عمارت بڑی مضبوط پختہ اور شاندار ہے جواب تک اصل حالت میں موجود ہے۔ یہ عمارت ۱۷۱۰ء کی ہے۔ اس کو نواب غازی الدین فیروز جنگ نے تعمیر کروادیا۔ مدرسہ اور عربک کالج کے بیچ میں غازی الدین فیروز جنگ کا مقبرہ (مزار) ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ پوری عمارت سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور اس کا احاطہ بنا ہوا ہے۔ بیچ میں مزار کے پاس بہت بڑی مسجد ہے۔ وہ بھی سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم کا مدرسہ اسی مسجد کی جگہ پر تھا۔ غازی الدین فیروز جنگ، نواب آصف جاہ اول بانی سلطنت دکن کو والد بزرگوار تھے۔ اس مدرسہ کا ایک ٹرسٹ بھی ہے۔ جو اس زمانے کے ایک لاکھ ستر ہزار روپے پر مشتمل ہے۔ یہ ٹرسٹ نواب اعتمادالدولہ سید فضل علی خان نے ۱۸۲۹ء میں قائم کیا تھا۔ رقم بنک میں جمع ہے۔ اس کی آمدنی کالج کو اب تک ملتی ہے۔ نظام حیدرآباد نے بھی گرانٹ مقرر کی تھی۔ راقم الحروف نے بھی ۱۷ سال تک عربک کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ یہاں سے ایک میگزین بھی اعتمادیہ نکلتا تھا۔ جو اعتمادالدولہ کے نام سے تھا۔ ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین کو دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا۔ فیلکس بورڈ انگریز پرنسپل دہلی کالج کی تجویز پر درنا کیولر ٹرانسلیشن

سوسائٹی قائم کی گئی۔

اس زمانے میں چونکہ تعلیم وتدریس کا کام مساجد سے لیا جاتا تھا۔ اس لئے قدیم مساجد میں اکثر وبیشتر ایسی عمارتیں ضرور بنوائی جاتی تھیں جو درس وتدریس اور طلبہ کے قیام کے لئے کام آسکیں۔ دہلی میں مسجد فتحپوری جو شاہجہاں کے عہد کی یادگار ہے۔ اسی طرز کی قدیم یادگار ہے۔ اس کے وسیع صحن کے گرد جو حجرے اور دالان ہیں۔ وہ آج بھی درس وتدریس اور طلبہ کی اقامت گاہ کا کام دیتے ہیں۔

شیخ عبدالحق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۸۵ھ/۱۵۵۱ء-۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء سب سے پہلے شخص ہیں جو اس اقلیم یعنی دہلی اور اس کے علاقوں میں علم حدیث لائے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نورالحق خدمت حدیث کے کام میں لگے رہے۔ جن کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کی اولاد اور تلامذہ نے علم حدیث کی بڑی خدمت کی۔ سلسلۂ تدریس جاری رکھا اور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق دہلوی کی شرح بخاری موسومہ بنام تیسیر القاری اہل علم میں معروف ہے۔

شیخ عبدالحق کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۷۰۳ء-۱۷۶۳ء مطابق ۱۱۷۶ھ (عمر ۶۰ سال) نے علم حدیث کی خدمت کی۔ شاہ ولی اللہ کا زمانہ اورنگزیب عالمگیر ۱۶۱۸ء-۱۷۰۷ء کے بعد کا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے علم حاصل کیا۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے بھی حدیث پڑھی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲ سال تک دہلی میں درس حدیث دیا۔ شاہ ولی اللہ نے مدینہ میں شیخ اجل ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی سے صحیحین، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد اور مسند دارمی پڑھی۔ پھر انہی سے اجازت حدیث حاصل کی۔ شیخ تاج الدین کمی ۱۱۴۸ھ کے درس میں بھی شریک ہوئے۔ حجاز سے واپس آکر شاہ ولی اللہ نے حدیث کی خدمت کی اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے خلف اکبر شاہ عبدالعزیز دہلوی حنفی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء-۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء (عمر ۷۷ سال) نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور علوم قرآن کی

نشر واشاعت کی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ساٹھ سال تک اس مشغلہ میں مصروف رہے۔ اس طویل مدت میں ان کے بہت سے تلامذہ ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی ۱۷۸۲ء - ۱۸۴۵ء/۱۲۶۲ھ (عمر ۶۴ سال) مسند تدریس پر بیٹھے اور اپنے نانا جان کے حقیقی خلیفہ بنے۔ علم حدیث کی خوب خدمت کی۔ ۱۲۵۸ھ تک ان کا فیض دہلی میں جاری رہا۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی سے جن لوگوں نے علم حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں:

۱- شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء - ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء (عمر ۵۹ سال) محشی بخاری

۲- مولانا احمد علی محدث سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ

شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی محشی بخاری، مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء (عمر ۶۳ سال) کے حفید (پوتے) تھے۔ اسی لئے مجددی کہلاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبدالغنی تھا۔ جو شاہ اسمٰعیل کے والد محترم تھے۔ شاہ اسحاق کے بعد شاہ عبدالغنی مجددی نے دہلی میں علم حدیث پھیلایا۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ مدینہ میں ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں وفات پائی۔

دہلی میں شاہ عبدالغنی مجددی کے جو شاگرد ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱- محمد قاسم نانوتوی، متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء (۴۹ سال کی عمر ہوئی)

۲- مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء

۳- مولانا محمد یعقوب نانوتوی اولین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ ان سے مولانا اشرف علی تھانوی نے حدیث پڑھی۔ ملا محمود دیوبندی بھی ان کے شاگرد تھے۔

فقہی معاملات میں شاہ ولی اللہ پکے حنفی نہ تھے لیکن ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز، پھر شاہ محمد اسحاق اور شاہ عبدالغنی مجددی پکے حنفی تھے۔ ان لوگوں میں تقویٰ، اخلاص، توکل، خشیت الٰہی اور حق گوئی تھی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے شاہ عبدالغنی سے مدینہ منورہ میں سند حدیث حاصل کی۔ اسی طرح مولانا سید احمد حسن امروہوی نے بھی شاہ عبدالغنی سے مدینہ منورہ میں سند حدیث حاصل کی۔ شاہ ولی اللہ کی سند اپنے والد کے واسطے سے محقق

جلال الدین دوانی تک پہنچتی ہے۔ حافظ سخاوی نے الضوء الطلامع میں محقق دوانی کا ذکر کیا ہے۔ ان کی وفات ۹۱۸ھ میں ہوئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء-۱۷۶۳ء)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء کو پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شاہ عبدالرحیم والدہ کا نام فخر النساء ہے۔ جو شیخ محمد پھلتی کی صاجزادی اور شاہ محمد اسحاق کی پھوپھی تھیں۔ شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد سے صحیح بخاری، شمائل ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر المدارک، ہدایہ، توضیح وتلویح، حسامی، شرح عقائد نسفی پڑھی۔ ۱۴ سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی۔ شاہ ولی اللہ کی بیوی کا نام فاطمہ بنت عبید اللہ تھا۔ مسماۃ فاطمہ، شاہ محمد عاشق پھلتی کی ہمشیرہ تھیں۔ شاہ ولی اللہ کی شادی کے فوراً بعد شاہ عبدالرحیم انتقال فرما گئے۔ دہلی اور اس کے نواح میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تدریس حدیث کی بنیاد ڈالی۔ ان کی وفات کے بعد شاہ عبدالرحیم نے درس حدیث دیا۔ ان کے مدرسہ کا نام مدرسہ رحیمیہ تھا۔ جو مہندیوں میں تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد بزرگوار کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس دیا۔ شاہ ولی اللہ حرمین شریفین میں دوسال تحصیل علم کے بعد ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان واپس آئے اور مہندیاں دہلی دروازہ میں اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا۔ درس وتدریس سے جو وقت بچتا وہ تصنیف وتالیف میں صرف کرتے۔ شاہ ولی اللہ نے مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر مدنی سے حدیث پڑھی اور وہیں حضرت شیخ مکی سے حدیث پڑھی۔ جن سے مشائخ سے حجاز میں حدیث پڑھی، ان کے اسماء شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالے مشائخ الحرمین میں درج کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی سند اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے واسطے سے محقق جلال الدین دوانی تک پہنچتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱-تفہیمات ۲-الفضل المبین ۳-فیوض الحرمین

الفضل المبین میں حدیث مسلسل بالصوفیاء کی تشریح ہے۔فیوض الحرمین میں مراقبات ومکاشفات ہیں۔

۴-فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (فارسی) ۵-فتح الخبیر فی علم التفسیر
۶-الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ۷-مصفّٰی فی احادیث موطا ۸-المسوّٰی من الموطا ۹-شرح تراجم ابواب البخاری ۱۰-حجۃ اللہ البالغۃ
۱۱-البدور البازغۃ ۱۲-ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۳-الخیر الکثیر
۱۴-انفاس العارفین ۱۵-القول الجمیل ۱۶-الطاف القدس
۱۷-ہمعات ۱۸-لمعات ۱۹-سطعات

شاہ ولی اللہ کی تالیفات میں حجۃ اللہ البالغۃ بہت مشہور ہے۔اس میں احکام الٰہی کی حکمتیں بیان کی ہیں۔یہ کتاب اگرچہ حدیث کی نہیں ہے لیکن احادیث کی شرح ہے۔مولانا فضل حق خیرآبادی نے ان کی کتاب 'ازالۃ الخفا' کی تعریف کی ہے۔ہندوستان کے تمام علماء کی سند حدیث شاہ ولی اللہ سے ملتی ہے۔شاہ ولی اللہ نے ۶۳ سال کی عمر پائی۔۲۹رمحرم ۱۱۷۶ھ/ ۲۰راگست ۱۷۶۲ء کو انتقال ہوا۔اپنے آبائی قبرستان مہندیون دہلی میں دفن ہوئے۔شاہ ولی اللہ کی پہلی بیوی شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحبزادی تھیں۔ان سے ایک صاحبزادے محمد ہوئے۔وہ ۱۲۰۸ھ میں وفات پاگئے۔شاہ ولی اللہ کی دوسری بیوی سے حسب ذیل صاحبزادگان ہوئے:

۱-شاہ عبدالعزیز ۲-شاہ عبدالقادر ۳-شاہ رفیع الدین ۴-شاہ عبدالغنی۔شاہ عبدالعزیز ان سب بھائیوں میں بڑے تھے اور سب کے استاد بھی تھے۔

ترجمہ: سیرت کے معنی میں آتا ہے۔جیسے تراجم بخاری۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بن شاہ ولی اللہ ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء تا ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء (عمر ۷۷ سال) شاہ عبدالعزیز دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا حافظہ اور

ذہانت خداداد تھی۔ شاہ صاحب نے علوم عقلیہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ حدیث وفقہ بھی انہی سے پڑھا۔ سولہ سال کی عمر میں ن کے والد شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوگیا۔ شیخ عاشق پھلتی سے حدیث کی اجازت لی۔ شاہ عبدالعزیز علم وفضل میں ممتاز تھے۔ شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے۔ ان کو تمام علوم متداولہ میں دستگاہ تھی۔ تقریر معنی خیز اور سحر انگیز کرتے تھے۔ موصوف کی ذات سے ہندوستان میں علم حدیث پھیلا۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں ان کی قابلیت کا لوہا مانا ہے۔ سید احمد شہید رائے بریلوی کو شاہ عبدالعزیز سے بیعت حاصل تھی۔

شاہ عبدالعزیز کا نکاح نور اللہ بڈھانوی کی صاحبزادی سے ہوا۔ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں ہے۔ ان سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ سب سے بڑی لڑکی، شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے مولانا محمد عیسیٰ کو منسوب ہوئیں۔ صاحبزادے کا نام احمد رکھا۔ ان کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقی سے منسوب ہوئیں۔ جن کے دو صاحبزادے شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب تھے۔ شاہ محمد اسحاق ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی کی زوجہ تھیں۔

شاہ عبدالعزیز کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ 'فتح العزیز'۔ اسکا نام تفسیر عزیزی بھی ہے۔ اس کی دو جلدیں شائع ہوگئی ہیں۔ اردو میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

۲۔ 'تحفۂ اثناء عشریہ'۔ یہ شاہ صاحب کی بڑی بے نظیر کتاب ہے۔ پوری کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کا ترجمہ ہدیۂ مجیدیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ 'بستان المحدثین'۔ اس میں کتب حدیث کی فہرست ہے۔

۴۔ 'عجالۂ نافعہ'۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔ مولانا عبدالحلیم چشتی نے فوائد جامعہ کے

نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اس پر تعلیقات لکھی ہیں۔ پانچ سو صفحات ہیں۔
۵-'میزان البلاغۃ'۔ علم بلاغت میں ہے۔
۶-'سِرُّ الشہادتین'۔ حضرات حسنینؓ کی شہادت کا تذکرہ ہے۔
۷-'فتاویٰ عزیزیہ'۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔
۸-شرح عقائد نسفی پر 'رسالہ میزان العقائد'

شاہ عبدالعزیز نے حسب ذیل فلسفہ و منطق کی کتابوں پر حاشیے لکھے:
۱-حاشیۂ میر زاہد ۲-حاشیۂ ملا جلال ۳-حاشیۂ شرح ہدایت الحکمۃ
۴-حاشیۂ صدرا

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے والد کے بعد مسند درس سنبھالی۔ ان کے تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ ان کے تینوں بھائی شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔
۱-شاہ عبدالقادر ۲-شاہ رفیع الدین ۳-شاہ عبدالغنی (والد اسمٰعیل شہید)
۴-شاہ محمد اسحاق (جو ان کے نواسے تھے) ۵-شاہ محمد اسمٰعیل شہید
۶-شیخ عبدالحئی بڈھانوی (جو ان کے داماد تھے) ۷-شاہ ابوسعید مجددی دہلوی (والد شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی) ۸-مولانا فضل حق خیرآبادی
۹-مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

آخر میں شاہ عبدالعزیز کی بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ اس لئے مدرسہ کا کام اپنے دو بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کا انتقال ۷رشوال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء کو دہلی میں ہوا۔ ۷۷ سال عمر ہوئی اور مہندیون میں مدفون ہوئے۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی

۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء-۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء (عمر ۶۴ سال)

شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم مہاجر مکی شیخ محمد افضل فاروقی لاہوری کے لڑکے اور

شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔ وہ انیسویں صدی کے نامور محدث تھے۔ وہ خالص حنفی المسلک تھے اور بہت متوازن اور معتدل انسان تھے۔ وہ صحیح معنوں میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے چشم و چراغ اور وارث تھے۔ شاہ ولی اللہ کے تمام علوم وفنون شاہ عبد العزیز کے ذریعہ ان کو منتقل ہوگئے تھے۔ انھوں نے چالیس سال درس حدیث دیا۔ ان کے وعظ میں سرسید بھی شریک ہوتے ہیں۔ وہ مدرسہ رحیمیہ کے صدر مدرس تھے اور اسی میں درس حدیث دیتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے جنازے کی نماز شاہ اسحاق نے پڑھائی تھی۔ آپ جانشین شاہ عبدالعزیز تھے۔ شاہ اسحاق نے جب ۱۸۲۴ء میں سفر حج کیا تو مکہ مکرمہ میں شیخ عمر بن عبدالکریم سے سند حدیث حاصل کی۔ یہ سند حدیث ۱۸۲۶ء کی ہے۔ شاہ محمد اسحاق نے ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ آخر عمر میں ۱۸۴۲ء میں وہ مکہ معظمہ ہجرت کر کے آگئے۔ شاہ عبدالعزیز کی اولاد نرینہ باقی نہ رہی۔ تین صاحبزادیاں تھیں۔ ایک صاحبزادی کے بطن سے شاہ اسحاق پیدا ہوئے۔ شاہ اسحاق حنفی تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ان کا ذکر کیا ہے۔ شاہ اسحاق کے تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱-شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی ۲-مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی
۳-مولانا احمد علی سہارنپوری محشی صحیح بخاری ۴-قاری عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی ۵-مولانا مظفر حسین کاندھلوی ۶-مفتی عنایت احمد کاکوروی محدث (متوفی ۱۲۷۷ھ) ۷-میاں نذیر حسین محدث دہلوی ۸-شاہ عبدالقیوم بڈھانوی بن شاہ عبدالحئی بڈھانوی داماد شاہ محمد اسحاق

شاہ اسمٰعیل شہید، شاہ اسحاق کے چچا شاہ عبدالغنی کے بیٹے تھے۔ جو ۱۷۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ اس طرح شاہ اسمٰعیل شہید شاہ اسحاق کے چچازاد بھائی تھے اور عمر میں شاہ اسحاق سے چار سال بڑے تھے لیکن علم میں شاہ اسحاق کو شاہ اسمٰعیل پر تفوق حاصل تھا۔ شاہ اسحاق کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے علماء کی صحیح سمت میں رہنمائی فرمائی۔

شاہ محمد اسحاق ۱۶ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے نانا شاہ عبدالعزیز کی آغوش میں تربیت میں پلے بڑھے۔ کافیہ تک کتابیں شیخ عبدالحئ بڈھانوی سے پڑھیں۔ اپنے نانا شاہ عبدالعزیز کی رحلت کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے۔ شاہ اسحاق نے ۳۶ سال درس حدیث دیا۔ بیس سال شاہ عبدالعزیز کی سرپرستی میں اور سولہ سال ان کے بعد۔ شاہ اسحاق کے استاد شیخ عمر بن عبدالکریم مکی نے شاہ اسحاق کے بارے میں کہا تھا:

'قد حلت فیہ برکۃ جدّہ الشیخ عبدالعزیز الدہلوی'

ترجمہ: ان میں ان کے نانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی برکت حلول کر گئی ہے۔

شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی

۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء-۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء (عمر ۵۹ سال)

شاہ عبدالغنی کے والد کا نام بوسعید مجددی دہلوی ہے۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء-۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء (عمر ۶۳ سال) کی نسل سے تھے۔ اسلئے مجددی کہلاتے ہیں۔ شاہ عبدالغنی شعبان ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری شاہ محمد اسحاق دہلوی سے پڑھی۔ مشکوٰۃ المصابیح شیخ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے پڑھے۔ طریق نقشبندیہ میں اپنے والد سے بیعت تھے۔ شاہ عبدالغنی نے سالہا سال دہلی میں درس و تدریس حدیث کی۔ ۱۸۵۷ء میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ شاہ عبدالغنی محدث نے اپنے والد شاہ عبدالسعید مجددی سے بھی حدیث پڑھی تھی۔ انھوں نے شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی تھی۔ ان کے تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ۲- مولانا خلیل احمد سہارنپوری

ان کے باقی شاگردوں کے نام پہلے گزر چکے ہیں جو یہ ہیں:

۱- مولانا مملوک علی ۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی ۳- مولانا رشید احمد گنگوہی

۴-مولانا محمد یعقوب نانوتوی

<u>نوٹ:</u> سرسید احمد خان مولانا نورالحسن کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ جو شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔ امام بخاری، امام احمد بن حنبل کے شاگرد تھے اور امام ترمذی، امام بخاری کے شاگرد تھے۔ امام بخاری کی کتاب المفرد مشہور ہے۔ شاہ عبدالحیؒ بڑھانوی کو شاہ اسحاق سے سند حدیث حاصل تھی۔

شاہ عبدالغنی کی حدیث مسلسل

شاہ عبدالغنی نے شاہ محمد اسحاق سے حدیث پڑھی۔ شاہ اسحاق نے شاہ عبدالعزیز سے حدیث پڑھی۔ شاہ اسحاق شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد شاہ ولی اللہ سے حدیث پڑھی اور شاہ ولی اللہ کی سند حدیث ہر جگہ معتبر ہے۔ شاہ عبدالغنی کے والد شاہ ابوسعید مجددی دہلوی جلیل القدر محدث تھے۔ انھوں نے شاہ رفیع الدین سے حدیث پڑھی۔ نیز شاہ عبدالعزیز سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔ وہ شاہ غلام علی دہلوی سے بیعت تھے۔ ۱۲۴۹ھ میں ٹونک میں وفات پائی۔ انکا تابوت دہلی لایا گیا اور شاہ غلام علی اور مرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ و مرید یہ تھے:

۱-شاہ غلام علی دہلوی ۲-قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنے پیر و مرشد کے نام پر تفسیر مظہری عربی میں لکھی جو ۱۲ جلدوں میں ہے۔

علمائے خیرآباد

خیرآباد، ضلع سیتاپور (یوپی، اودھ) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں بھی منطق و فلسفہ کے علماء پیدا ہوئے۔ ان میں خیرآبادی خاندان کے تین حسب ذیل مشہور عالم ہوئے:

۱-مولانا فضل امام خیرآبادی ۲-مولانا فضل حق خیرآبادی ۳-عبدالحق خیرآبادی

مولانا فضل امام خیرآبادی متوفی ۱۸۲۹ء

مولانا فضل امام خیرآبادی شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۷۴۶ء/۱۱۵۹ھ -
۱۸۲۳ء/ ۱۲۳۸ھ کے معاصر تھے۔ دونوں میں ایک دوسرے سے رشتۂ محبت و
یگانگت تھا۔ ان کا اصل نام شیخ فضل امام بن محمد ارشد عمری متوفی ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء
ہے۔ وہ منطق و فلسفہ کے انسان تھے۔ خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سید
عبدالواحد کرمانی خیرآبادی متوفی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء سے اخذ علوم کیا۔ دہلی میں
حکومت برطانیہ کی ملازمت اختیار کی۔ وہ دہلی کے مفتی پھر صدرالصدور امور مذہبی
کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پنشن کے بعد پٹیالہ میں مدارالمہام ہوئے۔ ان کے والد کا
نام ملا محمد ارشد تھا۔ مولانا فضل امام خیرآبادی شاہ صلاح الدین صفوی کے ہاتھ پر
بیعت تھے۔

آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے فضل حق خیرآبادی اور مفتی
صدرالدین آزردہ زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ نے زیادہ وقت دہلی میں گزارا۔ آپ
کا شمار دہلی کے رؤساء میں ہوتا تھا۔ ملازمت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف
وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ خیرآباد میں انتقال کیا اور وہیں درگاہ شیخ سعدالدین میں
دفن ہوئے۔ سرسید نے آثارالصنادید میں ان کی علمی فضیلت کو اعتراف کیا
ہے۔ مولانا فضل امام خیرآبادی کا حلقۂ درس بھی تھا۔ ان کی تصانیف میں مرقاۃ بہت
مشہور ہے۔ جو منطق کی کتاب ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس کو پڑھا ہے لیکن یہ
مبادیات منطق کی کتاب ہے۔ مختصر ہے مگر بہت مفید ہے۔ منطق کی بنیادی کتاب
ہے۔ لیکن اس پائے کی نہیں جو محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کا مرتبہ منطق میں ہے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی ۱۷۹۷ء-۱۸۶۱ء

ان کا نام فضل حق بن فضل امام عمر متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۱۶۱ء ہے۔ اپنے
والد کی طرح یہ بھی فلسفہ و حکمت کے انسان تھے۔ ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء میں خیرآباد میں

پیدا ہوئے۔ ناز و نعم سے پرورش ہوئی۔ ۶۴ سال عمر ہوئی۔ بچپن میں قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ اپنے والد مولانا فضل امام سے اخذ علوم کیا اور اپنے والد کی طرح درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کا سلسلۂ درس ۱۸۰۹ء تا ۱۸۵۸ء تقریباً پچاس سال رہا۔ دہلی، الور، ٹونک اور رامپور میں ملازمت کی۔ آٹھ برس رامپور میں قیام کرنے کے بعد لکھنؤ میں صدر الصدور بنا دیئے گئے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی کے ہمعصروں میں شاہ اسمٰعیل شہید ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء حکیم مومن خان مومن اور مرزا غالب بہت مشہور ہیں۔ مومن کے ساتھ شطرنج کھیلتے تھے۔ غالب کو فارسی ترک کر کے اردو شاعری کی طرف رغبت مولانا فضل حق خیرآبادی نے دلائی۔

دہلی میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدر الدین آرزدہ جو مولانا کے والد فضل امام کے شاگرد تھے۔ ان دونوں کے گھر ادبی نشست ہوتی تھی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی آرزو تخلص کرتے تھے۔ ان نشستوں میں جو شعرائے کرام شرکت کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں:

امام بخش صہبائی، غالب، مومن، ذوق، نواب ضیاء الدین نیر، رخشاں، شاہ نصیر الدین نصیر، حکیم آغا خان عیش، میر حسن، تسکین وغیرہ۔

مولانا فضل حق خیرآباد کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ آزادیٔ ہند کے سرخیل تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ جس پر مفتی صدر الدین آزردہ، صدر الصدور دہلی نے بھی دستخط کیے تھے۔ اس فتویٰ سے لوگوں میں جذبۂ جہاد بھڑکا۔ ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو مولانا کو ان کے فتویٰ کی وجہ سے باغی قرار دیا گیا اور ان کو حبس دوام عبور دریائے شور کی سزا کا حکم ہوا۔ جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا۔ رہائی ہوگئی تھی لیکن پانی کے جہاز سے اترتے ہی انتقال ہوگیا۔ مولانا کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ ہدیۂ سعیدیہ　　۲۔ الثورۃ الھندیہ (باغی ہندوستان)　　۳۔ الکافی لحل

ایساغوجی ۴-حاشیہ شرح سلم از قاضی مبارک ۵-قصائد فتنہ ہندیہ۔

ان نظموں میں مولانا نے جنگ آزادی کے دردناک تاریخی واقعات اور المناک خونی مظالم کی منظوم داستان لکھی ہے۔اس کا اردو ترجمہ عبدالشاہد خان شروانی نے باغی ہندوستان کے نام سے کیا ہے۔

۶-حاشیہ علی الافق المبین از باقر داماد۔یہ الٰہیات میں باقر داماد کی کتاب افق مبین کا جواب ہے۔

ان سب کتابوں میں ہدیہ سعیدیہ زیادہ مشہور ہے۔ہدیہ سعیدیہ فلسفہ کی کتاب ہے۔یہ بھی راقم الحروف نے پڑھی ہے۔

عبدالحق خیرآبادی

۱۲۴۴ھ-۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء

ان کا نام شیخ عبدالحق بن شیخ فضل حق بن فضل امام عمری متوفی ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء ہے۔وہ دہلی میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔انھوں نے بھی ناز ونعم میں پرورش پائی۔کیونکہ باپ دادا دونوں صدر الصدور کے عہدے پر فائز تھے۔عبدالحق خیرآبادی نے اپنے والد فضل حق خیرآبادی سے اخذ علوم کیا۔۷۲سال کی عمر پائی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت دہلی میں تھے۔پھر نواب ٹونک کے ہاں رہے۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔پھر نواب کلب علی خان متوفی ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء نے رامپور میں حاکم مرافعہ بنایا اور مدرسہ عالیہ رامپور کا پرنسپل مقرر کیا۔پھر وہ خیرآباد چلے گئے۔حکومت وقت کیطرف سے انکو ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔عبدالحق خیرآبادی شاہ اللہ بخش تونسوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔عبدالحق خیرآباد کی تصانیف یہ ہیں:

۱-شرح ہدایت الحکمتہ ۲-زبدۃ الحکمتہ ۳-سید شریف جرجانی کی شرح مواقف پر حاشیہ لکھا۔ ۴-حاشیہ حمداللہ ۔ یہ حمداللہ سندیلوی متوفی

۱۱۶۰ھ/ ۱۸۴۷ء کی شرح سلم العلوم پر حاشیہ ہے۔ ۵-قاضی مبارک شرح سلم پر حاشیہ ۶-شرح مرقاۃ

ان کتابوں میں شرح ہدایت الحکمۃ بہت مشہور ہے۔ جو درس نظامی میں شامل ہے۔راقم الحروف نے اس کتاب کو بھی پڑھا ہے۔عبدالحق خیرآبادی کے ایک صاحبزادہ مولانا اسدالحق خیرآبادی تھے۔ جو اپنے والد کی جگہ پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور ہو گئے تھے لیکن عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہو گیا۔وفات پا جانے کی وجہ سے ان کے جوہر نہ کھل سکے۔

فلسفہ و منطق میں خیرآبادی اسکول کو خاص درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ منطق کی بنیادی کتاب مرقاۃ، فضل امام خیرآبادی نے لکھی۔اسی طرح ان کے بیٹے فضل حق خیرآبادی نے فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ لکھی اور ان کے پوتے عبدالحق خیرآبادی نے فلسفہ میں زبدۃ الحکمۃ لکھی۔ عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ زیادہ مشہور ہے۔ جو ہدایت الحکمۃ کی شرح ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ منطق وفلسفہ کی بنیادی کتابیں خیرآبادی اسکول سے پہلے لکھی جا چکی تھی۔ چنانچہ منطق میں محب اللہ بہاری کی سلم العلوم اور اثیرالدین ابہری نے فلسفہ میں ہدایت الحکمۃ لکھی۔ یہ دونوں کتابیں منطق وفلسفہ کی بنیادی کتابیں ہیں۔ باقی کتابیں ان کے ہم پلہ نہیں۔ نیز زیادہ تر علماء نے ان دونوں کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ چنانچہ میبذی، صدرا اور عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ اثیرالدین ابہری کی کتاب ہدایت الحکمۃ کی شرحیں ہیں۔ اس طرح ملا حسن، ملا مبین، قاضی مبارک اور حمداللہ، محب اللہ بہاری کی کتاب سلم کی شرحیں ہیں۔اسی طرح منطق میں قطب الدین شیرازی کی کتاب قطبی ہے۔اس پر میرزاہد ہروی نے حاشیہ لکھا۔ اسی طرح جلال الدین دوانی نے منطق میں اپنی کتاب ملا جلال لکھی اور اثیرالدین ابہری نے منطق میں ایساغوجی لکھی۔ جس کی شرح ملا حسام الدین نے قال اقول کے نام سے لکھی۔اسی طرح فلسفہ میں ملا محمود جونپوری نے شمس بازغہ لکھی۔غرض ابن سینا اور فارابی کے بعد فلسفہ و منطق میں

بنیادی کتابیں برصغیر میں لکھی جا چکی تھیں اور منطق و فلسفہ میں بہت کام ہو چکا تھا۔ علمائے فرنگی محل ان کے بعد آئے۔ اس لئے انھوں نے زیادہ تر سلم کی شرحیں، ملا حسن، ملا مبین لکھیں اور شمس بازغہ پر حواشی لکھے۔ علمائے فرنگی محل کے بعد علمائے خیرآباد آئے۔ انھوں نے شرحیں اور حواشی لکھے۔ چنانچہ عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ، اثیرالدین ابہری کی کتاب ہدایت الحکمۃ کی شرح ہے۔ اسی طرح عبدالحق خیرآبادی نے حمداللہ اور قاضی مبارک پر حواشی لکھے۔ حمداللہ اور قاضی مبارک سلم کی شرحیں ہیں۔ اس زمانے میں حواشی کا رواج تھا۔ حواشی پر حواشی بھی لکھے جاتے تھے۔ غرض منطق و فلسفہ کا بنیادی اور بڑا کام علمائے فرنگی محل اور علمائے خیرآباد سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ درس نظامی میں سلم، شمس بازغہ، صدرا، میبذی پڑھائی جاتی تھیں۔ منطق میں قطبی اور شرح تہذیب بھی درس نظامی میں شامل ہے۔

عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ سے پہلے، صدرالدین شیرازی نے ہدایت الحکمۃ کی شرح صدرا لکھی تھی۔ اسی طرح میبذی بھی ہدایت الحکمۃ کی شرح ہے۔ غرض شرحوں کا کام بھی پہلے ہو چکا تھا۔

عبدالحق ۱۲۴۴ھ/ ۱۳۱۶ء-۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء-۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء کے معاصر تھے۔ گو عبدالحق خیرآبادی میرے دادا سے عمر میں ۲۳ سال بڑے تھے۔ ان کی عمر ۷۲ سال ہوئی۔ میرے دادا کی عمر ۶۲ سال ہوئی۔ غالباً عبدالحق خیرآبادی کے بیٹے اسدالحق منقرض النسل ہوئے۔ منطق میں فضل امام خیرآبادی کی کتاب مرقاۃ، مبادی منطق کی ہے اور فلسفہ میں فضل حق خیرآبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ مبادی فلسفہ کی کتاب ہے۔ منطق میں جو مرتبہ محب اللہ بہاری کی کتاب سلم العلوم کا ہے اور جو درجہ فلسفہ میں اثیرالدین ابہری کی کتاب ہدایت الحکمۃ کی کا ہے وہ خیرآبادی اسکول کی کتابوں کا نہیں۔ اسی طرح ہدایت الحکمۃ کی شرحیں، میبذی اور صدرا پہلے لکھی جا چکی تھیں۔ ان شرحوں

کی موجودگی میں عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ کوئی مشکل کام نہیں۔ بہر کیف سلم، ملا حسن، ملا مبین، قطبی، شرح تہذیب، میبذی، صدرا، حمداللہ، قال اقول کے ساتھ مرقاۃ، ہدیہ سعیدیہ اور شرح ہدایت الحکمۃ بھی درس نظامی میں شامل ہیں۔

علمائے دیوبند

درس نظامی کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیادی چھتہ کی مسجد میں ۱۵ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۸۶۷ء کو پڑی۔ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی کا ایک قصبہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ وہی اس مدرسہ کے بانی ہیں۔ ان کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی والد شیخ الھند مولانا محمود الحسن اور حاجی عابد حسین مولانا رشید احمد گنگوہی تھے۔ ان لوگوں کا تعاون ان کو حاصل تھا۔ اس درسگاہ کے سب سے پہلے مدرس ملا محمود دیوبندی اور سب سے پہلے طالبعلم مولانا محمود الحسن جو بعد میں شیخ الھند ہوئے اور سب سے پہلے صدرالمدرسین مولانا یعقوب نانوتوی تھے۔ اس درسگاہ کی بڑی شہرت ہوئی۔ دور دور سے طلبہ یہاں درس حدیث لینے آنے لگے۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ علماء نے تحریک آزادی اور انگریز کے خلاف جہاد میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ دنیائے اسلام میں قرآن وسنت کی ترویج واشاعت، دین کی تبلیغ اور ناموس رسالت کے تحفظ میں دارالعلوم دیوبند کا کردار برصغیر کی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔ علم حدیث اور علم تفسیر کی بہت سی بلند پایہ کتابیں اس درسگاہ کے علماء کے ذریعے وجود میں آئیں۔ اگر علمائے دیوبند نہ ہوتے تو ہندوستان سے علم حدیث ختم ہوجاتا۔ علمائے دیوبند نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک حدیث کو آگے بڑھایا حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند تیرہویں صدی ہجری کی ایک عظیم دینی، تعلیمی اور اسلامی تحریک تھی۔ یہ وقت کی ایک ضرورت تھی۔ جنوبی ایشیاء کی ملت اسلامیہ کی تجدید احیائے دین کا کام یہاں کے علماء نے کیا۔

ان علماء نے آزادئ ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا۔ اس دارالعلوم میں منقولات اور معقولات دونوں کی تدریس کی جاتی تھی۔ اس درسگاہ میں جو علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے اور اب بھی پڑھائے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

علم صرف ونحو، ادب، علم المعانی، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، علم الفرائض، علم العقائد، علم الکلام، علم ہیئت، قرأۃ وتجوید، فارسی وادب اور ریاضی آٹھ سال کا نصاب ہے۔ اردو اور فارسی میں تدریس ہوتی ہے۔ یہاں کی ممتاز چیز دورۂ حدیث ہے۔ اب اس درسگاہ کو قائم ہوئے ۱۳۸ سال ہوگئے ہیں۔ یہاں مختلف بلاد اسلامیہ سے طلبہ آتے ہیں۔

اس درسگاہ سے جو بڑے بڑے جید علماء فارغ التحصیل ہوکر نکلے ان کے نام یہ ہیں:

۱-مولانا سید محمد حسن محدث امروہوی ۲-شیخ الھند مولانا محمود الحسن
۳-مولانا فخر الحسن گنگوہی ۴-مولانا انور شاہ کشمیری ۵-مولانا شبیر احمد عثمانی ۶-مولانا عبید اللہ سندھی ۷-مولانا حسین احمد مدنی
۸-مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ۹-مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ۱۰-مفتی شفیع احمد عثمانی ۱۱-محمد یوسف بنوری ۱۲-قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۳-حافظ احمد بن محمد قاسم ۱۴-مولانا اشرف علی تھانوی
۱۵-مفتی کفایت اللہ دہلوی

دارالعلوم دیوبند کی عمارت ایک مسجد، ایک کتب خانہ، حدیث وتفسیر اور فقہ کے متعدد کلاس روم پر مشتمل ہے۔ دیوبند کا کتب خانہ برصغیر کا مشہور کتب خانہ ہے۔ جس میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں ہیں۔ مخطوطات بھی ہیں۔ تقریباً ستر ہزار عربی، فارسی اور اردو کتابیں ہیں۔ اس ادارے نے زیادہ تر دینی رہنما پیدا کیئے۔ علمائے دیوبند کا مسلک وہی ہے جو شاہ ولی اللہ کا تھا۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔ قرآن وسنت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے علاوہ ان کا تصوف سے بھی گہرا تعلق ہے۔

اکثر علمائے دیوبند روحانی مسلک میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہیں۔ جو تصوف کے چاروں سلسلوں یعنی چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی سلاسل سے منسلک تھے۔ اکابر علمائے دیوبند میں غلو اور انتہا پسندی کے بجائے اعتدال ہے۔ علمائے دیوبند کے اس مسلک نے ان کو سب کی نظروں میں محترم بنا دیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی

۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء-۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دینی علوم کی حفاظت اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے خالص رضاکارانہ بنیاد پر اور امداد باہمی کے اصولوں پر دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ ان کی علمی خدمات کی بناء پر معاصرین نے ن کو حجۃ الاسلام کا خطاب دیا۔ وہ ۱۲۴۸ھ میں قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ اسد علی صدیقی تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم نانوتہ اور سہارنپور میں حاصل کی۔ دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتوی سے اخذ علوم کیا اور شاہ عبدالغنی مجددی سے سند حدیث پائی۔ علم ریاضی میں بھی ان کو درک تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتی نے دہلی ہی میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی تین مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوئے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ یہ تھے۔ علم، تواضع، سادگی، جذبۂ جہاد اشاعت علوم دینی عشق نبوی۔ مولانا کا انتقال ۴ رجمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں ہوا۔ مولانا کی کل ۴۹ سال کی عمر ہوئی۔ حضرت مولانا اپنے وقت کے جید عالم، مدبر و مفکر تھے۔ آپ نے ۱۸۷۹ء میں مراد آباد میں مدرسہ الغرباء قائم کیا۔ جو اب مدرسہ شاہی مسجد کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ انبیٹھہ (ضلع سہارنپور) تھانہ بھون (ضلع مظفرنگر) گلاوٹھی (ضلع بلند شہر) میں آپ کے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی شاخیں ہیں۔ پاکستان میں مدرسہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم ٹنڈوالہ یار دارالعلوم بنوری ٹاؤن دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اسی کا تسلسل ہے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم نانوتہ کے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند آئے اور مولانا مہتاب علی کے مدرسہ میں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۱۲۵۹ھ بہ عمر گیارہ سال مولانا مملوک علی نانوتوی کے ہمراہ دہلی آئے اور عربی کی اکثر کتابیں ان سے پڑھیں۔ طالبعلمی کے بعد آپ نے کتابت کا کام سیکھا اور مطبع احمدی میں تصحیح کتب کا کام کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

آپ کی پوری زندگی مجاہدانہ تھی۔ انگریزوں کے خلاف آپ نے تلوار سے جہاد کیا۔ آپ نے انگریزوں پادریوں کے ساتھ متعدد مناظرے کیئے اور ہر مقام پر انھیں شکست دی۔ مولانا کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱-تقریر دل پذیر ۲-تحذیر الناس ۳-آب حیات ۴-انتصار الاسلام
۵-تصفیۃ العقائد ۶-حجۃ الاسلام ۷-قبلہ نما ۸-تحفۃ الحمیت
۹-مباحثہ شاہ جہانپور ۱۰-جمال قاسمی ۱۱-توثیق الکلام
۱۲-اجوبۂ اربعین

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
۱۲۳۳-۱۳۱۷ھ/ ۱۸۱۸-۱۸۹۹ء

شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے باقاعدہ تعلیم کم حاصل کی تھی لیکن آپ کا علم وہبی تھا۔ آپ کے سینے میں عشق و محبت کی آگ شعلہ زن تھی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا جلال الدین رومی کو شمس تبریز کی زبان بنا دیا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ انیسویں صدی عیسوی میں اسلامی تصوف کا منبع تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء، مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا احمد حسن محدث امروہوی متوفی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء

سب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ انہی بزرگوں کی کوشش سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔ مولانا اشرف علی تھانوی بھی حاجی صاحب کے خلیفہ تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے جنگ آزادی میں بھی حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے برافروختہ ہوکر آپ نے مدینہ ہجرت کی۔ مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی آپ نے سرپرستی فرمائی ۔آپ کا انتقال ۱۲؍جمادی الاول ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوا۔ چوراسی سال کی عمر ہوئی۔ میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی بھی حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت حاجی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفرنگر کے تھے۔

راقم الحروف نے تھانہ بھون کی مسجد کے اس بالائی حصے کی زیارت کی جہاں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے چلہ کشی کی تھی اور وہاں اسی جگہ میں نے عبادت میں کچھ وقت گزارا ہے۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے پیر طریقت میاں جی نور محمد جھنجھانوی تھے۔ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر یوپی میں ہے۔ کیرانہ بھی مظفرنگر میں ہے۔

مفتی اعظم ہند

مفتی کفایت اللہ دہلوی

مفتی کفایت اللہ دہلوی اگرچہ میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے شاگرد نہیں تھے لیکن انھوں نے میرے دادا کی وفات پر ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ میں بڑا موثر مضمون لکھا تھا۔ دوسرے انھوں نے میرے دادا کے علمی مضامین تقاریر اور فتاویٰ کا مجموعہ افادات احمدیہ کے نام سے مرتب کر کے شائع کرایا تھا اور اس کی اشاعت میں انھوں نے میرے والد مولانا سید محمد رضوی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب جو بعد میں مفتی اعظم ہند ہوئے، کو میرے دادا سید احمد حسن محدث سے گہری عقیدت اور وابستگی تھی۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ان کے حالات بھی درج کردوں۔ تو عرض یہ ہے:

مفتی کفایت اللہ، شاہجہانپور، یوپی کے محلہ زئی میں ۱۲۹۲ھ میں پیدا

ہوئے۔ان کے والد شیخ عنایت اللہ،شریف، دیندار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔مفتی صاحب نے پانچ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ کے مدرسہ شاہجہانپور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور اسی مدرسہ میں ناظرہ قرآن کریم ختم کیا۔اس کے بعد آپ مدرسہ شاہی مرادآباد میں زیر تعلیم رہے۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔وہاں سے اپنی تعلیم مکمل کی اور بائیس سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔آپ نے فتنہ قادیانیت کی تردید میں ایک رسالہ 'البرہان' جاری کیا۔۱۳۱۵ھ میں جب دہلی میں کشمیری گیٹ پر مولانا امین الدین نے مدرسہ امینیہ قائم کیا تو مولانا انور شاہ کشمیری کے بعد آپ اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔آپ نے ابتدائی طلبہ کے لئے ایک مختصر کتاب تعلیم الاسلام لکھی۔ جو بہت مفید ثابت ہوئی۔حضرت مفتی صاحب نے تدریسی اور علمی خدمات کے ساتھ سیاسی اور ملی کاموں میں بھی حصہ لیا۔۱۹۱۷ء سے باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔آپ ایک بڑے سیاست دان اور صاحب فہم وذکاء انسان تھے۔جمعیۃ علمائے ہند قائم ہونے پر آپ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۸ء تک مسلسل ۱۹ برس صدر رہے۔کئی بار جیل بھی گئے۔گجرات جیل میں اسیر رہے۔مفتی کفایت شیخ الھند مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے۔ان کے اندر تدبر وتفکر تھا۔ان کا عظیم مقصد دینی علوم اور ملک کی خدمت کرنا تھا۔چونکہ مفتی اعظم ہند تھے۔اس لئے تمام استفتاء کا جواب دیتے تھے۔شامی ان کو ازبر تھی۔فوراً شامی سے جواب تلاش کر لیتے تھے۔شامی کے علاوہ عالمگیری بھی مطالعہ میں رہتی تھی۔وہ اپنے زمانہ کے مشہور اور مستند مفتی اور فقیہہ تھے۔درس وافتاء کا کام بڑی ذمہ داری سے انجام دیتے تھے۔جمعیۃ علمائے ہند اور کانگریس کی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا۔ آپ کا علم وفہم علماء میں تسلیم شدہ تھے۔آپ کے فیصلے کو سب مانتے تھے۔

مفتی کفایت اللہ ایک معتبر عالم دین، مدبر مفکر اور ایک بہترین فقیہہ تھے۔ ساری زندگی دین کی خدمت میں گزار دی۔۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ میں جب ان کا دہلی میں انتقال ہوا۔تو میں ان کے جنازے میں شریک تھا۔ان کو دہلی میں قطب

صاحب یعنی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قریب دفن کیا گیا۔

مولانا مملوک علی نانوتوی

استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی

۱۷۸۷ء-۱۸۵۱ء

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے مولانا مملوک علی نانوتوی سے اخذ علوم کیا تھا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا کہ ان کے حالات دیدئے جائیں۔ سرسید احمد خان مولانا مملوک علی کے معاصر تھے۔

مولانا مملوک علی نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ وہ صدیقی النسب تھے اور انہیں علم و فضل سے گہرا لگاؤ تھا۔ مولانا کی سن پیدائش ۱۷۸۷ء ہے۔ ان کے والد کا نام شیخ احمد علی تھا۔

مولانا مملوک علی کی ابتدائی تعلیم نانوتہ ہی میں ہوئی۔ پھر وہ دہلی آئے۔ یہاں وہ شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء-۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے ہدایت النحو پڑھی۔ پھر وہ مولوی رشید الدین خان دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ جو مفتی صدرالدین آزردہ کے عزیز تھے۔ مولانا رشید الدین دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔

مولانا مملوک علی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تینوں صاحبزادوں، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے کسب فیض کیا۔ لیکن تکمیل علوم شاہ رفیع الدین کے ہاتھوں ہوئی۔ مولوی رشید الدین علم ہیت و ہندسہ میں کمال رکھتے تھے۔ معقول و منقول میں بھی درک تھا اور مباحثہ و مناظرہ کرتے تھے۔ استاد کی انہی صفات کا اثر مولانا مملوک علی پر ہوا۔ وہ یعنی مولانا رشید الدین دہلی کالج میں مدرس اول تھے۔ انہی کی تجویز پر مولانا مملوک علی دہلی کالج میں نائب مدرس مقرر ہوئے۔ وہ

دونوں شعبۂ عربی سے منسلک تھے۔ استاد کے انتقال ۱۸۳۳ء کے بعد مولانا مملوک علی ان کی جگہ پر صدر مدرس ہوئے۔ دہلی کالج میں مولانا مملوک علی کا تقرر ۱۸۲۵ء میں ہوا۔ مولانا کے زمانے میں دہلی کالج کا پرنسپل ایک انگریز اشپرنگر تھا۔ مولانا نے دہلی کالج میں ۲۶ سال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا مملوک علی شعبۂ عربی کے صدر تھے۔ مولانا کی مدت تدریس کافی طویل ہے۔ آخر میں کالج کا انگریز پرنسپل ٹیلر ہوگیا تھا۔ اشپرنگر کے دور پرنسپلی میں ان کی قدر ومنزلت زیادہ ہوئی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اشپرنگر عربی دان تھا اور علوم اسلامی پر اس کی گہری نظر تھی۔ جب دہلی کالج میں ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی تو مولانا بھی ترجمہ کمیٹی کے رکن تھے۔ مولانا ہمہ وقت درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے اطراف طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ معقولات کی مشکل کتابیں، میرزاہد، قاضی صدرا اور شمس بازغہ پڑھاتے تھے۔

مولانا مملوک علی کے تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱-مولانا محمد قاسم نانوتوی ۲-محمد یعقوب نانوتوی (فرزند) ۳-محمد مظہر نانوتوی (احسن نانوتوی کے حقیقی بڑے بھائی) ۴-محمد احسن نانوتوی ۵ رشید احمد گنگوہی ۶-احمد علی سہارنپوری ۷-ذوالفقار علی (والد شیخ الھند) ۸-فضل الرحمٰن (والد شبیر احمد عثمانی) ۹-مولانا کریم الدین پانی پتی ۱۰-ڈاکٹر ضیاء الدین ۱۱-قاری عبدالرحمٰن پانی پتی

مولانا مملوک علی کا انتقال ۱۱رذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷را کتوبر ۱۸۱۵ء کو دہلی میں ہوا۔ دہلی میں ہی مدفون ہوئے۔

مولانا مملوک علی کا شمار اپنے عہد کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ علوم اسلامی پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ ان کی تصانیف تدوین متون اور تراجم تک محدود ہیں۔ مولانا بنیادی طور پر مدرس تھے۔ اپنا تمام وقت تعلیم وتدریس میں صرف کرتے تھے۔ مولانا کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱-تحریر اقلیدس ۲-تاریخ یمینی ۳-کتاب المختار ۴-نتیجۂ تحریر
۵-ترجمہ سنن ترمذی ۶-عربی خط (غیر منقوط)

مولانا نے تیسری صدی قبل مسیح کی کتاب 'اقلیدس' کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا۔ اقلیدس کا یہ اردو ترجمہ دہلی کالج کے شعبۂ عربی کے نصاب میں شامل تھا اور مولانا خود اس کو پڑھاتے تھے۔ اقلیدس علم ہندسہ کی کتاب ہے۔ مولانا نے اقلیدس کا ترجمہ فارسی سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ آٹھ مقالوں پر مشتمل تھا۔ اسکا نام اقلیدس کی پہلی، دوسری اور چوتھی کتاب تھا۔

'تاریخ یمینی' میں سلطان محمود غزنوی کے عہد کے تاریخی واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مورخ العتبی ہے۔ جو سلطان محمود غزنوی کا ہمعصر تھا۔ مستشرق بروکلمان نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا مملوک علی نے دہلی کالج کے انگریز پرنسپل اشپرنگر کے ساتھ مل کر اس کتاب کو مدون کیا تھا۔ مولانا تاریخ یمینی بھی پڑھاتے تھے۔ اس کتاب میں مولانا نے اشخاص، اماکن اور تاریخی واقعات کے متعلق تشریحی عبارتیں عربی میں لکھی ہیں۔

'کتاب المختار' فی الاخبار الآ ثار مورخ مسعودی کی مروج الذہب کا انتخاب ہے اور اس میں دورامیہ کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی انگریز پرنسپل اشپرنگر کی ذاتی دلچسپی سے شائع ہوئی۔ مولانا مملوک کی کتاب 'نتیجۂ فکر' بھی علم ہندسہ سے متعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مملوک علی میں علم معقول و منقول استعداد کامل تھی۔ ان کا علم متحضر تھا۔ شب و روز ان کا مشغلہ تدریس تھا۔

مولانا مملوک علی دہلی کالج میں جو عربی کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

۔ درمختار (فقہ)، تاریخ یمینی (تاریخ)، جامع التواریخ، دیوان حماسہ، جزئیات کلیات، رسالہ ہیئت، ہدایہ، دیوان متنبی

اشپرنگر کی دہلی کالج کی پرنسپلی کے زمانے میں مولانا نے بہت کام کیا۔ اشپرنگر کے بعد جب انگریز پرنسپل ٹیلر ہوا تو کالج کی علمی فضا نہ رہی۔ مولانا مملوک علی

کے انتقال (۱۸۵۱ء) کے بعد مولوی سید محمد دہلی کالج میں ان کی جگہ پر مدرس ہوئے۔ غالباً یہ وہی مولوی سید محمد دہلوی ہیں۔ جو دارالعلوم دیوبند میں میرے دادا مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے بعد مدرس ہوئے۔ مولانا مولک علی نے دہلی کالج میں تین انگریز پرنسپلوں کے ماتحت کام کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱-اشپرنگر ۲-فیلکس بوترو ۳ٹیلر۔ ٹیلر سے مولانا کی نہیں بنی۔

مولانا مملوک علی نانوتوی نے علم ہیئت، ہندسہ، ریاضی اپنے استاد مولوی رشید الدین خان دہلوی سے سیکھا۔ پھر مولانا مملوک علی نے اقلیدس، ریاضی اور علم ہیئت اپنے شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی کو سکھایا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا مملوک علی کے ہم وطن، ہم نسب اور شاگرد تھے۔ اقلیدس یا جیومیٹری میں مولانا مملوک علی کی کتاب اقلیدس کی پہلی، دوسری اور چوتھی کتاب اردو میں تھی۔ یہ کتاب راقم الحروف نے دوسری تیسری جماعت میں پڑھی تھی اور اسی سے جیومیٹری پرکار وغیرہ سے سیکھی تھی۔

جب ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین کو دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا تو مولوی رشید الدین خان دہلوی کو دہلی کالج صدر مدرس مقرر کیا گیا اور انہی کی تجویز پر مولانا مملوک علی کو نائب مدرس مقرر کیا گیا۔ دونوں کا تعلق شعبۂ عربی سے تھا۔ ۱۹۳۳ء میں جب مولوی رشید الدین خان دہلوی کا انتقال ہوا تو مولانا مملوک علی صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا مملوک علی کا انتقال ۱۸۵۱ء میں ہوا۔ ۲۶ سال سال دہلی کالج میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا مملوک علی کی قبر دہلی میں شیخ عبدالعزیز صاحب شکر بار کے پائیں میں ہے۔ آپ کی قبر کچی ہے اور کسمپرسی کی حالت میں ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے والد مولانا اسد علی صدیقی نانوتوی، مولانا مملوک علی صدیقی نانوتوی کے دوست اور ہمدرس تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے دوست شیخ اسد علی کے فرزند محمد قاسم نانوتوی کو بیٹا سمجھا۔ مولانا مملوک علی ہی مولانا محمد قاسم نانوتوی کو اپنے ساتھ دہلی لائے اور تعلیم دی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو

معقولات، علم ہیئت، ہندسہ اور ریاضی میں جو کچھ ملا وہ اپنے استاد مولانا مملوک علی سے استاد کی خوشبو شاگرد میں آ ہی جاتی ہے۔ یہ بات مولانا محمد قاسم نانوتوی پر صادق آتی ہے جو مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد رشید تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی

مولانا حبیب الرحم عثمانی نے میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن کی وفات پر بڑا دردناک عربی میں مرثیہ لکھا تھا اور دارالعلوم دیوبند میں منعقدہ تعزیتی اجلاس میں بڑی موثر تقریر کی۔ نیز میرے والد مولانا سید محمد رضوی نے جب امروہہ دارالعلوم چلہ قائم کیا تو مولانا حبیب الرحمٰن کا تعاون میرے والد کو حاصل تھا۔ اس تعلق سے ان کے حالات لکھتا ہوں:

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا تعلق دیوبند کے ممتاز عثمانی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد کا نام مولانا فضل الرحمٰن عثمانی تھا۔ جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہمدرس اور ساتھی تھے۔ مفتی اعظم ہند اور صدر مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی آپ کے بھائی تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور ۱۳۰۰ھ میں وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی جگہ پر مہتمم دارالعلوم مقرر ہوئے۔ آپ کے اندر خوش انتظامی، خوش اسلوبی اور خوش کلامی تھی۔ شب و روز دارالعلوم کے انتظامی امور میں صرف کرتے تھے۔ دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا اس موضوع پر آپ نے پانچ سو صفحات کی کتاب اشاعت الاسلام لکھی۔ باقی کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱-قصیدۃ لامیۃ المعجزات ۲-تعلیمات اسلام ۳-رحمۃ للعالمین
۴-اشاعت الاسلام

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا انتقال ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء کو ہوا۔ حکیم الاسلام

مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالعلوم ہی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن فخر الھند، گنجینہ، علم وعمل اور فہم و فراست کا پیکر تھے۔ دارالعلوم کے نظام کو آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے چلایا۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں جب جمیعتہ العلماء کا اجلاس صوبہ بہار میں ہوا تو آپ نے جلسہ کی صدارت فرمائی۔ آپ کی علمی دوستی اور تعلیمی شغف کے سب مُقِر تھے۔ آپ کو عربی زبان پر مہارت نامہ حاصل تھی۔ ۱۳۳۰ھ میں جب مصر کے مشہور رسالہ المنار کے ایڈیٹر اور تفسیر المنار کے مصنف مفتی محمد عبدہ کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا دیوبند آئے۔ تو مولانا عثمانی نے ان کے سامنے بڑے فصیح و بلیغ انداز میں عربی میں تقریر کی اور عربی زبان میں سپاسنامہ پیش کیا اور دارالعلوم دیوبند کی خدمات کو اجاگر کیا۔

مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵رمحرم ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء میں پڑی۔ اس کے چھ ماہ بعد مظاہر العلوم سہارنپور یکم رجب ۱۲۸۳ھ میں قائم ہوا۔ اس کے بانی سعادت علی سہارنپوری تھے۔ جو فقیہہ تھے۔ علمائے دیوبند نے تفسیر و حدیث، فقہ، عقائد، اصول فقہ، اصول حدیث پر توجہ دی خاص طور پر علم حدیث پر توجہ دی۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کو مدارس میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ مدرسہ سہارنپور میں مولانا احمد علی سہارنپوری نے درس حدیث دیا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری محشی صحیح بخاری، شاہ اسحاق دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا یحیٰی کاندھلوی اور مولانا ذکریا کاندھلوی بھی شیخ الحدیث ہوئے۔ مولانا ذکریا کاندھلوی کے والد کا نام مولانا یحیٰی کاندھلوی تھا۔ انھوں نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بھی درس حدیث لیا۔ بذل المجہود ذکریا کاندھلوی کی تصنیف ہے۔ یحیٰی کاندھلوی کے بیٹے ذکریا کاندھلوی تھے۔ جبکہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا یحیٰی کاندھلوی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور مولانا محمد یوسف (تبلیغی جماعت والے) مولانا الیاس کے فرزند تھے۔ مولانا یحیٰی کاندھلوی کے دورۂ حدیث کے ممتحن میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث تھے۔

مولانا یحییٰ کاندھلوی رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔ مولانا یحییٰ کا انتقال ۱۳۳۴ھ میں ہوا۔ کاندھلہ، ضلع مظفر نگر میں ہے۔

سر سید احمد خان، مولانا نور الحسن کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا الیاس نے اپنے بڑے بھائی مولانا یحییٰ کاندھلوی سے مظاہر العلوم سہارنپور میں آٹھ سال پڑھا۔ میوات (مضافات دہلی) میں تبلیغ کا کام مولانا الیاس کاندھلوی نے کیا۔ مولانا الیاس ۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ (مظفر نگر) میں پیدا ہوئے۔ مولانا الیاس شیخ الھند محمود الحسن کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ ۱۳۲۶ھ میں مولانا یوسف، مولانا الیاس کے شاگرد تھے۔ رشید احمد گنگوہی کا انتقال ۹ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا ذکریا کاندھلوی نے شیخ المشائخ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے حدیث پڑھی۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی سند حدیث یہ ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری عن محمد مظہر نانوتوی عن مولانا مملوک علی عن مولانا رشید الدین دہلوی عن شاہ عبدالعزیز۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو مولانا عبدالقیوم بڈھانوی اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی۔ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی، شاہ اسحاق کے شاگرد تھے۔ عبدالقیوم بڈھانوی، عبدالحئی بڈھانوی کے لڑکے تھے۔ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں ہے۔ جیسے کاندھلہ مظفر نگر میں ہے۔ ان کے بعد مولانا ذکریا کاندھلوی مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث ہوئے۔ شیخ الحدیث ذکریا کاندھلوی نے ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۸۸ تک مظاہر العلوم سہارنپور میں درس حدیث دیا۔

شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء - ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء (۷۷ سال عمر) کا نکاح نور اللہ بڈھانوی کی صاحبزادی سے ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ صاحبزادے کا نام احمد تھا۔ ان کا انتقال بچپن میں ہوگیا۔ دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقی سے منسوب ہوئیں۔ ان سے شاہ محمد اسحاق

۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی شاہ عبدالعزیز کے داماد اور شاگرد بھی تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں میں مولانا فضل حق خیر آبادی (ہدیہ سعیدیہ والے) اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے نام بھی آتے ہیں۔ آخر میں شاہ عبدالعزیز کی بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ ان کا انتقال ۷رشوال ۱۲۳۹ھ کو دہلی میں ہوا۔ عبدالحیٔ بڈھانوی کے لڑکے عبدالقیوم بڈھانوی تھے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا یحییٰ کاندھلوی ،مولانا ذکریا کاندھلوی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث رہے۔ مولانا الیاس کاندھلوی، مولانا یحییٰ کاندھلوی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ جو تبلیغ جماعت کے سربراہ ہوئے۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت کے عنوان سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ہے۔ مولانا الیاس، مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت تھے۔ مولانا الیاس کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا یوسف جانشین ہوئے۔ بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں ان کا دینی تبلیغی مرکز تھا۔ راقم الحروف نے بھی ان کی مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ مولانا یوسف ۴ر مارچ ۱۹۱۷ءسن کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے بعد مولانا انعام الحسن ہوئے۔ دونوں مولانا الیاس کاندھلوی سے بیعت تھے۔

مولانا یحییٰ کاندھلوی ، مولانا ذکریا کاندھلوی کے والد تھے۔ مولانا یحییٰ کاندھلوی یکم محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو کاندھلہ (مظفرنگر) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مدرسہ حسین بخش دہلی میں بھی پڑھا تھا۔ یہ مدرسہ جامع مسجد دہلی کے جنوبی دروازے کے سامنے چتلی قبر کو جاتے ہوئے داہنے کی گلی میں ہے۔ یہاں حالی نے بھی پڑھا تھا۔ مولانا یحییٰ کاندھلوی کے دورۂ حدیث کے ممتحن میرے دادا سید العلما مولانا سید احمد حسن محدث تھے۔ مولانا الیاس کاندھلوی کا انتقال ۱۳۳۶ھ میں ہوا۔ جو مولانا یحییٰ کاندھلوی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔

علی گڑھ

دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۷ء کے دس سال بعد سرسید احمد خان نے علیگڑھ میں مدرستہ المسلمین ۱۸۷۵ء میں قائم کیا گیا۔ جس کا نام ایم اے او کالج محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ہوا لیکن اس کا پہلا نام مدرستہ المسلمین تھا۔ مدرسہ کا لفظ اس میں تھا جو بعد میں ترقی کر کے ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ بنا۔ ۱۸۸۳ء تک اس کالج میں سائنس، آرٹس اور قانون کی تعلیم پوسٹ گریجویٹ کلاسوں تک دی جانے لگی تھی۔ سرسید ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء کی نظر مغربی تہذیب کے تصادم سے پیدا ہونے والے مسائل پر تھی۔ اس لئے انھوں نے انگریزی تعلیم پر زور دیا کیونکہ اس سے قبل راجہ رام موہن رائے کی تحریک سے ہندوؤں میں انگریزی تعلیم عام ہوگئی تھی اور ہندو مسلمانوں سے ایک صدی آگے نکل گئے تھے۔ سرسید کی علیگڑھ تحریک راجہ رام موہن رائے کی تحریک کا ردعمل تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کو مغربی علوم بھی سیکھنے پر توجہ دلائی۔ سرسید کا کہنا یہ تھا کہ اسلام مغربی علوم یا انگریزی زبان کو سیکھنے کا مخالف نہیں بہرکیف عربی مدارس نے جہاں کتاب وسنت کی پیروی واستقامت پر زور دیا اور اسلامی طریقۂ تعلیم وفکر کو اپنایا ۔جس سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلامی زندگی کے قیام اور اس کے تحفظ میں بڑی مدد ملی۔ وہاں ایک نئی طرز فکر یہ پیدا ہوئی کہ مشرق ومغرب کے مابین ایک نئی راہ تلاش کی جائے۔ جس میں اسلام کی مدافعت بھی ہو اور مغربی مفکرین کے اعتراضات کا جواب بھی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں جسٹس امیر علی ۱۹۲۸ء میں اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام (Spirit Of Islam) لکھی۔

ندوۃ العلماء ۱۸۹۴ء

دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۷ء کے ۲۶ سال بعد اور علیگڑھ ایم اے او

کالج ۱۸۷۵ء کے قیام کے ۱۸ سال بعد ندوۃ العلماء قائم ہوا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے علماء پیدا کئے جائیں جو کتاب و سنت کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بھی بخوبی واقف ہوں۔

ندوۃ العلماء کی بنیاد ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۹۲ء مدرسہ فیض عام کانپور کے سالانہ جلسہ میں پڑی۔ مولانا سید محمد علی مونگیری اس کے پہلے ناظم اور سکریٹری مقرر ہوئے۔ ندوۃ العلماء کا پہلا سالانہ اجلاس ۱۵، ۱۶، ۱۷ ارشوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ راپریل ۱۸۸۴ء میں مدرسہ عام کانپور میں منعقد ہوا۔

منشی احترام علی کاکوروی اور منشی احتشام علی کاکوروی نے کشادہ دلی سے لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے اپنا ایک وسیع قطعۂ آراضی ندوۃ العلماء کے لئے دیا۔ شروع میں ندوۃ العلماء گولہ گنج لکھنؤ کی ایک عمارت میں تھا۔ جہاں ۶ رستمبر ۱۸۹۸ء کانپور سے ندوہ کا دفتر منتقل ہو کر لکھنؤ گولہ گنج آیا تھا۔ وہاں سے دریائے گومتی کے کنارے عمارات بننے پر وہاں منتقل ہوا۔ مولانا سید محمد علی مونگیری کے ساتھ مولانا سید عبدالحیٔ حسنی بھی تھے۔ انھوں نے ندوہ کو فروغ دیا۔ ندوۃ العلماء کے استحکام میں علامہ شبلی نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی اور سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا سید عبدالحیٔ حسنی کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر سید عبدالعلی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ ان سے چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ندوۃ العلماء کو اپنے مساعی سے جاوداں بنادیا اور اب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس کے مہتمم ہیں اور بڑی کامیابی سے ندوۃ کو چلا رہے ہیں۔ ایک سہ ماہی رسالہ کاروان ادب ندوہ کے نام سے نکالتے ہیں۔ اس میں راقم الحروف کے مضامین بھی چھپتے ہیں اور رابطہ ادب اسلامی عالمی کے سکریٹری جنرل ہیں۔ راقم الحروف بھی اس کا ممبر ہے۔ جس طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم

دیوبند ۱۸۶۷ء کی بنیاد مولانا فضل الرحمن عثمانی (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (والد شیخ الھند مولانا محمود الحسن) اور حاجی عابد حسین اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے تعاون سے ڈالی۔ اسی طرح ندوۃ العلماء کی بنیاد ۱۸۹۲ء میں مولانا سید محمد علی مونگیری کے ساتھ حسب ذیل علماء تھے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، شیخ الھند مولانا محمود الحسن، مولانا شاہ سلیمان پھلواری مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا اشرف علی تھانوی مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا فخر الحسن گنگوہی ثم کانپوری۔ اس وقت علمائے ہند میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا وجود بہت مغتنم ہے۔ وہ نہ صرف ندوہ العلماء چلا رہے ہیں۔ بلکہ پورے ہندوستان کی فکری رہنمائی فرمارہے ہیں۔

راقم الحروف نے بھی اپنی تعلیمی سفر کا آغاز ندوۃ العلماء سے کیا تھا۔ جب میں نے ۱۹۴۸ء میں ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا تھا۔ میرے والد بھی میرے ساتھ گئے تھے۔ یہ ہے میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کا تاریخی، مذہبی، دینی اور سیاسی پس منظر جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی۔ میرے دادا نے بھی علوم اسلامی کے احیاء کے لئے امروہہ میں ایک مدرسہ ۱۳۰۳ء میں قائم کیا تھا۔ جو ترقی کر کے دار العلوم بنا۔

دہلی کالج

دہلی کالج کا قدیم نام مدرسہ غازی الدین ہے۔ مدرسہ غازی الدین کی حیثیت ایک دینی درسگاہ کی تھی۔ اس میں عربی فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور نصاب تعلیم بھی مشرقی انداز کا تھا۔ یہاں تعلیم مفت دی جاتی تھی۔

جس عمارت میں یہ مدرسہ قائم ہوا۔ اس کو آصف جاہ نظام الملک اول کے والد میر شہاب الدین المخاطب بہ غازی الدین نے ۱۷۱۰ء میں تعمیر کروایا تھا

۔اس تعلق سے اس درسگاہ کو مدرسہ غازی الدین کے نام سے موسوم کیا گیا۔ میر شہاب الدین، اورنگزیب عالمگیر کے عہد کے مشہور امراء میں تھے۔

۱۸۲۴ء میں کمپنی بہادر نے یہ فیصلہ کیا کہ دہلی میں ایک سرکاری کالج قائم کیا جائے۔اس غرض سے ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین کو کالج کا درجہ دیا گیا۔ چند اساتذہ کا تقرر کیا گیا۔ان کی تنخواہیں قلیل تھیں۔ان میں مولانا مملوک علی اور ماسٹر رام چندر کے نام آتے ہیں۔مدرسہ غازی الدین میں مشرقی زبان اور مشرقی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جب کالج بنا تو اس میں انگریزی کا اضافہ ہوا۔اس زمانے میں دہلی کالج میں بھی تعلیم مفت دی جاتی تھی اور طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے۔

دہلی کالج میں ذریعۂ تعلیم اردو تھا۔ یہاں ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم اردو ہی میں دی جاتی تھی۔ یہاں کے معیار تعلیم کو بہت سراہا گیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں کالج بند ہو گیا تھا۔ دہلی کالج کے بند ہو جانے کے کئی سال بعد اعتماد الدولہ فنڈ کو کالج فنڈ سے علیحدہ کر کے ایک اسکول بھی قائم کیا گیا۔ جو اینگلو عربک اسکول کے نام سے مشہور ہوا اور ترقی کر کے عربک کالج کی شکل اختیار کر گیا اور جس میں بی اے، ایم اے تک کی تعلیم دی جانے لگی۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں عربک کالج بھی ختم ہو گیا۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں پھر دہلی کالج کے نام سے جاری ہوا اور اب اس کا نام ڈاکٹر ذاکر حسین کالج ہے۔

موتمر الانصار

جہاں تک سیاست کا تعلق ہے تو ۱۵، ۱۶، ۱۷/ اپریل ۱۹۱۱ء کو جب موتمر الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد میں ہوا تو میرے دادا نے اس کی صدارت کی اور عربی میں فصیح و بلیغ انداز سے خطبہ صدارت دیا۔ جو ان کی ناسازی طبع کی بناء پر مولانا عبید اللہ سندھی نے پڑھا۔ جو ناظم موتمر الانصار تھے۔ یہ مسلمانوں کا پہلا سیاسی

اجتماع تھا۔ جس سے انگریزی سامراج کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ جمیعتہ العلماء ہند بعد میں قائم ہوئی۔ علماء کی پہلی جماعت موتمر الانصار تھی۔ جس کی قیادت میرے دادا نے کی۔

یہ ہے میرے دادا کا علمی، تاریخی، دینی، مذہبی اور سیاسی پس منظر جس کو میں نے تفصیل سے اوپر اس لئے بیان کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ نے کن حالات میں مسلمانوں کی دینی، علمی، مذہبی اور سیاسی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی اور کس طرح انھوں نے اسلامی علوم کے احیاء کا کام بخوبی سرانجام دیا اور یہ کہ وہ علمائے ہند میں ایک منفرد اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

بغداد کا مدرسہ نظامیہ، نظام الملک طوسی نے قائم کیا تھا۔ اس میں امام غزالی اور امام رازی صدر مدرس رہے ہیں۔ بغداد کا مدرسہ نظامیہ، نیشا پور کا مدرسہ بیہقیہ اور استنبول کا مدرسۂ سلیمانیہ ایشیاء کی مشہور یونیورسٹیاں رہی ہیں۔ میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی نے بھی اسی قسم کا مدرسہ امروہہ میں قائم کیا تھا۔ جو ترقی کر کے دارالعلوم یا یونیورسٹی بنا۔ اس دارالعلوم یا یونیورسٹی میں جہاں کیمیائے سعادت، اخلاق محسنی، اخلاق جلالی، اخلاق ناصری جیسی اخلاق وموعظت کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ وہاں حدیث وتفسیر، فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو، ادب، منطق و فلسفہ اور علم الکلام کی کتابیں پڑھائی جاتیں تھیں۔ یہ دارالعلوم اب بھی قائم ہے۔ جو میرے دادا اور میرے خانوادے کا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو قائم و دائم رکھے (آمین)

میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے بارے میں شہر امروہہ میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی اور ہے کہ جب میرے دادا درس حدیث دیتے تھے۔ تو اس میں جنات بھی شریک ہوتے تھے۔ اس بات کی تصدیق میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی اور خود میرے دادا مولانا سید احمد حسن کی ہے۔

چنانچہ جب میرے دادا نے اپنے استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی سے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا مبارک ہو میر احمد حسن تمہارے درس میں جنات بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس طرح علمائے دیوبند میں میرے دادا کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان کے درس حدیث میں جنات بھی شریک ہوتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ جنات کیا ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے تو اس بارے میں عرض ہے۔

جنات کی حقیقت قرآن مجید کی روشنی میں

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جنوں کے وجود کو قرآن مجید نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (الذاریات) ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جن کا لفظ پہلے ہے اور انسان کا بعد میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنات کی تخلیق پہلے ہوئی اور حضرت آدمؑ بعد میں پیدا کیئے گئے۔ قرآن کریم کی دعوت جن وانس دونوں کے لئے ہے۔ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اس میں جن اور انس دونوں شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس طرح انسانوں کے لئے خاتم الانبیاء مبعوث بنا کر بھیجے گئے۔ اسی طرح وہ جنوں کے لئے بھی پیغمبر آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی دعوت کا دائرہ کار انسانوں سے جنوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح جنوں پر ان کی تعلیمات کی اطاعت و پیروی لازمی ہے۔ تا کہ وہ متقی و پرہیزگار بن سکیں واضح باد کہ جس طرح انسانوں میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جنوں میں بھی خیر وشر والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو درس حدیث سیکھنے کی اجازت دی گئی تا کہ وہ خیر بن سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جنات کی حقیقت کیا ہے اور جنوں اور انسانوں میں کیا

فرق ہے۔ تو اس سلسلے میں قرآن مجید کا سورۃ الحجر میں ارشاد ہے۔

''وَالجَانَّ خَلَقْنَاہُ مِن نَارِ السَّمُومِ۔'' اور ہم نے جنوں کو اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔ یعنی انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ جس میں دھواں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن دھوئیں سے بھاگ جاتے ہیں۔ ابلیس بھی اسی کی قسم ہے۔ اسی طرح سورہ رحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''خَلَقَ الانسانَ مِن صَلصَالٍ کالفَخَّارِ وَخَلَقَ الجَانَّ مِن مَارِجٍ مِن نَارٍ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھاتے ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا تو کھن کھن بولتی ہے۔ وہی بدن ہوا انسان کا جیسے کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے تو مٹی کھن کھن بولتی ہے۔ جنوں کی پیدائش میں گرم باد کی خاصیت ہے کیونکہ وہ لطیف آگ ہوا ملی ہوئی سے بنے ہیں۔ جبکہ انسان کی خصوصیات میں سختی اور بوجھ ہے مٹی کی وجہ سے۔ قرآن مجید نے سورہ رحمٰن میں کھل کر صاف طور سے کہا ہے۔

''یا مَعشَرَ الجِنِّ والاِنسِ'' یعنی اے گروہ جن وانس۔ سورۃ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہے اَیُّھَا الثَّقَلان یعنی اے دونوں جماعتو! یعنی جماعت جن وانس۔ یہاں جنوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم جنوں اور انسانوں کے لئے ہے اور ہر موقع پر جن کا لفظ پہلے ہے اور انسان کا بعد میں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جنات کی تخلیق پہلے ہوئی اور حضرت آدم یا انسان بعد میں پیدا ہوئے۔

جہاں تک لفظ جن کا تعلق ہے تو لغت میں اس کے معنی ڈھانپنے یا پوشیدہ کرنے کے ہیں۔ ہر وہ جو چیز جو حواس سے پوشیدہ ہو اس کو جن کہتے ہیں۔ اس کے مشتقات میں جنون اور جنین بھی آتے ہیں۔ جنون کو جنون اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں عقل پوشدہ ہو جاتی ہے۔ جنین میں بچہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

جَنَّ یَجُنُّ باب لفظ نصَد سے آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کو رات کا

ڈھک لینا اس مادے سے جو لفظ آتے ہیں۔ ان سب سے پوشیدگی کے معنی ہوتے ہیں۔ جنوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔ اس سے وہ آگ مستثنیٰ ہوگئی جو لکڑی یا کوئلہ کے جلانے سے پید ہوتی ہے۔ لکڑی اور کوئلے کی آگ میں دھواں ہوتا ہے۔ اس سے جو نتائج اخذ ہوئے وہ یہ کہ انسان مٹی سے بنا جو کثیف ہے اور جن لطیف آگ ہوا ملی سے ہوئی سے بنا۔ جن لطیف مادی جسم ہے۔ اس لئے مٹی سے بنے ہوئے کثیف خاکی انسان کو جن نظر نہیں آتے جبکہ جن انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ (سورۃ الاعراف ۲۷)

لطیف جسم ہونے کی وجہ سے جنوں میں برق رفتاری ہے۔ وہ آناً فاناً میں ایک جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ غرض جنات آتشی مخلوق ہیں۔ جنات ،انسان کی طرح ذی شعور اور صاحب اختیار مخلوق ہیں۔ ان کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔ (الذاریات ۵۲)

سورۃ حجر ،سورۃ احقاف اور سورۃ ملک میں جنوں کا تذکرہ ہے۔ جنات چونکہ لطیف جسم والے ہیں۔ اس لئے وہ آسمان کی طرف پرواز کر سکتے ہیں۔ اسی لئے شہاب ثاقب بنایا گیا۔ تاکہ وہ ان کو روک سکیں۔ جنوں میں نیک بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ مومن بھی اور کافر بھی جیسے انسانوں میں کلمہ گو بھی ہوتے ہیں اور مشرک بھی چنانچہ سورۃ الجن میں ہے ''اور یہ کہ ہم میں کچھ صالح ہیں اور کچھ فروتر (الجن ۱۱)

اسی سورۃ میں ہے کہ ''ہمارا ایک مذہب نہیں بلکہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ (الجن ۱۱) اسی سورۃ میں ہے کہ ''ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ حق سے منحرف ہیں غیر مسلم (الجن ۱۱) انبیاءؑ میں جنات حضرت سلیمانؑ کے تابع فرمان تھے۔

حضور اکرم ﷺ پر جب قرآن نازل ہوا تو جنوں کے ایک گروہ نے اس کو سنا تو انھوں نے اپنی قوم یعنی جنوں سے کہا کہ ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے۔ تم بھی ایمان لے آؤ کیونکہ ہمارے رب کی شان بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کا کوئی شریک

نہیں۔(الجن ۱-۶)

جنات پر وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ ان میں پیغمبر ہوتے ہیں۔اس لئے ان کو انسانی پیغمبروں کی پیروی کی ہدایت کی گئی۔چنانچہ جب آنحضرت نے جنوں کے سامنے سورۃ رحمٰن کی تلاوت کی تو وہ اس کے گرویدہ ہوگئے اور جب یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ تو جنوں نے اس کے جواب میں کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے حمد تیرے ہی لئے ہے۔جنات کے وجود سے انکار قرآن اور صاحب قرآن کی عزت پر الزام ہے۔اس لئے ہمیں اس سے گریز کرنا چاہئے۔سورۃ رحمٰن میں جنات کے وجود کو مانا گیا ہے اور یہ کہ جنات، انسان سے پہلے تخلیق کیئے گئے۔سورۃ اعراف میں ہے کہ جن انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں مگر انسان جنوں کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ جن لطیف مادی جسم سے مرکب ہیں اور انسان کو کثیف مادی جسم سے مخلوق کیا گیا ہے۔تو جو کثیف ہے وہ لطیف کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔

ایک موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ اے گروہ جن تم نے انسانوں سے اخذ علوم میں بہت استفادہ کیا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنات درس حدیث میں شریک ہوسکتے ہیں یا جہاں قرآن پڑھا جارہا ہو اس کو سن سکتے ہیں۔میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی رحمتہ اللہ علیہ کے درس حدیث میں جنات بھی شریک ہوتے تھے۔اس کا ذکر میں پہلے بھی کئی بار کرچکا ہوں اور اس کی تصدیق اہل شہر نے بھی کی ہے۔

سورۃ انعام میں ہے کہ قیامت کے دن وہ پروردگار سب جن وانس کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ اے گروہِ جنات تم نے انسانوں سے بہت فائدے حاصل کیئے ہیں۔سورۃ صافات میں ہے کہ حشر میں جنات کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔اور ان کے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔

جنات کا اصل آدمیوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ آدمی جنوں کے تابعدار

ہو گئے اور جنات نے آدمیوں کو اپنا تابعدار بنالیا۔ (انعام)

سورۃ انعام میں ہے کہ یا مَعشَرَ الجِنِّ والاِنس اَلَم یاتِکُم رُسُل مِنکُم یَقُصُّونَ علیکم آیاتی وینذِرُونکم لِقاءَ یومِکُم ھٰذا۔ قالُو شَھِدنا علیٰ اَنفُسِنا وغَرَّتھُم الحیاۃُ الدنیا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے پروردگار ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ (انعام ۱۳۰)

روایت ہے کہ ایک وقت حضرت محمد ﷺ کھجوروں کے ایک باغ میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ کئی جن وہاں آئے اور آپ کا قرآن پڑھنا سنا اور ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں اس کا مذکور کیا۔ چنانچہ سورۃ احقاف میں ہے۔

وَاِذ صَرَفنا اِلَیکَ نَفَرًا مِنَ الجِنِّ یَستَمِعُونَ القُرآنَ فَلَمَّا حَضَرُوہُ قَالُوا اَنصِتُوا۔ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوا اِلٰی قَومِھِم مُنذِرِینَ قَالُوا یٰا قَومَنا! اِنَّا سَمِعنا کِتابًا اُنزِلَ مِن بَعدِ مُوسیٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَینَ یَدَیہِ یَھدِی اِلَی الحَقِّ وَاِلیٰ طَرِیقٍ مُستَقِیم۔ یٰا قَومَنا! اَجِیبُوا دَاعِیَ اللّٰہِ وآمِنُوا بِہٖ یَغفِر لَکُم مِن ذُنُوبِکُم وَیُجِرکُم مِن عَذَابٍ اَلِیم۔ وَمَن لَا یُجِب دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیسَ بِمُعجِزٍ فِی الاَرضِ۔ لَیسَ مِن دُونِہٖ اولیاءُ اُولٰئِکَ فِی ضَلالٍ مُبِین۔

(سورۃ الاحقاف ۲۲)

اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں۔ تو جب وہ اس کے پاس آئے۔ تو (آپس میں) کہنے لگے خاموش رہو جب پڑھنا تمام ہو تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ ان کو نصیحت کریں اور ڈرائیں۔ کہنے لگے اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے۔ جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ وہ ان کی تصدیق کرتی ہے اور سچا دین اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور

اس پر ایمان لاؤ۔ خدا تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔ اور جو شخص خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا (یعنی جو محمد ﷺ کی بات نہ مانے گا) وہ زمین میں خدا کو عاجز نہ کر سکے گا۔ اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

(سورۃ الاحقاف)

میرے دادا کے درس حدیث میں جنات شریک ہوتے تھے۔

سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کی سیاسی اور قومی قیادت

سلطنت مغلیہ کے خاتمے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا۔ تو اس وقت برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ اسلام یا اپنے دین کی برصغیر میں کس طرح حفاظت کی جائے۔ جو چراغ دین کے تحفظ کے لئے حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: سید احمد شہید نے افکار و نظریات کا جلایا تھا۔ میرے دادا سید العلماء سید احمد حسن محدث نے اس غرض سے امروہہ میں علوم دینی کے احیاء کے لئے مدرسہ قائم کیا۔ اس کی بنیاد خلوص و للٰہیت پر رکھی۔ بے سروسامانی کے عالم میں قائم ہونے والے اس دینی مدرسہ کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ سمرقند و بخارا، ترکستان سے طلبہ علوم دینی کی تکمیل کے لئے آنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا جب زمانے کی تغیر پذیری سے نئے نئے خطرات و مسائل یعنی الحاد و بے دینی کا سیلاب امنڈ کر آرہا تھا۔ مغربیت اور 'شر!کیت' کے بادل منڈلا رہے تھے۔ میرے دادا نے اس مادیت کے طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس سیلاب کو روکنے کے لئے امروہہ میں ۱۳۰۳ء میں اپنا ایک الگ دینی مدرسہ قائم کیا اور اس کو ملت کے درد کا مداوا اور اصلاح و ترقی کا زینہ بنایا۔ اس مدرسہ کی اساس مغربیت کے خلاف خالص دینی تھی۔ یہ مدرسہ کتاب و سنت کا شارح اور اسلام کا

ترجمان تھا۔ میرے دادا نے بروقت امت کی رہنمائی اور قیادت کی۔

جہاں تک سیاست کی یا قومی قیادت کا تعلق ہے تو ۱۵، ۱۶، ۱۷/اپریل ۱۹۱۱ء کو جب موتمر الانصار کا پہلا اجلاس مرادآباد میں ہوا۔ تو میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث نے اس کی صدارت کی اور نہایت فصیح و بلیغ انداز سے عربی میں خطبۂ صدارت دیا۔

(بحوالہ روداد موتمر الانصار مطبوعہ ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ مرتبہ مولانا عبیداللہ سندھی)

موتمر الانصار کے اس جلسے میں جو علماء شریک ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا عبیداللہ سندھی ۲- شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ۳- مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی ۴- مولانا حسین احمد مدنی ۵- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ۶- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) ۷- قاضی شوکت حسین رئیس شہر مرادآباد ۸- حکیم اظہر الدین ۹- منشی فضل حسین ایڈیٹر ضیاء الاسلام ۱۰- ایس ابن علی ایڈیٹر نیر اعظم ۱۱- مولوی سراج احمد ۱۲- مولوی ہادی حسن ۱۳- مولانا انور شاہ کشمیری ۱۴- مولانا عبدالرحمٰن سیوہاروی رکن مجلس علماء بھوپال ۱۵- مولوی محمد ابراہیم واعظ دہلوی

(ماخوذ روداد جلسہ موتمر الانصار ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ)

یہ سب علماء اس وقت طلبہ تھے۔ روداد میں لکھا ہے کہ مولانا سید احمد حسن صاحب قبلہ امروہوی صدر جلسہ کی عربی تقریر بڑی فصیح و بلیغ اور موثر تھی۔ اس تقریر میں مولانا نے دہریت، تثلیث، فلسفہ جدید کے تمام اعتراضات کے متعلق، وجود باری تعالیٰ اور ضرورت نبوت و رسالت وغیرہ کے جوابات نہایت مدلل و معقول طریقہ سے فرمائے تھے اور ثابت کیا تھا کہ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو ہر قسم کی خرابیوں سے مبرا ہے۔ اور ایک واحد حقیقی خدا کو واجب الوجود تسلیم کرتا ہے اور اپنے پاس وہ معقول و زبردست دلائل رکھتا ہے۔ جس کے سامنے کسی فلسفہ اور کسی

مذہب کے دلائل ہی کچھ حقیقت و وقعت نہیں ہے۔ یہ تقریر بہت پسند کی گئی۔

روداد میں یہ بھی لکھا ہے کہ جلسہ کے بعد حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب قبلہ امروہوی صدر جلسہ نے تقریباً ایک گھنٹہ وعظ بیان فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا:

''خداوند کے قہر سے طرح طرح کے مصائب و بیماریاں ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔ یہ تمام ہماری ان بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ جو ہم لوگ اس کے پاک دین و مذہب میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں اور اس میں طرح طرح کے شکوک ڈالتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ جن پر بڑا دردناک عذاب نازل ہوا۔ پس مناسب ہے کہ ہم ان سیاہ کاریوں سے توبہ کریں اور دین و مذہب کی سچی پیروی کریں۔''

روداد میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا کا یہ وعظ نہایت پراثر، عالمانہ اور ہر خاص و عام کے لئے نفع بخش تھا۔ (ماخوذ روداد جلسہ ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ)

موتمر الانصار کی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے تمام علماء میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کی سیاسی اور قومی قیادت کے پرچم تلے جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے آپ کی قومی قیادت کو متفقہ طور پر مان لیا تھا۔ اس جلسہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے پہلے مسلمانوں کا کوئی اتنا بڑا سیاسی جلسہ منعقد نہیں ہوا تھا۔ اس پلیٹ فارم پر تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور یہیں سے مسلمانوں کی سیاسی حکمت عملی کے محاذ کا تعین ہوا۔ دوسرے بات یہ ہے کہ موتمر الانصار سے پہلے مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت نہ تھی۔ جمیعتہ العلماء ہند، مجلس احرار اور خاکسار تحریک سب جماعتیں بعد میں بنیں یہی وجہ ہے کہ جب موتمر الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد میں میرے دادا کی صدارت میں منعقد ہوا تو انگریزی سامرج کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ غرض مولانا سید احمد حسن نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور استعماری طاقتوں کو للکارا اس جلسے کے بعد پورے ہندوستان میں حریت کی لہر دوڑ

گئی۔ طلبہ میں جو سیاسی بیداری آئی وہ موتمر الانصار کے جلسے سے آئی۔ اتحاد اسلام کی منظم تحریک، ریشمی رومال، موتمر الانصار ہی سے پیدا ہوئی۔ جس نے انگریزوں کے دل و دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ اس اجلاس کے بعد ۱۹۱۲ء میں میرے دادا کا انتقال ہوگیا۔

اس طرح مولانا سید احمد حسن محدث نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بظاہر ناکام رہ جانے والی شکستہ دل مسلمان قوم کی دینی و قومی روایات کا تحفظ کیا اور ان کی سیاسی قیادت بھی کی۔ آپ نے فکر و عمل کے میدان میں قیادت و رہنمائی کے فرائض انجام دیئے اور دینی، ملی، قومی قیادت کا پھریرا بلند کیا۔ ان کی قیادت میں جو مردان حق پیدا ہوئے۔ ان فرزندان توحید نے اپنے مقدس خون سے تحریک آزادی کی آبیاری کی اور فرنگی سامراج کے ظالمانہ اقتدار کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ مسلم قومیت کی بنیاد پر مسلمانوں کی علیحدہ مملکت پاکستان وجود میں آیا۔

موتمر الانصار کے اس جلسہ کا پہلا اجلاس بصدارت عالی جناب مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی مدظلہ العالی ۱۵/اپریل ۱۹۱۱ء کو ٹھیک ساڑھے سات بجے صبح حسب نظام الاوقات شروع ہوا۔ اول جناب قاری عبدالوحید خان الہ آبادی نے قرأۃ کی۔ اس کے بعد قاضی محمد شوکت حسین پریذیڈنٹ مجلس استقبالیہ نے اپنی تقریر خیر مقدم پڑھی۔ قاضی صاحب کی تقریر نہایت وقیع اور پراثر تھی۔

اس کے بعد حضرت مولانا احمد حسن محدث قبلہ امروہوی صدر جلسہ نے اپنی افتتاحی تقریر کا خطبہ عربی زبان میں جو نہایت فصیح و بلیغ تھا، پڑھا۔ لیکن مولانا نے بوجہ تکان سفر وغیرہ پوری تقریر بجائے خود سنانے کے (مولانا) عبیداللہ (سندھی) ناظم موتمر الانصار کو مرحمت کر کے سنانے کی اجازت دی۔ جو انھوں نے بڑی خوشی سے پڑھی۔ اس تقریر میں مولانا احمد حسن صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے قیام اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی مدرسہ کے دلچسپ حالات بیان کئے اور مدرسہ دیوبند اور جمیعتہ الانصار کے قیام کے مقصد پر روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ جمیعتہ الانصار کا قیام

۱۳۲۷ھ میں آ گیا تھا۔ یہ تقریر ٹھیک دس بجے ختم ہوئی۔ اس کے بعد بعض حضرات کے اصرار سے آخر میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب صدر جلسہ نے تقریباً ایک گھنٹہ وعظ فرمایا۔ جس کا خلاصہ اوپر درج کیا جا چکا ہے۔

(ماخوذ روداد جلسہ القاسم دیوبند، ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ، القاسم جلد ۹، مدیر حبیب الرحمٰن عثمانی، مطبوعہ احمد پریس، علیگڑھ)

اجلاس نہایت خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا۔ تقریباً دس ہزار افراد نے جلسہ میں شرکت کی۔ جلسہ ایک وسیع و عریض پنڈال میں انعقاد پذیر ہوا۔ جس کا ڈائز ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ اس پر اہل علم حضرات کی نشست تھی۔ دوسرا حصہ عام لوگوں کے لئے تھا۔ یہ وسیع و عریض پنڈال جلسہ شروع ہونے سے پہلے ہی حاضرین سے بھر گیا تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد، عشق رسول ﷺ کی مقدس شمع سے منور، اپنی سیرت و کردار کے روشن نقوش کے ذریعہ جن بزرگان باصفا نے شریعت و طریقت کے میدان میں مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی رہنمائی فرمائی اور اپنی پوری زندگی پیغام حق کی ترویج و اشاعت میں صرف کر دی۔ ان میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث جیسی شخصیت، منفرد مقام رکھتی ہے۔ وہ علم و حکمت، تقویٰ اور معرفت کا پیکر تھے۔ انھوں نے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ قومی قیادت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

یہ ہے میرے دادا حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کا تاریخی، مذہبی، دینی اور سیاسی پس منظر، جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے دادا نے دین کی تبلیغ کے لئے امروہہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ محض تفسیر و حدیث کی درسگاہ نہ تھا بلکہ احیائے دین کی ایک عظیم الشان تحریک تھا۔

اس درسگاہ میں علم صرف و نحو، ادب، علم المعانی، منطق، فلسفہ، فقہ، حدیث،

تفسیر، علم الفرائض، علم العقائد، علم الکلام، علم الطب قرأۃ وتجوید کے علاوہ فارسی زبان وادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آٹھ سال کا نصاب تھا۔ جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی۔ اس دارالعلوم میں تین مختلف النوع دینی اداروں کی خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ شاہ ولی اللہ تفسیر وحدیث پر زور دیتے تھے۔ لکھنؤ میں فقہ پر زور تھا۔ خیرآبادی اسکول علم الکلام اور فلسفے کے لئے مخصوص تھا۔ دارالعلوم جامع مسجد امروہہ ان تینوں کے امتزاج کی نمائندگی کرتا تھا۔ یعنی اس میں حدیث وتفسیر کے ساتھ فقہ اور معقولات بھی پڑھائی جاتی تھی۔ گو اصل توجہ احادیث پر تھی۔ یہاں بلاد اسلامیہ کے مختلف حصوں سے طلبہ آتے تھے۔ دارالعلوم میں حدیث، تفسیر اور فقہ کے درسی کمرے دادا صاحبؒ نے تعمیر کرائے تھے۔ اس مدرسہ کو عام وخاص کی بھرپور تائید وحمایت حاصل ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دارالعلوم بن گیا۔ میرے دادا نے اس درسگاہ کی عمارت کے لئے دارالاقامہ، کتب خانہ، اساتذہ کے لئے رہائشی عمارت، لیکچر ہال (دارالحدیث) جامع مسجد کی توسیع کے لئے شمال وجنوب میں کشادہ بڑے بڑے ہال اور دالان تعمیر کروائے۔

میرے دادا نے تقریباً نصف صدی اسلامی دعوت وعزیمت اور فکر کے میدان میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت دادا صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ کے فرزندوں نے جو تصنیفی، دعوتی اور تربیتی سرگرمیاں دکھائیں، اس کا تفصیلی ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ بہرکیف میرے دادا نے مسلمانوں کا اعتماد اور اسلامی احیاء کا کام ازسرنو بحال کیا اور یہاں ثابت کیا کہ اسلام ایک ایسا سدا بہار درخت ہے جو ہر زمانے میں برگ وبار لاتا رہا ہے اور لاتا رہے گا۔ میرے دادا کے سامنے اصلی مقصد علوم دینی کا احیاء اور تحفظ تھا۔

دارالعلوم جامع مسجد امروہہ کے نظم ونسق کے سلسلے میں انھوں نے ایک مجلس شوریٰ بنائی تھی۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں سنڈیکیٹ کہنا چاہئے۔ ایک مجلس انتظامیہ تھی۔ مدرسہ کے مہتمم یا شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) وہ خود تھے۔ شیخ الحدیث یا

صدر المدرسین کا عہدہ بھی ان کے پاس تھا۔ جو بعد میں ممتاز اہل علم وتقویٰ حضرات کو ملتا رہا۔ علم عمل کی اس چھاؤنی سے عالم فاضل، مفسر، محدث، متکلم، فقیہہ، مفتی، مقرر، خطیب، مناظر، مدرس، قرا اور حفاظ پیدا ہوئے۔ چنانچہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی نے تفسیر بیضاوی لکھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن، بلاغ مبین کتابیں لکھیں۔ مولانا سید علی زینبی نے نقد اشعر کی شرح لکھی۔ مولانا طٰس نے مضاربہ پر لکھا۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے مکتوبات امام ربانی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور راقم الحروف نے محاضرات القرآن اور معروضی تنقید لکھی۔ اس طرح یہاں کے علماء نے علم وتحقیق کے فانوس روشن کیے۔

یہ ہے میرے دادا کا دینی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی پس منظر۔

نوٹ:۱- میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث نے ایک رسالہ ازالۃ الوسواس لکھا ہے۔ جو مولانا محمد نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس عن اثر ابن عباس پر لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ اجوبہ اربعین کا ذکر بھی میرے دادا مولانا سید احمد حسن کے خطوط میں ہے۔ جو مکتوبات سید العلماء کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

۳- گلاوٹھی ضلع بلند شہر یوپی میں میرے دادا مولانا سید احمد حسن سے اہل حدیث کا مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرے کی روداد کتاب 'السراج الانور' میں ہے۔ جو نامی پریس میرٹھ سے ۱۳۱۸ھ میں چھپی۔ اس کتاب میں میرے دادا کی تقریر بایدد ید کے عنوان سے ہے۔

۴- ریاست رامپور یوپی میں ایک مناظرہ قادیانیوں سے میرے دادا کا ہوا تھا۔ مناظرہ رامپور کی روداد ہفتہ وار دبدبۂ سکندری رامپور ۱۵ر جون سے ۲۸ر جون ۱۹۰۹ء کے پرچوں میں ہے۔ اس میں میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث

امروہوی کی تقریر ہے۔

خلاصہ

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے دو ہی مشہور شاگرد تھے۔

جو یہ ہیں:

۱-مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ۲-شیخ الھند مولانا محمود الحسن۔

مولانا سید احمد حسن نے حدیث، تفسیر، فقہ، فلسفہ اور جملہ علوم وفنون کے درس دیئے اور تشنگان علوم کی ایک بڑی جماعت کو سیراب کیا۔نھوں نے تمام عمر درسی مشاغل میں صرف کی۔ حافظ عبدالرحمٰن صدیقی اور مولوی عبدالغنی پھلاودی مولانا احمد حسن کے محبوب شاگرد تھے۔

حضرت کی قائم کردہ عظیم الشان درسگاہ، امروہہ میں موجود ہے۔ان کے بہت سے تلامذہ ہند اور بیرون ہند ہوئے۔نسباً آپ کا تعلق سادات حسینیہ سے ہے۔ آپ امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابن قدس سرہ العزیز کی اولاد سے ہیں۔یہ بزرگ دور اکبری کے مشائخ میں تھے۔ ۹۸۷ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سید کمال سنبھلی مولف اسراریہ، علامہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتابوں میں اس خاندان کا ذکر کیا ہے۔

مورخ امروہہ نے تذکرۃ الکرام میں مولانا سید احمد حسن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''علامہ زمان، افتخار زمانیاں، استاد الاساتذہ، افضل الفضلاء، امام المحدثین، ذہین فطین، خوش رو، خوش خو، خوش تقریر، صاحب وجاہت بزرگ عہد تھے۔ شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی کے پوتے۔ پیر اکبر حسین کے بیٹے تھے۔''

طب کی تعلیم حکیم امجد علی خان اثنا عشری سے حاصل کی تھی۔مولانا محمد قاسم نانوتوی شاگرد یعنی مولانا احمد حسن کو میر صاحب کہہ کر پکارتے تھے شیخ الھند آپ کو سید

صاحب پکار کر مخاطب کرتے تھے۔ مولانا سید احمد حسن کو حدیث مسلسل بالاولیت کی اجازت براہ راست شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی تھی۔ جو مولانا محمد قاسم کے استاد تھے۔ گویا استادالاستاد سے سند حدیث حاصل تھی۔

مولانا عبدالقیوم نزیل بھوپال بھی مولانا احمد حسن کے استاد تھے۔ مولانا سید احمد حسن نے خورجہ، سنبھلی اور دہلی کے مدرسوں میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ سب سے پہلے خورجہ گئے۔ سب جگہ صدر مدرسی کے عہدے پر فائز رہے۔

مدرسۂ عبدالرب دہلی میں جو سند عطا کی۔ اس میں دستخط یہ ہیں۔

''احمد حسن حسینی''

مدرسہ عبدالرب میں مولانا احمد حسن صدر مدرس تھے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد کے پہلے صدر مدرس مولانا احمد حسن تھے۔ مدرسۂ شاہی سے جو شاگرد مولانا کے ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ سراج المفسرین مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی مفسر بیضاوی۔ دادا صاحب نے ان کو سند حدیث ۱۳۰۱ھ میں عطا کی۔

۲۔ قطب الوقت مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی

۳۔ مولانا یحییٰ شاہ جہانپوری

۴۔ مولانا محمود الحسن سہوانی

''امیرالروایات'' کتاب میں مولانا سید احمد حسن کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولوی امیر شاہ خان ہیں۔ مطبوعہ محبوب المطابع دہلی۔

مدرسہ عبدالرب میں مولانا سید احمد حسن اور مولانا فخرالحسن گنگوہی دونوں مدرس تھے۔ دونوں مولانا نانوتوی کے شاگرد تھے۔ دور دور سے طلبہ سرزمین امروہہ کے اس چشمۂ فیض پر وارد ہوئے۔ نواب وقارالملک اور منصف امتیاز علی آپ کے رفقائے کار میں تھے۔

امروہہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے۔ اس میں بڑے بڑے مشائخ، علماء اور

ہر فن کے ماہرین پیدا ہوئی۔ یہاں پر ہر زمانے میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ معزالدین کیقباء کے دور میں عربی کا سب سے پہلا مدرسہ معزیہ قائم ہوا۔ اس مردم خیز سرزمین میں ۱۸۵۷ء سے پہلے مسجدوں، گھر کی بیٹھکوں اور محلے کی سہ دریوں میں انفرادی مکاتب قائم تھے۔

طبیہ کالج دہلی کے پرنسپل حکیم محمد امین، مولانا سید احمد حسن کے شاگرد تھے۔ مشہور قاری ضیاء الدین الہ آبادی، مولانا سید احمد حسن کے شاگرد تھے۔ جو بعد میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں استاد قرأۃ و تجوید مقرر ہوئے۔ مولانا سید احمد حسن نے علم الابدان اور علم الادیان دونوں کو فروغ دیا۔ مولانا کی وجہ سے امروہہ میں حکیموں کا ایک بہت بڑا قافلہ تیار ہوگیا۔ جو اب بھی حکمت و طبابت کرتا ہے۔ شہر کے ذہین و ذی استعداد اطباء کی بڑی تعداد پیدا ہوگئی۔ جیسے:

۱۔ افسر الاطباء حکیم فرید احمد عباسی، پرنسپل طبیہ کالج دہلی
۲۔ بریلی کے حکیم مختار احمد صدیقی
۳۔ افسر الاطباء حکیم سید حامد حسن طبیب خاص نظام حیدر آباد دکن

مولانا حافظ عبدالغنی مولانا احمد حسن کے شاگرد اور مدرس مدرسہ امروہہ بھی تھے۔ مولانا سید احمد حسن کی تقریر ترمذی مشہور ہے۔ ترمذی عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے سمجھاتے تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں ایک طرف قاسم العلوم کے طریقہ و استدلال تھا تو دوسری طرف حکمت ولی اللہی اور ذکاوت عزیزی تھی۔

مولانا سید احمد حسن طلبہ کی اخلاقی نگرانی بھی کرتے تھے۔ مدرسہ کے حدود اور باہر کڑی نگرانی کرتے تھے۔ شاگردوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ حکیمانہ تھا۔ آپ کا جلال مشہور تھا۔ مزید شاگردوں کے نام

۱۔ مولانا عبدالرحمٰن سہنسپوری، سابق رکن عاملہ مجلس علماء بھوپال
۲۔ مولانا سید علی زینبی محشی نقد اشعر، صدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ

وقار الملک نواب مشتاق حسین خان بڑے وضع دار، خوش اخلاق اور مذہبی

انسان تھے۔ تعلیمی اور سیاسی تحریک میں سرسید کے رفیق کار تھے۔ لیکن عقائد میں سرسید سے الگ تھے اور مولانا سید احمد حسن سے نسبت رکھتے تھے۔ مولانا کی قائم کردہ درسگاہ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ حتیٰ کہ اپنی جائداد کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے وقف کردیا تھا۔

مورخ امروہہ لکھتا ہے:

''جلسوں کے موقعوں پر جہاں بڑے بڑے ذی کمال اور فضلا مجتمع ہوتے تھے۔ آپ کی شخصیت ان سب میں نمایاں اور بلند و بالا شخصیت نظر آتی اور ان مواقع پر جب کبھی دقیق علمی مسئلے پر گفتگو فرماتے تو علماء ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور آپ کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے تعزیتی مقالے میں تحریر کیا ہے:

''ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوتے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دستگاہ ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے۔ وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول و فلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولانائے ممدوح سید احمد حسن (محدث) میں سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کردیئے تھے۔ مولانا کی تقریر، تحریر، ذہانت، تبحر، اخلاق اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی۔'' (ماہنامہ القاسم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

غرض مولانا سید احمد حسن مشاہیر علمائے ہند میں تھے۔ آپ کی خوش لباسی، نفاست طبع کے لئے تھی۔ تکلف کے طور نہیں۔

شیخ الهند مولانا محمود الحسن نے مولانا سید احمد حسن کی وفات پر بڑا دل سوز مرثیہ لکھا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے جان گداز سانحہ کے عنوان سے موثر مقالہ سپرد

قلم کیا۔ مولانا کی وفات پر اکابر علمائے ہند نے عربی، فارسی اردو میں مرثیہ لکھے۔ جو اخبار و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب 'دافع البلاء' میں آپ کا ذکر کیا ہے اور مولانا کے علمی تبحر کا لوہا مانا ہے۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں از دسمبر ۱۹۵۳ء تا ستمبر ۱۹۵۴ء مولانا سید احمد حسن پر مقالات کا سلسلہ نکلا ہے۔ مولانا سید احمد حسن محدث کو حدیث مسلسل بالاولیت شاہ عبدالغنی سے حاصل تھی۔ سنی تھی۔ جو یہ ہے:

''مولانا سید احمد حسن نے شاہ عبدالغنی سے شاہ صاحب نے مولانا محمد اسحاق سے محمد اسحاق نے شاہ عبدالعزیز سے شاہ صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اور شاہ ولی اللہ کی سند سب جگہ مشہور ہے۔''

رد قادیانیت میں مولانا سید احمد حسن محدث نے بڑا کام کیا۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں امروہہ میں مولوی محمد احسن اور حکیم نورالدین، مرزا غلام احمد کی مہدویت اور مسیحیت کی تصدیق کر کے مرتد و بے دین ہو گئے تھے۔ ان کو براہ راست قادیانی مشن کی جانب سے تنخواہ ملتی تھی۔ جب یہ فتنہ پہنچا تو حضرت مولانا احمد حسن نے شمشیر برہنہ ہو کر اس کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے خود مرزا غلام احمد کو مناظرہ و مباہلہ کی بھی دعوت دی تھی۔ جس کے نتیجے میں رامپو میں بصدارت نواب حامد علی خان ۱۵ر جون ۱۹۰۹ء قلعہ میں مناظرہ منعقد ہوا اور قادیانیوں کو سخت شکست ہوئی۔ اس مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری مناظر تھے اور مولانا سید احمد حسن کی تقریر تھی۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب 'دافع البلاء' میں براہ راست مولانا کو مخاطب کیا ہے۔ ایک جگہ حسن امروہی اور ایک جگہ کھل کر احمد حسن امروہی لکھا ہے۔ رد قادیانیت میں آپ کی عربی تقریر کا اقتباس گزشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے۔

یہ ہے کتاب کا خلاصہ جو پیش کیا گیا۔

کتابیات

۱- تاریخ دیوبند: حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲- تذکرۂ علمائے ہند: مولوی رحمان علی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء
۳- نزہۃ الخواطر جلد ہشتم (عربی): حکیم سید عبدالحئی حسنی، مطبع نور محمد آرام باغ کراچی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء
۴- تاریخ مشائخ دیوبند: مفتی عزیز الرحمٰن نہٹوری مدینہ پریس بجنور بار دوم ۱۹۶۷ء بار اول ۱۹۵۸ء/ ۱۳۷۸ء
۵- تاریخ دارالعلوم دیوبند: سید محبوب رضوی ماہنامہ الرشید ساہیوال ۱۹۸۰ء
۶- دہلی اور اس کے اطراف: حکیم سید عبدالحئی اردو اکادمی دہلی ۱۹۸۸ء۔ سفر نامہ اور روزنامچہ، یہ سفر ۱۸۹۴ء میں کیا۔
مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کو ۱۹۳۹ء میں معارف اعظم گڑھ میں چھاپا۔
۷- تحقیق الانساب: محمود احمد عباسی، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۶ء/۱۳۵۲ھ
تاریخ امروہہ کی جلد چہارم
۸- تاریخ امروہہ جلد اول: محمود احمد عباسی
۹- تذکرۃ الکرام ثانی تاریخ امروہہ: محمود احمد عباسی۔
محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۳۲ء
۱۰- ماہنامہ القاسم دیوبند جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ
۱۱- در مقصود امروہہ، صفحہ ۲۹، ۲۸۔ ۱۹۴۶ء
۱۲- ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۱۹۵۳ء تا ستمبر ۱۹۵۴ء
۱۳- منتخب التواریخ: (فارسی) ملا عبدالقادر بدایونی (عہد اکبری) ۱۰۰۴ھ
۱۴- تاریخ اصغری: سید اصغر حسین نقوی مطبوعہ ۱۸۸۹ء/ ۱۲۹۱ھ

۱۵-نخبۃ التواریخ: (فارسی) مولوی آل حسن نخشی مارچ ۱۸۸۰ء تالیف ۱۲۹۷ھ
مطبوعہ حیدرآباد دکن

۱۶-اسراریہ: (فارسی قلمی) سید کمال بن سید لال سنبھلی

۱۷-مقاصد العارفین: (قلمی) حضرت شاہ عضد الدین امرہوی ۱۲۰۰ھ

۱۸-اخبار الاخیار: مولانا عبدالحق محدث دہلوی ۹۹۷ھ۔ مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۹۱۴ء

۱۹-مآثر الکرام: سید غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۶۶ھ۔ مطبع مفید عام آگرہ، ۱۹۱۰ء

۲۰-کشف المحجوب: حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری

۲۱-تذکرۂ بدر چشت: سید خورشید مصطفیٰ رضوی

۲۲-دہلی کی یادگار ہستیاں: امداد صابری دہلی ۱۹۷۲ء

۲۳-تذکرۂ مشاہیر کاکوری: محمد علی حیدر

۲۴-تذکرۂ علمائے فرنگی محل: عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

۲۵-سوانح قاسمی: محمد یعقوب نانوتوی مطبوعہ بہاولپور ۱۲۹۷ھ۔

اس میں مولانا مملوک علی کا بھی ذکر ہے۔ مولانا محمد قاسم، مولانا مملوک علی کے ہم وطن، ہم نسب اور شاگرد تھے۔

۲۶-حیات شیخ الہند: سید اصغر حسین سہارنپور ۱۹۴۸ء

۲۷-بیس بڑے مسلمان: عبدالرشید ارشد، لاہور ۱۹۶۹ء

۲۸-سوانح قاسمی: مناظر حسین گیلانی، لاہور ۱۹۶۹ء

۲۹-آثار الصنادید: سرسید احمد خان

۳۰-تذکرہ طبقات شعرائے ہند: مطبوعہ دہلی ۱۸۴۸ء

از کریم الدین پانی پتی شاگرد مولانا مملوک علی نانوتوی اس میں مولانا مملوک علی کا بھی ذکر ہے۔

۳۱-سیرت یعقوب ومملوک: مولانا ذوالفقار علی دیوبندی شاگرد مملوک علی۔

۳۲-تاریخ قنوج: نواب صدیق حسن خان۔ سن تالیف ۱۲۷۸ھ

۳۳- واقعات دارالسلطنت: بشیرالدین دہلوی، دہلی ۱۹۱۹ء

۳۴- مرحوم دہلی کالج: مولوی عبدالحق طبع دوم دہلی ۔ ۱۹۴۵ء

۳۵- شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک: عبیداللہ سندھی، لاہور،۱۹۴۲ء

۳۶- حالات مشائخ کاندھلہ: مولوی احتشام الحق کاندھلوی دہلی،۱۳۸۳ھ

۳۷- روداد مدرسہ شاہی مرادآبادی منجانب مدرسہ شاہی

۳۸- بیاض قلمی: مولانا عبدالغنی پھلاودی

۳۹- افادات احمدیہ: (جلد اول) مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی

۴۰- رسالہ رکوب السفینہ: (مناظرہ نگینہ) مطبوعہ اہل حدیث پریس امرتسر۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء

۴۱- مکتوبات سیدالعلماء

۴۲- یادایام: احمد سعید خان چھتاری

۴۳- تذکرۂ کاملان رامپور: احمد علی خان شوق

۴۴- السراج الانوار: رودادِ مناظرہ گلاوٹھی

۴۵- شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان: حکیم محمود احمد برکاتی، لاہور ۱۹۷۶ء

۴۶- حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی: حکیم محمود احمد برکاتی

۴۷- علمائے حق: مولانا سید محمد میاں

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے مسودات جو مولانا نسیم احمد فریدی کے ذخیرے میں ہیں ۔ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱- رسالہ ازالۃ الوسواس

۲- بیاض قلمی ۱۷۸ صفحات

۳- بیاض احمدی یا فتاوئی احمدیہ قلمی

۴- مولانا عبدالغفور سیوہاروی نے حضرت محدث امروہوی کے حلقۂ درس کی بعض تقریریں قلمبند کی تھیں ۔ان کا مجموعہ مولانا فریدی کے ذخیرے میں ہے۔

نوٹ:

۱-بیاض قلمی کے بعض فتاویٰ مولانا فریدی کے ذخیرے میں ہیں اور کتب خانہ پھلاودہ کی بیاض قلمی بھی ہے۔ یہ بیاض قلمی ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ بیاض قلمی جو حضرت محدث امروہوی کے بعض فوائد درس پر مشتمل ہے۔ اس کو ان کے بعض شاگردوں نے قلمبند کیا ہے۔

۲-بیاض احمدی میں حضرت محدث امروہوی سے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ فتویٰ ہے۔ جنتی دروازے پر یہ فتاویٰ احمدیہ قلمی، مدرسہ فرقانیہ رامپور کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ وہاں سے مولانا نسیم احمد فریدی اپنے کتب خانہ میں لے آئے۔

۴۸-افادات احمدیہ حصہ دوم قلمی: اس میں مولوی محمد حسن اسرائیلی سنبھلی اور حضرت مولانا سید احمد حسن محدث کے درمیان تحریری مناظرہ ہے۔ یہ قلمی نسخہ مولانا حافظ عبدالغنی پھلاودی کے کتب خانے میں ہے۔

اس کے مرتب مولانا یحییٰ شاہ جہاں پوری ہیں۔ یہ قلمی نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ یہ مناظرہ ۱۸۷۳ء کا ہے۔ صفحات ۸۹

۴۹-بیاض قلمی: کتب خانہ پھلاودہ میں مخطوطہ قلمی ہے جو ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس بیاض قلمی میں مولانا احمد حسن کے بعض فتاویٰ ہیں۔

۵۰-افادات احمدیہ جلد دوم غیر مطبوعہ جو اس کتاب کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔

۵۱-شیخ عبدالرحمٰن امرتسری: سفر بلادِ ہند

باب دہم

اولاد و احفاد

میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کی اولاد نرینہ میں ایک ہی فرزند تھے جو میرے والد تھے۔ان کا نام سید محمد رضوی عرف بنے میاں تھا۔

میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی عرف بنے میاں" دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور انھوں نے سند حدیث مولانا انور شاہ کشمیری سے حاصل کی تھی۔حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی دارالعلوم دیوبند میں میرے والد کے ہم درس تھے۔میرے والد نے جو علوم حاصل کئے وہ وہی تھے جو ان کے خاندان کا سرمایۂ افتخار رہ چکے تھے۔یعنی حدیث، تفسیر، فقہ۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی۔جہاں ان کے بہنوئی اور حضرت محدث کے شاگرد مولانا سید رضا حسن شیخ الحدیث تھے۔میرے والد مولانا سید محمد رضوی ۱۸۹۶ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے انتقال (۱۹۱۲ء) کے وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔اس لئے ان کی تعلیم کا انتظام حضرت محدث مرحوم کی نگرانی میں نہ ہوسکا۔

امروہہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے تمام ہندوستان میں شہرت رکھتا ہے۔یہ قصبہ (اب ضلع) مدتوں علوم و فنون کا گہوارہ رہا۔یہاں کے علماء کا فیض ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا۔میرے والد امروہہ کی بزم علم کی آخری شمع تھے۔میرے والد فطرتاً خلوت پسند اور نازک طبع واقع ہوئے تھے۔آپ اپنے والد کی طرح حلقۂ درس قائم نہ کرسکے۔میرے والد نہایت سادہ وضع رہتے تھے۔ململ کا ڈھیلا ڈھالا لمبا کرتہ اور پاجامہ پہنتے تھے۔اس پر شیروانی زیب تن رہتی تھی۔قد متوسط، گندمی رنگ اور چہرہ روشن تھا۔چہرے پر ڈاڑھی بجتی تھی۔خوبصورت اور خوش کلام انسان تھے۔وہ

بہت خوش اخلاق تھے۔ آپ کا شمار مشہور عالم وفقیہہ، عابد و پابند شریعت علماء میں ہوتا تھا۔ وہ خود عالم تھے اور اہل علم کی قدر کرتے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ اس لئے قرآن پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں سے محبت کرتے تھے۔ وہ امت کا چراغ تھے۔ آپ رمضان کے مہینے میں قرآن سناتے تھے۔ ان کے مزاج میں تواضع وانکساری تھی۔ وہ فقہی مسائل کا استخراج واستنباط کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضائل حمیدہ سے نوازا تھا۔ ان میں پرہیزگاری، صداقت اور ہمدردی تھی۔ فضول گوئی سے اجتناب کرتے تھے۔ زیادہ وقت اشاعت تبلیغ دین میں گزارتے تھے۔ آپ نے اپنی والد حضرت محدث کی طرح امروہہ (مراد آباد) میں ایک دینی مدرسہ دارالعلوم چلہ قائم کیا تھا۔ جس کے آپ خود مہتمم تھے۔ اس میں دورۂ حدیث پڑھایا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ اب بھی موجود ہے۔ آپ نے فقہ کی کتاب۔ کنزالدقائق کا ترجمہ کیا تھا۔ جو چھپ نہ سکا۔ اس کے علاوہ مولانا نے بہت سے دینی مضامین لکھے جو الجمیعتہ دہلی میں چھپتے تھے۔ تقریر میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ اپنے والد کی طرح جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد امروہہ میں وعظ فرماتے تھے۔ امروہہ میں عیدین اور جمعہ کی نماز کی امامت آپ ہی فرماتے تھے۔ آپ کا انتقال دسمبر ۱۹۷۸ء کو امروہہ میں ہوا۔ آپ روضۂ شاہ ابن خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔

میرے والد سید محمد رضوی، حضرت محدث امروہوی کے اکلوتے فرزند تھے۔ جب گیارہ سال کی عمر کو پہنچے تو قرآن حفظ کر چکے تھے۔ آپ نے جو کچھ ترقی کی وہ خداداد ذہانت واستعداد کے ذریعہ کی۔ آپ کو بچپن سے علم کا شوق تھا۔ علمیت، اخلاق اور عمل صالح آپ کے اوصاف تھے۔ آپ قوم کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ آپ کو اپنی قوم کی دینی ودینوی اصلاح کا بہت خیال تھا۔ سیرت کے جلسوں میں بڑی دھواں دار تقریر کرتے تھے۔ اپنے مواعظ سے اسلام کی صحیح تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔ پدر بزرگوار کا انتقال آپ کی خوردسالی میں ہوگیا تھا۔ اس لئے آپ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے تعلیم حاصل کی۔

آپ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے کافی دلچسپی تھی۔ مولانا موصوف عالم باعمل تھے۔ آپ زہد و تقویٰ، صدق و صفا، ایمان و عمل، عدل و مساوات اور اخلاق حسنہ کے پیکر تھے۔ گفتار کے غازی ہی نہیں، کردار کے بھی غازی تھے۔ آپ اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور خدمت خلق میں گزارتے تھے۔ آپ میں غرور و خود پسندی نہ تھی۔ مگر حمیت و خودداری تھی۔ خیالات میں پاکیزگی تھی۔ سیاسی محاذ پر آپ جمیعۃ علمائے ہند شاخ امروہہ کے صدر تھے اور جمیعۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ قرآنی حقائق و معارف کو آسان فہم زبان میں دلچسپ انداز اور دلنشین پیرائے میں بیان کرتے تھے۔ مسائل حاضرہ، اصول دین اور احکام اسلام پر گہری نظر تھی۔ آخرت و قیامت، بعثت رسول، ایمان و عمل، دین فطرت آپ کی تقاریر کے موضوعات ہوتے تھے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد حفظ قرآن اور مہارت تجوید بھی حاصل کی۔ استاد القراء قاری ضیاء الدین الہ آبادی نے آپ کو قرأۃ سکھائی۔ قاری ضیاء الدین حضرت محدث امروہوی کے خاص شاگرد تھے۔ آپ کی قرأۃ بڑی اچھی ہوتی تھی۔ دل پر کیفیت طاری ہوتی تھی۔ آپ کی تقاریر بڑی عالمانہ اور فاضلانہ ہوتی تھیں۔ گفتگو دلنواز اور تقریر دل پذیر ہوتی تھی۔ طبیعت میں علم و سادگی تھی۔ کسی سیاسی موضوع پر محلہ بگلہ میں ایسی جوشیلی تقریر کی کہ کوتوال شہر نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ تو سارا شہر جمع ہوگیا کہ ہم مولانا کو گرفتار ہونے نہیں دیں گے۔ کوتوال شہر نے مولانا کی مقبولیت کو دیکھ کر آرڈر واپس لے لیا۔ غرض سارے شہر امروہہ کی مذہبی، سیاسی قیادت فرماتے تھے۔ عیدین کے چاند کا اعلان مولانا ہی فرماتے تھے۔ سارا شہر آپ کو مانتا تھا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس جامع مسجد امروہہ میں آپ کی صدارت میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے فیصلے سے دہلی میں فون پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کو مطلع کرتے تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعۃ العلماء ہند آپ کا بڑا احترام کرتے تھے کیونکہ انھوں نے مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اسلئے آپ کے فیصلے کو مان

لیتے تھے اور پورے ملک میں عید کے چاند کا اعلان ہو جاتا تھا۔

غرض آپ کے دور میں امروہہ علم و عرفان کا گہوارہ بنا رہا۔ انھوں نے جس علمی گھرانے میں آنکھ کھولی وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ آپ کے والد سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کا شمار برصغیر کے صف اول کے علماء میں ہوتا تھا۔ آپ شروع ہی سے نیک نہاد تھے۔ دینی رجحان غالب تھا۔ قرآن مجید، حدیث شریف اور اسلامی کتب کے مطالعہ میں وقت صرف کرتے تھے۔ اپنی قابلیت، محنت، لگن، شوق اور جذبۂ تعمیر سے ملک و ملت کی خدمت دل و جان سے کرتے تھے۔ ایمان داری، دیانتداری اور نیک نیتی ان کی سرشت میں تھی۔ انھوں نے امروہہ میں اپنے قائم کردہ مدرسہ سے دینی تعلیم کے فروغ میں حصہ لیا۔

ان کے گلشن علم میں بہار آ رہی تھی۔ اس مدرسہ سے نکلے ہوئے طلبہ نے بڑا نام پیدا کیا۔ راقم الحروف نے بھی اس مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ یہاں کے یعنی مدرسہ چلہ کے پڑھے ہوئے نامور لوگوں کے اسماء یہ ہیں:

۱-سید علی مظہر نقوی (والد عائشہ منور ممبر قومی اسمبلی)

۲-مولانا عبدالاول فاروقی نبیرۂ امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی

۳-حکیم صیانت اللہ

۴-حکیم سعادت اللہ

۵-حکیم محمد احمد عباسی

۶-قاضی عزیز عباسی

۷-محمد حسین صدیقی (احمد حسین صدیقی سابق ڈائریکٹر جنرل کے ڈی اے کے بڑے بھائی)

۸-حافظ سید آل احمد رضوی جمالی

۹-سید سردار احمد رضوی

۱۰- زبیر رضوی

۱۱- ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

۱۲- جون ایلیا

۱۳- قمر جمالی امروہوی

اس مدرسے میں بڑے بڑے علماء درس دیتے تھے۔ جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا انوار الحق صدیقی شیخ الحدیث

۲- مولانا فضل احمد

۳- مولانا قمر الدین سہنسپوری

۴- منشی یٰسین مدرس فارسی

اس مدرسہ میں الٰہ آباد بورڈ کے السنۂ شرقیہ کے امتحانات منشی، منشی کامل اور لکھنؤ یونیورسٹی کے عالم، فاضل ادب کی تیاری کرائی جاتی تھی۔ اس طرح یہ مدرسہ امروہہ کا علمی مرکز بنا ہوا تھا۔

اس مدرسہ چلہ کے قیام میں جن علمائے کرام نے بہ نفس نفیس حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲- امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالشکور لکھنوی

۳- حضرت مولانا قاری محمد طیب

۴- مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

ان علماء نے میرے والد کے ساتھ تعاون کیا اور مدرسے کے قیام میں ان کی مدد کی۔

غرض میرے والد مولانا سید محمد رضوی نے اشاعت دین کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ وہ زاہد، متقی اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ انھوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور دینی لیاقتوں سے دین کا ڈنکا بجایا۔ وہ ایک روشن ضمیر مذہبی انسان تھے۔ مولانائے موصوف اگرچہ کم گو اور کم آمیز تھے لیکن جب تقریر کرتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ گویا دبستان کھل گیا۔ چہرہ علم و شرافت کا مرقع معلوم ہوتا تھا۔ علوم و فنون پر

کتب جمع کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ان کے کتب خانے میں نوادرات، مخطوطات کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ راقم الحروف نے اس کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ اس میں ایک نادر نسخہ قرآن شریف پاکٹ سائز تھا۔ جو آلۂ خورد بین سے پڑھا جا سکتا تھا۔ اردو میں ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں۔ البتہ مضامین ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی فلسفہ و حکمت کے علاوہ انبیائے کرام کی عملی زندگی اور قصص و حقائق کو اپنی تقاریر میں بیان کرتے تھے اور ساتھ ہی ان امور و عوامل سے بحث کرتے تھے۔ جو مسلم قوم کی تنزل کے اسباب بنے۔ پھر اسلام و اسلاف کی ان عظمتوں کا ذکر کرتے تھے۔ جن کو از سرنو اپنایا جائے تو مسلمانوں کو پستی و زوال کی لعنتوں سے نجات مل سکتی ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ دوسرے کتب سماوی یعنی توریت و انجیل میں مقطعات نہیں۔ یہ خاصہ قرآن شریف کا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے والد مولانا سید محمد رضوی کی کوئی مستقل تصنیف نہیں تھی۔ آپ کے دینی مضامین روزنامہ الجمعیتہ دہلی میں چھپتے تھے۔ نمونتہً آپ کا ایک مضمون 'امانت اور دیانت' دیتا ہوں۔ جو غیر مطبوعہ اور آپ ہی کی تحریر میں ہے۔ وہ یہ ہے:

امانت اور دیانت

امانت اور دیانت بظاہر دو الگ الگ لفظ ہیں۔ مگر حقیقتاً ان میں گہرا تعلق اور ربط ہے۔ امانت میں اگر دیانت سے کام نہ لیا جائے تو خیانت تک وہ پہنچ جاتی ہے اور اگر دیانت میں امانت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو وہ ناانصافی کی حد تک پہنچ جائے گی۔ دیانت اور دینداری دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ خواص کا ہی یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ان رعایات کا لحاظ کریں، عوام بھی اس کے مکلف ہیں۔ اگر سب ہی مل کر ان صفات کی تکمیل میں حصہ لیں اور اشتراک عمل کریں تو دنیا میں ایک نیک معاشرے کا سنگ بنیاد رکھا جائے اور فتنوں کا سد باب ہو۔ منافقت جھوٹ، دھوکہ، چال بازی، مکرو

فریب یہ سب امانت اور دینداری کیخلاف مظاہرے ہیں۔اگر کسی دوست،رشتہ دار کی محبت یا کسی کی عداوت کی وجہ سے نفع یا نقصان پہنچایا اور وہ اس کا مستحق نہ تھا یہ بھی دیانت کے خلاف ہوگا۔کسی کو غلط مشورہ نہ دینا، نیک مشورہ دینا دیانت اور نیکی کا کام ہوگا۔دیانت کا دائرہ اپنی افادیت کی حیثیت سے وسیع ہے اگر دیانت کو صفات حسنہ کا چشمہ کہا جائے تو درست ہے۔

امانت کی مشہور تعریف یہی ہے تو کوئی شئے سپرد کی ہوئی بجنسہٖ واپس کردی جائے۔اس امانت کے ساتھ دیانت کا یہ مقتضیٰ ہوگا کہ سپرد شدہ چیز تا واپسی امین نہ اپنے تصرف میں لائے اور نہ وہ شئے بدل کر اس جیسی دوسری شئے اس جگہ رکھ دے۔ واقف کی نیت کے مطابق وقف شدہ شئے میں عمل کرنا یہ بھی دیانت ہوگی۔ورنہ اس کی ضد خیانت ہوگی اور ناانصافی۔امانت صرف اشیاء کی حد تک محدود نہیں بلکہ راز فاش کرنا،کہنے والے کی اخفاء بات کو طشت از بام کرنا یہ بھی امانت کے خلاف ہوگا۔اگر امانت میں کمی کردی جائے یا کھرے کی جگہ کھوٹی شئے دیدی جائے تو یہ بھی خیانت ہوگی۔اگر کسی کے پاس امانت ہے مگر نیت میں فرق آ گیا اور امین انکار کردے اور فرض کرو کوئی ثبوت یا گواہ امانت رکھنے والے کے پاس نہ ہو نہ کوئی تحریر محض امین کی ذاتی حالات پر اعتماد کر کے شئے سپرد کردی تھی اور فرض کرو قاضی نے عدم ثبوت کی بناء پر امین کے حق میں فیصلہ بھی کردیا۔گو یہ ظاہرا درست ہے مگر دیانت مابین اللہ و العبد امین اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے اور غصب کا مجرم۔دیانت کی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو ظاہر اور باطن دونوں کی طرح گناہ سے بچاتی ہے۔(وَذَرُوا ظاہر الاثم و باطنہ)اب اس طرح خیال کیجئے کہ انسان کے جسم کے تمام اعضاء قدرت نے بطور امانت دیئے ہیں۔اگر یہ ذاتی ہوتے تو فنا نہ آتی۔عقل اور شعور امتیاز کے لئے عطا کیا ہے۔اب جبکہ اعضائے جسم قدرت نے بطور امانت انسان کو عطا کیئے تو سوال خود بخود سامنے آتا ہے کہ انسان قدرت کی عطا کی ہوئی امانت میں تصرف اللہ کی مرضی کے خلاف اگر کرے اس کا نام بھی خیانت ہوگا۔اب بہ آسانی یہ نتیجہ نکلے گا کہ امانت

رکھنے والے کے حقوق کی رعایت اور حفاظت انسان پر آ جاتی ہے۔انسان امانت کے ملنے پر مقید اور پابند ہو جاتا ہے۔اگر وہ انکار کرے تو خیانت ہے اور اگر بغیر رضائے مالک امانت میں تصرف کرے تو خیانت ہے۔خود کو یہ حق حاصل نہیں کہ امانت میں انسان اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرے۔حضور ﷺ نے فرمایا لا ایمانَ لِمَن لا امانۃَ لہ۔اس فرمان نبوی نے مقصد کو خوب واضح کر دیا۔

عبادات کے لئے جس طرح خلوص نیت، روح اور جان ہے۔اسی طرح دیانت، عبادات کی کماحقہ تکمیل میں زبردست ممد اور معاون ہے۔دیانت، خشیت الٰہی پیدا کرتی ہے۔ضمیر میں اخلاص کی نشوونما ہوتی ہے۔دیانت، حق گوئی، راستی، صداقت کے جذبات کو ابھارتی ہے۔دیانت اللہ اور بندہ کے درمیان تعلق اور ربط کو مضبوط بناتی ہے۔تنگ نظری، عصبیت پیدا کرتی ہے۔انسان کی ہدایت کے لئے قدرت نے ایک ضابطۂ حیات بھی عطا کیا ہے۔یعنی قرآن کریم اس کو بھی اللہ نے امانت سے تعبیر کیا ہے۔اس میں زبردست اشارہ ہے کہ کتاب الٰہی بطور امانت انسان کے سپرد کی گئی ہے۔اس میں کسی قسم کا تصرف، ردوبدل، تنسیخ و ترمیم، سب ناجائز ہوں گے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔''

امانت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ امین، امانت کی حفاظت کرے اور تصرف بغیر اجازت مالک نہ کرے اگر کرے گا تو یہ خیانت ہوگی۔اگر انسان امانت کے حقوق دیانت کے ساتھ ظاہراً و باطناً ادا کرے تو یقین جانئے دنیا امن کا گہوارہ بن جائے اور عالم میں نیک معاشرہ قائم ہو۔جس کے نیک ثمرات یہ ہوں گے کہ دنیا سے منافرت کے جراثیم ختم ہوں گے اور عصبیت، فتنہ و فساد، تنگ نظری کا انسداد ہوگا اور انسان میں ہمدردی، اخوت کے جذبات ابھر کر انسانیت کو سکھ نصیب ہوگا۔دیانت سے صفات حسنہ اجاگر ہونگے اور جب صفات حسنہ کا ظہور ہوگا تو اس کی ضد صفات رذیلہ اور سیۂ انسان میں نہ ہونگے اور انسان فرشتہ صفت بن کر دنیا کے لئے باعث

راحت بنے گا۔ دیانت ہی وہ صفت حسنہ ہے۔ جس کی رعایت سے انسان مالک کی موجودگی ہو یا اس کا غیاب دونوں صورتوں میں اپنے مفوضہ خدمات کو خواہ بندہ کا کام ہو یا اللہ کی عبادت یا حقوق اللہ سب ہی کو احسن طریقہ سے انجام دیتا ہے۔

نگرانی کے لئے نہ پولیس کی ضرورت ہے اور نہ عہدہ دار کی دیانت خود اپنی جگہ پر اس کی ذمہ دار ہے کہ انسان متعلقہ خدمات اللہ کو حاضر ناظر جان کر خوش اسلوبی اور دلچسپی سے انجام دے۔ اگر یہ تصور پختہ ہو تو بگڑا ہوا۔ نظام عالم درست ہو دنیا سے ناانصافی مٹے۔ نفع اندوزی، چور بازاری نیز تمام جرائم کا خاتمہ ہو اور اداروں میں کام ٹھیک ہوں اور دنیا کو پھر ایک مرتبہ سکون نصیب ہو۔

سچائی سب ہی انسان بلا امتیاز مذہب پسند کرتے ہیں۔ جھوٹ کو سب ہی بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر انسان راستی کو اپنا شعار بنالے تو سارے جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے اور انسانیت کو چین کی زندگی میسر ہو۔ دیانت زبان اور دل کو ایک بناتی ہے۔ جو دل میں ہے وہی زبان پر ہو اور جو زبان پر ہو وہ دل میں ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے ترجمان ہوں۔ آج زبان پر سب کچھ ہے مگر دل خالی ہے۔ بھلا اس غلط پالیسی سے کیسے اصلاح ہو سکتی ہے۔ کَبُرَ مَقتاً عند اللہ اَن تقولو اما لا تفعلون۔ مذہب کے نام سے دنیا کے پیچھے لگ جانا، ضمیر اور دیانت کے خلاف ہوگا۔

خلفائے راشدین کا زمانہ ہے جب کوئی ملک فتح ہوتا تو اعلان کیا جاتا کہ بازاروں کو نہ لوٹا جائے، دکانوں کو آگ نہ لگائی جائے، بچوں اور عورتوں پر دست درازی نہ کی جائے، کسی کو قتل نہ کیا جائے، معابد کا احترام کیا جائے۔ غیر مسلم کو بھی شہری حقوق حاصل ہونگے۔ یہ مفتوح قوم ہماری امانت ہے۔ ہمارا دیانتاً فرض ہے کہ ہم سب کو سکھ پہنچائیں۔ عدل وانصاف سے نہ ہٹیں۔ الخلق عیالُ اللہ کا تصور ہر وقت مسلمان کے سامنے رہتا ہے اور فرمان نبویؐ ہے کہ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کریگا۔ مسلمان ہر قسم کی زیادتی سے رک جاتا ہے۔ یہ وہ اصول بتائے گئے ہیں ان پر پابندی سے نہ صرف بین الاقوامی ربط میں اضافہ ہوگا بلکہ دنیا امن وسلامتی

کی آغوش میں آ کر انسانیت کو راحت نصیب ہوگی۔

بہر کیف امانت اور دیانت ان دونوں کی رعایات سے انسان، سیرت اور کردار کے اعلیٰ مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

☆☆☆

یہ ہے میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کا اسلوب بیان اور دینی مضمون کا ایک نمونہ۔ اس میں میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے منطقی انداز تحریر کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور مضمون 'شہید کربلا' ہے۔ جو میں طوالت کی وجہ سے نہیں دے رہا۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث، حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بعد میں یہ رشتہ دینی اولاد کی شکل میں بدل گیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اہلیہ میرے دادا سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ وہ ان کو اماں کہتے تھے۔ میرے دادا نے اپنے مکتوبات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس خاندان سے میرے خاندان کے اخوت و محبت کے روابط تھے۔ یہ سلسلہ میرے والد مولانا سید محمد رضوی تک جاری رہا۔

چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے فرزند مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی اہلیہ یعنی مولانا قاری طیب صاحب کی والدہ ماجدہ میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اسی طرح قاری محمد طیب صاحب کی پھوپھی عائشہ یعنی حافظ محمد احمد صاحب کی بہن بھی میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اسی طرح قاری طیب صاحب کی بہن طیبہ بھی میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ غرض ان دونوں خاندانوں میں باہمی ربط و یگانگت تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یادداشت

۱- دادی اماں: مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اہلیہ میرے والد اور دادا سے پردہ

نہیں کرتی تھیں۔ میرے والد کی پہلی شادی ڈاکٹر احسن کی دختر صالحہ کے موقع پر دادی اماں نے دیوبند سے دو من چاول بھیجے تھے۔

۲- چچی: حافظ محمد احمد صاحب کی اہلیہ یعنی مولانا قاری محمد طیب صاحب کی والدہ ماجدہ بھی میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

۳- عائشہ: قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پھوپھی اور حافظ محمد احمد صاحب کی بہن جو میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

۴- امت الاسلام: قاری محمد طیب صاحب کی پھوپھی، حیدرآباد ریذیڈنسی ہسپتال میں انہی امت الاسلام کے لڑکے ڈاکٹر تھے۔

۵- طیبہ: قاری محمد طیب صاحب کی بہن بھی میرے والد سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سن پیدائش ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء اور تاریخ وفات ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء ہے۔ ان کی عمر چھیاسی سال ہوئی۔ میرے والد سید محمد رضوی کی سن پیدائش ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء ہے اور وفات دسمبر ۱۹۷۸ء ہے۔ ان کی عمر ۸۴ سال ہوئی۔ اس طرح میرے والد قاری طیب صاحب سے دو سال بڑے تھے۔ قاری طیب صاحب میرے والد کو بھائی اور میری والدہ کو بھابھی کہتے تھے۔

قاری طیب صاحب جب بھی امروہہ تشریف لاتے تو ہمارے مکان میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھ صاحبزادے محمد سالم قاسمی صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ میرے دادا نے اپنے ایک خط میں قاری طیب صاحب کی پیدائش کی خبر دی ہے۔ جو ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء ہے۔ میرے والد کی وفات دسمبر ۱۹۷۸ء میں امروہہ میں ہوئی۔ روضہ شاہ ابن پر مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر سماع خانہ کے سامنے ہے۔

میرے والد مولانا حافظ قاری محمد رضوی، میرے دادا سید العلماء مولانا

سید احمد حسن محدث کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان کے ان ایک فرزند سے نسل چلی۔ چنانچہ میرے والد کی اولاد ذکور میں آٹھ فرزند ہوئے۔ اولاد اناث نہیں تھی۔ ہم آٹھ بھائی تھے۔ بہن کوئی نہ تھی۔ ان کے نام بالترتیب یہ ہیں:

(۱) سید احمد رضوی (۲) سید آل احمد رضوی (۳) سید سردار احمد رضوی (۴) سید مسعود احمد رضوی (۵) سید وقار احمد رضوی (۶) سید زبیر احمد رضوی (۷) سید آفتاب احمد رضوی (۸) سید سلطان احمد رضوی۔

بھائیوں کا ذکر میں بعد میں کرونگا۔ پہلے میں اپنی والدہ یعنی والد سید محمد رضوی کی زوجہ کا ذکر کرتا ہوں۔ میری والدہ کا نام فہمیدہ خاتون تھا۔ وہ مبلغۂ اسلام کہلاتی تھیں۔ ان کے بارے میں عرض ہے۔

مبلغۂ اسلام۔ فہمیدہ خاتون

میری والدہ معظمہ مبلغۂ اسلام فہمیدہ خاتون کی پاکیزہ زندگی دین وشریعت کی خوبیوں کا دلآویز مرقع تھی۔ اللہ نے ان کو حکمت وموعظت کے اوصاف حسنہ سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ ان کے مواعظ سے مسلمان خواتین اور بچیوں کو دینی شعور کا جو فیض پہنچا وہ اپنے صالح اثرات کی بناء پر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خواتین ان کی دینداری اور بزرگانہ شفقت ومحبت سے بہت متاثر ہوتی تھیں۔ وہ جہاں کہیں تشریف لے جاتیں اور جہاں کچھ دیر بھی ان کا قیام رہتا وہاں اللہ کے دین کی محبت کے نقوش دلوں پر مرتسم ہو جاتے۔ غرض مرحومہ گوناگوں کمالات اور خصوصیات کی حامل تھیں۔ وہ عورتوں میں تبلیغ اور اصلاح کے کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انھوں نے امروہہ (ضلع مرادآباد، یوپی، بھارت) میں خواتین میں اسلامی روح کو بیدار کر دیا تھا۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات بابرکات حسنات سے متصف تھی۔ نیکیوں اور

بھلائیوں کے پاکیزہ اثرات ان سے دوسروں تک پہنچتے تھے۔ ایسی خدا پرست خاتون خال خال پیدا ہوتی ہیں۔ میری والدہ تہجد گزار خاتون تھیں وہ نالۂ نیم شبی اور فغان سحر گاہی کی عادی تھیں۔ اس طور پر کہ وہ تہجد سے فجر تک نماز، تلاوت کلام پاک اور مناجات میں مصروف رہتی تھیں۔ ان کی آواز میں اس قدر درد تھا کہ اس کا دل پر اثر ہوتا تھا۔

میری والدہ معظمہ مبلغۂ اسلام فہمیدہ خاتون نے اپنے مواعظ حسنہ سے اسلامی اور مذہبی خدمات انجام دیں۔ وہ بارہ مہینے اپنے پند و نصائح سے خواتین کو مستفید فرماتی تھیں۔ آپ کی زبان میں خداوند کریم نے ایک خاص تاثیر رکھی تھی۔ بات کا اثر ہوتا تھا۔ جس کے نتیجے میں خواتین، صوم و صلوٰۃ کی پابند ہوگئیں تھیں اور جاہلانہ رسوم کو ترک کر دیا تھا۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد دور دور محلوں سے جوق در جوق آپ کے جلسوں میں شرکت کے لئے آتی تھیں۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا تو شہر کے مختلف محلوں میں سیرت پاک کے جلسے برائے خواتین منعقد ہوتے تھے۔ ان میں کثرت سے خواتین شریک ہوتی تھیں۔ ان جلسوں میں میری والدہ خواتین سے خطاب کرتی تھیں۔ ان کا پیرایۂ بیان نہایت دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا۔ آپ کی دینی اور بے لوث خدمات نے امروہہ کی خواتین پر بڑا اچھا اثر ڈالا۔ سیرت کے جلسوں کے علاوہ سال بھر آپ کے زنانہ جلسے مختلف محلوں میں انعقاد پذیر ہوتے تھے۔ اس میں خواتین کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ خواتین پر ان جلسوں کا اچھا اثر یہ ہوا کہ وہ اصلاح کی طرف مائل ہوئیں۔

تقریری خدمات کے علاوہ آپ کا تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ آپ کی دو کتابیں 'جنت کی دلہن' اور 'ہمدرد دلہن' یادگار ہیں۔ جو خواتین کے مطالعے کے لئے بہت مفید ہیں۔

میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ برصغیر پاک و ہند کے نامور محدث تھے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ وہ

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ میرے دادا کو شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے بھی سند حدیث حاصل تھی۔ اس کے علاوہ میرے دادا نے امروہہ میں دارالعلوم جامع مسجد قائم کیا تھا۔ جہاں سے بڑے بڑے علماء فضلاء فارغ ہوکر نکلے اور جواب بھی موجود ہے اور اس کا سرچشمۂ فیض جاری ہے۔ میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی عرف بنے میاں سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ وہ بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد تھے۔ میرے والد نے جدامجد کی طرح امروہہ میں دارالعلوم چلہ قائم کیا تھا اور وہ اب بھی موجود ہے۔ اس طرح میری والدہ سید العلماء مولانا احمد حسن محدث امروہوی کی بہو تھیں اور صحیح معنوں میں بہو تھیں کیونکہ انھوں نے تبلیغ خواتین کا کام انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۵ راگست ۱۹۶۵ء کو میری والدہ کا انتقال ہوا تو قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف تعزیتی خط لکھا بلکہ میری والدہ کی روح کو ایصال ثواب کے لئے دارالعلوم دیوبند میں قرآن خوانی کا بندوبست فرمایا۔ مولانا سید فخرالدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین) مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی نے بھی ایصال ثواب کیا۔ امروہہ میں جیسے ہی میری والدہ کی وفات کی خبر پھیلی گھر گھر کہرام مچ گیا۔ خورد وکلاں ہر طبقہ میں صف ماتم بچھ گئی اور سارا طبقۂ نسواں سوگوار تھا۔ حیف خواتین کے لئے مجلس دینی کا چراغ جو امروہہ میں روشن تھا قیامت تک کے لئے خاموش ہوگیا۔ اخبارات نے میری والدہ کے انتقال کی شہ سرخیاں شائع کیں۔ اخبار الجمعیۃ دہلی نے لکھا:

''امروہہ میں تبلیغ خواتین کا چراغ گل ہوگیا۔''

مبلغۂ اسلام کی وفات حسرت آیات

میری والدہ نے خواتین کے لئے جو دو کتابیں لکھیں تھیں۔ ان کتابوں سے ان کے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ مجھے امید ہے کہ حضرت مرحومہ کی

پاکیزہ خوبیاں ان کتابوں کے ذریعے خواتین کے اخلاق وعادات میں جلوہ گر ہوں گی اوران کا یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

میری والدہ اپنے مواعظ حسنہ میں سورۂ نور کی تفسیر بیان کیا کرتی تھیں۔ جسمیں قرآن مجید نے خواتین کے لئے خاص تعلیمات دی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام علم وعمل کا نام ہے۔ اس نے مردوں کی طرح خواتین کے لئے بھی احکامات بتائے ہیں۔ غفلت اور جہالت کو دور کرنا فرض ہے۔ آج کل غفلت کا دور دورہ ہے۔ بے راہ روی کا عالم ہے۔ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ وہ خواتین کو دین کی باتیں بتاتی تھیں۔ وہ زبانی تعلیم بھی دیتی تھیں اور کتابی تعلیم بھی۔ انھوں نے اپنے گھر میں پر مسلمان لڑکیوں کے لئے مدرستہ البنات قائم کیا تھا۔ جس میں وہ ناظرہ قرآن شریف کے علاوہ لڑکیوں کو اصلاح وعمل کی تعلیم دیتی تھیں۔ اس سے خدا کا خوف ان کے دلوں میں بیٹھ جاتا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بہشتی زیور اور مفتی کفایت اللہؒ کی تعلیم الاسلام کا درس دیتی تھیں۔ غرض شریعت کی پیروی میں ان کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ نیک نفسی اور پرہیز گاری میں وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ وہ دین کا ایک مایۂ ناز چراغ اور خوش نصیب ہستی تھیں۔ انھوں نے آٹھ فرزندوں کو جنم دیا۔ سب اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ پاک و ہند میں مقیم ہیں۔ وہ غریب لڑکیوں کی سرپرستی فرماتی تھیں اوران کو درس وتدریس کے ذریعہ زیور تعلیم سے آراستہ کرتی تھیں اوران میں دینداری کے جوہر پیدا کرتی تھیں۔ وہ اپنے مواعظ حسنہ میں سیرت خاتم الانبیاء، فضائل نماز حقوق اللہ، حقوق العباد، فضائل قرآن، آداب معاشرت، فضائل رمضان، دوزخ، جنت، اصلاح رسوم، فروغ ایمان، کسب حلال، اسلامی اخلاق ہماری مصیبتوں کے اسباب اوران کا علاج اور اسلامی تعلیمات پر زور دیتی تھیں۔ ان کے مواعظ، ہفتہ، پندرہ روز میں پردے کے ساتھ کسی مقررہ مکان میں گھر گھر سے آکر خواتین جمع ہوا کرتی تھیں اوران کے مواعظ سے استفادہ کرتی تھیں۔ وہ بجا طور پر امت مسلمہ کی ماؤں میں سے تھیں۔ وہ نہایت دریا دل اور کشادہ دست تھیں۔

غریب خواتین کی امداد کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتی تھیں۔ بھوکوں کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ غرض میری والدہ نہایت صالح، عابدہ، زاہدہ، خاتون تھیں۔ ان کی تقریر فصیح و بلیغ ہوتی تھیں۔ ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری تی۔ زہد اور عبادت کی طرف فطری لگاؤ تھا۔ ذوق وشوق اور خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں پڑھتی تھیں۔ وہ مستغنی المزاج تھیں۔ انھوں نے توکل و قناعت کی زندگی بسر کی۔ انسان پہلے آسمان پر مقبول ہوتا ہے پھر زمین پر مقبول ہوتا ہے۔ وہ بڑی عبادت گزار تھیں۔ قرآن شریف کی تلاوت ان کا مشغلہ تھا۔ رقیق القلب تھیں۔ مزاج میں شگفتگی بھی تھی۔ ان کی خوش خلقی اور رحم دلی شہر میں مشہور تھی۔ وہ بڑی اللہ والی اور علم دوست خاتون تھیں۔ ان کی طبعیت میں علم، متانت اور خودداری تھی۔ وہ اعلیٰ خصائل، پسندیدہ عادات، شیریں کلامی، نکتہ سنجی، فراست و دانائی کی حامل تھیں۔ خانگی امور میں بھی وہ ایک باسلیقہ خاتون تھیں۔

ان کی زندگی سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک پردہ نشین خاتون باوصف کمال پابندی پردہ کے بھی فضل و کمال میں نام و نمود حاصل کرسکتی ہے۔ غرض وہ ایک برگزیدہ صفات اور عالی دماغ خاتون تھیں اور پابند شرع تھیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے درجات بلند کرے اور ان کی روح کو سکون عطا فرمائے۔ (آمین)

میری تربیت میں میری والدہ کا خاص حصہ ہے۔ میرے کردار اور سیرت پر ان کی مذہبی، دینی اور پاکیزہ شخصیت کے اثرات ہیں۔ یہاں میں وہ اشعار درج کرتا ہوں جو میری والدہ وقتاً فوقتاً سنایا کرتی تھیں۔ ان اشعار میں پند و نصیحت ہے اور اخلاقی باتیں ہیں۔ ان کا ایک پہلو فائدے کا ہے وہ یہ ہیں۔

بولی اماں، محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دے دو

دودھ ہرگز نہ بخشوں گی تم کو — جان بیٹا خلافت پہ دے دو

....

نہ ہونے پائیں ہم مغرور، سیرت پر نہ صورت پر

کہ ساری خوبیاں موقوف ہیں ایک اچھی نیت پر

....

کسی کی بدزبانی کا نہ ہو یارب خیال ہم کو
اگر کہہ لے برا کوئی نہ ہو اس کا ملال ہم کو

....

گرے گر کوہِ غم سر پر تو آسانی سے کاٹے ہم
جو آئے تلخ کامی پیش، مثل شہد چاٹے ہم

....

زبان قابو میں رکھیں ہم ہمیشہ بدزبانی سے
بنائیں اپنا بیگانوں کو ہم شیریں زبانی سے

....

نہ ہوں گر خال و خط اچھے مگر افعال اچھے ہوں
کہ ہم اچھے جب ہی ٹھہریں گے جب اعمال اچھے ہوں

....

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!
جو پتھر پہ پانی پڑے متصل
تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سل
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

....

اخلاق ایک لطفِ الٰہی کا تاج ہے
ہو سر پہ جس کے اس کا زمانے پہ راج ہے

....

رکاوٹ خوب نہیں طبع کی روانی نہ میں

کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

....

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی اور کمزور سارے

....

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں
رنج حسد ہے جان ہے جب تک کہ جان میں

....

اے بخیلی! ارے فضولی! تمہارا دونوں کا منہ ہو کالا
گناہ گاری کے تم ہو چشمے تمہیں سے نکلیں خراب رسمیں

....

تمہیں نے دم بھر میں سب گنوا دیا تمہیں نے سب خاک میں ملایا

....

او حیا او پاسبان آبرو! نیکیوں کی قوت بازو ہے تو

....

پاک دامانی پہ تجھ کو ناز ہے کیا ہی تیرا دل پذیر انداز ہے

....

جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو جھوٹ ذلت کی بات ہے حق تو

....

ابھی تو کھلنے بھی پائی نہ تھی کلی دل کی نہ پوری شاخ تمنا ابھی ہوئی تھی ہری

....

کہ دفعتاً چمن اجڑا فلک سے برق گری نہال سوکھ گئے گھر میں خاک اڑنے لگی

....

ہائے کیونکر نہ کروں میں بیانِ محرومی　　لاکھوں ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہ ہوا
خشک آنسو نہ ہوئے طعنۂ اعدا سن کر　　خاک اڑانے سے بیاباں کبھی دریا نہ ہوا

....

شبنم کہیں گرائی کہیں گل کھلا دیا　　رویا کوئی کہیں تو کسی کو ہنسا دیا

....

قسمت میں گر لکھے تھے میرے بیشمار رنج　　سنگ ریزہ ایک رکھ دیا ہوتا بجائے دل

....

دل ہے غذائے رنج، جگر ہے غذائے رنج　　رنج ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے رنج

....

جہاں میں کچھ نہیں سب کچھ مٹا کے دیکھ لیا　　تمام بندوں کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

....

یہ اشعار والدہ صاحبہ نے سنائے جو میں نے لکھ لئے تھے۔تحریر کردہ امروہہ دسمبر ۱۹۵۸ء۔

جہاں تک میری والدہ کے خاندانی پس منظر کا تعلق ہے تو وہ زمیندار کی بیٹی تھیں۔میرے نانا چودھری انوار الحق مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے والد چودھری مقصود علی بہت بڑے زمیندار اور ذی وجاہت بزرگ تھے۔ان کے بہت سارے گاؤں تھے۔جن کے نام یہ ہیں:

۱-فیض گنج　　۲-داؤدسرا　　۳-درگو پور　　۴-ڈیبہ

چودھری مقصود علی کے چار فرزند تھے۔ان کے نام یہ ہیں: اسرار الحق، انوار الحق، ریاض الحق، ضیاء الحق۔ان میں سے ہر بیٹے کو ایک ایک گاؤں ورثے میں ملا۔بڑے بیٹے اسرار الحق جو عرف عام میں نواب کہلاتے تھے ان کی بہت خوبصورت رتھ تھی۔وہ رتھ میں بیٹھ کر گاؤں ڈیبہ جاتے تھے۔ان کا رتھ خانہ تھا۔جس میں رتھ

رکھی جاتی تھی۔ منجھلے بیٹے انوارالحق میرے نانا تھے۔ان کے گاؤں کا نام درگوپور تھا۔
تیسرے بیٹے ریاض الحق کو داؤ دسرا ملا اور ضیاء الحق کو فیض گنج۔ان کا جوانی ہی میں
انتقال ہوگیا تھا۔ضیاء الحق کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ایک دختر تھیں۔ان کا نام میمونہ تھا جو
میری ممانی تھیں یعنی میری والدہ کے اکلوتے بھائی چودھری اظہارالحق کی زوجہ تھیں۔
یہ لوگ مرزا علاء الدین محمد لاری کے خاندان سے تھے اور ساکنان محلہ چاہ غوری
تھے۔اس طرح میری والدہ مغلوں کے خاندان سے تھیں اور زمیندار کی بیٹی تھیں۔ان
کے گھروں میں ناچ گانا ہوتا تھا۔لیکن جب وہ ایک دینی گھرانے میں بیاہ کر آئیں تو
انھوں نے اپنے آپ کو دینی گھرانے میں ڈھال لیا اور مبلغۂ اسلام بنیں۔شاید اس
وجہ سے بھی کہ وہ بچپن سے نیک نیت اور نیک سیرت تھیں اور ان کی والدہ سارہ یعنی
میری نانی بھی مذہبی تھیں۔ان کا کہنا تھا کہ میری بیٹی یعنی میری والدہ۔فہمیدہ خاتون
بڑے مولانا (یعنی سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی) کے گھر جائے
گی۔ان کی خواہش کے مطابق میرے والد سے نکاح ہوا۔اور انھوں نے دینی
خاندان میں آکر سید العلماء کی بہو بن کر دکھایا اور دینی تبلیغ کو اپنا شعار بنایا۔ویسے تو
میرے دادا کی بھی جائداد تھی۔مثلاً کوٹھی پورہ، میران سرا اور سوت ندی کے پاس ان
کی زمینیں تھیں۔اور باغات تھے۔لیکن شاید یہ اس لئے ہوا کہ امروہہ میں زمینداروں
کا عروج تھا۔

میری والدہ کا انتقال ۵/اگست ۱۹۶۵ء کو امروہہ میں ہوا۔روضۂ شاہ ابن
پر مدفون ہیں۔شاہ ابن صاحب کے مزار کی پائنتی کو داہنی طرف متصل ان کی قبر پکی
ہے۔میری والدہ کی تاریخ وفات یہ ہے۔۸/ربیع الثانی ۱۳۸۵ء مطابق ۶/اگست
۱۹۶۵ء۔اُمِرَ لَھَا اُدْخُلِی جَنَّتِی۔۱۳۸۵ھ۔

احفاد

احفاد میں موجودہ نسل کے زیادہ تر افراد کی توجہ عہد جدید کے علوم کی طرف

ہے۔ان کے میدان علم دین سے الگ ہیں۔ چنانچہ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید آفتاب احمد رضوی کا تحقیقی مقالہ علم سیاسیات میں ہے۔ جس پر ان کو روہیلکھنڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی۔ نبیرگان کے میدان تحقیق، علم دین سے الگ ہیں۔ راقم الحروف ڈاکٹر وقار احمد رضوی نے اردو ادب میں ایم اے کے بعد عربی ادب میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے فرسٹ ڈویژن میں ایم اے کیا اور کراچی یونیورسٹی سے اردو ادب میں پی ایچ ڈی کیا۔ اور کراچی یونیورسٹی نے میرے علمی، تحقیقی، ادبی، تنقیدی کاموں پر ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی۔ ۲۳ سال کراچی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے کر ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوا۔

میرے چھوٹے بھائی زبیر رضوی کی لڑکی فارحہ، جینٹکس میں جرمنی سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد لنکن یونیورسٹی امریکہ میں ریسرچ اسکالر ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کامران رضوی ایڈووکیٹ ہیں۔ آفتاب کے بڑے لڑکے کمال مصطفیٰ رضوی بنگلور یونیورسٹی سے انجینئر ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی انور مصطفیٰ رضوی بھی بنگلور یونیورسٹی انجینئر تھے لیکن ان کا ابھی حال ہی میں ۲۰۰۵ء میں ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ انور مرحوم کی بیگم نوشین مسلم یونیورسٹی سے ایم بی اے ہیں۔ آفتاب کا چھوٹا لڑکا فراز طبیہ کالج دیوبند سے فارغ التحصیل ہے اور ملازمت کرتے ہیں۔ فراز کی اہلیہ بھی ایم اے، بی ایڈ ہیں۔

منجھلے بھائی سید آل احمد رضوی کے لڑکے علم کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے بعد اونچے عہدوں پر فائز ہیں۔ چنانچہ ملک سعید رضوی بنک الفلاح میں منیجر ہیں۔ چھوٹا لڑکا سید کامران رضوی ایم بی بی ایس کرنے کے بعد مکہ معظمہ کے النور ہسپتال میں میڈیکل آفیسر تھے۔ ان کی بیگم ڈاکٹر نصرت بھی النور ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ آج کل کراچی سنٹرل جیل میں میڈیکل آفیسر ہیں اور ڈاکٹر کامران ملیر ہسپتال میں میڈیکل ہیلتھ آفیسر ہیں۔

منجھلے بھائی کے تیسرے لڑکے سید فرخ رضوی ایف آئی اے کراچی میں

انسپکٹر ہیں۔ بڑے لڑکے سید احمد سعید رضوی مرحوم حیدرآباد کے محکمہ شماریات میں اکاؤنٹس آفیسر تھے۔ ان کے منجھلے لڑکے سید اکبر سعید رضوی کیلیفورنیا (امریکہ) میں ٹریفک سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ انھوں نے سیفی کالج کراچی سے انجینئرنگ میں ڈپلومہ کیا تھا۔ فرخ کا بڑا لڑکا اورنگزیب سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی سے کمپیوٹر سائنس میں انجینئرنگ کیا ہے۔ چھوٹا لڑکا جہانزیب ایم بی اے ہے۔ باقی دو لڑکے زیر تعلیم ہیں۔

ان کے علاوہ مولانا کے خاندان کے اور تمام بچے تعلیمی مدارج طے کر رہے ہیں۔ ان سے آئندہ بہت کچھ توقعات کی جاسکتی ہیں۔ بہرکیف علم جو اس خاندان کا طرۂ امتیاز تھا اسکا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ میرے چھوٹے بھائی سید سلطان احمد رضوی کی بڑی لڑکی غزالہ رضوی نے کراچی یونیورسٹی سے ایم ایس سی حیوانیات کیا اور اب اردو یونیورسٹی سے زولوجی میں پی ایچ ڈی کر رہی ہے۔ سلطان کا لڑکا سید محمد علی رضوی سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی سے کمپیوٹر سائنس میں انجینئرنگ کر رہا ہے۔ دوسرا لڑکا سید عباس رضوی بھی علی گڑھ انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کراچی سے انجینئرنگ کا کورس کر رہا ہے۔

دینی و ظاہری تعلیم کے علاوہ روحانی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ چنانچہ میرے چھوٹے بھائی سید سلطان رضوی صوفی منش ہیں اور تصوف میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ مریضوں کا روحانی طور پر علاج بھی کرتے ہیں۔ میرے بڑے بھائی سید احمد رضوی نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی تھی۔ مگر آخر میں وہ مجذوب ہو گئے تھے۔

میرے منجھلے بھائی سید آل احمد رضوی حافظ قرآن تھے۔ ملازمت کے علاوہ شعروشاعری بھی کرتے تھے۔ جمالی تخلص تھا۔ آخر میں ذوق تصوف ان کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا۔ ان کی ایک کتاب 'نورنار' ہے۔ جو اردو میں سجاد انصاری کی محشر خیال اور افادات مہدی کی یاد تازہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں انھوں نے عقل و استدراک

کے چراغ روشن کئے ہیں۔ حاجی سید مسعود احمد رضوی کا رجحان بھی مذہب کی طرف تھا۔ وہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ ڈاڑھی بھی تھی۔ صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ اپنے بچوں کو بھی دین کی طرف راغب کیا۔

اس طرح نبیرگان میں بیشتر کی توجہ علوم ظاہری کے علوم باطنی کی طرف بھی رہی۔ اب نبیرگان کے بھی بیٹے اور پوتے ہیں۔ ان کا حال بھی یہی ہے۔ مولانا کے اس خاندان کا گہرا رشتہ اردو ادب سے بھی ہے۔ چنانچہ سید آل احمد رضوی جمالی شاعر تھے۔ انھیں فارسی میں مہارت کامل حاصل تھی۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ جمالیات ان کے کلام کا مجموعہ ہے۔ جو طباعت کا منتظر ہے۔ اس پر میرا مبسوط مقدمہ ہے۔ اردو نثر، صحافت اور طباعت کے میدانوں میں اس خاندان نے کردار ادا کیا۔ راقم الحروف ڈاکٹر وقار احمد رضوی کے بہت سے تحقیقی، علمی، ادبی، تنقیدی مضامین برصغیر پاک و ہند کے بین الاقوامی شہرت کے حامل رسائل و جرائد میں چھپے یا مختلف قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ خواتین بھی ڈگریاں رکھتی ہیں۔ منجھلے بھائی سید آل احمد رضوی کی بڑی بیٹی ارجمند رضوی معاشیات میں ایم اے تھی۔ میرے چھوٹے بھائی زبیر رضوی بھی بہت اچھے شاعر ہیں۔ چار دیوان کے مصنف ہیں۔ کلیات بھی چھپ چکا ہے۔ اگرچہ ان کا تعلق ترقی پسند تحریک سے ہے لیکن وہ اردو میں جدیدیت کی تحریک کے بانی ہیں اور اپنا ایک ادبی سہ ماہی رسالہ ذہن جدید نکالتے ہیں۔ اس رسالے سے انھوں نے اردو صحافت کو ایک نیا تصور دیا۔ جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ذہن جدید کے اب تک ۳۷ شمارے نکل چکے ہیں اور ابھی تک جاری ہے۔ ان کو طباعت کا بھی تجربہ ہے۔

زبیر کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱- لہرلہر ندیا گہری (نظمیں غزلیں گیت) ۱۹۶۴ء

۲- خشتِ دیوار ۱۹۷۰ء

۳- مسافت شب ۱۹۷۷ء

۴-دامن ۱۹۸۴ء

۵-پرانی بات (نظموں کا مجموعہ) ۱۹۸۸ء

۶-پورے قد کا آئینہ (کلیات) ۲۰۰۶ء

زبیر نے شاعری کے علاوہ اردو نثر میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی نثری کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱-اردو۔فنون اور ادب

۲-غالب اور فنون لطیفہ

میرے خاندان نے ابتداء سے اپنے آپ کو سیاست سے علیحدہ رکھا۔ دادا صاحب نے بھی عملی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ البتہ تحریک خلافت میں میری والدہ نے بی اماں کے ساتھ حصہ لیا۔

اب میں اپنے بھائیوں (۷ بھائی) کا فرداً فرداً ذکر کرتا ہوں جو یہ ہے:

سید احمد رضوی

بڑے بھائی سید احمد رضوی میرے والد سید محمد رضوی کے فرزند اکبر تھے۔ عنفوان جوانی میں انتہائی ہونہار اور گل بے بہا تھے۔ وہ جب امام المدارس اسکول امروہہ میں نویں دسویں جماعت کے طالبعلم تھے تو بریلی انٹر کالج میں تقریری مقابلہ (debate) ایسی شاندار تقریر کی کہ کمشنر بریلی نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور پوچھا بیٹا تم کس کے لڑکے ہو؟ اس بین الکالج تقریری مقابلے میں ان کو سات تمغے انعام میں ملے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے انٹرمیڈیٹ سائنس ایف ایس ۱۹۳۷ء میں کیا۔ ایف ایس سی میں ان کے مضامین انگریزی، اردو، دینیات لازمی کے علاوہ فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی تھے۔ وہ آفتاب ہال میں رہتے تھے۔ جو یونیورسٹی کا بہت اچھا ہال تھا اور جس میں ذہین طلبہ کو

اقامت کی اجازت دی جاتی تھی۔ انٹرمیڈیٹ میں سائنس کے مضامین میں ان کے نمبرزیادہ اچھے نہ تھے۔ اس لئے انھوں نے بی اے میں اپنے مضامین بدل دیئے اور انگریزی ادب، فارسی ادب اور معاشیات مضامین اختیار کیئے۔

تھرڈ ایئر (بی اے فرسٹ ایئر) ۱۹۳۷ء میں پاس کرلیا تھا کہ کسی کی ایسی نظر لگی کہ اچانک دماغی توازن بگڑ گیا اور آخر تک ٹھیک نہ ہوسکے۔ کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ گھر میں اور باہر خاموش رہتے تھے۔

میرے والد مولانا سید محمد رضوی کی سن پیدائش ۱۸۹۵ء ہے۔ اندازہ ہے کہ میری والدہ سے ان کی شادی ۱۹۱۹ء (عمر ۲۴ سال) میں ہوئی ہوگی۔ اس لحاظ سے میرے بڑے بھائی کی پیدائش ۱۹۲۰ء ہوئی۔ ۱۵ سال کی عمر یعنی ۱۹۳۵ء میں انھوں نے میٹرک پاس کیا۔ ۱۷ سال کی عمر میں ۱۹۳۷ء میں انھوں نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ایف ایس سی کیا۔ ۱۸ سال کی عمر ۱۹۳۸ء میں انھوں نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے بی اے فرسٹ ایئر یا تھرڈ ایئر پاس کیا۔ لیکن بی اے آخری سال کی تکمیل نہ کرسکے۔

میرے بڑے بھائی سید احمد رضوی نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں زمانہ طالبعلمی میں تجوید وقرأۃ بھی سیکھی تھی۔ قرأۃ میں ان کے استاد قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی تھے۔ جو میرے دادا کے خاص شاگرد تھے اور مسلم یونیورسٹی میں استاد قرأۃ و تجوید تھے۔

میرے بڑے بھائی سید احمد رضوی جب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھتے تھے تو اسٹریچی ہال میں ان کی تقریریں ہوتی تھیں۔ ان کی تقریروں میں ہال بھرا ہوا ہوتا تھا۔ وہ بڑی دھواں دار تقریریں کرتے تھے اور debates میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان کی ذہانت، فطانت کو دیکھ کر زمانہ طالبعلمی ہی میں یہ مشہور ہوگیا تھا کہ دوسرا سرسید پیدا ہوگیا۔ مگر ان کو ایسی نظر بد لگی کہ آخر وقت تک سنبھل نہ سکے۔ میری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ عنفوان شباب میں ان کا سرخ وسفید رنگ تھا۔ گال ایسے

تھے کہ جیسے سیب لگے ہوئے ہوں۔ ہم نے ان کو صحیح حالت میں نہیں دیکھا۔ وہ شیروانی پہنتے تھے اور مہذب انسان تھے۔ ان کی وفات ۱۹۸۰ء میں ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ ان کی قبر روضہ شاہ ابن پر ساع خانہ کے سامنے میرے والد کے برابر ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشاں کرے

حافظ سید آل احمد رضوی

میرے منجھلے بھائی سید آل احمد رضوی جمالی حافظ قرآن تھے۔ ان کا Biodata جو انھوں نے خود اپنے قلم سے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔ یہ ہے:

پیدائش: ۱۹۲۱ء امروہہ

تعلیم اسکول: ۱۹۲۶ء-۱۹۳۰ء حیدرآباد

حفظ قرآن شریف: ۱۹۳۰ء-۱۹۳۲ء امروہہ۔ حافظ ظہور الحق نے ان کو قرآن حفظ کرایا تھا۔

تعلیم عربی فارسی: ۱۹۳۲ء-۱۹۳۶ء مدرسہ چلہ امروہہ میرے والد کا قائم کردہ مدرسہ۔

تعلیم منشی ومنشی فاضل: ۱۹۳۶ء-۱۹۴۰ء دہلی

یادداشت

امروہہ کو خیر باد کہا: ۱۹۴۰ء

گلبرگ شریف: ۱۹۴۱ء-۱۹۴۲ء مدرسہ دینیہ میں درس دیا۔

شادی حیدرآباد: ۱۹۴۲ء۔ اہلیہ کا نام سیدہ شہر بانو رضوی عرف سدنو۔

کھمم: ۱۹۴۵ء-۱۹۴۶ء۔ لاری (بس) چلائی اپنی ذاتی۔

حیدرآباد: ۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء۔ راشن انسپکٹر۔

رائچور: ۱۹۴۸ء-۱۹۴۹ء۔ مہتمم اوقاف۔

آمد پاکستان: دسمبر ۱۹۴۹ء

سکھر: اپریل ۱۹۵۰ء

پشاور: اپریل ۱۹۵۰ء - اپریل ۱۹۵۱ء۔ سپروائزر اوقاف۔

شکارپور: اپریل ۱۹۵۱ء - جنوری ۱۹۵۷ء۔ قائد اعظم پریس مالک کے طور پر چلایا۔

امروہہ: جنوری تا اپریل ۱۹۵۷ء۔ والدہ سے ملنے امروہہ گئے۔

حیدرآباد سندھ: اپریل ۱۹۵۷ء۔ بیکاری و بیماری

ٹھیکیداری: مارچ ۱۹۵۸ء

کراچی ستمبر ۱۹۵۸ء۔ ملازمت

منجھلے بھائی حافظ سید آل احمد رضوی کے چھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ ان کی سنین پیدائش جو انھوں نے اپنے قلم سے ڈائری میں لکھی ہیں۔ وہ یہ ہیں

۱- سید احمد سعید رضوی عرف پرویز ۱۹۴۳ء حیدرآباد

۲- سیدہ ارجمند رضوی۔ ۱۹۴۵ء حیدرآباد

۳- سید اکبر سعید رضوی۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۴۸ء

۴- سید طارق سعید رضوی۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۵۰ء

۵- سید فرخ سعید رضوی۔ ۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء

۶- سید ملک سعید رضوی۔ ۵ر فروری ۱۹۵۴ء

۷- ناہید بانو عرف نینا۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۷ء۔ توام پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ غزالہ بانو کا ۲۴ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو انتقال ہو گیا۔

۸- سید جواہر احمد رضوی عرف کامران سعید ۲۳ر جولائی ۱۹۶۰ء

کامران نقش آخر ہیں۔

میری منجھلی بھابھی سیدہ شہر بانو رضوی یعنی سدنو بھابھی نے میرے دادا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے خدمت انسانی کے مشن کو جاری رکھا۔ اس طور پر کہ انھوں نے حیدرآباد میں لطیف آباد ۷ نمبر میں رضوی میٹرنٹی ہسپتال قائم کیا۔ جس

کو انھوں نے بڑی محنت اور لگن سے چلایا۔ سینکڑوں بچوں نے ان کے ہاتھوں پر جنم لیا۔ وہ بڑی مخیّر اور کشادہ دل خاتون تھیں۔ بڑی ہمت والی، بہادر اور نڈر تھیں۔ میرے بھائی بیمار رہتے تھے۔ لیکن انھوں نے محنت سے اس ہسپتال کے ذریعہ اپنے بچوں کی پرورش کر کے ایک روشن مثال قائم کی۔ وہ غریبوں کی مدد کرتی تھیں۔ وہ بڑی سخی، نرم خو اور خوش اخلاق تھیں۔ عزیز ہو یا غیر سب کی مشکل میں کام آتیں تھیں۔ غریب لڑکیوں کی شادی میں مالی مدد کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام کو آسان کرتا تھا۔ آج لوگ ان کو یاد کر کے دعائیں دیتے ہیں۔

منجھلے بھائی حافظ سید آل احمد رضوی کا انتقال ۱۹۷۳ء بعمر ۵۲ سال حیدرآباد میں ہوا۔ ان کی قبر آرمی قبرستان متصل لطیف آباد میں سنگ مرمر کی ہے۔ انہی کے بازو میں سدنو بھابھی اور ارجمند کی قبریں ہیں۔

سدنو بھابھی کے اس میٹرنٹی ہسپتال کی حیدرآباد میں بڑی اچھی reputatoin تھی۔ لوگ آج تک اس ہسپتال کو یاد کرتے ہیں۔ ان کا اخلاق بہت اچھا تھا۔ وہ philinthropist تھیں۔ وہ ایک مہذب اور شائستہ خاتون تھیں۔ وہ بڑی محنتی اور جفاکش تھیں۔ منجھلے بھائی کے انتقال کے بعد انھوں نے تن تنہا بچوں کی پرورش کی اور ان کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرایا۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر آدمی کے چہرے پر مسکراہٹوں کے پھول کھل اٹھتے تھے۔ اس کے باوجود تحمل اور بردباری ان کا وطیرہ حیات تھا۔ وہ کسی کا دل نہیں توڑتی تھیں۔ دل کھول کر مستحقوں کی مدد کرتی تھیں۔ انھوں نے زندگی بھر انتھک جدوجہد کی۔ عسرت و تنگدستی کے دن بھی گزارے لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری۔ انھوں نے بڑی محنت سے اپنی زندگی کی شاندار عمارت تعمیر کی۔ بالآخر ۱۹ رنومبر ۱۹۹۱ء کو انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آرمی قبرستان متصل لطیف آباد میں مدفون ہوئیں۔ ان کی قبر میں بھائی کے بازو میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔

سدنو بھابھی کے انتقال کے بعد ان کے بڑے لڑکے پرویز رضوی نے ان

کے مشن کو جاری رکھا۔ اپنی والدہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر گامزن رہے لیکن افسوس زندگی نے زیادہ ساتھ نہ دیا اور اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ بہت اچھا انسان تھا۔ لوگ ان کو بھی دعاؤں میں یاد کرتے تھے۔ ان کے بعد اس کام کو سید فرخ رضوی اور ملک سعید رضوی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دکھی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ اپنے باپ دادا اور پردادا کے بتائے ہوئے۔ راستے پر پیروکار ہیں۔ انشاء اللہ غریبوں کو اس در سے فیض پہنچتا رہے گا۔ اپنے آباؤ اجداد کے مشن کو جاری رکھیں ہیں۔ خدا ان کی عمر دراز کرے۔ (آمین)

منجھلے بھائی کی بڑی لڑکی ارجمند بہت قابل اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ پی ایچ ڈی کر رہی تھی۔ اس قدر سلیقہ شعار، ذی فہم وذکا اور تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ عین جوانی میں مارچ ۱۹۸۸ء کو اس کا انتقال ہوا۔ اس کی قبر بھی منجھلے بھائی کے بازو میں ہے۔

منجھلے بھائی کے لڑکوں کے کوائف یہ ہیں:

۱-سید احمد سعید رضوی عرف پرویز۔

زوجہ: سیدہ نزہت رضوی (مسعود بھائی کی بڑی لڑکی)

اولاد: سید شہر یار رضوی

زوجہ: حمیرا رضوی

اولاد: سمیع رضوی، کومل رضوی،

۲-سید اسفند یار رضوی

زوجہ: ثمین رضوی

اولاد: اذان رضوی

۳-تیمور رضوی

۴-شاہ بانو عرف مونا (لڑکی)

۵-کنزا رضوی (لڑکی)

۶-ٹیپو رضوی

۲-سید اکبر سعید رضوی (منجھلا لڑکا)

زوجہ: مہر سلطانہ رضوی

اولاد: سید طلحہ رضوی، کمپیوٹر میں ایم اے کیلیفورنیا یونیورسٹی لاس انجلیز

زوجہ: امینہ عرب نژاد

سید سالار رضوی

زوجہ: سارہ رضوی، ایم فل فلاسفی، کیلیفورنیا یونیورسٹی

۳-سید طارق رضوی مرحوم

زوجہ: شاہین رضوی

اولاد: سید حسن رضوی، اسسٹنٹ منیجر انڈس موٹر کار کمپنی کراچی

زوجہ: سائرہ۔ بی ایس سی

سید سکندر رضوی۔ بی ایس سی کمپیوٹر سائنس

سونیا رضوی (لڑکی)۔شوہر: شیراز

سید طارق سعید رضوی کا انتقال اپریل ۲۰۰۴ء کو حیدرآباد میں ہوا۔ ان کی قبر بھی آرمی قبرستان حیدرآباد میں ہے۔

۴-سید فرخ سعید رضوی، بی اے، ایف آئی اے میں انسپکٹر ہیں۔

زوجہ: حسنیٰ بنت نظام الحق مغل

اولاد: سید اورنگزیب رضوی بی ای کمپیوٹر انجینئرنگ سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی۔ انھوں نے لندن یونیورسٹی سے بھی ایم اے ایس انجینئرنگ کیا۔

زوجہ: عروج صدیقی بی اے اسلام آباد۔

سید جہانزیب رضوی، ایم بی اے مارکٹنگ۔ سی بی ایم کالج آف بزنس کورنگی کراچی۔

زوجہ: منیزہ عباسی

سید شاہ زیب رضوی، بی بی اے۔ انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کورنگی کراچی۔

سید عالم زیب رضوی۔ اے سی ایس اے ایسوسی ایٹ آف چارٹرا کاؤنٹینسی

۵-سید ملک سعید رضوی۔ایم ایس سی (باٹنی) منیجر بنک الفلاح کراچی۔

بڑے ہونہار، ذہین اور محنتی انسان ہیں۔انھوں نے اپنی محنت سے بڑی ترقی کے مدارج طے کئے گئے۔

زوجہ: رضیہ۔کسی اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہیں۔

اولاد: سید فہد رضوی۔ایم بی اے

زوجہ: سیدہ افشاں رضوی ایم بی اے

سید جواد رضوی۔بی بی اے۔بنک الفلاح میں ملازم ہے۔

سید حماد رضوی۔بی بی اے۔

سید مراد رضوی۔تعلیم کے ساتھ حفظ قرآن بھی کر رہے ہیں۔

۶-سید کامران سعید رضوی۔ایم بی بی ایس۔ہیلتھ آفیسر ڈسٹرکٹ ملیر

وہ النور ہسپتال مکہ میں میڈیکل آفیسر تھے۔انھوں نے میڈیکل کے میدان میں خدمات جلیلہ انجام دیں۔

زوجہ: ڈاکٹر نصرت رضوی۔ایم بی بی ایس۔سینئر میڈیکل آفسر سنٹرل جیل کراچی۔

وہ بھی النور ہسپتال مکہ میں اپنے شوہر ڈاکٹر کامران کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر تھیں۔

اولاد: رمیز رضوی عرف بنٹی۔اول لیول کر رہے ہیں۔

ایمن رضوی۔چوتھی جماعت کے طالبعلم ہیں۔

۷-ناہید بانو عرف نینا (لڑکی)۔

منجھلے بھائی کی لڑکی نینا بہت محبت کی ہیں۔حسن صورت حسن سیرت میں اپنے باپ کے نقش قدم پر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو شاد آباد رکھے۔نینا کے دو لڑکے سید احسن رضوی اور سید عزیر رضوی ہیں۔دونوں کی شادی ہوگئی۔ان کی ایک لڑکی افشاں رضوی ہیں۔ان کی بھی شادی ہوگئی۔نینا کے شوہر کا نام کیپٹن سید احمد رضوی ہے۔ انھوں نے پاکستان نیوی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

۴- سید سردار احمد رضوی مرحوم

سید سردار احمد رضوی حیدرآباد کن میں راشننگ آفیسر تھے۔ جب ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے بعد نظام اسیٹ ختم ہوگئی اور آندھر پردیش بنا تو ان کا تبادلہ بنگلور (میسور) ہوگیا۔ وہیں انکا انتقال ہوا۔ ان کی اولاد کے کوائف یہ ہیں:

زوجہ: خورشید بیگم

اولاد: سید شاہد لطیف رضوی عرف محسن

زوجہ: نسیمہ بیگم

اولاد: عمران رضوی، صبا رضوی (بیٹی)

سیدہ سلطانہ رضوی

شوہر: عبدالستار

اولاد: فاریحہ (لڑکی)، سہیل ستار، ندیم ستار، رومانہ ستار (لڑکی)

سیدہ انجم رضوی

شوہر: عبدالسمیع

اولاد: گوہر سمیع (لڑکی)، ثمینہ سمیع، سفیر سمیع (لڑکا)، شہباز سمیع

سید عابد لطیف رضوی عرف افسر

زوجہ: شائستہ رضوی

اولاد: سید احمر رضوی، اقصیٰ رضوی، سید افسر رضوی بڑے ہونہار اور محنتی ہیں۔ انھوں نے محنت سے اپنا کیریئر بنایا۔ وہ اب ٹویوٹا کمپنی میں منیجر ہیں اور باہر جاتے رہتے ہیں۔ ابھی استنبول میں ٹویوٹا بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کر کے آئے ہیں۔ ان کے لڑکے سید احمر رضوی نے میٹرک کے بعد پری انجنئرنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

سید پروین رضوی

شوہر: عبدالعزیز

اولاد: امینہ، عطیہ

سید عارف رضوی عرف امجد رضوی

سیدہ نسرین رضوی

شوہر: انور

اولاد: عائشہ (لڑکی)، سید سردار احمد رضوی کا انتقال دسمبر ۱۹۷۶ء میں بنگلور میں ہوا۔
وہ بنگلور قبرستان میں مدفون ہیں۔

۴- سید مسعود احمد رضوی

سید مسعود احمد رضوی حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

زوجہ: ناظمہ خاتون۔ انھوں نے بھی عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

اولاد: چار لڑکے اور سات لڑکیاں کل گیارہ اولادیں ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے:

سیدہ نزہت رضوی (بڑی لڑکی)

شوہر: سید احمد سعید رضوی عرف پرویز مرحوم

اولاد: شاہ بانو رضوی عرف مونا (لڑکی)

شوہر: ڈاکٹر سہیل صدیقی

بیٹے: فیضان صدیقی، سومان صدیقی، ایان صدیقی

سید شہریار رضوی۔

زوجہ: حمیرا

اولاد: سمیع رضوی، کومیل رضوی، تیمور رضوی، کنزا رضوی، ٹیپو رضوی

سیدہ طلعت رضوی

شوہر: اسلم خان مرحوم

اولاد: حمیرہ، زوجہ: سید شہریار رضوی۔ بچے: سمیع رضوی، کومیل رضوی

سلمان خان۔ زوجہ: ندا خان
عائشہ اسلم
سید ارشد رضوی۔ ہینو پاک موٹر لمیٹڈ میں سیلز منیجر ہیں۔ ۳۲ سال سے آٹو موبائل کا تجربہ ہے۔ بڑے محنتی بلند اقبال اور درخشاں کیریئر کے حامل ہیں۔ انھوں نے مسعود بھائی کے ساتھ مل کر تمام بہنوں کی شادیاں کیں۔
اولاد: سید سعد رضوی انٹر میڈیٹ 82 پرسنٹیج سے پاس کیا۔ اب اے سی سی اے کر رہے ہیں۔
سید اویس رضوی۔ میٹرک پری انجینئرنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔
سیدہ نمرہ رضوی (لڑکی)
سید بابر رضوی۔ حبیب بنک کراچی میں آفیسر گریڈ میں ہیں۔ زوجہ سیدہ شہوار رضوی
اولاد: سیدہ ردا رضوی لڑکی، فراز رضوی لڑکا، سیدہ طوبیٰ رضوی، رسیدہ سمیعہ رضوی۔
سیدہ نگہت رضوی
شوہر: سید جاوید رضوی، اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن میں اسسٹنٹ ہیں۔
اولاد: سید طٰہٰ رضوی، اسامہ رضوی، خسرو رضوی، وقاص رضوی، سیدہ مریم رضوی۔
سیدہ شہناز رضوی عرف شمع۔ بی اے کراچی یونیورسٹی
شوہر: ڈاکٹر اسعد جاوید۔ انھوں نے ڈینٹل سرجری میں ایم ڈی ایس کیا ہے۔ بقائی میڈیکل یونیورسٹی میں پروفیسر ڈینٹل کالج ہیں۔
اولاد: سعدیہ اسعد، معاذ اسعد، خبیب اسعد، صہیب اسعد۔
سیدہ غزالہ رضوی عرف روبی۔ شوہر: اجمل مغل
اولاد: علی اجمل، حرا اجمل، طلال اجمل۔
سیدہ نیلوفر رضوی۔ شوہر: ظفر حسن صدیقی
اولاد: دانش، واصف، سدرۃ، فہد۔
سید اسلم رضوی۔ بی اے کراچی یونیورسٹی سوزوکی موٹر میں سیلز ایگزیکٹو ہیں۔

زوجہ: عنبرین رضوی

اولاد: شجان، عریشہ (لڑکی)

سید عامر رضوی۔ بی اے کراچی یونیورسٹی۔ ہونڈا موٹرز میں سیلز منیجر ہیں۔

زوجہ: سیتا رضوی

اولاد: مسعود رضوی

سیدہ ارم رضوی عرف سیمیں

شوہر: ریحان صدیقی

اولاد: حبا، عریبہ۔

مسعود بھائی مرحوم کی سات لڑکیاں اور چار لڑکے ہوئے۔ ان کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، ہیں۔ جن کی کل تعداد ۴۵ بنتی ہے۔ اس لحاظ سے مسعود بھائی کا خاندان بہت بڑا ہے۔ سید مسعود احمد رضوی کا انتقال ۲۵ رمارچ ۱۹۹۴ء کو کراچی میں ہوا۔ ان کی قبر سخی حسن قبرستان کراچی میں ہے۔

۵- ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

نبیرگان میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ میرے اوپر کے چار بڑے بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بڑے بھائی سید احمد رضوی قاری تھے۔ وہ جب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں زیر تعلیم تھے۔ تو انھوں نے قرأۃ وتجوید قاری ضیاء الدین الٰہ آبادی سے سیکھی تھی۔ جو میرے دادا کے شاگرد تھے۔ مجھلے بھائی سید آل رضوی حافظ قرآن تھے۔ منجھلے بھائی سید سردار احمد رضوی ے درس نظامی کے ابتدائی درجات پڑھے تھے۔ لیکن درس نظامی کی تکمیل نہ کر سکے۔ حیدرآباد چلے گئے تھے۔ ان سے چھوٹے چوتھے بھائی سید مسعود احمد رضوی حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر ڈاڑھی تھی۔ وہ نہایت متشرع اور متدین انسان تھے۔ صوم وصلوٰۃ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ مسعود بھائی کے بعد پانچویں نمبر پر میرا نام ہے۔ جہاں تک راقم

الحروف سید وقار احمد رضوی کی تعلیم اور دیگر کوائف کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ میں مرز بوم امروہہ (مراد آباد اب ضلع جے پی نگر) یو پی میں ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوا۔ میرا تعلق برصغیر پاک و ہند کے مشہور علمی خانوادے سے ہے۔

میرے جد امجد سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی تھے۔ جو برصغیر کے صف اول کے علماء میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ میری ابتدائی تعلیم حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ کاچی گوڑہ ہائی اسکول میں پڑھا۔ میٹرک کیا، انٹرمیڈیٹ کیا، بی اے کیا، دہلی یونیورسٹی سے اردو ادب میں ایم اے ۱۹۶۱ء میں کیا۔ ازاں بعد مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ادبیات عربی میں ایم اے ۱۹۶۴ء میں کیا اور کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ۱۹۸۴ء میں کیا۔ کراچی یونیورسٹی ہی نے مجھے میرے علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی کاموں پر ڈی لٹ کی ڈگری ۲۰۰۴ء میں تفویض کی۔ جو یونیورسٹی کی سب سے بڑی ڈگری ہے اور طلائی تمغہ بھی عطا کیا۔ پی ایچ ڈی میں میرے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا 'جدید غزل۔ حالؔی کے بعد ایک تحقیقی اور تنقیدی جائزہ' ڈی لٹ کی ڈگری جن دو مطبوعہ کتابوں پر ملی۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱-معروضی تنقید ۲-تاریخ نقد

شروع میں مکتب کی تعلیم حاصل کی۔ مکتب میں سعدی کی گلستان، بوستان پڑھی۔ فارسی میں بی اے آنرز کیا تو فارسی سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اس لئے عطاؔر، سنائیؔ، ابن سینا، فارابی، کندی، مولانا روم، حافظؔ، سعدیؔ، عرفیؔ، نظیریؔ اور قاآنی کا مطالعہ کیا اور فارسی اب کے اس سمندر میں غوطہ زنی کی اور اس بحر سے گہر ہائے آبدار اور لولوئے بے بہا چنے اور ان موتیوں کو اپنی زندگی کے سلک گہر میں پرویا اور کتاب زندگی کے اوراق کو مرتب کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی میں گوئٹے، ڈانٹے، ہیگل، برگسان، ملٹن، افلاطون اور ارسطو کی تعلیمات کا مطالعہ کیا۔

گوئٹے نے دیوان حافظ پڑھ کر اپنا اسلام مغرب لکھا۔ ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی (العوبۃ الٰہیہ) پر معری کے رسالۃ الغفران اور ابن عربی کی فتوحات مکیہ

کے اثرات ہیں۔ ہیگل کے dielectrical materialism مادی جدلیت اور برگسان کے نظریۂ زمان و مکان کا مطالعہ کیا۔ لیکن یہ نظریہ فخر الدین عراقی اور ملا جلال الدین دوانی کی کتابوں میں ہے۔ ملٹن کی نظم I L L PENSERUSO یعنی CONTEMPLATION پڑھی اور افلاطون کی جمہوریہ اور ارسطو کی بوطیقا کا مطالعہ کیا۔ جس سے متاثر ہو کر میں نے اپنی کتاب 'معروضی تنقید' لکھی۔

عربی میں امام رازی، امام تیمیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو پیش نظر رکھا۔ امام غزالی کی تھافتہ الفلاسفہ اور ابن رشد کی تھافتۂ تھافتہِ الفلاسفہ کا اثر دماغ پر ہوا۔ امام غزالی، حکیم سنائی سے متاثر تھے۔ مولانا روم نے حکیم سنائی اور شیخ فرید الدین عطار کے بارے میں کہا۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او　　　ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

مغرب میں اشپنگلر کی زوال مغرب، ڈارون کی اصل الانواع اور رسل کی پرنسپیا میتھمیٹیکا کو پیش نظر رکھا۔ اس طرح علم کی روشنی سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا۔ کشت زار حیات کی دانش و حکمت کے خزانوں سے آبیاری کی اور قرطاس ذہن پر ان کتابوں کے نشانات مرتسم کئے۔ علم کی تشنگی کو دور کیا اور دماغ کو مختلف علمی منابع سے سیراب کیا۔

ایک اور بات میں کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ایک چیز ہوتی ہے علم شرح، تعبیر متن اور تشریح و توضیح۔ میں اس اصول پر ہمیشہ عمل پیرا رہا۔ یعنی جب متن سے میری تشنگی دور نہ ہوتی تھی تو علم شرح کا سہارا لیتا تھا اور علم شرح کو بھی لغت کی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔ چنانچہ عربی ڈکشنریوں میں قاموس، صراح اور منتھی الارب میرے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ ان ڈکشنریوں سے میں حسن انتخابات کرتا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ شرح میں توضیح و تشریح پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ بس میں ہر شارح اپنا نقطہ نظر بیان کرتا

ہے۔اسی غرض سے میں نے ادبی متون میں مشاہیر کی شرحوں کو بھی پڑھا۔ چونکہ متن میں ہر لفظ گنجینۂ معانی ہوتا ہے۔اس کو شرح اور لغت کی مدد سے حل کیا۔ مثال کے طور پر عربی ادب میں، میں نے حماسہ، متنبی، مقامات حریری اور سبعہ معلقات کو اساتذہ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔ پھر جب تشنگی دور نہ ہوئی تو ان کی شرحوں یعنی حماسہ کی شرح ،الشریشی ،متنبی کی شرح العکبری اور مقامات حریری کی شرح التبریزی اور سبع معلقات کی شرح زوزنی کا مطالعہ کیا۔

پھر ان میں جب کوئی لغوی اشکال پیدا ہوتا تھا۔تو قاموس،صراح اور منتھی الدرب دیکھتا تھا۔لغت کی یہ کتابیں ہمیشہ میرے زیر مطالعہ رہیں۔رات رات بھر پڑھتا تھا۔ صبح کے چار بج جاتے تھے۔ اس طرح ہر لفظ کے Routeمادہ اور اشتقاقات کو معلوم کرنے سے میرا علمی ،فکری اور تحقیقی ذہن بنا اور تحقیق و تدقیق کا مادہ پیدا ہوا۔اس طرح تمام عمر تحصیل اور حصول علم کی جد جہد میں بسر کی۔ میں ساری عمر علم کی وادیوں میں سرگرداں رہا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ

I have dedicated life time to my studies.

اس وقت میں نو کتابوں کا مصنف ہوں۔جن کے نام اور تفصیل یہ ہے:

۱۔ تاریخ جدید اردو غزل ۱۹۸۸ء:نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع دوم ۲۰۰۰ء۔

۲۔ معروضی تنقید(اصول تنقید کی کتاب):رائل بک کمپنی کراچی ۱۹۸۹ء

۳۔ مسلم سائنسدان(انگریزی)۱۹۸۷ء:رائل بک کمپنی کراچی

۴۔ ہندی ریڈر(چار حصص)۱۹۷۶ء:شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی

۵۔ اخلاقیات ۱۹۹۰ء:سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔ جامشورو سندھ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۹ء

۶۔ تاریخ ادب ہندی ۱۹۹۲ء: آگہی پبلی کیشنز کراچی طبع دوم ۱۹۹۲ء

۷- کلام شاہ عبداللطیف بھٹائی کا اردو نثری ترجمہ ۴ جلدیں مکمل: اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۱۹۹۳ء

۸- محاضرات القرآن (قرآن مجید اور موضوعات قرآن کریم پر جامع کتاب): دارالاشاعت، اردو بازار کراچی ۱۹۹۹ء

۹- تاریخ نقد ۲۰۰۴ء نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد۔

۱۰- اخلاقیات (انگریزی ترجمہ ۲۰۰۲ء)

اس کے علاوہ کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱-مشاہیر کے خطوط ۲-سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث۔ احوال آثار ۳-افکار ادبی (مضامین کا مجموعہ) ۴-شذرات (مختصر ادبی علمی مضامین اور ریڈیو تقاریر کا مجموعہ) ۵-خطبات اردو ۶-مسلمان فلاسفہ۔

اب تک ساڑھے چار سو ادبی، علمی اور تحقیقی مضامین لکھ چکا ہوں۔ جو برصغیر کے عالمی شہرت یافتہ رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً معارف اعظم گڑھ، برہان، نگار، اردو ادب، اسلامک اسٹڈیز، فکر و نظر، جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، اردو قومی زبان، ماہ نو وغیرہ۔

میں نے کراچی یونیورسٹی میں ربع صدی تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ شعبہ اردو سے وابستہ تھا۔ پروفیسر کے منصب پر فائز ہو کر ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوا۔ جامعہ کراچی میں یونیورسٹی کی طرف سے تفویض کردہ تحقیقی منصوبوں پر بھی کام کیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- تاریخ ادب ہندی ۲-ادبی تنقید کے اصول ۳-نقد الشعر کی تصحیح، تحقیق، تخریج ابیات مع تعلیقات۔

اس کے علاوہ سو تاریخی، قومی، بین الاقوامی سیمینار اور کانفرنسوں میں شرکت کر چکا ہوں اور بیشتر کانفرنسوں میں مقالے پڑھے ہیں جو پسند کیے گئے۔

میرے تلامذہ پاکستان، بیرون پاکسان تہران یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی

اسلام آباد اور کراچی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں اور بعض سرکاری محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

ریڈیو پاکستان کے قومی پروگرام، قرآن کریم اور ہماری زندگی میں تیرہ سال تک ۱۹۷۴ء۔۱۹۸۷ء تک تقریریں نشر کیں۔ جو قومی نشریاتی رابطہ national hook up پر نشر کی گئیں۔ اس کے علاوہ ریڈیو سے تین سو مختلف پروگراموں میں حصہ لیا۔ اردو، ہندی اور انگریزی میں over seas پاکستانیوں کے لئے تقریر نشر کیں۔ ہندی کی تقریریں جنوبی بھارت میں سنی گئیں۔ اس کا علاوہ مختلف کتابوں کے شروع میں پیش لفظ، دیباچے اور مقدمے لکھے۔ جو شائع ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ برصغیر کے نامور محدث تھے۔ انھوں نے امروہہ میں دارالعلوم جامع مسجد امروہہ قائم کیا تھا۔ جس میں سمرقند بخارا، قندھار، کابل، برما، سرحد، ہزارہ، پشاور تک کے طلبہ پڑھنے آتے تھے۔ اس لئے میں نے جس فضا میں آنکھ کھولی وہ علمی و دینی تھی۔ ہمارا گھر فضول رسوم سے پاک تھا اور کسی رسم کا اہتمام میں نے اپنے گھر میں نہیں دیکھا۔ گھر کے در و بام پر حدیث و قرآن کی آوازیں گونجتی تھیں۔ سب سے پہلے جس کتاب کو پڑھا وہ اقبال کی بال جبریل تھی۔ ابتدائی عمر تھی۔ پوری طرح سمجھتا بھی نہ تھا۔ اس سے ادبی ذوق پیدا ہوا۔ جب انگریزی شروع کی تو اردو مضامین لکھے اور اخباروں میں چھپوائے۔ انگریزی میں شروع میں کنگ ریڈر پڑھی۔ گھر پر استاد پڑھانے آتے تھے۔ تحصیل درس نظامی کے سلسلے میں بہت سی انتہائی کتابیں دیکھیں اور پڑھیں۔ دوران درس، دل و دماغ نے منطق و فلسفہ کے مباحث کا اثر قبول کیا۔ طبیعت حقائق و واقعات کی جویا رہی۔

دینی تعلیم سے دل میں خشیت الٰہی، پاکیزگی، اخلاق اور اخلاص پیدا ہوا۔

اساتذہ کی نگرانی سے تربیت، استعداد اور قابلیت میں اضافہ ہوا۔ سب سے بڑا اثر قرآن کریم کا ہوا۔ میرے والد اور جد امجد توحید و سنت کے شیفتہ اور دلدادہ تھے اور تمام عمر کامل اتباع سنت اور زہد و تقویٰ میں گزار دی۔ میں نے اپنی والدہ کے دامن شفقت میں پرورش پائی۔ مسلمانوں میں بدعات کا رواج زیادہ تر عورتوں کے سبب سے ہے۔ اس لئے میری والدہ میں عورتوں کو سمجھانے اور اسلام کی صحیح تعلیم سے آشنا کرنے کی دھن تھی۔ وہ ہفتے میں ایک دن خواتین کو وعظ و تلقین کرتی تھیں۔

میں نے سب سے پہلے میزان منشعب پڑھی۔ علم کلام کے مسائل، اشاعرہ، معتزلہ کے نزاعات، غزالی، رازی، ابن ارشد کے دلائل نگاہوں سے گزرے۔ موطا امام مالک پڑھی۔ اس کے مطالعہ سے حدیث سے گرویدگی بڑھی۔ میرے دل میں رفتہ رفتہ علم حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ عربی ادب میں حماسہ اور نقد الشعر پڑھی۔ ان دونوں کتابوں کے مطالے سے ادبی ذوق نکھرا۔ میں ہمیشہ سے بزرگ صورت، بزرگ سیرت خوردوں میں رہا ہوں۔ میری والدہ شب بیدار اور تہجد گزار تھیں۔ اللہ نے ان کی قبر ٹھنڈی رکھی۔ ناظرہ قرآن شریف کی تعلیم مکتب میں ہوئی۔ فارسی میں آمدنامہ، گلزار دبستان اور گلستان پڑھی۔ شفیق استاد ملے۔ اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی سے کچھ نہ کچھ شد بد تو ہو گئی تھی۔ آریوں اور عیسائیوں سے مناظرانہ کتابوں پر نظر پڑی۔ جو میرے دادا سے ہوئے تھے۔ ہیوم، مل، اسپنسر، ہیگل، ڈارون کو پڑھا۔ اقبال کا شکوہ اور جواب شکوہ، خضر راہ، طلوع اسلام نظمیں پڑھیں۔ عطار، سنائی، جامی کا مطالعہ کیا۔ لغات، شروح اور تراجم کا سہارا لیا۔ لغت میں قاموس، صراح، منتھی الدرب، المنجد اور لسان العرب ہمیشہ زیر مطالعہ رہیں۔ اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے علم سے شغف ہمیشہ رہا۔ علم و یقین کے سرچشمے قرآن مجید کے حقائق و غوامض کی فہم و یافت میں اساتذہ سے مدد ملی اور کتابوں، شروح، لغات کے مطالعے سے اطمینان قلب اور شرح صدر نصیب ہوا۔

شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر، فتح الرحمن، البدور

البازغتہ، سطعات اور مولانا اسماعیل شہید کی عبقات کا مطالعہ کیا۔ اسی طرح تفہیمات اور ازالتہ الخفاء کا مطالعہ کیا۔ شبلی، سرسید، حالی اور ڈپٹی نذیر احمد کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہیں۔ جب میں دارالعلوم جامع مسجد میں زیر تعلیم تھا تو حافظ ابن حجر، ابن قیم، ابن تیمیہ، امام شوکانی کا ذکر رہتا تھا۔ تفسیر میں جلالین پڑھی۔ شاہ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام پڑھی۔ مولانا اسلم جے راج پوری کی تاریخ الامت کا مطالعہ کیا جو کئی جلدوں میں تھی۔ شبلی کی الفاروق، المامون، الغزالی شعرالعجم اور سیرت النبی کے اثرات ذہن پر پڑے۔ سیرت نبوی اور تاریخ عرب سے دلچسپی شروع سے تھی۔ ڈاکٹر لی بان کی تمدن عرب اور تمدن ہند پڑھی۔ مولانا سلیمان ندوی کی ارض القرآن اور لغات جدیدہ کا مطالعہ کیا۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اور ابن عباس کی تفسیر دیکھی۔ عربی کی تعلیم شروع کرتے ہی عربی کے جملے بنانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں عربی بول چال مصنفہ عبدالرحمٰن امرتسری سے مشق کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ درس عربی کے متوسطات میں مشغول تھا۔ درس نظامی کے ساتھ ساتھ ادب کی کتابیں پڑھنا اور عربی تحریر کی مشق جاری رہی اور عربی رسائل جیسے البشیر کا مطالعہ کیا۔

انگریزی تعلیم کا سلسلہ عربی کے ساتھ کچھ عرصہ تک چلتا رہا۔ تمام وقت عربی پر صرف کیا۔ انگریزی زبان اور گرامر کا مطالعہ کیا۔ انگریزی میں نکلسن کی لٹریری ہسٹری آف عرب دیکھی۔ عربی نثر میں کامل للمبرد اور نظم میں مفضلیات پڑھیں۔ مقامات حریری، مقامات بدیعی دونوں ذوق و شوق سے پڑھیں۔ ان دونوں کا اسلوب قافیہ بندی اور سجع پسند آیا۔ میری انشاء نویسی میں مدتوں ان کتابوں کا اثر قائم رہا۔ فصاحت و بلاغت میں نہج البلاغہ نے متاثر کیا۔ خاص طور سے خطبہ طاؤس اور خطبہ شقشقیہ پسند آیا۔ عربی نظم میں سبع معلقات، دیوان متنبی، قصدہٗ بانت سعاد، نثر میں نفحتہ الیمن، نفحتہ العرب کو پڑھا۔ ان کتابوں کا شوکت الفاظ اور جزالت اسلوب دل کو بھایا۔ ابتداء میں اساتذہ نے صرف میں علم الصیغہ، پنج گنج اور شافیہ پڑھائی۔ ان کتابوں کا ذوق ایک زمانے میں اتنا تھا کہ علم الصیغہ زبانی یاد ہوگئی تھی۔ نحو میں ہدایت

النحو، شروع میں شرح مائۃ عامل، کافیہ اور شرح جامی پڑھی۔ پھر مغنی اللبیب، کتاب السیبویہ اور المزہر للسیوطی کا مطالعہ کیا۔

میں نے جن اساتذہ سے عربی کی تعلیم حاصل کی ان میں حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی، مولانا انوارالحق صدیقی، مولانا سید عبدالدائم جلالی، مولانا عبدالقدوس ابن حافظ عبدالرحمٰن کے نام آتے ہیں۔ یہ سب اپنے زمانے کے جلیل القدر علمائے سنت تھے۔ اتباع نبوی، تورع، تقویٰ اور کتاب وسنت کے شغف اور عمل میں دور دور اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ قرآن کے متعلق میرا نظریہ ہے کہ یہ کتاب عزیز، جلیل القدر کتاب آسمانی، صحیفہ ربانی، علوم و معارف کا گنجینہ ہے۔ جو ابدالاباد تک سیرابی کے لئے کافی ہے۔ تفاسیر میں ابوبکر جصاص کی احکام القرآن زمخشری کی کشاف، سکاکی کی مفتاح العلوم اور عبدلقادر جیلانی کی دلائل الاعجاز کا مطالعہ کیا۔

اردو میں آب حیات، گل رعنا اور مقدمہ دیوان حالی کا مطالعہ ذوق وشوق سے کیا۔ شعرالعجم مجتہدانہ طرز کی کتاب ہے۔ میری عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری والدہ تعلیم سے زیادہ تربیت کو مقدم سمجھتی تھیں۔ چنانچہ اساتذہ گھر پر میری تعلیم وتربیت پر مامور رہتے تھے۔ شام کے وقت منشی شبیہہ انگریزی اردو پڑھانے آتے تھے۔ ان کا اردو انگریزی کا خط اچھا تھا۔ وہ تختی پر مشق بھی کراتے تھے۔ عربی نثر میں جاحظ کی البیان والتبیین بار بار پڑھی۔ درسیات میں منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر، تاریخ، معانی و بیان اور عروض سب کچھ پڑھا۔ میرے سنجیدہ ذوق علمی کی تعمیر میں مولانا شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتابوں کو بڑی حد تک دخل ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال کی جلدیں بھی پڑھیں۔ ان کا تذکرہ اور غبار خاطر بار بار پڑھی۔ مولانا کا ترجمان القرآن بھی زیر مطالعہ رہا۔ میرے اوپر زیادہ تر اثر مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے۔ مولانا کے انداز نگارش، طرز تحقیق اور طریقہ وبحث نے دل پر عجیب اثر کیا۔ میں مولانا کی تحریروں کا بڑا گرویدہ ہوگیا۔ غبار خاطر ترجمان القرآن اور الہلال کو خدا جانے کتنی بار پڑھا۔

مولانا کی تحریروں پر دل جھوم جھوم جاتا تھا۔ مولانا کی تحریروں سے طبیعت میں ادبی چاشنی پیدا ہوئی۔ یہ سب زمانہ طالبعلمی کی باتیں ہیں۔ حماسہ، متنبی، مقامات حریری کو اساتذہ سے درساً بعد درس پڑھا۔ لیکن بعد میں اپنے ذوق وجستجو کی تسکین کے لئے ان کی شرحیں، التبریزی، العکبری، الشریشی بھی دیکھیں۔ اس طرح طبیعت سنجیدہ علمی حقائق اور تحقیق کی جویا گئی۔ اردو رسائل میں نگار اور معارف کو معیاری سمجھتا تھا۔ چنانچہ میرا پہلا مضمون 'روایت اور درایت' نگار ۱۹۵۴ء میں چھپا۔ معارف میں ۱۹۶۵ء میں لکھنا شروع کیا۔ جب طبیعت کافی پختہ ہوگئی تھی اور دل ودماغ اور قلم تحقیق کی وادیوں میں سرگرداں تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ مولانا شبلی کی تصنیفات نے میرے اندر سنجیدہ علمی ذوق کی طرح ڈالی۔ فارسی میں عرفی، نظیری، خاقانی، سعدی، حافظ، خواجوی کرمانی کو پڑھا۔ غبار خاطر حافظ کی شرح ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اشعار کے مطالب تک بیان کردیئے ہیں۔ وہیں سے حافظ سے شغف ہوا۔ حافظ کو لسان الغیب اور بلبل شیراز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میری پہلی محسن کتاب قرآن مجید ہے۔ اسی سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن سے اس پر یقین واثق ہوا۔ میں بچپن سے نماز فجر کے بعد تلاوت کلام پاک کا عادی ہوں۔ بلاناغہ تلاوت قرآن مجید کرتا ہوں۔ اسی سے طبیعت کو طمانیت اور سکون حاصل رہتا ہے۔ اردو ادب کا ذوق، اقبال، غالب اور حالی کے کلام سے ہوا۔

حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر بیضاوی، میرے دادا کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ میں ان کے حسن اخلاق، لطف تقریر، ذوق سخن اور تبحر علمی کا دلدادہ تھا۔ مگر یہ میرا بچپن تھا۔ اس لئے حضرت حافظ صاحب سے زیادہ فیض حاصل نہ کرسکا۔

مولانا قمرالدین سہنسپوری بھی میرے جدامجد کے شاگرد تھے اور میرے دادا سے خاص انسیت ومحبت رکھتے تھے۔ ان سے گھر پر میزان منشعب اور نحومیر پڑھی۔ منطق میں تیسیر المبتدی اور فارسی میں آمدنامہ بھی انھوں نے پڑھایا تھا۔

میری صرف ونحو انہیں استاد محترم کی مرہون منت ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی گھر پر علامہ اقبال کی بال جبریل پڑھانے آتے تھے۔ کتاب السیبو یہ میں نحو کے علمی ذخائر ہیں۔ حماسہ، مقامات حریری، متنبی پر مولانا اعزاز علی کے عربی حواشی بھی نظر سے گزرے حماسہ کے بعد بحتری کا بھی مطالعہ کیا۔ شعرائے جاہلیت میں امرؤ القیس کا کلام پڑھا۔ ادب کے لئے میرے خیال میں جس طرح صرف ونحو ضروری ہے۔ اسی طرح معانی و بیان بھی ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں مختصر المعانی، دلائل الاعجاز اور مطول کا مطالعہ کافی ہے۔ عربی دانی کے لئے منتھی الارب اور قاموس سے کام لینا چاہیے۔ فقہ میں قدوری، کنزالدقائق اور شرح وقایہ پڑھی۔ شرح وقایہ کے مصنف عبدالحئ لکھنوی ہیں۔ میں اپنے دادا مولانا احمد حسن محدث کی تصنیفی خصوصیات سے بھی متاثر ہوا۔ ان کی کتاب افادات احمدیہ میں ان کی توحید وسنت کی دعوت، دلچسپ اور آسان مگر پرزور، مدلل طرز بیان اور قرآن وحدیث کا بے نظیر استدلال ہے۔

متنبی اور حماسہ کے علاوہ جمہرۃ اشعار العرب، مفضلیات، کامل للمبرد، البیان والتبیین اور ادب الکاتب پڑھی اور زیادہ تر اپنی کاوش پر اعتماد کیا۔ حماسہ میں ابوتمام کی حماسہ بہتر ہے۔ بحتری کی حماسہ میں ترتیب وتبویب ہے۔

تنقید میں قدامہ بن جعفر کی کتاب نقد الشعر نے بہت متاثر کیا۔ اس کا ایک ایک لفظ پڑھا۔ کامل للمبرد، ادب کی مفید کتاب ہے۔ البیان والتبیین میں فصیح نظم ونثر کے نمونے ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے میرے اندر ادبی ذوق کی آبیاری ہوئی۔

عربی کی ابتدائی کتابوں میں میزان منشعب، پنج گنج، صرف میر، نحو میر، ہدایۃ النحو اور منطق میں قال اقول، صغریٰ، فصول اکبری، مرقاۃ اور شرح تہذیب پڑھی۔ حمد اللہ کی شرح حکیم شریف دہلوی نے لکھی ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں کو ازبر یاد کیا۔ فلسفہ میں ہدیۂ سعیدیہ، فضل حق خیرآباد، میر قطبی اور شرح ہدایۃ الحکمۃ عبدالحق خیرآبادی پڑھی۔ منطق وفلسفہ میں ملا جلال، حمد اللہ، میر زاہد، ملا مبین ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ مجھے عقلیات سے دلچسپی ہوگئی۔ منطق وفلسفہ میں علمائے فرنگی محل

کو بڑا درک حاصل رہا ہے۔ خاص طور سے مولانا عبدالحئی فرنگی محل کے حاشیے ہیں۔

سبعہ معلقہ، متنبی، نقد الشعر میرے عقلی اور ادبی معیار پر پوری اتریں۔ اس لئے ان کو بہ شوق پڑھا۔ حمد اللہ، قاضی مبارک اور صدرا کے اثر سے عقلی اور ادبی ذوق میں ترقی ہوئی۔ اردو میں ڈپٹی نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کی تصنیفات بھی پڑھیں۔ لیکن میں نے ناول بہت کم پڑھے۔ طبیعت کو شروع سے ناول وافسانہ سے مناسب نہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی تصانیف میں فلسفہ اجتماع، فلسفہ جذبات اور تاریخ اخلاق یورپ اور اکبر میری نظر میں پڑھی۔ اسی طرح مذہب، فلسفہ، منطق، تاریخ، فقہ، ادب کا مطالعہ کیا۔ زیادہ تر ادب کی خاک چھانی۔ اسلئے ادب کا اثر زیادہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ روح اسلام کی سب سے بہتر تفسیر میں نے علامہ اقبال کی شاعری اور تصانیف میں پائی۔ مغربی تہذیب پر انھوں نے جو تنقید کی ہے۔ وہ بلند پایہ ہے۔

اقبال کے کلام نے مجھے زندگی کے ایک نئے حرکت آفرین تصور سے روشناس کرایا اور دین و دنیا کا حقیقی تعلق سمجھایا۔ اقبال ہی کے کلام سے میرے اوپر یہ بات واضح ہوگئی کہ عقل چراغ راہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عشق ضروری ہے۔ جب عقل بے زمام ہوجاتی ہے اور عشق یعنی مذہب کے تابع نہیں رہتی تو انسانی تہذیب، ظلم و ناانصافی اور تخریب کے دلدل میں پھنس جاتی ہے۔ کانٹ، ہیگل، نٹشے اور مارکس، اقبال کے سامنے فروتر نظر آتے ہیں۔ جس طرح اقبال نے مانا ہے میرے نزدیک بھی قرآن، شاہ کلید ہے۔

بچپن میں واقدی کی فتوح الشام نے بھی مجھے متاثر کیا۔ اس کتاب سے دینی جذبہ اور حریت احرار پیدا ہوئی۔ خاص طور سے اس کا یہ پہلا جملہ کہ دوگانہ نماز فجر ادا کی۔ اس سے نماز پڑھنے کی طرف رجحان ہوا۔ اس کتاب کو پڑھ کر جہاد کا سماں بندھ جاتا اور دل امنڈ آتا تھا۔ مسدس حالی کا بھی دل و دماغ پر اچھا اثر پڑا۔ مولانا حالی نے جاہلیت کا نقشہ اور اس کی اخلاقی پستی کی اچھی تصویر کھینچی ہے اور مسلمانوں

کے عروج وزوال کی کہانی نہایت پرسوز اور درد بھرے لہجے میں ادا کی ہے۔

مصر جدید کے مشہور صاحب طرز انشاء پرداز سید مصطفیٰ لطفی منفلوطی کی کتاب 'نظرات' بھی پڑھی اور اس کے بعض عربی افسانوں مثلاً البعوض والانسان، مچھر اور انسان الدفین الصغیر (بچے کے لوح مزار پر) کے اردو میں ترجمہ بھی کیے۔ یہ ترجمے رسالہ آجکل دہلی میں شائع ہوئے۔ حریری، متنبی اور حماسہ عربی ادب کی اعلیٰ کتابیں ہیں۔ جو عربی زبان کی طویل اور مسلسل تعلیم اور زبان کی مشق کے بعد پڑھائی جاتی ہیں کیونکہ صرف ونحو کے قواعد، زبان کی تشکیل کے اصول ہیں۔ علامہ سید رشید رضا کے رسالے المنار کو بھی دیکھا۔ ابن جوزی ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی بعض کتابیں دیکھیں۔ مصر کے فاضل مصنف احمد امین کی فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام دیکھیں۔ مولانا سلیمان ندوی کی کتاب خطبات مدراس بھی زمانہ طالبعلمی میں پڑھی تھی۔

ہر چہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

میری والدہ فہمیدہ خاتون تہجد گزار تھیں۔ وہ گھنٹوں عبادت، تلاوت اور مناجات میں مصروف رہتی تھیں۔ وہ تہجد سے فجر کے درمیان مناجات پڑھتی تھیں۔ ان کی آواز میں بڑا درد تھا۔ اس مناجات کا اثر بھی میرے اوپر ہوا۔ ایسا پر درد لہجہ تھا کہ ان کی آواز کی گونج آج تک اپنے کاموں میں محسوس کرتا ہوں۔

یہ ہے میری داستان بے ستون وکوہکن یا حصول علم کی جہد مسلسل کی خود نوشت سوانح جو میں نے اوراق بالا میں پیش کی۔

میری اہلیہ کا نام سیدہ دردانہ رضوی ہے۔ جو سید معشوق علی رضوی بی اے (علیگ) رجسٹرار کی صاحبزادی ہیں۔ میری اہلیہ سیدہ دردانہ رضوی نے قدم قدم پر میری بہت مدد کی اس طور پر کہ انھوں نے مجھے اتنا سکون واطمینان دیا کہ میں اپنے لکھنے پڑھنے کا کام کرسکا۔ وہ بہت ہمدرد، مخلص، دل و جان سے محبت کرنے والی شریک سفر ہیں۔ وہ بڑی مونس وغمگسار شائستہ، مہذب اور سلیقہ شعار شریک حیات ہیں۔ ان کی رفاقت سے زندگی کا سفر آسان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو شاد آباد رکھے اور

صحت وتندرستی سے نوازے (آمین) میری اہلیہ سیدہ دردانہ رضوی بڑی نیک نہاد، شائستہ خصلت ار تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ان کے اندر بڑی اونچ نیچ اور تدبیر منزلی کی صلاحیت ہے میرے والدان کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ بڑی دلہن بڑی منتظم ہیں۔ وہ اپنے دیوروں سے بھی بہت محبت کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گھر میں بہت مقبول اور ہردلعزیز ہیں۔ان کا اخلاق بہت اچھا ہے۔غریبوں اور مستحقوں کی مدد کرتی ہیں۔زکوٰۃ وخیرات دیتی ہیں۔شعائر اسلامی کی پابندی کرتی ہیں۔۱۹۹۹ء میں میرے ساتھ حج بیت اللہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکی ہیں۔ بہت دیندار اور مخیر خاتون ہیں۔نماز روزے کی بہت پابند ہیں۔زیادہ وقت عبادت اور اللہ کی یاد، ذکر الٰہی میں صرف کرتی ہیں۔پاکیزہ صفات ہستی ہیں۔ وہ بہت بردبار، متحمل اور رکھ رکھاؤ کی ہیں اور خوددار بھی ہیں۔

۶-سید زبیر احمد رضوی

میرے بعد چھٹے نمبر پر سید زبیر احمد رضوی ہیں۔جو بنیادی طور پر شاعر ہیں۔ انھوں نے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ حیدرآباد دکن سے کیا۔ بی اے اور ایم اے اردو دہلی یونیورسٹی سے کیا۔زبیر اگرچہ ترقی پسند شاعر ہیں۔لیکن ان کی شاعری میں مذہبی عنصر بھی شامل ہے۔ وہ انسان کو معاشی، معاشرتی، سیاسی، علمی اور سائنسی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔انسان ایک مشت خاک سے بنا ہے۔ بنی نوع انسان نے زندگی کے ہر پہلو میں نت نئی راہیں تلاش کیں ہیں اور ان راہوں پر چلتا ہوا ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ایک طرف تو وہ دھرتی کا سینہ چاک کرنے والی مشینیں بناتا ہے۔تو دوسری طرف دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک آناً فاناً میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ وقت کی لگام کو اپنے ہاتھ میں لیکر ترقی کے مرغزاروں کی سیاحی کر رہا ہے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ وہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں کہ وہ مسلمان جن کے نام کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجتا تھا۔جو ترقی

کی نئی جہتیں دنیا کے سامنے لیکر آئے تھے اور جن کی ذہنی وفکری قوتوں سے تمام عالم نے فیض اٹھایا۔ وہ مسلمان اب اتنی تنزلی کا شکار کیوں ہیں؟

ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کا کام دوسروں کے سامنے جھکنا نہیں۔ ان کا اسلوب، دلکش اور پر اثر ہے۔ جس طرح سیارے اپنے محور کے گرد حرکت کناں ہیں اسی طرح ان کے تصورات عشق کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ان کی شاعری ان کی اپنی سرگزشت ہے۔ ان کی مٹی میں آذریت کا خمیر نہیں بلکہ مزاج ابراہیمی ہے۔ عشق ان کا محور و مرکز ہے۔ ان کی شاعری حرکت، جوش اور زندگی سے عبارت ہے۔

قومیں ایک دوسرے کے تمدن سے کچھ سیکھتی ہیں۔ اگر ایک قوم دوسری دنیا سے بالکل الگ رہنا چاہے۔ تو وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ دنیا میں ترقی و ایجادات اور نئے نئے بدلتے رجحانات و میلانات کا یہ سلسلہ قوموں کے آپس کے روابط ہی سے چل رہا ہے۔ کوئی بھی قوم کلی طور پر دوسری ترقی یافتہ اقوام سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ اس کو دوسروں سے سیکھنا ہوگا۔ سورج تمام دن اپنی روشنی سے پورے جہاں کو روشن کرتا ہے۔ شام ہوتے ہی اس کی روشنی اوجھل ہو جاتی ہے۔ دنیا بے ثبات ہے۔ اس میں تغیر و تبدل آتا رہتا ہے۔ ایک موسم جانے کے بعد دوسرا موسم آتا ہے۔ اندھیرے کے بعد اجالا آتا ہے۔ اجالے کے بعد اندھیرا۔ محبتوں کے روٹھ جانے سے دل اندر سے پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ عشق کی ناکامی کا علاج کسی کے پاس نہیں عشق ایک ایسا دریا ہے۔ جو انسان کو نگل ہی کے رہتا ہے۔ سچ اسی وقت کہنا اچھا لگتا ہے جب کوئی سننے والا ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ان کی شاعری کے موضوعات ہیں۔ انھوں نے پندرہ سال کی عمر سے شاعری شروع کی۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ ان کی شاعری میں رومان کے علاوہ مذہبی عنصر بھی ہے۔ چنانچہ وہ مذہب کی ضرورت پر زور دیتے رہتے ہیں کیونکہ مذہب انسان کو اخلاق سکھاتا ہے۔ ہرے بھرے کھیت، خوبصورت رنگ برنگے پھول، پھلوں سے لدے پیڑ، یہ جھرنے، یہ وادیاں، یہ پہاڑ ہر شے اللہ کی حمد و ثناء کرتی ہے۔ خدا کو پہچاننا

ہے تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھو۔ وہ پالنے والا، مارنے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ چاند ستارے، سورج، زمین ب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ان کی عظمت پارینہ یاد دلاتے ہیں اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی داستانیں سناتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نظموں کا ایک بہت بڑا سلسلہ ہے جو 'پرانی بات ہے' کے عنوان سے ان کی کلیات 'پورے قد کا آئینہ' میں شامل ہے۔ ان میں پہلی ہی نظم ہے 'علی بن متقی رویا' جو یہ ہے:

پرانی بات ہے
لیکن یہ انہونی سی لگتی ہے
علی بن متقی مسجد کے منبر پر کھڑا
کچھ آیتوں کا ورد کرتا تھا
جمعہ کا دن تھا۔ مسجد کا صحن
اللہ کے بندوں سے خالی تھا
وہ پہلا دن تھا مسجد میں کوئی عابد نہیں آیا
علی بن متقی رویا
مقدس آیتوں کو مخملیں جزدان میں رکھا
امام دل گرفتہ نیچے منبر سے اتر آیا
خلا میں دور تک دیکھا
فضا میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی
دھند کی کائی
ہوا پھر یوں
منڈیروں، گنبدوں پر ان گنت پر پھڑ پھڑائے
کاسنی، کالے کبوتر صحن میں نیچے اتر آئے
وضو کے واسطے رکھے ہوئے لوٹوں پہ

اک اک کر کے آبیٹھے

امام دلگرفتہ پھر سے منبر پر چڑھا

جز دان کو کھولا، صفحوں پر اک نظر ڈالی

وہ پہلا دن تھا مسجد میں

وضو کا حوض خالی تھا

صفیں معمور تھیں ساری

مجھے یہ نظم پڑھ کر اپنا ایک واقعہ یاد آیا اور وہ یہ کہ ہم دونوں بھائی دہلی میں ترکمان دروازے کے پاس رہتے تھے۔ وہاں سے مہندیوں، شاہ ولی اللہ کا قبرستان قریب تھا۔ میں جوانی سے تہجد گزار اور عبادت گزار تھا۔ ایک روز یہ ہوا کہ میں تہجد کے وقت شاہ ولی اللہ کے قبرستان چلا گیا۔ راستے میں جھاڑیاں تھیں اندھیرا تھا۔ وہاں ایک مسجد تھی۔ میں نے لوٹا اٹھایا اور وضو کے لئے پانی تلاش کیا۔ مگر پانی نہ تھا۔ کسی طرح پانی جمع کر کے وضو کیا اور اذان دی۔ مسجد خالی تھی۔ ادھر ادھر دیکھا خاموش سناٹا۔ پھر میں نے نماز پڑھی اور گھر واپس آ گیا۔ زبیر سو رہے تھے۔ معلوم نہیں ان پر کیا اثر ہوا۔ جو انھوں نے یہ نظم لکھی۔

مجھے شاہ ولی اللہ کے مزار پر بلا کر کیا دیا گیا اس کا احساس کرتا ہوں۔

بلا کے بارگاہ شاہ ولی میں شب کو　　　کسے خبر کی مشیت نے کیا دیا مجھ کو

انہی نظموں میں ان کی ایک نظم 'امیر شہر کی نیکی' ہے۔ اس نظم میں بھی انھوں نے نیکی کے چلن کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ ان نظموں میں زبیر نے اللہ کی حمد کے ترانے گائے ہیں۔ وہ حمد کو انسانی کردار کی تطہیر کا ذریعہ مانتے ہیں۔ انہی میں ان کو ایک نظم 'فتح مبین فتحن' ہے۔ اس میں بھی خدا کی حمد کا تذکرہ ہے۔ ایک نظم کا عنوان 'پیران طریقت' ہے۔ ایک اور نظم 'عاقبت اندیش بیٹے' کا ٹکڑا ہے۔

ہمیشہ ان کے ہونٹوں پر

مقدس آیتوں کا ورد رہتا تھا

ہمیشہ ان کی پیشانی
ریاضت اور عبادت کی نشانی کو لئے روشن رہا کرتی
وہ پانچوں وقت مسجد کے میناروں سے اذان دیتے
وہ میلوں پیادہ تیز دھوپوں میں سفر کرتے
خدا کی برتری اس کی عبادت کے لئے
لوگوں میں جاکر رات دن تبلیغ کرتے
لوگ ان کو مرحبا کہتے

ایک اور نظم 'حاجی بابا' کا ٹکڑا ہے۔

سنا ہے جب کبھی شہر سبا کے حاجی بابا نے
اپنے شاگردوں کو درس آخری دیتے
سروں پر ان کے دستار فضیلت باندھتے
کالے عماموں میں سب ہی شاگرد صف بستہ کھڑے
یہ عہد کرتے تھے
خداوندا!
علم میں تو خیر و برکت دے
ہمیں توفیق دے ہم حاجی بابا کی طرح
شہر سبا کے چار کونوں میں نئے مکتب بنائیں
درسگاہوں کی بنیاد ڈالیں

غرض اس طرح ان کی نظموں میں مذہبی رنگ پایا جاتا ہے اور انھوں نے اپنی ان نظموں میں انسانی تہذیب کی تاریخ رقم کی ہے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

وضو کرتے ہوئے کچھ یار دیکھے　　　اذان دیتے ہوئے مینار دیکھے

ان کی غزلوں میں وضو، اذان، مسجد، مینار، سجدے، عبادت، رکوع و سجود کے الفاظ ان کی مذہب سے دلچسپی کی غمازی کرتے ہیں۔

اولاد وکوائف

زوجہ: جمشید جہاں، بیٹے: سید کامران رضوی، سید سلمان رضوی
بیٹی: فارحہ۔ ایم بی بی ایس ہانٹی۔ فارحہ نے جرمنی سے جینٹکس میں پی ایچ ڈی کیا۔
سید کامران رضوی۔ بی اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ
زوجہ: فارینہ، بیٹی: سیدہ تابندہ جبین رضوی، سیدہ آمنہ رضوی
سید سلمان رضوی۔ بی اے
زوجہ: ندا، بیٹا: فاران حسن

زبیر کے اب تک حسب ذیل دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ لہر لہر ندیا گہری ۱۹۶۴ء
۲۔ خشت دیوار ۱۹۷۰ء
۳۔ دامن ۱۹۸۴ء
۴۔ پرانی بات ہے ۱۹۸۸ء (نظموں کا مجموعہ)
۵۔ دھوپ کا سائبان ۱۹۹۲ء
۶۔ انگلیاں فگار اپنی ۱۹۸۸ء
۷۔ سبزۂ ساحل انگلیاں فگار اپنی کے بعد کا کلام۔ ۲۰۰۰ء سے بعد تک
۸۔ پورے قد کا آئینہ (کلیات) ۲۰۰۴ء

زبیر نے نثر بھی لکھی ہے۔ ان کی نثری کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ اردو۔ فنون اور ادب ۲۰۰۴ء ۲۔ غالب اور فنون لطیفہ ۲۰۰۴ء،

اپنی کتاب اردو۔ فنون اور ادب کو انھوں نے میرے نام انتساب کیا ہے۔ زبیر کی شاعری کی طرح نثر بھی اچھی لکھتے ہیں۔

۷۔ ڈاکٹر سید آفتاب احمد رضوی

زبیر کے بعد ساتواں نمبر سید آفتاب احمد رضوی کا ہے۔ میرے چھوٹے

بھائی سید آفتاب احمد رضوی نے بڑی جد و جہد سے اپنا کیریئر بنایا۔ انھوں نے امروہہ میں امام المدارس سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کیا۔ پھر آگرہ یونیورسٹی سے بی اے اور پھر ایم اے سیاسیات کیا۔ روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی نے ان کو ان کے تحقیقی کاموں پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی۔

آفتاب نے حصول تعلیم میں بڑی تگ و دو، لگن اور انتھک محنت کی۔ حصول تعلیم کے بعد انھوں نے چاند پور میں ایک ڈگری کالج قائم کیا۔ جس کے وہ پرنسپل تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد اب انھوں نے چاند پور سے کچھ دور ایک اور ڈگری کالج قائم کیا ہے۔ جس کے وہ آجکل سربراہ ہیں۔ انھوں نے چاند پور ضلع بجنور یوپی ہی میں اپنا شاندار کشادہ دومنزلہ مکان بنوایا ہے۔ اسی میں رہتے ہیں۔ اس کا نام انھوں نے والدہ ماجدہ کے نام پر فہمیدہ منزل رکھا ہے۔

میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید آفتاب احمد رضوی اعلیٰ پائے کے محقق ہیں۔ ان کی تحقیقی خصوصیات یہ ہیں:

۱- ان کے ہاں مستند حوالوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

۲- انھوں نے مستند کتابوں سے ابواب کو لکھا ہے اس سے پہلے تحقیق کم اور الفاظ پر زور زیادہ دیا جاتا تھا۔ آفتاب نے ان دونوں چیزوں کو ملا دیا ہے۔

۳- انھوں نے حقائق کو پھیلایا ہے۔

۴- انھوں نے جو کچھ لکھا اپنی ذہانت و فطانت کے بل بوتے پر لکھا ہے۔ آفتاب کو بات کہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ اپنی دھن کے بڑے پکے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ وہ گدڑی کا لعل ہیں۔ وہ میرے خاندان کے ایسے فرزند ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ نوجوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں گزار دی۔ ساری عمر درس و تدریس میں گزار دی۔ انھوں نے فکر و سوچ، تلاش و جستجو اور تحقیق و تدقیق کے دریچے وا کئے۔ انھوں نے زندگی کی حقیقت اور ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تحقیق کے مرد میدان ہیں۔ وہ ظالم سماج

کی بے حسی، معاشرے کی فرسودہ روایات اور کھوکھلی تہذیب وثقافت پر تنقید کرتے ہیں۔

ان کا موضوع تاریخ اور علم سیاست ہے۔ ان کو تاریخ کا گہرا شعور ہے۔ ان کی تحقیق نگاری انتہائی گہرے مشاہدے کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ان کے اندر تحقیق اور جستجو کا مادہ ہے۔ وہ اپنی تحقیق کو حواشی سے مزین کرتے ہیں۔ وہ دلیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ وہ باریک سے باریک بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ علم سیاسیات Political Science میں ان کو عالمی دساتیراز بر ہیں۔ وہ تاریخ اور علم سیاسیات کے افق پر چمکتا ہوا ایک روشن ستارہ ہیں اور تحقیق کے شہسوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طلبہ کو ایم فل اور پی ایچ ڈی بھی کراتے ہیں اور ریسرچ گائیڈلس دیے ہیں۔ انھوں نے درس وتدریس کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آفتاب ایک محقق، مدرس، معلم، مورخ اور اسکالر ہیں۔ وہ واقعات اور مواد کی تلاش میں محنت سے کام لیتے ہیں۔ تعارض وتضادات کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ واقعات کو منطقی ربط اور قلمی صداقت اور انصاف کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ غیر مستند روایات کو رد کر دیتے ہیں۔ وہ مسلم کلچر اور طرز زندگی میں یقین رکھتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے اسلوب نگارش کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حقائق نگاری ہے۔ وہ مظلوم ومحکوم اقوام کو جبر واستبداد کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا فلسفہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان مٹی کا پتلا ہے۔ غلطی اس کی سرشت میں ہے۔ اس نے ترقی کے وہ منازل طے کئے کہ اس کی عظمت کے سامنے پہاڑ جھک جاتے ہیں۔ اس نے سمندروں پر اپنی حکمرانی قائم کی۔ فضاؤں کو مسخر کیا۔ ایک طرف تو وہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ تو دوسری طرف وہ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں سرگرداں ہے۔ اب چاند پر اس کے قدم ہیں۔ یہ سب ایک مٹی سے بنے ہوئے انسان کی سرشت ہے۔ جس کی علمیت وقابلیت کے سامنے سب چیزیں مسخر ہیں۔ اتنی ترقی کے باوجود انسان مکمل انسان نہ بن سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اخلاقی

تنزل کا شکار ہے۔ اس اخلاقی پستی سے نکالنے کے لئے اسلام کی ضرورت ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے۔ جو انسان کو اعلیٰ اقدار انسانی سے بہرور کرتا ہے۔

یہ ہیں وہ افکار جو آفتاب کی نگارشات میں ملتے ہیں۔ غرض آفتاب کی شہرت اور ناموری ان علمی افکار کی وجہ سے ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں اگر مگر لیکن شاید جیسے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ وہ جو بات کہتے ہیں پورے اعتماد اور یقین سے کہتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو یاد دلاتے ہیں۔ جب ملت اسلامیہ کے شہروں میں علم و حکمت کے دریا بہہ رہے تھے۔

آفتاب کی اولاد کے کوائف یہ ہیں:

زوجہ: مسرت جہاں

بیٹے: سید کمال مصطفیٰ رضوی، سید انور مصطفیٰ رضوی، سید فراز رضوی۔

۱-سید کمال مصطفیٰ رضوی۔ بی ای انجینئرنگ بنگلور یونیورسٹی۔ کمال سول انجینئر ہیں۔ دہلی میں سرکاری ملازم انجینئر ہیں۔

زوجہ: تبسم، بیٹے: سید شاہ رخ رضوی، سید اسامہ رضوی

۲-سید انور مصطفیٰ رضوی۔ یہ بھی بنگلور یونیورسٹی سے الیکٹرانک انجینئر تھے۔ ایک حادثے میں ان کی جوان موت واقع ہوئی۔

زوجہ: نوشین۔ ایم بی اے

بیٹے: سید روشن عثمان رضوی، سید عمر شکوہ رضوی

۳-سید فراز رضوی۔ طبیہ کالج دیوبند سے سندیافتہ ہیں۔ دہرہ دون میں سروس کرتے ہیں۔

زوجہ: عطیہ، بیٹی: سیدہ ماہین رضوی

۸-سید سلطان احمد رضوی

میرے سب سے چھوٹے بھائی سید سلطان احمد رضوی ہیں۔ بھائیوں میں ان کا آٹھواں نمبر ہے۔ انھوں نے بھی امام المدارس اسکول سے میٹرک، انٹرمیڈیٹ

کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی اے کیا۔ پھر آگرہ یونیورسٹی سے اردو ادبیات میں ایم اے کیا اور بی ایڈ کیا۔ بی ایڈ کے بعد تعلیم و تدریس کے شعبہ سے منسلک تھے۔ ان کی طبیعت میں تصوف سے لگاؤ ہے اور اوراد و وظائف کرتے ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بھی بیٹھتے ہیں۔ گھنٹوں حلقہ باندھتے ہیں۔ لوگ ان سے دعا کرانے آتے ہیں۔ اکثر جن بھوت یا آسیب زدہ لوگوں کو جھاڑ پھونک کے ذریعے آرام پہنچاتے ہیں۔ اس لئے وہ مقبول ہیں اور اللہ والے کہلاتے ہیں۔

ان کی اولاد میں ۹ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ ان کی ترتیب یہ ہے:

سیدہ غزالہ رضوی۔ شوہر: سید وجاہت رضوی

اولاد: رابعہ رضوی، ذیشان حیدر

سیدہ شہوار رضوی۔ شوہر: سید بابر رضوی

اولاد: ردا رضوی، فراز رضوی، طوبیٰ رضوی

سیدہ فرزانہ رضوی۔ شوہر: نوشاد

سیدہ فوزیہ رضوی۔ شوہر: آصف کلے دار

اولاد: لڑکی

سیدہ بشریٰ رضوی۔ شوہر: سید کامران خورشید رضوی

سیدہ عارفہ رضوی

سیدہ سحر رضوی

سیدہ ثناء رضوی

سیدہ صبا رضوی

سید محمد علی رضوی

سید عباس رضوی

سلطان کی سب لڑکیاں گریجویٹ ہیں اور حمد و نعت پڑھتی ہیں۔
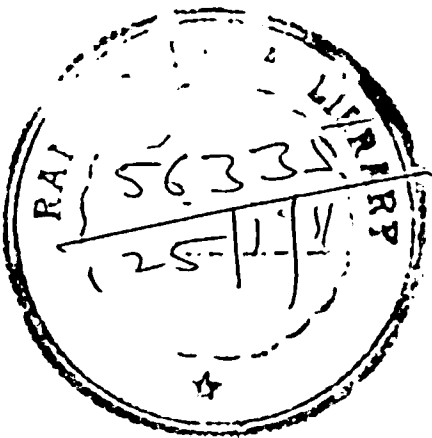
ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

الحمد للہ والمنۃ کہ گنجینہ جواہر بے بہا وخزینہ نقود بے ہمتا یعنی مجموعہ رسائل نافعہ مفیدہ ملقب بہ

افادات احمدیّہ

حصہ اول مشتمل بر

دعوۃ الاسلام ✤ العجالۃ فی اثبات التوحید والرسالۃ ✤ ہدیہ احمدیہ فی سنیۃ الخطبۃ بالعربیۃ
البرہان الباہر علی صحۃ القولین فی شق القمر ✤ التحبیر فی اثبات التقدیر ✤ ابطال تناسخ
القول الاعلی فی رؤیۃ اللہ تعالیٰ ✤ القول المختصر فی ابطال جبمیۃ الرب الاکبر ✤ تفویض علم
الی الباری فی حق الذراری

از افاضات فخر المحدثین سند الفقہاء والمتکلمین حضرت مولانا المولوی الحاج السید احمد حسن المحدث الامروہی قدس سرہ

(حسب ایماء)

صاحبزادہ حضرت مولانا مرحوم ومغفور یعنی مولوی سید محمد صاحب سلمہ
بہ تصحیح ونگرانی جناب فاضل علامہ مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب سلمہ اللہ

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں بحسن وخوبی چھپا

۱۹۱۵ء

محفوظ علی مہتمم سنگ جوہری
بار اول تعداد طبع ایکہزار

فہرست مضامین کتاب افادات احمدیہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

بعد حمد وصلوٰۃ کے سچے دل سے اقرار کرتا ہوں میں اس بات کا کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت اور مستحق بندگی برائے اللہ کے اکیلا ہے وہ نہ مرتبۂ ذات میں کوئی اس کا شریک وساجھی ہے نہ مرتبۂ کمالات ذات یعنی مرتبہ صفات میں اور صدق دل اور سچے قلب سے اقرار کرتا ہوں میں اس امر کا کہ بے شبہ وبالیقین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہیں اس کے مقبول اور رسول ہیں اس کے برحق۔

اے حاضرین جلسہ اور اے حضرات مجلس بندۂ نحیف اور سب آپ حضرات بلکہ سب بنی آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند　　　کہ در آفرینش زیک جوہر اند

اس لئے ہر ایک پر ضرور ہے کہ باہمدگر ایک دوسرے کی پوری ہمدردی کرے اور کامل خیراندیشی مجھ پر لازم ہے کہ بحق ہمدردی آپ حضرات کی خیراندیشی میں تا امکان کوشش کروں میں اپنے خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ کو گواہ کر کے قسم کہتا ہوں کہ مجھکو اس وقت کھڑے ہو کر جو کچھ عرض کرنا مقصود ہے اس سے صرف آپ حضرات کی خیراندیشی مقصود ہے اپنا کوئی مطلب ذاتی نہیں۔ لہٰذا بہ ہزار نیازمندی یہ آرزو ہے کہ آپ حضرات میری جملہ معروضات کو غور سے سمجھیں اور انصاف کے ساتھ بہ توجہ خاطر سنیں۔

صاحبو! بات یوں ہے کہ ہم اور سب اور تمام بنی آدم تین حال سے خالی نہیں بعض وہ جو کہ راہ مستقیم پر یعنی اسی مراد ہے اسی سڑک پر جو ہمارے مقصود اصلی تک موصل ہو اور ہم کو تا بمقصود پہنچا دے بمضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور مستعدی کے ساتھ اس پر چل رہے ہیں اور کسی حال میں اپنے قدم کو اس راستے سے نہیں ہٹاتے اور بعض

دو کہ طریقِ مقصود اور راہِ مطلوب کو چھوڑ بالکل بے راہ ہوگئے ہیں اور بعضے وہ کہ گو وہ راہِ مقصود پر چلا رہے
ہیں مگر نہ باین استقامت و مستعدی و نہ باین استقلال و ثابت قدمی بلکہ گرتے پڑتے ٹھوکریں کھاتے راہِ
مقصود کو طے کرتے ہیں تیسرے اشخاص بہ نسبت اشخاص قسم اول جنھوں نے راہ مستقیم در راہ مقصود کو پکڑ
رکھا ہے اور جن کا وصول الی المقصود ضرور متوقع گرادنی ہیں۔ مگر تاہم بہ نسبت اشخاص قسم ثانی وہ بھی اچھے
ہیں اور انکی حالت گو خطرے سے خالی نہیں۔ لغزشوں کی افتاد اور ٹھوکروں کی مصائب کا ہر وقت سامنا
مگر تاہم امید کہ گرتے پڑتے ایک روز مقصود تک پہنچ لیں۔ بخلاف قسم ثانی کے کہ اُن کا وصول الی المقصود
کسی طرح متوقع نہیں اُن کی حالت بالکل خطرناک ہے اور عین حسرت مگر یہ مطلب جب سمجھ میں آسکتا ہے
کہ پہلے یہ معلوم ہو کہ ہمارا تمھارا مقصودِ اصلی کیا ہے اور دو کسے ٹرک اور وہ راہِ مستقیم جو مقصود اصلی تک پہنچا دے
کونسی ہے ❊

سوچئے تمامی مخلوقات اور تمامی کائنات میں سے انسان ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کا خواہ
از جنس سماویات ہو یا از جنس ارضیات محتاج ہے اور ہر نوع مخلوقات کو نوع انسان سے بہمہ جہتہ استغنا ہے
آپ حضرات اپنے کھانے پینے دوا و غذا صحت و مرض قیام و قرار نوم و یقظہ وغیرہ وغیرہ حالات کو اگر
نظرِ غور سے نظر فرماویں تو واضح دیکھ سکتے ہیں۔ کہ درحقیقت ہم اپنے تعیش و بقا میں کسی نہ کسی
مرتبہ میں ضرور ہر چیز کے محتاج ہیں۔ اور جملہ اشیاء و تمامی مخلوقات کو ہماری کوئی حاجت نہیں سب کو
ہم سے غنا ہے اور ہم کو سب کی حاجت اور یہ خود مسلم کہ محتاج الیہ اشرف نہ محتاج پھر کیا وجہ کہ باوجود ہمہ
ہمہ حاجت ہونیکے نوع انسان کو سب پر فضیلت ہوئی اور اشرف المخلوقات ہونیکا خلعت زیبا مرحمت ہوا
ضرور ہے کہ انسان کو کسی ایسے بڑے کام اور اعلیٰ خدمت کیواسطے پیدا کیا ہے جسکے انعام و صلہ میں یہ بڑا
منصب کہ وہ باایں ہمہ حاجت اپنی محتاج الیہ اشیاء پر فضیلت حاصل کرے اور سب سے افضل و اشرف قرار
پاوے۔ عنایت ہوا تفصیل اس اجمال کی اور توضیح اس مقال کی یہ ہے کہ ہماری تمھاری حکمت و علوم
بمقابلہ علم و حکمت باری عز و جل اس سے بھی کم ہیں۔ جیسے تابشِ ذرہ بمقابلہ نور آفتاب پس باوجود اس
مرتبہ نقصان کے جبکہ ہمارا تمھارا کسی عاقل کا کوئی فعل عبث و فضول نہیں ہو سکتا اس قادر مطلق
محیط کل کا جو عین علم ہے اور عین حکمت کیونکر کوئی فعل عبث و فضول ہو سکتا ہے۔ تعالیٰ شانہ و عز مجدہ
صاحبو! جیسے یہ مسلّم ہے کہ آگ جلایا ہی کرتی ہے بجھاتی نہیں اس سے زیادہ یہ مسلّم کہ حکیم علی الاطلاق

حکمت ہی کا کام کرنا ہے عبث و فضول افعال کا اُس سے سرزد ہونا اور مرتبۂ و تمتع میں آنا بیشک محال اور شبہ
باطل پس ثابت اور کھلا ثابت کہ انسان کو عبث اور نکما نہیں پیدا کیا اور جملہ اشیا کو کل انسان کے کام کیواسطے
پیدا کیا ہے تو ضرور انسان اپنے خالق کے کام کا ہوگا۔ اور اسکی بیشک ایسی مثال ہوگی جیسے گھاس دانہ سائیس
و اصطبل وغیرہ جملہ گھوڑے کیلئے ہوتے ہیں اور اس کے کام کے تو گھوڑا خود مالک رئیس کےلیے ہوتا ہے اور
اس کے کام کا مگر چونکہ جناب باری عزشانہ بہمہ جہت کسی کے محتاج نہیں حسب اُس کے محتاج ہیں تو اُس عین کمال کا
کام اور اسکی خدمت بجز بندگی و نیازمندی اور اطاعت و فرمانبرداری کے کہ جس کا نتیجہ وصول الی الجنۃ و مقام
رضا رخالق برتر ہے دوسرا نہوگا پس ثابت ہوا کہ انسان کو خدمتِ خاصۂ بندگی و نیازمندی کے واسطے
پیدا کیا ہے تاوہ مستحق دخول جنت ہو اور واصل بمقام رضا یہی دخول جنت و مقام رضا اُس کی پیدائش کا
مقصود اصلی ہے اور یہی عبادت و بندگی اُس کے لیے سبب وصول اور وہ رستہ جس سے طریقۂ عبادت
و بندگی معلوم ہو اُس کے لیے راہ مستقیم ہے پس انسان اگر اس راہ بندگی و عبادت سے جو اُس کے مقصود
اصلی کی راہ مستقیم تھی۔ برطرف ہو کر دوسری راہ لے اور سبیل ارشاد سے ضلالت و گمراہی کو اختیار
کرے۔ تو یہ اس کی اعلیٰ درجہ کی محرومی ہے اور بیشک اُس کی ایسی مثال ہوگی۔ جیسے کہ کتاب پڑھنے
کے واسطے ہے اور یہی اُس کے وجود سے مقصود مگر کوئی کتاب سے پڑھنے کا کام نہ لے اور اُسکو
جلاکر روٹی پکائے گو اس صورت میں روٹی پکانے والے کا مقصود حاصل ہوگیا۔ مگر خود کتاب کے حق
میں بڑی کم نصیبی ہوئی اور پوری محرومی اور خود ذاتِ باری جل وعلا چونکہ اپنے مرتبۂ ذات و
صفات میں بہمہ جہت کامل ہے بلکہ عین کمال تو ہماری یہ جملہ عبادت و بندگی اور یہ تمام عبادت
و فرمانبرداری خود ہمارے ہی حق میں مفید ہوگی اور یہ جملہ تمرد و نافرمانی ہمارے ہی حق میں مضر اور
اسکی ذات عین کمالات کو جل شانہ و تعالیٰ عظمتہ نہ کسی کی عبادت سے کوئی نفع اور نہ کسی کے معاصی
و نافرمانی سے کوئی ضرر۔ ہمارے تمہارے یہ اعمال نیک و بد فوارہ وار ہم ہی سے نکلتے اور سرزد ہوتے ہیں
اور اعمال نیک کا اثر نیک یعنی دخول جنت و مقام رضا باری تعالیٰ اور اعمال بد کا اثر بد یعنی دخول جہنم
و مقام غضب الٰہی خود ہم ہی پر پڑتا ہے اور خود ہم کو ہی اس سے تعلق۔ ذات و صفات باری کو بہمہ
جہت اُن سے اور اُن کے آثار سے بے نیازی اور بہمہ وجوہ استغنا ر تعالیٰ شانہ و عز مجدہ اب
یہ شبہ کہ اس بے نیازی کے ہوتے ہوئے انسان کو اپنی عبادت و بندگی کے واسطے کیوں پیدا کیا

اور یہ عبادت اُسکی پیدائش کی کیوں غرض ٹہیری اور مقصودِ اصلی۔ امور نافعہ و مفیدہ کو بلفظ غرض و مطلب و بعنوان
مقصودِ اصلی تعبیر کر سکتے ہیں۔ نہ غیر مفیدہ کو۔ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ غرض دو قسم پر ہے۔ ایک وہ کہ نقصان
فاعل پر مرتب ہو اور فاعل کو اُس کے وجود سے خود اپنی تکمیل منظور و مطلب یہ کہ نقصان فاعل رفع ہو۔ دوسرے
وہ کہ خود کمالِ فاعل اُس کا منشار و مطلب یہ کہ دوسری اشیار کی۔ جو مرتبۂ کمالات سے خالی ہیں تکمیل فرمائی جاوے
اور اپنے فیوضِ کمالات سے اُن کو مستفیض مثال اگر درکار ہے۔ لیجئے فقرار و محتاجین و اشخاص ناقصین
کی بوجہ تہیدستی و نقصانات اپنے استکمال میں اغنیار زمانہ و کاملین وقت کے ساتھہ جیسے کہ غرض وابستہ
ہوتی ہے۔ اور وہ اُن کی فیض رسانی و داد و دہش کے محتاج۔ اغنیار زمانہ و کاملین وقت کی غرض اپنی عطا
وجود میں فقرار و ناقصین کے ساتھہ وابستہ ہے۔ فرق اتنا کہ منشار اول کا اگر نقصان و بے کمالی ہے تو منشار ثانی
کا عین کمال ہے افعال باری کا معلل بالاغراض ہونا غرض بالمعنی الاول پر مبنی ہے نہ غرض بالمعنی الثانی پر اِس
تقریر سے واضح ثابت ہو گیا کہ عبادت و بندگی و اطاعت و فرمانبرداری انسان کا مقصود اصلی ہے۔ اور
جو رستہ کہ اس مقصود اصلی پر پہنچاوے۔ اُس پر چلنا صورتِ کامیابی۔ اور اُس سے برطرف ہو کر دوسری راہ
اختیار کرنا پوری محرومی۔ رہا یہ خلجان کہ اگر وجودِ انسان اصلی ہو۔ اور اُس کا خانہ زاد نہ کسی کے ارادہ سے نما
ہو نہ کسی کی قدرت سے مخلوق نہ کوئی اُس کا خالق اور نہ وہ کسی کا مخلوق۔ تو پھر یہ مدعا کیونکر ثابت اور یہ کہنا کیونکر
صحیح کہ کسی کا حق عبادت اُس پر واجب ہے اور یہی عبادت و بندگی اُس کی پیدائش کا مقصودِ اصلی سو سنئیے صفات
کی دو قسمیں ہیں ایک بالعرض۔ دوسری بالذات۔ صفات بالعرض وہ کہ اپنے موصوفات سے جدا ہو سکیں
اور فی مابین اُن صفات اور موصوفات کے علاوہ دوئی و اثنینیۃ ہو نہ رابطۂ اتحاد و عینیۃ اور بوجہ اس علاقہ
اثنینیۃ و دوئی کے وہ اپنے موصوفات سے سابقاً اور لاحقاً انفصال کو قبول کریں عدم سابق نیز اُن کو محیط ہو اور
عدم لاحق نیز اور صفات بالذات وہ جو اپنے موصوفات سے جدا نہ ہو سکیں اور نہ انفصال کو قبول کریں اُن کو
اپنے موصوفات کے رابطۂ اتحاد و عینیۃ ہو نہ مثال صفات بالعرض علاقہ دوئی و اثنینیۃ وہ اپنے موصوفات
سے کسی مرتبہ سابق یا لاحق میں انفصال و انفکاک کو نہ قبول کر سکیں وجودِ ذات عین وجودِ صفات ہو اور
عدمِ ذات عین عدمِ صفات یہ نہ ہو کہ وجودِ ذات کسی مرتبہ میں عدمِ صفات کے ساتھہ پایا جاوے۔
قسم اوّل یعنی صفات بالعرض کا وجود جب مرتبۂ سابق علی الوجود یعنی مرتبۂ ذاتِ موصوف میں نہیں تو
ضرور وہ صفات اُن موصوفات کی خانہ زاد صفات نہونگی۔ بلکہ مستعار من الغیر ہوا کریں گی اور کسی غیر سے مستفاد

اور اسی کا ظلِ عنایت اور پرتو کمال انہی کے لیئے یہ جملہ صفات خانہ زاد ہونگی۔ اور وہی اُن صفات کے ساتھ
موصوف بالذات یعنی وہ اپنے اتصاف بہذہ الصفات میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہوگا۔ اور دوسرے
سب اُس کے محتاج بالجملہ اُس موصوف بالذات پر ان صفات عرضیہ کے وجود کا منتہی ہونا ضرور ہوگا
اور کیوں نہو تسلسل وجود ما بالعرض سب کے نزدیک منجملہ محالات ہے اور انتہار وجود ما بالعرض الی ما
بالذات بحکم عقل سلیم عند الکل از جملہ واجبات پس تمامی مخلوقات جن کا وجود نہ ازل سے ہے نہ الی الابد
رہے گا ظاہر ہے کہ ایک زمانہ وہ تہا۔ کہ ہم اور تمامی کائنات پردۂ عدم میں مستور تھے اور ایک وقت
وہ آنے والا ہے جس میں ہم سب نیست و نابود ہو جائیں گے اور نام و نشان ہم سب کا صفحہ ہستی سے مٹ
جائیگا پس یہ زوال اور انفصال باعلی ندا پکار رہا ہے کہ ہماری ہستی و وجود خانہ زاد نہیں مستعار ہے اور
مستفاد من الغیر اور جیسے کہ زمین کا نورانی کی گرمی آفتاب کے نور یا حرارت آتش کا فیض ہے اور اُسکی
عطا ایسی ہی ہمارا تمہارا وجود نیز کسی ایسے کا فیض و عطا ہوگا جس کا وجود خانہ زاد ہو۔ اور اُس کی صفت
اصلی حرارت و نور کا سلسلہ جیسے آتش و آفتاب پر ختم ہوتا ہے اور عالم مخلوق میں کوئی آفتاب اور آگ سے
اوپر ایسا نہیں جس کے فیض سے آفتاب منور ہو یا آگ گرم۔ ایسے ہی ہمارا تمہارا وجود و ہستی جس کا فیض ہوگا
اُس پر سلسلہ وجود ضرور ختم ہوگا۔ اور اُس سے اوپر کوئی غیر ایسا نہ ہوگا جس سے اُس کا وجود مستفاد ہو اور
اُس غیر کا ظل و عکس۔ بلکہ وجود حقیقی اُس کی صفت اصلی ہوگی۔ اور وہی اُس وجود حقیقی کے ساتھ متصف
بالذات اسی موصوف بالذات کو ہم خدا کہتے ہیں اور سچا معبود اس تقریر سے ثابت ہوا کہ وجود انسان مخلوق
ہے اور اُس خالق برتر کا پیدا کیا ہوا۔ اور گو یہ ثابت ہو چکا کہ انسان بغرض عبادت پیدا ہوا ہے اور یہ عبادت
و فرمانبرداری اُس کی خلقت کا مقصود اصلی مگر دوسرے عنوان سے نیز یہ مدعا ادا ہو سکتا ہے۔

صاحبو۔ یہ ظاہر کہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری اور بندگی اور نیاز مندی انسان سے کہ بے قیدی اور
آزادی اس کا مقتضا ہے بغیر محبت ناممکن اور تا وقتیکہ اپنا نفع و ضرر اُس دوسرے کے دست قدرت میں
نہو کسی دوسرے کا مطیع ہو کر رہنا اور یہ بار گراں اطاعت و فرمانبرداری اپنے سر رکھنا نوع انسان کو شاق
اور مسلّم کہ وجوہ عشق و محبت چار ہیں اور ان ہی چار میں یہ منحصر جمال۔ و کمال۔ و احسان و قرابت اور ہر ایک
ان میں سے ایسی علتِ مستقلہ کہ ان میں سے ایک کا وجود بھی ولو کان بالعرض واسطہ محبت کے لیے
کافی۔ باری عزوجل جمیل و کامل ایسا جس کا جمال و کمال اصل حقیقی اور دوسروں کا جمال و کمال اُسی کے عطاء وجود کا اثر

احسان اُس مرتبہ کامل کہ بلا سابقہ استحقاق اپنے فیوض کمالات کے ساتھ مستفیض فرمایا اور وجود اور کمالاتِ وجود کے ساتھ ہم سب کو نوازا قرابت ایسی قوی کہ وہ ہمارے مرتبۂ ذات سے قوی تر اور ہمارے نفس سے قریب تر آئے حضرات جبکہ بہ شہادت عقل سلیم یہ ثابت کہ ہماری تمھاری ہستی و وجود تمامی کمالات اُسی خالق برتر کے وجود و ہستی کے ظل عنایت سے صادر۔ اُسی کے کمالات کے پرتو اور یہ مسلم کہ ظل کا وجود ذی ظل پر موقوف بلکہ وجود و سائر کمالات جو حقیقۃً و اصالۃً اولاً و بالذات موصوف اصلی و ذی ظل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور ثانیاً و بالعرض و بطور مجاز موصوف بالعرض کیساتھ قائم اور اوس میں جلوہ گر پس جیسا کہ مرتبہ مجاز و مرتبہ موقوف کو اپنے مرتبہ ذات سے یعنی مرتبۂ موقوف علیہ اور مرتبہ حقیقت سے زیادہ قرب و وابستگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمیں اور تمھیں اپنے مرتبہ ذات سے زیادہ اور قوی مرتبہ ذاتِ باری جل و علا سے قرب و وابستگی ہوگی اور وہ بھی اس مرتبہ کہ اپنی حقیقت اور ذات کے ادراکِ اصلی و علم واقعی سے پہلے اس کا ادراک ناں قرابت نسبی ہونی یعنی قرابت بہذا المعنیٰ کہ کوئی اس کا باپ ہو یا اُس کا بیٹا یا کسی کو اُس سے رابطہ اخوت ہو یا رابطہ بنوت ناممکن، تو وہ تعالیٰ شانہ بے نیازِ محض سبوح و قدوس ہر قسم کے عیوب سے منزہ و مقدس مخلوقات سراپا عیب سراپا حاجت و بالخصوص نوعِ انسان کہ سب سے زیادہ محتاج نیز حدوث و امکان وغیرہ عیوب کے سوا اکل و شرب بول و براز وغیرہ معائب میں ملوث۔ پس مخلوقات میں سے کسیکو ولو کان ملکاً ولو کان نبیاً و رسولاً ان نقائص و معائب اور ان حوائج کے ہوتے ہوئے اُس سراپا کمال بے نیاز محض سے کیونکر علاقہ قرابت نسبی ہوسکتا ہے حاشا ثم حاشا بڑی غلطی کی اور فاش غلطی کی جنھوں نے اس بدیہی فرق کو نہ سمجھا اور کسی مقرب کو اُس کے قرب مرتبہ سے دھوکا کھا کر اُس بے نیاز محض کا بیٹا کہا یا۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا بالجملہ جب کہ ذات باری جل و علا میں یہ ہر چہار وجوہِ محبت و عشق بالاصالۃ علی وجہ الاتم والاکمل موجود۔ تو اُس ذات عین الکمالات کے ساتھ ہر مخلوق کو علاقہ فریفتگی و محبت ہونا ضرور اور ہر جذرِ قلب میں اُسکی نارِ عشق ہونی لازم۔ اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر ایک کے جذرِ قلب میں مومن ہو یا کافر مادہ ایمان و اطاعت جسکی تعبیر نارِ عشق و تخم محبتِ خداوندی ہے موجود ہے

برائے سجدۂ محراب ابرو بد لہا ذوقِ ایماں آفریدند

نیز جب تمامی کمالاتِ وجود و توابعاتِ وجود سب اُسکی عطاء وجود ہے اور مثلِ عطا سائب اُس کا نیز

مقدور آور نیز ہمارے نفع و ضرر دونوں پر اُسکو دست قدرت پس وہی منعم حق و معطی مطلق ان سب کا مالک
اصلی ہوگا اور حاکم حقیقی آور ہم سب اُس کے مملوک اور محکوم آور نفع و ضرر ہمارے دونوں اُس کے مقدور
پس بحق مملوکیت اور محکومیت ہم سب پر اُس کی اطاعت فرمانبرداری ضرور۔ اور بحق مالکیت نفع
و ضرر اُس کا حق عبادت و بندگی ہم سب پر لازم آور بیشک نا فرمانی اُس کی بحکم بغاوت آور جبکہ ہم نے
تمامی کمالات میں تروحی ہوں یا بدنی جانی ہوں یا مالی بکل الاعتبار و بہمہ جہت اُس کے عطار وجود
کے محتاج ہیں آور یہ سب اُس کی عین عطا ہے۔ یا اُس کی عطار وجود پر مترتب آور اِس جملہ عطار وجود
میں اُس عینِ کمالات کا نہ کوئی ساجھی نہ شریک پس نہ ہی وحدہٗ لا شریک لہٗ ہمارے تمامی مراتب
روح و بدن، جان و مال کا مالک مطلق ہوگا اور منعم برحق آور تصرفات کا تابع ملک ہونا اور علی قدر الملک
ناقص اور کامل ان کا مرتبہ وقوع میں آنا خود مسلم پس اُس مالک علی الاطلاق قادر و توانا کو بے شبہ
ہر قسم کے تصرفات کا کہ جو چاہے سو کرے، حق پہنچ ہوگا۔ آور کسیکو نہیں پہنچ سکتا کہ اسپر کسی نوع
تصرف کو واجب کہے اور کسی نوع کو ناجائز اور ناممکن اُس کے ہر نوع تصرف پر نہ کوئی اعتراض
کرسکتا ہے نہ جرح۔ یہ جب ہوسکتا ہے کہ ملک نا تمام و ناقص ہو نہ بہمہ وجوہ تمام آور جبکہ وہ بہمہ وجوہ
علی الوجہ الاکمل مالک ہے اپنے ملک میں جو چاہے وہ تصرف کرسکتا ہے۔ اعتراض کرنا اور جرح کا ورود
کیونکر صحیح۔ نیز اعتراض کرنا اور اُس کے کسی نوع تصرف کو ناجائز کہنا خود اس پر موقوف کہ اعتراض
کرنے والا حاکم ہو آور جسپر اعتراض کرتا ہے وہ محکوم مگر شاید یہ خلجان ہو کہ گاہے رعایا حاکم پر بیٹا باپ
پر شاگرد مرید استاد و پیر پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جملہ محکوم ہیں نہ حاکم سو اس کا یہ جواب ہے
کہ یہاں پر بنار اعتراض نیز حکومت پر ہے یہ سب منجانب عقل اعتراض کرتے ہیں یا منجانب
شرع زبان ان کی ہوتی ہے آور اعتراض یا قانون عقل کا ہوتا ہے یا شریعت کا آور یہ ظاہر کہ عقل
اور شریعت کے سب محکوم ہیں آور عقل و شرع سب پر حاکم بالجملہ وہ خالق برتر چونکہ جملہ اشیار کا بہمہ
جہت و بہمہ حیثیت مالک برحق ہے آور حاکم برحق اور سب اُس کے مملوک و محکوم آس پر ورود جرح
کیونکر صحیح لا ریب اُسکو حق صحیح ہے کیف یشار تصرف کرے اُس کا ہر تصرف صحیح و حق ہے
اور عین عدل اُس کے کسی نوع تصرف کو نہ ظلم کہہ سکتے ہیں نہ باطل و ناجائز ظلم جب تھا کہ ملک غیر
ہوتی اور اُس ملک غیر میں تصرف جب تمامی اشیار اُس کی ملک ہیں تو ظلم کہنا خود ظلم ہے

البتہ وہ مالک حقیقی گو قادر علی کل شئے ہے جو چاہے سو کرے مگر چونکہ حکیم علی الاطلاق ہے اور عالم بالعلم کلی
رحیم ہے اور کریم۔ لہٰذا اُس کا کوئی تصرف اور کوئی فعل خلافِ حکمت نہیں ہو سکتا اور اُس کی مشیت
اور اُس کا ارادہ کبھی ایسے تصرف کے ساتھ کہ خلافِ حکمت ہو یا خلافِ رحم و کرم متعلق نہیں ہوتا
یہی وجہ کہ بمقتضائے حکمتِ کاملہ نظر مجموعۂ عالم بضرورتِ حُسنِ مجموع بُروں کو اچھوں کے ساتھ نیز
پیدا فرمایا۔ مگر جیسے کہ خط و خال اپنے مرتبۂ ذات و مرتبۂ تفرد میں گو قبیح و مذموم ہیں۔ مگر مجموعۂ
چہرۂ محبوب کے واسطے باعثِ افزونیٔ حُسن۔ قاتل ظالم کا مارنا اور چور کا قطع ید کرنا گو قاتل اور سارق
کے حق میں مذموم اور زبون اور باعثِ بدنامی ہے۔ مگر مجموعۂ سلطنت کے واسطے و مجموعۂ رعایا کے
حق میں موجبِ انتظام و مورثِ حفاظت جان و مال معہذا یہ بُرائی گو فی حد ذاتہ فی مرتبۃ التفرد بُرائی
ہے۔ مگر مجموعۂ عالم کے لیئے باعثِ افزونیِ حُسن نیز چونکہ اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی خاطر
اپنے خلافِ طبیعت کا کاربند ہو۔ اور اِس مخالفتِ نفس اور خلافِ طبیعت کا درد و دکھ جھیلے
اِسی ضرورت سے مادہ اطاعت کہ جزء ملکوتی اُس کی تعبیر ہے۔ گوہر انسان میں تھا۔ مگر اس پر نہ اکتفا
فرمایا۔ مادہ ہوا و ہوس و خواہشات نفسانی کہ جزء بہیمی اس سے عبارت ہے اور مادہ عصیان اور
نافرمانی کہ جزء شیطانی اس کا عنوان ہے نیز اُس میں زیادہ کیا اور ترکیب انسانی گویا ان تین اجزاء
اور تین اخلاط سے قرار پائی گا ہے اطاعت گا ہے ہوسہائے نفسانی کا صدور اور ان آثار متضادہ
کا اپنے اپنے اوقات میں ظہور۔ اس دعوے کی عمدہ دلیل فان الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد
ضرور ہے کہ حقیقتِ انسانی میں یہ تینوں موجود اور مقصود یہ کہ انسان باوجود ان نوازعات کے کہ ایک
جذبۂ معصیت و نافرمانی و جذبۂ ہوائے نفسانی موجود۔ مگر لازم کہ اپنے منعم حقیقی اور محبوب اصلی اور
مالکِ برحق اور حاکمِ مطلق کی حق شناسی کرے اور جزء ملکوتی کو ان دونوں جزء شیطانی و جزء بہیمی
اس مرتبہ غالب کرے کہ سراپا اطاعت ہو کر رہیں اور سچا بندہ اور بشوقِ وصلِ محبوبِ حق اُس کی سچی طلب
میں ہر وقت اس مخالفت و خلافِ طبیعت کے درد و غم کی پوری برداشت کرے اِسی بنا پر نوعِ
انسان کی تھوڑی عبادت باوجود مخلوط بالمعاصی ہونے کے لائق قدر ہوئی اور اس کو بغرضِ عبادت
و اطاعت پیدا کیا۔ اور گروہ ملائکہ جن میں سوائے مادۂ عبادت کوئی جاذبہ مخالفت نہیں باوجود
اُن کی کثرتِ عبادتِ خالصہ کے نہ یہ عظمت فرمائی نہ قدر و منزلت اور نوعِ انسان کو تمامی مخلوقات پر

کیسا شرف نوعِ ملائکہ پر بھی فضیلت بخشی ہے

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

اس تقریر سے کہلا ثابت کہ انسان باوجود اس حالت کے کہ احتیاج الی الخالق ایک طرف مخلوقات میں سے ہر شے ادنیٰ و اعلیٰ کا محتاج اور ہمہ حاجت ہونا انسان کا گویا عنوان اور ہر بار ہمہ حاجت ہونے کے اسیرِ بارِ غم کے بندہ ہو کر رہے اور تمامی اوامر و نواہی ربِ برحق کا مکلّف ہے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو وگرنہ ہم خدا ہوتے جو دل بے آرزو ہوتا۔

لیکن خالق برتر نے انسان کو اپنی خدمتِ خاصہ یعنی عبادت و اطاعت کے واسطے پیدا کیا ہے لہذا اس کے انعام و صلہ میں اسکو یہ خلعت زیبا مرحمت کہ تمامی مخلوقات پر اس کو فضیلت ہے خلاصہ یہ کہ تمامی مخلوقات انسان کے واسطے اور انسان خود خدا کے لیے ہے

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اس منصبِ عظمیٰ اور اس مرتبۂ علیا کا بیشک یہ مقتضی تھا اور ہے کہ جیسے پختہ و مضبوط مکانات اور عمدہ تعمیرات کی درستی و پختگی میں مکانہائے خام اور بوسیدہ و ناپسندیدہ کو صرف کرنا عین مقتضائے عقل اور عین مقتضائے حکمت اس بیش بہا اعلیٰ درجہ کے بقاء و تعیّش میں دیگر اشیاء دنیا کو اگر صرف میں لایا جاوے عین عدل ہوا اور عین حکمتِ بالغہ اس اشرف المخلوقات نوع انسان کو اگر تمامی مخلوقات پر تصرف دیا جاتا زیبا تھا۔ مگر یہ بھی تقاضائے کرامت ہے اور مقتضائے حکمت کہ جس چیز کو یا جس تصرف کو فی حق الانسان مضر سمجھا اسکو ممنوع فرمایا۔ اور جسکو نافع اسکو مباح۔

صاحبو اس تقریر سے انسان کا مخلوق ہونا اور بغرض عبادت اس کا پیدا کیا جانا بخوبی ثابت و متحقق ہوا۔ رہی یہ بات کہ وہ راہِ مستقیم کہ اس مقصود اصلی تک پہنچا دے۔ اور اس پر سلوک موصل جنت ہو اور موجبِ رضاء خالق برتر کیا ہے اور کونسا سو باللہ العظیم ثم باللہ العظیم سوائے دینِ حق اور مذہب صحیح و مقبول محمدی علی صاحبہ الف الف صلوۃ و سلام کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے عقائد و اعمال کی غلطیاں باعث ترکِ رہگذر نہوں۔

صاحبو اس دین مرضی کے دو اصول ہیں ایک توحید یعنی یہ اعتقاد کہ مستحق عبادت ایک ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ نہ ساجھی دوسرے اقرارِ رسالت یعنی یہ اقرار و اعتقاد کہ محمد صلعم

اُس کے رسول برحق ہیں اور سچے نبی۔ سو اگر انصاف ہو۔ اور عقل سلیم سے کام لیا جاوے تو یہ دونوں اصول حقہ بداہت عقل سے ثابت اور عقل سلیم اس پر شاہد عدل اور سچا گواہ یہ بات کہ معبود حق ایک ہے۔ وہی سب کا خالق ہے اور وہی سچا مالک وہی محبوب حقیقی ہے۔ وہی حاکم اصلی۔ تقریرات سابقہ سے انشاء اللہ خود ثابت یعنی جب یہ ثابت کہ وجود جملہ کائنات اُن کا خانہ زاد نہیں۔ بلکہ بالعرض ہے۔ اور موصوف بالذات اور موجود بالوجود الاصلی کا ظل و عکس۔ اعدام وجود و کمالات وجود گویا ممکنات کے صفات اصلیہ ہیں اور وجود و بود و تمامی کمالات جو انوار کمالات باری ہیں آئینہ وار اُن میں جلوہ گر وہ اپنی ہستی ذات و صفات میں اُس عین کمال ذات باری کے محتاج اور سائر کمالات اُس ذات باری کے لیئے بالاصالت ثابت ہے ؎ چوں سایہ نمود اپنی تمہیں سے ہے وگرنہ ÷ کچھ ہم میں نہیں غیر عدم اور زیادہ اور چونکہ سلسلۂ وجود ان تمامی موجودات بالعرض کا اُس موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے لازم کہ اُس کا وجود اصلی ان تمامی وجودات ظلی کو محیط ہو۔ اور اپنے وجود ہستی میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اُس کے جمیع کمالات خانہ زاد ہوں اور اُس کا مرتبہ تحقق ذات عین مرتبہ تحقق صفات لہٰذا بداہتہً ثابت کہ وہ ذات عین کمال وجود اصلی و حقیقی کے جملہ مراتب اکو احاطہ کرے اور سب پر مشتمل ہو اور کوئی مرتبہ مراتب وجود اصلی کا ایسا نہ ہو جو اُس کے مرتبۂ ذات کے واسطے نہ ثابت ہو۔ ورنہ جس مرتبۂ وجود کا عدم ہوگا اُس کے ثبوت میں احتیاج الی الغیر ہوگی اور اُس کا واجب الوجود اور موصوف بالذات ہونا غلط ہوگا پس لازم کہ اُس واجب الوجود موصوف بالذات کیواسطے جملہ مراتب وجود اصلی ثابت ہوں۔ اور اُسکی ذات عین کمالات کا تحقق جملہ مراتب وجود اصلیہ کا تحقق ہو۔ اور واضح ثابت کہ جس کے جملہ مراتب وجود اصلیہ اُس کے لیئے ہوئے اور کوئی مرتبہ مراتب وجود میں سے باقی نہ رہا۔ تو لازم کہ غیر اُس کا یا مرتبۂ عدم بحت میں ہو یا موجود بوجود ظلی ہو۔ ممکن اور مخلوق بندہ ہونا اُس کو لازم اور اگر مرتبۂ عدم بحت میں ہو۔ تو وجود اُس کا ممتنع اور محال اور یہ عدم اُس کا مقتضائے ذات بالجملہ کھلا ثابت کہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور کوئی ایسا نہیں جو مرتبۂ ذات میں اُس کا شریک ہو۔ یا مرتبہ صفات میں اور اُس کا وجود یا اُس کی کوئی صفت جو منجملہ توابعات وجود ہو اُس کی صفت اصلی و ذاتی ہو۔ ممکنات کی اُن صفات کو جن کا مادہ الشک کی بنا پر نہ انفکاک ہو۔ نہ زوال ذاتی کہنا ایک از جملہ لوازم ذات مجرد بالاطلاق ہے۔ ورنہ ممکن کے تمامی کمالات بالعرض ہیں اور اُس موجود اصلی کا ظل و عکس مجردات و مادیات ارضیات

دسماویات سب اس بات میں مساوی جس نے وجود و بود اور یہ صفات عطا فرمائی ہیں کہ کوئی ان میں سے متحرک ہے اور کوئی ساکن کسی متحرک کی حرکت علی وجہ الاستدارہ ہے اور کسی کی علی وجہ الاستقامت لاریب وہ قادر ہے جب چاہے ان تمامی اشیا کو فنا کرے اور اُن کی صفات موجودہ کو جب چاہے توڑا اور جوڑے اور جب چاہے ان میں خرق والتیام واقع فرمائے جلت ذاتہ وتعالت عظمتہ ذات باری کے سوائے کسی کو ازلاً وابداً موجود کہنا یا اُس قادر مطلق کی صفت ایجاد کو کسی غیر کے وجود پر موقوف بتلانا توحید ذات وتوحید صفات باری کو باطل کرنا ہے۔ بلکہ واجب اپنی صفت ایجاد و خلق میں چونکہ اُس کا محتاج اور خلق کائنات اُس غیر پر موقوف تو لازم کہ بوجہ اِس احتیاج کے نہ واجب واجب اور نہ مستحق عبودیت نیز وہ غیر اگر غیر مخلوق ہے تو کھلا شرک اور اگر مخلوق ہے تو خلق اُس کا یا خود اسکے وجود پر موقوف یا کسی دوسرے کے وجود پر شق اول کو دور لازم اور شق ثانی تسلسل کو مستلزم اور دونوں باطل اور اگر صفت ایجاد و خلق اُسکی کسی غیر پر موقوف نہیں تو خالق برتر کا اپنی صفت ایجاد و خلق کائنات میں محتاج الی وجود الغیر ہونا باطل

صاحبو! ایجاد اسی کو کہتے ہیں کہ نیست کو ہست فرمایا جاوے اور بجائے عدم ونیستی اسکو وجود وہستی عنایت ہو ممکن کا عدم اصلی نہیں ہے اور نہ ذات ممکن اُس عدم کی علت مستقلہ اور نہ اس عدم کو مقتضی عدم تعلق ارادہ باری اور عدم مشیتہ تعالیٰ جیسے اُس کے عدم کی علت تھی ایسے ہی ارادہ ومشیتہ باری اُس کے وجود کو مقتضی بالجملہ وہ عدم زائل اور بوجہ وجود علت بجائے اُس کے وجود قائم۔ یا جیسے بجاور تو نارسے پانی کی برودت مستور اور حرارت ظاہر ایسے ہی ممکن کا عدم مستور اور بوجہ فیض باری وجود ظاہر کیونکہ ہست کو ہست کرنا تحصیل حاصل ہے اور کھلا محال۔ اور ایک ہست کو دوسرے ہست سے ربط دینا تصویر ہے نہ تخلیق مخصوص بذات الباری۔ ہاں اہل صناعت کا اثر فعل واثر صناعت یہی ہے کہ وہ ایک ہست وموجود کو دوسرے ہست وموجود کیساتھ مربوط کرتے ہیں۔ بالجملہ کھلا ثابت کہ ایجاد وخلق اُسی کو کہتے ہیں کہ نیست ونابود کو موجود وخلق فرمایا جاوے۔ کھلا ثابت ہے کہ فعل خلق باری کسی دوسرے پر موقوف نہیں اور نہ کوئی مخلوق ذاتاً ازلی وابدی ہے۔ اور نہ صفاتاً لاریب وہ ذات باری منفرد الذات ہے۔ وہ منفرد الصفات واحد لاذاتہ ولاصفاتہ وہی مستحق عبادت ہے وہی خالق اور وہی محبوب حقیقی اور نہ ہی اصالتہً جملہ کائنات کا مالک اور وہی حقیقتاً سب پر حاکم

تمامی کائنات ذرہ ذرہ اسی کے اظلال عنایت سے موجود پس اس محبوب حق منعم برحق مالک اصلی حاکم
حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر لازم اور یہ حق اطاعت و حق بندگی و عبودیت ہم سب پر واجب الادا
اور یہ ظاہر ہے کہ حقوق واجب الادا کے ادا کرنے میں کوئی استحقاق اجر نہیں ہے بلکہ یہ جملہ عبادت و بندگی
چونکہ بمقابلہ انعامات غیر متناہیہ باری میں ہم اور آپ جن کا وجود وجود متناہی اور ایک مقدار زمانہ کے
ساتھ محدود ہیں زمانہ تکلیف بعد بلوغ اور وہ بھی بایں طور کہ جملہ اوقات شبانہ روزی میں کل پانچ وقت
پس ظاہر اور کھلا ظاہر کہ یہ عبادات قلیلہ بمقابلہ ان نعمائے کثیرہ غیر متناہیہ کے لائق اس کے بھی نہیں
کہ قبول ہوں چہ جائیکہ استحقاق اجر لا ریب اس منعم برحق کی ذرہ نوازی ہے کہ مثل سلاطین عظام
و شاہان دنیا اپنی رعایا کے تھوڑے نذرانہ کو جو اس کے حقوق سلطنت کے مقابلہ میں نہ کوئی نسبت رکھتا
ہے نہ اس کا خزانہ عامرہ اس کا خراج آنا نہ آنا اس کا دونوں مساوی۔ مگر یوں سمجھ کر کہ آخر اس نے اپنے کو
رعیت سمجھا۔ اور ہمارے حقوق سلطنت کی حفاظت کی نہ کبھی بغاوت کی نہ کا ہے سرتابی۔ جو کچھ بن پڑا لیکر
حاضر ہوا قبول فرماتے ہیں ایسے ہی وہ منعم برحق ہماری اس بندگی اور طاعت کی قدر فرماتا ہے اور
بنا بر علی فضلہ الکریم اس کو قبول اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے صلہ و انعام میں جنت کہ جو ہر طرح کی
نعمت اور ہر قسم کی لذات روحانی و جسمانی کا گھر ہے اس کی بشارت اور مقام رضا اور دولت دیدار کے
ساتھ جس کو دولت وصال کہئے مشرف مگر یہ بھی یاد رہے کہ جملہ قدردانی رعایائے مخلص کے اخلاص
و خلوص قلب کی بات ہے۔ ورنہ بصورت نافرمانی و سرتابی اور سرکشی مثل سزائے قید و جیل خانہ سزائے
جہنم سے جو دار غضب الٰہی ہے اور ہر قسم کی شدائد و تکالیف شاقہ کا گھر سزایاب ہونا ضرور اور اندیشہ
غضب دائمی کے ساتھ خطرناک ہونا لازم ہاں رعایائے فرمانبردار میں سے اگر کوئی کھوٹی عبادت پیش
کرے یعنی وہ عبادات جن کے تمامی حقوق نہ ادا ہوئے ہوں اور بمقتضائے غفلت و کاہلی نہ بمقتضائے
سرتابی و سرکشی کچھ معاصی نیز ان عبادات کے ساتھ ہوں اور وہ بندہ معترف بقصور ہو کر نادم ہو اور
بہزار ندامت و نیاز مندی اپنی تقصیرات کی معافی چاہے اور ان عبادات کاملہ کی بابت دل سے نیت
تو جیسے شاہان دنیا اپنی مخلص رعایا کا کھوٹا نذرانہ اس سبب سے کہ بغاوت کا روپیہ نہیں محض اس قدردانی پر کہ مخلص ہے
باغی نہیں۔ حق سلطنت کی عزت کی۔ اور جو کچھ بن پڑا لیکر حاضر ہوا۔ کوتاہی ہمت ہے جو کھوٹے دام
لیکر آیا ہے معترف بقصور ہے اور اپنی خطا پر نادم ہے بغاوت نہیں غفلت ہے یا کوتاہی ہمت

اُس کے کھوٹے نذرانہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔ وہ بادشاہ علی الاطلاق منعم برحق قادر مطلق جس کی رحمت
بڑی وسیع فضل وکرم بڑا عام وتام جواد وکریم رؤف ورحیم۔ اگر ہماری کھوٹی عبادت کو بنا بر علی فضلہ العظیم
قبول فرمائے اور بصورت ندامت یا بصورت سفارش اپنے کسی مقرب خاص کے ہماری تقصیرات اور
خطاؤں سے درگذر کرے تو عند العقل السلیم متحقق الوقوع اور ممکن ہے۔ اُس کو محال کہنا و ناممکن سمجھنا۔
اُس کے کرم اور افضال وسیعہ پر بہاری دھبہ لگانا ہے۔ اور شاہانِ دنیا سے اُسکو ان صفاتِ کاملہ
رحم وکرم میں کم درجہ قرار دینا۔ تعالےٰ شانہ وعز قدرہ بالجملہ تمامی رعایا پیر ہو یا فقیر ہو۔ یا غریب شریف ہوں
یا رذیل اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ یہ ضرور کہ بغاوت وسرکشی سے پرحذر رہیں۔ اور جملہ حقوق بندگی واطاعت
کو اپنے ذمہ واجب سمجھیں۔ روح وبدن چونکہ دونوں مخلوق ہیں اور دونوں اُسکی رعایا ومملوک ہیں تو دونوں پر
حقِ عبادت وبندگی یکساں واجب ہوگا۔ اور دونوں پر اس کا ادا کرنا ضرور۔ یہ نہیں کہ یہ خدمت تمامتر
اور یہ حقِ سلطانی کہ عبادت وبندگی جس کی تعبیر ہے صرف متعلق بروح ہو۔ اور عبادت صرف قلبی گمان
اور طاعاتِ روحانی کا نام ہو۔ بدن کو آزادی ہو اور مطلق العنانی۔ بیشک بدن کی مطلق العنانی اور اپنے
مالک کے احکام سے سرتابی وآزادی بدن کے حق میں بغاوت ہے اور بے شبہ ضرور ہے کہ جیسے بدن
اور روح میں یہ علاقہ ہے کہ روح محلِ قوتِ علمیہ جس کے ساتھ مرتبہ عقائد کو تعلق اور بدن مظہرِ قوتِ
عملیہ جسکو مرتبۂ اعمال سے علاقہ قوت علمیہ حاکم اور قوت عملیہ محکوم ایسی ہی روح نیز حاکم اور بدن وجوارح
اُس کے محکوم پس عقائدِ حقہ وعلومِ صحیحۂ روحانی وعباداتِ قلبیہ کے آثار کا بدن وجوارح پر ترتب ضرور
اور لازم کہ روح وبدن دونوں اپنے محبوب حق حاکم ومالکِ اصلی کے حقوقِ نیازمندی وبندگی کو پورا
ادا کریں اور ہمہ اطاعت ہو کر رہیں کسی کو جائز نہیں کہ اپنے کو اُس کے احکامات سے بے تعلق رکھے اور
آزادانہ بسر کرے۔ مگر اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی مرضیات اور اُن امور پر جسکو وہ چاہے
اور پسند کرے کاربند ہو اور اُس کی نامرضیات اور اُن امور سے جو اُس کے خلافِ طبیعت ہوں
پرحذر رہے۔ مگر ظاہر کہ ہم اور آپ باوجود اس اتحادِ نوعی کے کہ بشریت ولوازماتِ بشریت سب
میں شریک سب کی ایک اصل اور نسل دوسرے کی مرضیاتِ قلبی پر اطلاع نہیں پا سکتے اور نہ ہماری
تمہاری عقل اسبارہ میں کافی بیشک اس کی ضرورت کہ وہ خود ہی اپنی مرضیات پر مطلع کرے
خالقِ حق وخدائے برحق کی مرضیات پر باوجود اس تباینِ حقیقت کے ہم اور تم کیونکر مطلع ہو سکتے ہیں

اور ہماری آپ کی عقل کیونکر اس بارہ میں کافی ہوسکتی ہے عقل انسانی کا ولو کان کاملاً ولو کان صائبًا
اس سے زیادہ کمال نہیں۔ کہ وہ حسن و قبح اشیار کو علیٰ ما ہی فی نفس الامر دریافت کرے۔ مگر کیا عجب جو
چیز کہ حَسَن ہے۔ لعارض قبیح ہو اور جو چیز کہ قبیح ہے لعارض حَسَن اور لقبحہ العرضی او لحسنہ العرضی
نامرضیات یا مرضیاتِ خالق میں شامل نیز جیسے شاہانِ زمانہ و سلاطینِ دنیا گاہے بسلامے برنجند و
گاہے بدشنامے خلعت دہند۔ اسی طرح ممکن کہ وہ بے نیاز قادر علی الاطلاق مالکِ کل جس چیز کو
تم نے حَسَن سمجھا القبحہ العرضی عندہ تعالیٰ قبیح ہو۔ اور داخل نامرضیات۔ اور جو چیز کہ ہمارے علم
میں قبیح ہے لحسنہ العرضی عندہ تعالیٰ و تقدس حَسَن ہو اور مرضیات میں داخل بالجملہ ممکن کہ ماسوی
عندنا منہی ہو اور منہی عندنا مامور لہٰذا ہماری تمہاری اور کسی صاحب عقل کی عقل اس بارہ میں کافی
نہیں۔ بیشک اس کی ضرورت کہ وہ خود مطلع فرمائے۔ مگر جیسا کہ شاہانِ دنیا و محبوبان و حکام مجازی
ہر کس و ناکس کو اپنی مرضیات و نامرضیات سے مطلع نہیں فرماتے۔ بلکہ مقربانِ حضرت و خواص درگاہ
اوّل ان مرضیات و نامرضیات سے مطلع ہوتے ہیں اور بوساطت اُن کے عوام رعایا ایسی ہی ضرور کہ
وہ محبوبِ حق حاکمِ برحق اپنے کسی ایسے مقرب کو جسکو علوم راسخہ و ملکاتِ فاضلہ پر مجبول فرمایا ہو
اور جسکو لیاقتِ علمی و عملی اس مرتبۂ کمال کے ساتھ مرحمت ہو کہ اُس کو تمامی موجودین وقت و مبعوث
علیہم پر فضیلت ہو اور علوم راسخہ اور ملکاتِ فاضلہ ایسے قوی کہ ہمہ اطاعت ہو کر رہنا اُس کا شعار ہو۔
اور نامرضیاتِ خالق سے حذر اس کا خلاصہ مرضیات او نامرضیاتِ خالق پر بقدر اطلاع اُس کو عامل
سہل ہو اور مزاج شناسی محبوبِ حق کا پورا سلیقہ۔ بالجملہ جسکو یہ مرتبۂ کمال نصیب ہو۔ اُس مقرب کو
اپنی مرضیات و نامرضیات سے مطلع فرمادے۔ اوّل وہ مقرب مطلع ہو اور بوساطت اُس کے
ہم سب عوام ایسے مقربانِ درگاہِ اقدس اور خاصگانِ بارگاہِ مقدس کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور
وہ حکمنامہ جسکو وہ لے کر آتے ہیں۔ کتابِ آسمانی اور جو کہ اِس حکمنامہ کو اور احکام باری کو تا برسول
پہنچاتے ہیں۔ اُن کو گروہ ملائکہ اور جیسا کہ سلاطین دنیا اپنے خدامِ خاص کو جو ہر وقت کے خدمتی
ہوں۔ اور پیشی کے کارکن اکراماً لہم و اعزازاً للوزرا فیما بین اپنے اور اُن وزرا کے سفیر قرار دیتے
ہیں۔ ایسے ہی بحکم لازمۂ سلطنت اُس سلطان الکل باری عزوجل نے اِس گروہِ ملائکہ کو فی ما بین اپنے
اور حضرات انبیار کے صلوٰۃ اللہ علیہم واسطہ ہونے کے عزت بخشی اور منصبِ سفارت کے ساتھ

اُن کو نوازا حکمت یہ کہ دوسروں کو آئینِ سلطنت کی تعلیم ہو۔ نیز نوع انسان کیواسطے یہ ضرور کہ بنی و رسول
کو انہیں کے بنی نوع میں سے تسہیلاً علیہم و اعزازاً لہم مبعوث فرمایا جاوے تاکہ بوساطت اس بنی کے
ان کو احکام خداوندی سمجھنا سہل ہو۔ اور بوجہ اتحادِ نوعی کے اتباع اُس بنی کا عملاً و علماً آسان یہ بھی مُتعذر
نہ رہے۔ کہ یہ اور ہم اور فی مابین اُن کے اور ہمارے تبائن نوعی اُن کے سے اعمال و افعال ہم کیونکر
کرسکتے ہیں۔ اور اُن کے سے عقائد و اعمال کیساتھ ہم کیوں مکلف اِس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ
اِسی ضرورت سے بنی کا بلسان قومہ مبعوث ہونا ضرور۔ ورنہ انوکھی زبان اور غیر محاورہ میں مطلب کا
سمجھنا اور سمجھانا جس مرتبہ دشوار و متعذر ہے بسب پنظاہر اگر اس کو ناممکن کہا جاوے اور تکلیف
مالا یطاق کے ساتھ معنون تو عین حق اور بالکلیہ صحیح بالجملہ بنی کا از جملہ بنی نوع بلسانِ قومہٖ مبعوث ہونا
ضرور اور ظاہر کہ نوعِ انسان میں مادہ و عوارض مادہ کا تحقق لازم اور جبکہ مادی ہے یہ ناممکن کہ از
جملہ مجردات ہو۔ البتہ جزء ملکوتی اور آثارِ جزءِ ملکوتی کو غالب کرکے اکمل الافراد اُن میں کے یعنے
حضراتِ انبیاء ملکوتی صفت بن سکتے ہیں اور باعتبارِ اصلِ حقیقت وہ حضرات اگر از جملہ نوع
انسان ہیں تو باعتبار اِس صفت عالیہ کے گویا از جملہ گروہِ ملائکہ جو مجردِ بحت ہیں اور نورِ محض و دیا
سے بہمہ جہت مغائر اُن کو مخلوقاتِ مادیات سے اور بالخصوص اُس اکمل الافراد سے جو ملکوتی صفت
ہے باعتبار مخلوقیت وغیرہ اگر نوعی اتحاد ہے۔ تو خود ذاتِ باری سے باعتبارِ تجرد نوعے مناسبت
پس لازم کہ فی مابین باری عزوجل اور نوعِ انسان اگر اکمل الافراد یعنی حضراتِ انبیاء علیہم السلام وسائط
تبلیغ بنین فیما بینہ تعالیٰ اور گروہِ انبیاء۔ یہ گروہ ملائکہ سفیر ہوں پس ایسے مقربان و خاصگانِ خلم ذکی
کو جن کو وساطتِ تبلیغِ احکام کا منصب مرحمت ہوتا ہے۔ بنی اور رسول کہتے ہیں۔ اور اُن کے اس
منصب اعلیٰ کی منصب نبوت و رسالت یا منصب نیابت و وزارت سے تعبیر اُن کے کمالات و جمالِ
روحانی علمی و عملی کا جن پر یہ منصب عظمیٰ مرحمت ہوتا ہے مدارِ نبوت عنوان یہ کمالاتِ روحانی در حقیقت
مدارِ نبوت ہیں اور معجزات از جملۂ آثارِ نبوت اُن کو مدارِ نبوت نہیں کہہ سکتے ہیں معجزہ خود اُس
خارقِ عادت سے عبارت ہے جو اسکاتاً للمنکرین و اکراماً للنبی و تصدیقاً لہ بمقابلہ منکرین علی یدالنبی
ظاہر فرمایا جاوے۔ پس تعریف سے خود ظاہر کہ معجزات از جملۂ آثارِ نبوت ہوتے ہیں۔ نہ منجملۂ
مدارِ نبوت آثرِ شے بعد وجودِ شے ہوتا ہے اور مدارِ شے مقدم علی الشے غرضکہ مدارِ نبوت اُن کمالات

رُوحانی پر سب سے جو خاصۂ اُن کو مرحمت ہوں اور منصبِ نبوت اُسپر عطا۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ
انبیاء علیہم السلام اکمل الافراد ہوتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ مورد انطافات و انعامات عامہ خلق اللہ
کی نسبت وہ زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے خالق کی مرضیات پر پورے ثابت قدم ہوں اور نامرضیات سے
پورے پرحذر مستحبات پر بھی عامل ہوں اور مکروہات کے نیز تارک فان الشکر علی قدر النعمۃ ؎

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

مگر ظاہر کہ بشریت و لوازمات بشریت میں حضرات انبیاء سب کے شریک ہیں اور ہر عبادت کے دو مرتبے روحی
و جسمی پس ہوائے جسمانی و لوازمات البشری سے متمتع ہونے کی اُن کو بھی اجازت ہوگی اور اکل و
شرب اور نکاح و ازدواج و تجہیزہ وغیرہ حوائج سب اُن کے حق میں نیز مشروع ورنہ درصورت
محرومی از ہمچو حوائج عبادت جسمانی و خود بقاء جسم متعذر بلکہ بحکم اس امر کے کہ روح اصل ہے اور بدن
و قوای بدن جملہ اس کے مظہر و الظاہر عنوان الباطن پس جبکہ کمالات اُن کے اس مرتبہ کمال پر
ہیں۔ قوای بدن اُن کے نیز سب سے قوی تر ہوں گے۔ اور اُن کے لیے بہ نسبت عوام اگر بعض امور
میں زیادہ توسیع ہو بجائے خود۔ پس مرتبۂ نبوت کو یہ ضرور نہیں کہ لوازمات بشریہ سے منزہ ہو اور
مرتبہ ظاہر میں نیز سب سے بے ہمہ بلکہ بالیقین مرتبۂ خلوت محضہ سے خلوۃ در انجمن دشوار ہے۔ محبوبات
دنیا سے باوجود اُن کے جاذبہ محبت و کشش الفت کے بقدر ضرورت مختلط رہ کر بقول شخصے
دل بیار و دست بکار قلبی علاقہ خود محبوب حق مطلوب حقیقی و مقصود اصلی سے رکھنا البتہ دشوار
ہے اور سخت دشوار اور لاریب قابل قدر ہے اور لائق ہزار مقبولیت ؎

ہم اُن کے زور کے قائل ہیں ہاں وہی شہ زور جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں۔

بالجملہ تجرد محض میں رہنا آسان ہے مگر ہوتے لوازمات و تعلقات زن و فرزند محو عشق الٰہی اور فنا فی اللہ
ہونا البتہ مشکل اور جبکہ یہ جملہ دین و مذہب اور یہ تمامی اوامر و نواہی اور یہ سب بندگی و طاعت
اور یہ جملہ نیاز و اطاعت یا بمنزلہ نسخۂ طبیب و معالجۂ اطبا رو قت ہے یا بمنزلہ قانون انتظامیہ
و آئین صلاح و فلاح مملکت حکام۔ مطلب یہ کہ ہر شخص مہلکات و مضرات سے پرحذر ہو اور بغاوت
و سرکشی سے مجتنب تا حیات ابدی و نجات اخروی اور مقام رضا و ارتضا نصیب ہو۔ اور مورد
الطاف الٰہی اور انعامات حاکم حقیقی بنکر مرتبۂ قرب خاص کے ساتھ نوازا جائے اور جنت میں دائمی

راحت و دیدار و وصالِ محبوبِ حق کا مستحق جب یہ مثال مرکوزِ خاطر ہو چکی۔ تو خود واضح ہو گیا ہو گا کہ نظر باختلافِ امکنہ
و ازمنہ و نظر باختلافِ استحقاق و امزجہ و نظر بتغائرِ عادات و حالات و نظر بہ مغائرتِ عوارض و امراض جن کا تغائر خود مشاہد و تمیز
مقتضائے کمالِ علم و کمالِ حکمتِ خالق برتر تعالت قدرتہ و جلت عظمتہ ضرور و بے شبہ ضرور کہ ہر زمان
و مکان و ہر نوع عوارض و امراض کا قانونِ معالجہ جُدا۔ اور ہر نوع اشخاص رعایا کا قانون سیاست علیحدہ ہو
اور چونکہ اِن جملہ قوانینِ معالجہ اور تمامی آئینِ سیاست سے مقصود صلاح و فلاحِ مخلوقات ہے اور گو یہ جملہ
اوامر و نواہی اور یہ تمامی احکام شرعی علمِ باری پر مترتب مگر عین علم نہیں اور نہ از جملہ صفاتِ باری تا کہ ازلیت
کو چاہیں یا ابدیت کو مقتضی ہوں بلکہ اِن سب سے جبکہ ہمارے امراضِ قلبی و عوارضِ بدنی و جسمانی کی
اصلاح مقصود ہے تو بیشک ہمارے تغیراتِ احوال تغیراتِ احکام کو مقتضی ہوں گے اور ان احکام
شرعیہ اور اوامر و نواہی دین کی تبدیل ہمارے تبدیلِ حالات و عادات کے تابع قانونِ شریعت کو جو
بذریعہ وحی و الہام معلوم ہوتا ہے۔ نہ بقا ضرور نہ دوام لازم اور لاریب ضرور کہ ہر زمانہ و اشخاص
زمانہ کا علیٰ حالہم قانونِ معالجہ جدا ہو۔ اور قانونِ سیاست جدا۔ اُس حکیم علی الاطلاق محیطِ کل عالم بکل الاشیا
کا علمِ حق اسی شان اور عنوان کے ساتھ متعلق تھا کہ فلاں زمانہ اور فلاں اشخاصِ زمانہ کا قانونِ معالجہ و
قانونِ سیاست و اوامر و نواہی وہ ہوں گے اور فلاں کے واسطے یہ اور ان اوامر و نواہی کا دور زمانہ محدود۔
اور اُن اوامر و نواہی کا یہ بالجملہ مرتبہ علمِ باری و صفاتِ باری کو ازلیت و ابدیت دونوں ضرور نہ مرتبہ تعلقات
علمی و آثارِ علمی کو بلکہ مرتبہ تعلقاتِ صفاتِ باری و آثارِ صفات کا حادث و تجدد ضرور اور اُن کو بوجہ تجدد
تعلقات تجدد لازم ہے آپ ثابت اور کھلا ثابت کہ جو نبی اور جو رسول کہ اُس محبوبِ حقیقی معالج اصلی
سلطان الکل کی طرف سے مبعوث ہو۔ اگر فنِ خاص و معالجاتِ خاصہ میں دستگاہ کامل رکھتا اور انتظامات
سیاستِ مخصوصہ میں ماہر ہو تو وہ بنی نوع اشخاص کے تمامی معالجات و انتظامات کے لیے کافی
نہیں اور نہیں ہو سکتا بلکہ مقتضائے العلم و الحکمۃ اُس کو زمانۂ خاص اور قومِ مخصوص کی طرف مبعوث
فرمایا جائے گا اور اُس کا زمانۂ رسالت علمِ باری میں ضرور محدود ہو گا۔ جب دوسرے طرزِ معالجہ یا دوسرے
قانونِ سیاست کی ضرورت ہو گی ضرور ہو گا کہ گو اُس کا اصلی منصب محفوظ رہے اور اس کا اعزازِ
منصبی بحالِ خود مگر اُس کو کارِ منصبی اور اس خدمت سے برطرف فرما کر دوسرا رسول کامل الفن جو
موجودہ مرضیات معالجہ اور انتظامِ سیاست کے بارہ میں پورا ماہر ہو مبعوث فرمایا جاوے پہلوں کی

بعثت چونکہ علمِ الٰہی میں اُسوقت محدود اور اُنہیں اشخاص معدودہ کے لیئے تھی اور انہوں نے اپنا وقت
پورا کرلیا اور اُن کے زمانہ خدمتِ منصبی وکارِ رسالت کی انتہا ہوچکی۔ دوسروں کی بعثت اُن دوسروں
کے زمانہ رسالت وکارِ منصبی کی ابتدا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تعارض کے واسطے جس پر نسخ حقیقی موقوف
ہے شت وحدت کا کر از انجملہ وحدتِ زمانہ ہے۔ ہونا ضرور ہے پس ہوتے اس اختلافِ زمانہ واشخاص
زمانہ کے شرائع سابقہ ولاحقہ میں کوئی تعارض نہیں علم باری میں ہر ایک کے لیئے زمانہ جدا تھا
اور اشخاصِ زمانہ جدے فی مابین اُن کے نسخ حقیقی نہیں لفظا ہر ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ کہا
جاتا ہے۔ بالجملہ دوسرے کی بعثت چونکہ دوسرے کے کارِ منصبی کا وقت ہے اور سابق اپنا وقت پورا
کرچکے۔ لہٰذا جیسے کہ پہلے اشخاص کی صلاح وفلاح اور اُن کی معاش ومعاد کا انتظام مبعوث سابق
کے اتباع میں منحصر ہے مسبوقین کی صلاح وفلاح اور اُن کی معاش ومعاد کا انتظام جملہ مبعوثِ حال کے
اتباع میں منحصر ہوگا۔ یہ اگر چاہیں کہ مبعوث سابق کا اتباع کریں یا آزادانہ بسر کریں تو یک ناجائز۔ اور عین بغاوت
موروثِ تباہی ہوگا۔ اور عین ہلاکت ہاں وہ نبی کہ جامع کمالات ہو اور جملہ صلاح وفلاح وتمامی انواع
ہدایات وانتظامات سے پورا آگاہ اور علی قدر قابلیتہ المخلوق ہر قسم کے کمالاتِ علمی وعملی اور ہر نوع کے
مراتب مزاج شناسی خالق برتر وحاکم برحق میں کامل واکمل تمامی مخلوقات میں سب سے افضل تو لاریب ایسے
مبعوثِ کامل ومکمل کی بعثت عامہ ہوگی۔ اور جملہ ازمنہ وامکنہ کو شامل جملہ شرائع وادیان کو اسی کی شریعت
کاملہ ناسخ ہوگی اور تمامی مخلوقات پر چھوٹا ہو یا بڑا اُسی کی اطاعت اور اسی کا اتباع لازم یہ ناممکن کہ بدون
تصدیقِ رسالت واقرارِ سچائی مذہب وحقانیتہ شریعتِ مطہرہ اس کی کسی کو وثوقان کذا وکذا طریق
ہدایت ورشاد وراہِ فلاح ونجات وسبیل برگزیدگی اور وصول الی اللہ میسر ہو۔ اُن کی شریعت غرا اور
اُن کے دین روشن کا بقا الیٰ یوم القیامت ضرور اور یہ لازم کہ وہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہو اور اس کے
بعد الی یوم القیٰمۃ کوئی دوسرا نہ مبعوث ہو۔ نہ مرسل ہے اسی مجمع الکمالات پر سلسلہ نبوت ختم ہو۔ اور وہی
فی حق اکمل سچا نبی اور اسی مرتبہ برگزیدہ کہ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر + کا صحیح مصداق ہے بہ
مقتضائے حکمت بالغہ حکیم مطلق اور مقتضائے تربیت برحق یوں ہی ہے کہ ایسا کامل اور اکمل اور اس
مرتبہ کا افسر اعلیٰ وافضل سب سے بالآخر مبعوث ہو اور خاصتہً ایسے وقت میں کہ بغاوت وسرکشی مثل ازمنہ
سابقین تا حد دو اطراف نہو۔ بلکہ تا تخت گاہِ سلطانی پہونچکر خود دار السلطنت کے مکان کو باغی بنا رکھا ہو

مبعوث فرمایا جائے۔ تا دوسرے نیز اس شرفِ نبوت سے نہ محروم رہیں اور اُس کی شریعت کاملہ کا نسخ اُن شرائع غیر کاملہ سے نہ لازم آوے۔ اور گو بضرورتِ بشریت اُسکو بھی لمعِ موت کا ذائقہ چکھنا ضرور اور یہ لازم کہ وہ بھی تلخی موت کے ساتھ ایک روز تلخ کام ہو مگر چونکہ اُس کی شریعت کاملہ الی یوم القیامت ہے۔ ضرور کہ اکنافِ عالم میں وہ علمائے رآسخین پیدا ہوتے رہیں جو اُس کے نائب ہوں اور علی سبیل النیابت والخلافت اطراف و اکناف میں اُس کے دین پاک کی عام و تام اشاعت کریں پس ضرور کہ ایسے نبی کامل و اکمل کی سچائی پر گو معجزاتِ باہرہ کثیرہ ہوں مگر ایک ایسا قوی معجزہ نیز مرحمت ہو جو الی یوم القیمۃ اُس گروہ علماء ونائبانِ رسالت کے ہاتھہ میں بحال خود رہے اور نسلاً بعد نسل اُس کو بقا ہو تا بمقابلہ اُن نائبانِ رسالت کے جو شخص اُس کی رسالت کا منکر ہو وہ جانشینانِ رسالت اُسکو پیش کرسکیں اور اُس نبی برحق کی رسالتِ عامہ کو ثابت کر دکہائیں +

صاحبو! وہ نبی کامل جو مبعوث الی کافۃ الانام ہو اور مخلوقاتِ موجودہ پر اُس کا اتباع ضرور اور ہر ایک کی نجات اُسی کے اتباع میں منحصر ہو سید الکائنات والانبیاء و خاتم النبین والاصفیا ہمارے نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ معجزہ باہرہ جو اُن کے دعوے رسالت کی الی یوم القیمۃ کافی دلیل ہے۔ یہی قرآن پاک ہیں نے بحمد اللہ توحید و رسالت کیساتہہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے خاتم المرسلین ہونے کو ثابت کر دکھایا۔ اور بحق اُسی نیابت محمد صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم کے جو گروہ علماء کو مرحمت ہوئی ہے۔ حاضرین مجلس سے پکار پکار کر عرض کرتا ہوں کہ اگر رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شک ہے۔ قرآنِ پاک جیسا کہلا معجزہ موجود ہے۔ بسم اللہ آئیے اور اس فصاحت و بلاغت اور اس خوبیِ تعلیم اور گذشتہ و آیندہ کے اخبار واقعیہ اور مغیبات کی اطلاع واقعی کے ساتہہ کوئی ادنی سورہ موجودہ یا گزشتہ اشخاص کیطرف سے بمقابلہ اس کے پیش کیجئے اور جس سے چاہے مدد لیجئے

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اور درصورت عجز عن المقابلہ جیساکہ بفضلہ تعالیٰ اب تک رہا اور ہے۔ اور انشاء اللہ آیندہ کو رہیگا۔ تصدیق رسالت محمدی فرمایئے اور ایمان لایئے۔

صاحبو! ہر زمانے کے عام و خاص کاملین و ناقصین کا قرآن پاک کے مقابلہ سے عاجز رہنا اور بمقابلہ قرآن پاک ادنےٰ سورت بھی نہ بنا سکنا باعلیٰ ندا پکار رہا ہے کہ لاریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رسل برحق ہیں۔ اور اُن کا دعویٰ رسالتِ عامّہ واجب التصدیق اور عین حق۔ نجات ہر ایک کی اُنہیں کے اتباع میں منحصر اور وصول الی المطلوب اور وصول الی المقصود اور وصول الی اللہ کے لیے اُنہیں کا دین قویم راہِ مستقیم اور بغیر اُن کے اتباع کے ہدایت ناممکن مگر افسوس کہ بعض ایسی غفلت اور تعامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ باوجود اس وضاحت اور ہدایت کے اِس راہ مستقیم پر چلنا کجا آنکھ کھول کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ہمارا مقصودِ خلقت کیا ہے اور ہمارے لیے طریقۂ ہدایت اور سبیل الوصول الی المقصود والمراد کیا۔ بیشک موافق معروضۂ سابقہ اشخاصِ عالم تین حال پر ہیں۔ بعضے وہ جنھوں نے اس راہ مستقیم کو مضبوط پکڑا۔ اور ثابت قدمی کے ساتھ اُس پر چلے نہ لغزش ہوئی نہ زلت۔ جیسے خیارِ امت و خاصگانِ امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض وہ کہ گو وہ اس راہ مستقیم پر چلے مگر نہ باستقامت بلکہ دھکے کھا کر گرتے پڑتے لغزشیں واقع ہوئیں۔ اور اُن کے اعمالِ حسنہ کے ساتھ اعمالِ سیئہ بھی قلیل یا کثیر مخلوط ہوتے جیسے عوامِ اُمت اور ہم جیسے نابکار اور بعض وہ جنھوں نے یہ غفلت کی کہ بہمہ جہت اس راہ مستقیم سے برطرف رہے اور اُن کے ظلماتِ وہم و خیال نے اُن کے نورِ عقل کو ایسا باطل کیا کہ وہ بین الحق والباطل کوئی تمیز نہ کر سکے۔ بلکہ اُن کی قوتِ وہمیہ اور قوتِ خیالیہ کی یہ غلط نمائی اور جزءِ بہیمی و جزءِ شیطانی کا یہ غلبہ کہ اختراعاتِ وہم و خیال نے غلط کو صحیح کر دکھایا۔ اور صحیح کو غلط اطاعت و فرمانبرداری سے اُن کو نفرت ہوئی اور معاصی اور نافرمانی کی اُنہیں رغبت ❊

صاحبو! ایک مثال کے بعد انشاء اللہ یہ مطلب واضح سمجھ میں آ جائیگا۔ ہماری تمہاری بصارت کا جیسے اصل کام یہ ہے کہ وہ الوانِ اشیاء کو علیٰ ماہی فی نفس الامر دریافت کرے جو سفید ہے اُس کو سفید اور جو سیاہ ہے اُس کو سیاہ دکھلا دے۔ اور فی مابین ان الوان کے سچی تمیز مگر خلطِ صفرا یا خلطِ سودا جو مرتبۂ اصلِ بصارت سے خارج ہے۔ مگر مرتبۂ مجموعۂ بدن میں داخل اور انہیں اعتبارین مختلفین کے اعتبار سے اُس پر یہ احکام متضادہ محمول ہو گئے ہیں۔ اسی نورِ بصر پر اس مرتبہ غالب ہوتے ہیں کہ اس کا جو اصلی کام تھا۔ بالکلیہ باطل ہو جاتا ہے۔ سفید اشیاء اسکو زرد نظر آتی ہیں یا سیاہ ہمارا نورِ بصیرت یعنی نورِ روحانی اور نورِ قلبی جس کو مبدءِ علمِ صحیح کہتے ہیں۔ اور قوتِ علمیہ سے اُس کی تعبیر اُس کی خلقت سے یہ مقصود کہ بوساطت اُس کے حقائقِ اشیاء کا علیٰ ماہی فی نفس الامر انکشاف ہو اور عقائدِ حقہ سے درج

و قلب کو تعلق باطل باطل معلوم ہو اور حق عینِ حق اور ظاہر کہ ایمان ان عقائد حقہ اور اعتقادات صحیحہ سے
عبارت تا بر ہمنونی اِن عقائد حقہ و علوم صحیحہ سے کے باطل کو چھوڑا جائے اور حق پر عمل غرضکہ قوت جلیبہ
پر مدار کارِ ایمان اور جسزِ ملکوتی پر مدار اطاعت مگر قوت وہمیہ و قوتِ خیالیہ کو جو مرتبۂ جذر قلب سے
خارج ہے مگر حوالی قلب و بالائے قلب کو محیط اور ہمارے مجموعہ وجود میں داخل وہ زور و غلبہ دیا گیا
ہے کہ موقع پاکر قوت علیہ و جسزِ ملکوتی پر نیز غالب ہو جاتی ہے اور اپنی اپنی ظلمات سے قوت علمیہ کے
نور صرف و جنبِ ملکوتی کے میل اطاعت کو مضمحل بلکہ کان لم یکن کر دیتی ہے قوت علیہ کا نورِ علم علم صحیح
کے لیے اگر مبدء انکشاف ہے تو قوت وہمیہ و خیالیہ بصورت اپنے غلبہ کے ضلالت و علم غلط کے
واسطے مبدء صحیح تیز جزء ملکوتی پر اگر مدارِ رغبتِ اطاعت و بندگی ہے تو جزء بہیمی و جسزِ شیطانی پر مدار
میلِ نافرمانی و انہماک فی الہوس اور بمقتضائے حکمت باری و بمقتضائے وسعتِ قدرت و ملکِ تام بعض
کو اس حالت پر مجبول فرماتے ہیں۔ کہ ان کو قوتِ وہمیہ و خیالیہ و جسزِ شیطانی و بہیمی کا اِس
مرتبہ حصہ زیادہ و قوی دیا جاتا ہے۔ کہ وہ ادنی غفلت اور تھوڑے تمرن و اعتبار کے بعد بتحریک
شیاطین و اصحابِ شیاطین یا باثرِ صحبتِ بد قوت علمیہ و ملکوتیہ پر غالب ہو جاتے ہیں اور عند سلطان
الوہم والخیال صورِ جزئیہ ناواقعیہ جو باختراع الخیال پیدا ہوئی ہیں اور معانی جزئیہ ناواقعیہ
باختراع الوہم ان کی باہمی ترکیب سے ایک شے ناواقعی صورت پذیر ہو جاتی ہے اور بوجہ غلبۂ وہم
و خیال وہی حق معلوم ہوتی ہے۔ اور غلط کاری وہم و خیال کا یہ اثر کہ غلط بصورتِ صحیح اور باطل
بصورتِ حق نمایاں ہوتا ہے اور حکم نفس الامری جو قوت علیہ کے نورِ صرف کا کام تھا۔ کان لم یکن
ہو جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ فی مابین الجداریں جو ایک خلا ہو اور جداریں پر اگر کوئی ایسی موٹی رسی
جس کی چوڑائی و مسافتِ عرض دونوں قدم رکھنے اٹھانے کو کافی ہو مضبوطی کے ساتھ
باندھی جائے یا فی مابین ان کے کوئی چوڑی کڑی لوہے وغیرہ کی رکھ دی جائے عقل حکم
کرتی ہے کہ بےخطر ہو کر اس کڑی اور اس رسی پر چل کر مسافت طے کی جائے۔ مگر قوتِ وہمیہ خیالیہ
غالب ہو کر اس حکمِ عقلی کو باطل کر کے اپنا یہ حکم کہ اس پر چلنا ہرگز جائز نہیں بیشک گر کر ہلاک ہوتا ہے
اس مرتبہ غالب کرتی ہے کہ بمقابلہ اس کے وہ حکمِ عقلی صحیح غلط ہو جاتا ہے۔ اور یہ حکم غلط صحیح
چلنا ایک طرف چلنے کی طرف رُخ بھی نہیں رہتا۔ علیٰ ہذا جنبہ قوت وہمیہ خیالیہ و جزء بہیمی اور

شیطانی کا غلبہ ہوتا ہے۔ نافرمانی اُن پر غالب ہو جاتی ہے اور معاصی کی طرف مائل راہِ مستقیم پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔ راہ کج اُن کو سیدھی و مستقیم معلوم ہوتی ہے اور باطل اُن کو حق۔ قسم ثالث کے مصداق صحیح وہی ہیں ÷

صاحبو! پہلی قسم کے حضرات بوجہ اپنی استقامت کے جیسا کہ بشارات حقہ و وعدہائے صادقہ حق جل و علا کی بنا پر اس کے مستحق کہ ہمیشہ موردِ انعامات ہوں اور جن لذات کو بمطلب رضائے محبوب حق انہوں نے چھوڑا تھا۔ وہ جملہ باحسن الوجوہ پاک و صاف ہو کر اُن کو جنت میں ملیں اور دولت دیدار و مقام رضا اُن کو نصیب ہو۔ آیسے ہی دوسری قسم کے اشخاص جنہوں نے اعمال سیئہ کو اپنی عبادات و اعمال صالحہ کیساتھ ملا رکھا ہے اور ہوا و ہوس کے دھکے کھا کر گرتے پڑتے اس راہ مستقیم پر چلے ہیں اور ادائے حق کامل سے قاصر رہے ہیں مگر اپنے قصور کے معترف بلکہ نادم ہیں اُن کی نسبت یہی نظر بوسعتِ رحمت و نظر بافضالِ بے نہایت و نظر بعنایت علی الکل و نظر بقدرت علی الکل یہ متوقع کہ خواہ اپنے رحم و کرم سے اور خواہ پاسِ خاطر سے کسی مقرب کے اُن کے کھوٹے اعمال قبول فرماویں اور جنت میں داخل مگر قانونِ سیاست بیشک اس کو مقتضی کہ اُن کے اعمالِ زبون پر چندے سزائے جہنم اور اس جیل خانہ ہولناک کی قید ضرور ہو۔ اور بالاخر بحکم عقائدِ حقہ اور اعمال حسنہ دولتِ وصولِ جنت نصیب ہو۔ مگر قسم ثالث کا فی النار ہونا اور نجات ابدی سے اُن کی محرومی ضرور جو لوگ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور بعد تصدیق رسالت کی شریعت مطہرہ کے احکام اور اوامر و نواہی کو انہوں نے اپنے سر آنکھوں پر نہیں رکھا۔ بیشک وہ مصداق صحیح ہیں۔ اس قسم ثالث کے۔ ÷

صاحبو! پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میرا ان تمامی معروضات سے کوئی مطلب ذاتی نہیں صرف بحق اخوت و اتحادِ نوعی آپ حضرات کی خیر اندیشی اپنا مقصود ہے اور اُوسی حق ہمدردی پر ان معروضات کی بنا ہے۔ پس بنہزار نیازمندی یہ گذارش ہے کہ یہ زمانہ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے بغیر اتباع محمدی نجات کا ملنا محال اگر سچی نجات کی طلب ہے وہم و خیال کے اتباع کو چھوڑ دو اور عقل صحیح اور قوت علمیہ سے شبانہ روزی مزاولت کیساتھ اس مرتبہ کام لو۔ کہ وہ غالب ہو اور وہم و خیال کو اپنا تابع کر چھوڑے۔ حق کو حق دکھلا دے اور باطل کو باطل۔

صاحبو! انبیاء علیہم السلام کے مرتبۂ رسالت کو یعنی اس منصب کو کہ وہ بیشک مبعوث من اللہ ہیں جو کچھ کہتے ہیں من اللہ کہتے ہیں نہ من عند انفسہم وافترآء علی اللہ۔ معجزات باہرہ و دلائل قویّہ کو جن کے مقابلہ و معارضے سے منکرین عاجز ہوں قائم کرکے جب خود اُن کے دعوئے رسالت کی سچائی فرمائی جاتی ہے۔ اور اُن کے نبی اور رسول ہونے کو تسلیم تو اب اُن کے اتباع سے انکار اور اُن کی رسالت کی عدم تصدیق دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ اشخاص منکرین اپنے کو اور اپنے وجود و بود کو بہمہ جہت مستقل جانتے ہیں اور غیر مخلوق اور انعامات خالق برتر سے جنپر بنا حق عبودیت ہے۔ بالکل مستغنی اور یا اپنا وجود و بود اور اپنا خلق دوسرے خالق کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں اور اسی دوسرے کا حق عبودیت اپنے پر لازم اور ظاہر کہ دونوں شقیں کھلی شرک کو مستلزم و علی کلا الشقین اقرار توحید باطل پس ثابت اور واضح ثابت کہ اقرار توحید کو اقرار رسالت نیز لازم اور رفع لازم چونکہ رفع ملزوم کو مستلزم لہذا انکار رسالت انکار توحید کو نیز مستلزم۔

صاحبو! بالیقین جانو کہ بغیر اقرار رسالت محمدی آپ صاحبوں کا اپنے کو موحد کہنا غلط ہے بیشک شرک ہے اور شرک کو مستلزم اب شاید یہ خلجان ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علوم راسخہ و ملکات و اخلاق فاضلہ میں کامل و اکمل اور سب سے اعلیٰ و افضل ہونا کیونکر ثابت اور آپکی تعلیم میں کیا خوبی سو میں ناکارہ ژولیدہ بیان کہ جس کو نہ کمال علمی نصیب کمال عملی حاصل اُن معارف الٰہیہ و مواہب لدنیہ یعنی اُن علوم راسخہ و ملکات فاضلہ کی کہ قلب محمدی جن کا مخزن تھا۔ اور معدن اس تھوڑے سے وقت میں کیا تفصیل کر سکتا ہوں۔ اور بجز اس اجمال کے کہ جو جو کمالات دوسروں میں فرداً فرداً تھے اُس مرکز کمالات میں سب مجتمع تھے اور عالم مخلوق میں وہ منفرد الذات والصفات اِس مصرعہ کا مصداق صحیح ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری +

اور کیا کہہ سکتا ہوں مگر تاہم اندکے از بسیارے و مشتے نمونہ از خروارے آپ کے فضائل علوم و محاسن اخلاق و احوال کو اپنے علم ناقص کے اندازہ کے موافق کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں اور آپکی سوانح عمری کی ایک گونہ تفصیل سو سنئیے اور بنظر انصاف سنئیے۔ آپ ایسے زمانہ پُرآشوب میں مبعوث ہوئے۔ کہ جہالت و ضلالت کا پورا زور تھا اور کفر اور شرک کا پورا جوش۔ کفر و شرک بغاوت و سرکشی کا اثر تا آسمان غالیہ ہو چکا تھا۔ جاہلانِ عرب نے خود دار السلطنت و دربار شاہی یعنی خانۂ کعبہ کو

بتکدہ بنا رکہا تہا۔ اور خود حاضر باشانِ درگاہِ اقدس و ساکنانِ مکہ معظمہ شرک و کفر میں مبتلا اور وہ بہی
اس مرتبہ کہ ایک نہیں دو نہیں بقدر شمارِ ایامِ سال خانہ کعبہ میں تین سو ساٹہہ بت رکہے ہوئے
تہے اور بقول شخصے ؎

ہر روز انہیں چاہیئے ایک تازہ خدا
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچہا

ہر دن کے لیے نیا بُت تہا۔ ملک عرب کی یہ جہالت یہ بداخلاقی کہ باپ بیٹے کا اور بہائی بہائی
کا دشمن اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا۔ عرب کی جہالت عرب کی خانہ جنگی ضرب المثل آپکی
وہاں ولادت اور وہاں بعثت اور وہ بہی اس حال میں کہ نہ باپ سر پر نہ دادا چچا کی سرپرستی
اور تربیت میں پرورش پائی یہ حالت کہ فقر و فاقہ پر مدار۔ سال ولادت حضور سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم حسب دستورِ قریش و حسب رواجِ اہل مکہ قرب و جوار کی وہ عورات کہ مدارِ قوت انکا بچوں کو
پالنا ہے اور ان کو دودہ پلانا جب مکہ میں آئیں۔ دوسروں کے شیر خوار بچے ان دایہ عورات
نے لے لیے اور حضور سرورِ عالم کو بوجہہ لاوارثی و ناداری چہوڑا۔ حلیمہ سعدیہ نے جس کے نصیب
میں یہ سعادت تہی حسب اتفاق وقت جب دوسروں کے بچوں سے محروم رہیں تو انہوں نے
بنامِ خدا آپ کو لینا قبول کیا۔ اور شرفِ عظیم رضاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو حاصل
ہوا۔ اس بیکسی کی حالت میں خود آپ کی پرورش بہی عجیب تر تہی۔ سامان علم و تہذیب و سامانِ ترقی
کہاں تہے اور کیونکر میسر بقول شخصے نہ یار سے نہ مددگار سے۔ نہ زور نہ زر بلکہ آپ محض اُمی
رہے۔ اور پڑہے لکہوں کی صحبت تک بہی میسر نہوئی۔ اس پر جب آپ نے بعد بعثت کلمہ توحید
کی تبلیغ کی اور شرک کی بیخکنی ہر زن و مرد چہوٹا بڑا آپ کا دشمن ہوگیا۔ اور جو اذیتیں آپ کو دیں
سب کو معلوم آخر یہ نوبت کہ اپنا وطن یعنی مکہ معظمہ چہوڑنا پڑا۔ بایں ہمہ بیکسی و بیگانگی اُمی اور ان پڑہ
ہو کر ملک عرب کو اپنے کمالات علمی و عملی کے ساتہہ اس مرتبہ ممتاز فرمایا اور اس درجہ کا مہذب
کہ ان کا علم اور ان کی تہذیب ضرب المثل ہوگئی۔ شرک کی وہ بیخکنی فرمائی کہ تمام جزیرۃ العرب
میں گو اور معاصی ہوں مگر شرک نہ اب تک ہوا نہ انشاء اللہ آیندہ کو الی یوم القیمۃ ہو وہاں کے عوام
و جہال کی وہ پختہ توحید کہ دوسری جگہ کے علماء و خواص کو بہی نصیب نہیں بقبائل کے قبائل
جن میں دوامی عداوت تہی۔ ان کا باہمی عناد اور فساد بوجہہ توارث و دوام کے گویا جبلی ہوگیا تہا

جیسے اوس خزرج آپ کے فیضِ صحبت اور آپ کے اخلاق حمیدہ کی بدولت ایک جان و قالب ہو گئے اور شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ سلاطین وقت نے (جیسے ملک حبشہ) فریفتۂ کمالات ہو کر قبل الہجرت اُس کی حالتِ بیکسی میں آپ کی اطاعت قبول کی اور مشرف باسلام ہوئے اور اس مرتبہ جاں نثار کہ بعض خدامِ محمدی یعنی گروہ مومنین نے ایذائے مشرکین سے تنگ آ کر جب اُس کی طرف ہجرت کی تو اُنھوں نے ان غربا، مومنین پر اپنا جان و مال صرف کرنا اپنی سعادت سمجھی۔

صاحبو! یہ جملہ اثر نیک تعلیمِ راسخہ و ملکاتِ فاضلۂ محمدی اور آپ کے اخلاقِ کاملہ کا تھا یا اور کچھ۔ یہ کمالات علمی اور عملی جملہ وحی یعنی جملہ من اللہ مواہب لدنیہ اور معارفِ الٰہیہ اُن کی تعبیر صحیح بشل دوسروں کے اکتسابی یعنی ایسے کہ کسی سرپرست کی نیک تربیت کا اثر ہوں یا کسی مرشدِ اکمل اور استادِ کامل کی خدمت اور فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ اگر تمامی مخلوقات کے علوم سے فائق ہوں اور سب سے افضل تر کیا تعجب کجا علوم مقدس کجا علوم دیگر ؎ چہ نسبت است سہا را بتابشِ خورشید اور چونکہ اُن کو عین جہالت کے زمانہ میں مبعوث فرمایا۔ اور ایسی بڑی جہالت اور بے تہذیبی کی اصلاح آپ کی بعثت کا مقصود اور ایسی بڑی تہذیب اور کامل اصلاح کا اُس پر ترتب لہٰذا بے تکلف ثابت کہ آپ کا علم وحی و لدنی دوسروں کے علوم واہیہ سے بہتر و افضل۔

صاحبو! کسی کی سچی بزرگی و مقبولیت اور اُس کے عملی باکمال ہونیکا یہ بڑا ثبوت کامل ہے کہ اُس کے گھر کے لوگ اور اہلِ قرابت زن و فرزند بھائی برادر اور اُس کے ہر وقت کے خدمتی یارانِ مجلس حاضر باشانِ خدمت کو اُس کے ساتھ خالص عقیدہ ہو۔ دل و جان سے اُس کے فریفتۂ کمالات ہوں اور جان و مال سے اُس پر شیدا چند روزہ صحبت کو اغیار کے ساتھ اخلاق و عاداتِ حمیدہ اور اعمال و احوالِ حسنہ مصنوعی ظاہر کر کے گذارنا سہل اور مصنوعی طور پر اُن کے سامنے بزرگ بننا آسان۔ مگر ہر وقت کے حاضر باشانِ خدمت جنکو درونی و بیرونی معاملات و عادات سے پوری اطلاع ہوتی ہے۔ اور ان پر کوئی حالت ظاہری و باطنی مخفی نہیں رہ سکتی۔ تاوقتیکہ وہ ملکاتِ فاضلہ جبلی و عملی نہ ہوں۔ بیشک فریفتۂ کمالات سچے مخلص و پورے عاشق نہیں ہو سکتے آپ اہلِ بیتِ اطہار و اصحاب کبار محمدی و حاضرانِ خدمتِ اقدس نبوی کے اخلاقِ حمیدہ دیکھیے کہ دوسروں پر اپنے سے زیادہ مہربان آپ فاقہ کریں اہل و عیال اور گھر کے اطفال کو فاقہ میں رکھیں

مگر دوسروں کو بحالتِ فاقہ نہ دیکھ سکیں اور چونکہ رسولِ برحق و خالقِ حق سے ان کو سچی محبت اور پورا عشق تہا لہذا یہ سچا اثر اُن کے رگ و پے میں پورا ساری کہ وابستگانِ حضرتِ ایزدی و جان نثارانِ درگاہِ محمدی کے ساتھ اُن کو بمرتبۂ کامل محبت اور مخالفانِ درگاہ اور اہلِ بغاوت سے پوری عداوت اشداء علی الکفار رحماء بینہم ان کی شان یہ بات کہ بحکمِ اتحادِ نوعی سب کو ایک نظر دیکھنا ضروری ہے اور کسی کے حال و مال اہل و عیال کا نقصان ناگوارِ خاطر ہونا بحکمِ فطرت لازم غلط

صاحبو! الشیٔ اذا ثبت ثبت بآثارہ و لوازمہ۔ بیشک مرتبۂ عشقِ خداوندی اور مرتبۂ محبتِ خالقِ برتر کو یہی لازم ہے۔ اور از جملہ ضروریات کہ وابستگانِ محبوبِ حقیقی یعنی ربِ برحق سے محبت ہو اور مخالفانِ محبوب سے عداوت اور یہ وہ سچا علاقہ قوی اور محکم ہے کہ کوئی علاقہ نسبی ہو یا اتحادِ نوعی اس پر غالب نہیں۔ اور نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف کو حکمِ فطرت کہنا فطرتِ صحیحہ اور سلیمہ کے خلاف ہے اور مخالفانِ محبوب سے نفرت نہ ہونی اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا بیشک مرتبۂ عبودیت و بندگی کے مخالف ہے۔ ان حضرات کی یہ شان کہ اُن کو اپنا جان و مال آپ پر آپ کی مرضیات میں صرف کرنا سہل۔ اپنے بچوں کو یتیم اپنی عورتوں کو بیوہ کرنا آسان تہا آپ سے جسکو زیادہ قرب و وابستگی اس میں یہ اثر زیادہ قوی حضور کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ کو دیکھئے سارا مال کس خوشدلی اور سچے اخلاص سے حضور کی مرضیات میں وقف کیا۔ آپ کے یارِ غار صدیقِ اکبر کو دیکھئے تمامی اثاث البیت جملہ مال جمع جمع کر کے حاضرِ خدمت کر دیا۔ اور آپ پر سرِ ان اور فاروقِ عادل نے نصف مال عثمانِ غنی کا مال مصارفِ خیر و مرضیاتِ خالق میں بمرات و کرات کام آیا۔ صاحبو اس پریشانی حال میں ان حضرات کا یوں کام آنا یہ اخلاقِ محمدی اور آپکی نیک تعلیم اور حاضر باشانِ خدمت کی سچی عقیدت اور سچی محبت اور خلاص کا اثر تہا۔ یا کچھ اور یہی وجہ ہے کہ ہم بھی تمامی گروہِ صحابہ و جملہ اہلِ بیت و ازواجِ مطہرات کو امتِ محمدی میں سب سے زیادہ اعلیٰ و افضل سمجھتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ حسنِ عقیدت اور سچے اعتقاد کو اپنے حق میں سرمایۂ سعادت۔ آپ کی خوبیٔ تعلیم اس مرتبہ کہ بعدِ بعثت تہوڑی مدت میں اپنے دینِ قویم کی کہیں سے کہیں اشاعت فرمائی اور بعدِ وفات اپنی تعلیم کا وہ سچا اثر چھوڑا کہ بغیر سامانِ جبر و ضرب و بغیر قوتِ زور و زر فقر و فاقہ کی حالت میں افضالِ خداوندی کے بہروسہ پر تہوڑی جماعتِ صحابہ کو سلاطین کا مقابلہ کرنا سہل ہوا اور تمام عالم میں اس دینِ پاک کی روشنی پھیل گئی خزائنِ سلاطین غنیمت میں داخل ہوئے اور یہ وہ سچا اثر اب تک

باقی کہ بفضلہ تعالےٰ اس دم تک وہ روشنی پھیل رہی ہے اور پھیلتی جاتی ہے۔ زمانۂ حیاتِ نبی کریم میں بعض سلاطین
زمانہ آپکے آستانِ عالیہ کے غلام ہوئے اور فتوحات کی لہر طرف سے آواز مگر آپ کا زہد فی الدنیا اس مرتبہ کہ
حضرت عائشہ زوجۂ مطہرۂ حضورِ اقدس روایت کرتی ہیں کہ مہینوں آپکے گھر میں چراغ جلتا تھا نہ آگ
روشن۔ مدارِ قوت پانی اور کھجور رہائے مدینہ پر۔ تشیر کھانا آپ کا جکی روٹی تھی کبھی آپ نے اور آپ کے
اہل بیت نے گیہوں کی روٹی متصل تین روز تک نہیں کھائی اور نہ کبھی پوری شکم سیری کے ساتھ آپ کو
اور آپ کے عیال کو کھانا ملا۔ ہمیشہ موٹے قسم کا لباس پہنا۔ یہی عادت تھی کہ بجائے نرم روئی کے
آپ کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا اس میں کھجور کے پتے کوٹ کر بھرے جاتے تھے۔ وہ لباس پاک جس میں
حضور نے وفات پائی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ موٹی قسم کا تھا۔ اور اس میں پیوند لگے ہوئے تھے صحابہ
کرام نے شدتِ بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھلایا۔ آپنے پیرہن شریف
کا دامن اٹھایا اور دکھلایا کہ تمھارے اگر ایک پتھر بندھا ہوا ہے تو دیکھ لو۔ محمدؐ کے شکم پر دو پتھر
ہیں۔ ہاں عبادات و مرضیاتِ خالق میں یہ سرگرمی کہ راتوں کھڑا رہنا۔ اور عبادات و ریاضاتِ شاقہ
میں بسر کرنا حتی کہ قدمہائے شریف پر ورم آگیا صحابہ نے غم کھا کر عرض کیا کہ آپ سے محبوب باری ہمہ
جہت راضی آپ کیوں اس مرتبہ ریاضات شاقہ کرتے ہیں۔ فرمایا۔ افلا اکون عبداً شکوراً مطلب
یہ کہ جب میں یوں موردِ الطاف ہوں اور یوں بے نہایت انعامات کے ساتھ مجھکو نوازا گیا ہے۔ تجھپر
لازم ہے کہ کمال درجہ شکر کروں اور سب سے زیادہ عبادت ہے شکر نعمت ہائے تو چند انکہ نعمت ہائے تو۔
حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا۔ کہ اخلاق محمدی کیا تھے فرمایا۔ قرآن پاک یعنی اوامر قرآن پاک پر
آپ کاربند تھے۔ اور نواہیِ قرآن کے تارک +

صاحبو! حضور سرورِ عالم اور آپ کے آل و اصحاب کی یہ مختصر سوانح عمری ہے جس سے آپ کا نبی اور سچا
ملہم ہونا واضح ثابت۔ بیشک ملہم کی سچائی کی بڑی دلیل اس کی سوانح عمری ہو سکتی ہے۔ اور اسی سے اس کی
سچائی اور نیک نیتی معلوم ہوتی ہے۔ اور سوانح عمری پر اطلاع یوں بھی ضرور کہ بغیر اطلاعِ عبادات و عادات
رسول امت کو اتباعِ رسول دشوار پس ان مختصر حالات محمدی کو جو بطور سوانح مذکور ہوئے۔ انصاف
سے دیکھئے کہ ان سے کس مرتبہ کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے تمامی ملکات بیشک اعلیٰ مرتبہ پر
تھے۔ اور بے شبہ آپ بڑے نیک نیت اور بڑے با اخلاص اور آپ کے تمامی اعمال حسنہ اور ہر قسم کے مساعی

جمیلہ کی بنا ہر نیک نیتی و اخلاص پر تہی۔ خواہشِ نفسانی اور طمعِ لذات جسمانی کو نہ کوئی مداخلت تہی نہ شرکت دیکہو انِ سوانح محمدی و اصحاب محمدی سے آپکے علوم راسخہ اور اخلاقِ فاضلہ کا علی وجہ الکمال و الاکمل ہونا کس مرتبہ بداہتہً ثابت ہوتا ہے۔ اور علیٰ ہذا آپ کی خوبی تعلیم کس درجہ روشن۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہم خود آپ کی ذات جامع کمالات کو سب سے اعلیٰ سب سے افضل اعتقاد کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس اعتقاد کے ساتہ مکلّف جسکو تردد ہو دوسروں کے کمالاتِ علمی و عملی اور دوسروں کی سوانح عمری دکہلائے اور موازنہ کرے

یا تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکہا دے دہن ایسا کمر ایسی

آپکی تہذیب آپ کی خوبی تعلیم گو بخوبی ثابت ہو چکی مگر ارکانِ نماز کو تمثیلاً اور پیش کرتا ہوں تا اور واضح معلوم ہو کہ احکامِ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و سلام کس مرتبہ خوب ہیں۔ اور کیسے اعلیٰ درجہ کے حسن ہر ہر بات اور ہر ہر حکم کیسی کیسی حکمتوں و دقایق پر مبنی ہے اور کیسے کیسے لطائف خفیہ۔ یہ ان کی بنا پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ وجوہِ محبت و عشق چار ہیں اور ہر واحد انہیں سے علت مستقلہ دلوگان موجود بالوجود المجازی۔ جمال۔ کمال۔ قرابت۔ احسان۔ اور ذات باری میں یہ تمامی وجوہِ محبت و فریفتگی علی وجہ الکمال حقیقتہً و بالذات موجود۔ پس لازم کہ ہر قلب میں اُس کا عشق ہو۔ اور ہر دل میں اُس کی محبت اور ظاہر کہ مرتبۂ عشق و محبت کو یہ ضرور کہ عاشق کا رُخ توجہ الی المحبوب ہو۔ اور یہ بہی عرض کر چکا ہوں کہ عبادت قالبی روح و بدن و جوارح دونوں سے متعلق اور قلب و روح و بدن و جوارح میں یہ علاقہ کہ روح و قلب اصل و حاکم اور بدن و جوارح اس کا تابع و محکوم تو وہ مرتبۂ باطن اور بدن و جوارح اس کا ظاہر پس جیسا کہ اس علم صحیح اور سچے اعتقادِ محبوبیت حقہ باری عز و جل کو یہ اثر لازم تہا کہ قلب و روح کی توجہ الی اللہ ہو۔ اور اُسی کی طرف استقبال جوارح و بدن پر نیز ترتب اس اثر حقہ کا ضرور چنانچہ بدنی عبادت کے وقت یعنی بحالت صلوٰۃ بر مبنائی دلیل محکم لفظ اللہ اکبر کے جس کا یہ حاصل کہ خدائے برتر تمامی اشیاء سے بڑا ہے اور سب سے افضل ہر طرف سے یکسو ہو کر خانہ کعبہ کیطرف جو عالم اجسام میں اُسکی تجلیات محبوبی کا مظہر ہے اور افعالِ حج جو جملہ عاشقانہ افعال ہیں اُس پر واضح دلیل اوّل رخ توجہ اور استقبال کرتے ہیں۔ اور پہر اُس کے سامنے مؤدب کہڑے۔ یہ بہی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے تمہارے تمامی مخلوقات کے کمالات متناہیہ وجود کمالاتِ باری کے ساتہ ذرہ دار ایسی نسبت رکہتے ہیں جیسے متناہی بلکہ وجود ذرہ کو بمقابلہ غیر متناہی

کمالاتِ باری غیر متناہیہ کو بڑی عظمت ہے اور بمقابلہ اس کے کمالات مخلوق کو بڑی پستی اس اعتقاد حق کا
بیشک یہ اثر کہ قلب و روح میں اپنی پستی ہو اور اس خالق برتر کی عظمت بدن پر بھی اس اثر صحیح کا یہ نمونہ
کہ بحالتِ رکوع اپنی پستی کا معترف ہو کر اس خالق برتر کی عظمت کا اقرار اور لفظ سبحان ربی العظیم اس پر شاہد
عدل اور جب یہ بھی ثابت کہ وجود مخلوقات جسکو بمنزلہ وجود ذرات ارض کہا گیا ہے اصلی و خانہ زاد
نہیں بلکہ جیسے نور آفتاب ذراتِ ارض میں جلوہ گر ایسے ہی انوار کمالات باری ذرہ وار مخلوقات
میں یعنی یہ کمالات خالق برتر کے کمالاتِ اصلیہ اور مخلوقات میں اُسکی عطا اور اُسی کے اظلال اس اعتقاد
صحیح سے قلب و روح پر یہ اثر صحیح کہ روح و قلب میں مرتبۂ عظمت سے ترقی ہو کر مرتبۂ علو باری تک نہایت
ہو اور بمقابلہ اس کے اپنی غایت ذلت جوارح بدن پر اس کا یوں ظہور کہ صورت سجدہ ادا کر کے
جس میں اپنی ناک اپنا چہرہ جو اعضاء بدن میں سب سے افضل ہیں۔ اُس کی خاکِ آستانِ عالیہ سے
رگڑ کر اپنی غایتِ ذلت و نہایتِ خواری کا معترف ہو کر اس کے غایتِ علو کی تصدیق اور سبحان
ربی الاعلیٰ جو بحالت سجدہ کہا جاتا ہے۔ اسپر شاہد عدل پھر ہر رکن نماز کی کیسی کیسی حکمت خاص
اور اصول دقیقہ پر بنا ہے۔ اور نماز کی ہر ہر حرکت کیسے کیسے رموز دقیقہ حقہ کیطرف مشیر افسوس
کہ مجبہ پر وقتِ معینہ کی مدت پوری ہونے کی اطلاع دیکر بار بار تقاضہ کیا جاتا ہے۔ کہ میں اس
بیان کو ختم کروں اور اُس کے دائرہ وسیع کو تنگ۔ ناچار میں بیٹھا ہوں کاش مجھکو وقت کی توسیع
ہوتی۔ تو انشاء اللہ تمامی احکاماتِ شریعتِ محمدیہ کی لم و حکمت کو پوری توضیح کے ساتھ واضح
کر دکھاتا۔ اور چونکہ محکوم تہا کہ جو کچھ کہوں بروئے عقل کہوں۔ لہٰذا ہر مدعا ہر مطلب کو اپنی
عقل نارسا کے موافق عقلی دلائل و عقلی براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر قصور ہو میری عقل
نارسا کے حوالے فرمایا جاوے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

العجالۃ فی اثبات التوحید والرسالۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ آپ کی چٹھی پہونچی ہجوم مشاغل متعلقہ نے اِس مرتبہ عدیم الفرصت کر رکھا ہے کہ خورد خواب کا وقت میسّر آنا بھی دشوار ہے۔ بکار دیگر چہ رسد ناچار تعمیل حکم سے قاصر رہا۔ اور تحریر جواب میں زیادہ دیر واقع ہوئی مع ہذا بی کمالی اپنا مبلغ کمال ہے اور کم مائگی اور بے استعدادی اپنا سرمایہ استعداد تحقیق مسائل بکیطرف مسائل ضروریہ دین پر نیز عبور نہیں پس آپ جیسے باکمال و بالیاقت کی تحریر کا جواب مجھ جیسے نا کارہ کے مرتبۂ استعداد سے بعید تھا اور ہے بمجبوری کار امروزہ کو تا بفردا ٹالتا رہا اور چاہتا تھا۔ عذر کر کے تحریر سامی واپس بھیجوں مگر آپ کے غائبانہ الطاف کا اسیر اپنا یہ سکوت بالکل بے محل و نامناسب معلوم ہوا اور یوں سمجھکر کہ مامور ہوں والمامور معذور آج تحریر جواب کی ہمت کی لیکن چونکہ زیادہ دیر ہوئی اور آپ کو کلفت انتظار کی کوفت اٹھانی پڑی اول بہزار ندامت اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اس کے بعد جو گذارش ہے۔ اس پر توجہ کا خواستگار۔ اعتقادات ثلثہ جن کو آپ مسلمۂ علماء متالہین فرماتے ہیں ان کی تردید جو پیش نہادِ خاطر ہے شاید ضرورت تردید یہ ہو کہ آپ بزعم خود حقانیت مذہب کا ظہور خوارق پر سمجھتے ہیں اور کلیۃً بنارِ ظہور خوارق حق پر جان کر اور علی العموم بلا لحاظ کسی قید کے ظہور خوارق من اللہ سمجھکر ظہور خوارق کو صاحب خارقہ و مذہب صاحب خارقہ کی حقانیت کے بارہ میں دلیل کافی جانتے ہیں۔ اِسی بنا پر نجات اُخروی و وصول الی اللہ کے بارہ میں آپ کے نزدیک غالباً پابندی کسی مذہب اور کسی ملت کی ضرور نہیں اگرچہ وہ مذہب آخر المذاہب ہو اور ناسخ مذاہب سابقہ ملنح اور نہ قائل رسالت و تصدیق نبوت اُس رسول اور اُس نبی کی جو یہ مذہب اخیر لیکر آیا ہو اور خود آخر النبیین ہو اور خاتم المرسلین اور جملہ مذاہب اور جملہ ملل اس کی شریعت کاملہ سے منسوخ بزعم سامی ضرور بلکہ بر بنا

ظہورِ خوارق جس مذہب اور اہل مذہب کا آپ کے نزدیک حق ہونا قرار پایا ہے۔ تعد اقرارِ توحید و صول الی اللہ کے بارہ میں یا آپ اس کی پابندی کافی سمجھتے ہیں۔ یا ہوتے اقرارِ توحید کے پابندی کسی مذہب کی بھی ضروری نہیں جانتے آزادی میں بسر کرنا اور بر ہمنونی عقل و رہبری طبیعت۔ اعمال نیک و افعال حسنہ پر عمل کرنا اور حسب کثرت تسبیح و اعمال بد سے مجتنب رہنا غالباً آپ کے نزدیک موصل الی المقصود ہو سکتا ہے۔ نجاتِ اُخروی صرف اعتقادِ توحید کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ ضرور کہ معبودِ حق کو ایک منفرد الذات والصفات سمجھے دوسری چیز کو خواہ وہ اقرارِ رسالت ہو یا پابندی مذہب وہ بارِ نجاتِ آخروی کوئی مداخلت نہیں مگر محتمل تھا کہ شاید کوئی خوارق کا کلیتہً انکار کرے اور ظہورِ خوارق کو حجتِ حقانیت نہ قرار دے اور جملہ خوارق و معجزات و کرامات وغیرہ وغیرہ کو من اللہ نہ سمجھے یا شاید کوئی سچی نجات و سچی مقبولیت اور تمامی خیرات و حسنات کو اپنے مذہبِ خاص میں بعد ظہورِ مذہبیہ منحصر بتلاوے اور بغرض اعلاءِ کلمۃ اللہ و بشوقِ رضا جوئی حق جل و علی بمقابلہ اعداء دین ہر قسم کے مصائب برداشت اور تلخی موت تک کا تحمل جو خاص ان کے مذہب کے ساتھ مخصوص ہو دلیل حصر قرار دے۔ اور آپ پر پابندی اس مذہب کا لزوم ثابت کر دکھائے۔ لہٰذا آپ پر ضرور ہوا کہ آپ ان اعتقاداتِ ثلثہ کا غلط ہونا ثابت کر دکھائیں اور ہر ایک کی ان میں سے تردید فرمائیں تا بزعم خود آپ موردِ الزام نہ ہوں اور معذور قرار پائیں آپ اور آپ کا جو مسلک ہو حق ٹھیرے اور نجاتِ اُخروی اس کے ساتھ وابستہ ہو مجکو سوا اتنی بات کے کہ بزرگواران اہل اسلام کے چند خوارق کسی معتبر کتاب سے ٹھیک پتہ کے ساتھ نقل کر دوں دوسرا موقع نہیں مگر چونکہ آپ مجھ جیسے ناکارہ سے اس بارہ میں مشاورت چاہتے ہیں اور بنا بر علی حسن الظن کسی خاص ہدایت کے طالب، ناچار لازم ہوا کہ بروئے تحقیق جو حق ہو اُس سے مطلع کر دوں۔ اور بے تکلف لکھوں۔ کتمانِ حق کرنا اربابِ عقل کے نزدیک اصول مشاورت کے بالکل مخالف ہے، اور مقصودِ مشاورت کے خلاف۔ مرتبۂ دیانت سے دور اور خیانت فی الدین میں داخل۔ پس معاف فرما کر جو عرض کرتا ہوں بروئے انصاف اُس پر توجہ فرمائیے +

جناب من۔ سچی مقبولیت اور سچی نجات اور سچی حسنات و خیرات کے واسطے اقرارِ توحید و اقرارِ رسالت دونوں جزو ضروری ہیں یعنی جیسے یہ اعتقاد ضرور ہے کہ معبودِ حق ایک ہے منفرد الذات والصفات ایسے ہی اس کے انبیاء مبعوثین کی تصدیقِ رسالت کرنا۔ اور ان کو نبی برحق سمجھنا نیز ضرور ہے بلکہ در حقیقت

خود اقرار توحید کو تصدیقِ رسالت لازم اور سچی توحید بغیر تصدیقِ رسالت ناممکن الحصول تفصیل اس اجمال اور توضیح اس مقال کی گو تمہیدِ مقدمات کو چاہتی ہے۔ مگر یوں سمجھکر کہ شاید طولِ تقریر ناپسند خاطر ہو اُس سے درگذر کر کے اصل مقصود کی راہ لیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ جو لکھوں اختصار کے ساتھ سہل و آسان لکھوں حضرت من آپکے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ توحید کو مانے ہوئے ہیں جسقدر آپ کو تامل ہے پابندیٔ مذہب میں ہے۔ یا اقرار رسالت میں نظر بریں توحید کے بارہ میں قلم فرسائی کرنا مرتبۂ ضرورت سے زیادہ ہے۔ بلکہ آپکے پیش بہا وقت کی ناحق تضییع۔ اور بہ بداہت عقل سے توحیدِ باری ثابت دلائل عقلیہ و براہین قطعیہ مسلمۂ اہل عقل اسپر قائم مگر تاہم بطورِ تمہید مسئلہ اقرارِ رسالت چاہتا ہوں کچھ اختصار کے ساتھ مسئلہ توحید کو نیز ثابت کروں۔

حضرت من! از جملہ مسلماتِ اہلِ عقل ہے کہ ثبوتِ صفات للموصوف دو طور پر ہوتا ہے اور بہین لحاظ صفات کی دو قسم ہیں ایک وہ کہ ثبوت انکا للموصوف بالذات ہو اور ثبوتِ صفات کے بارہ میں خود ذاتِ موصوف کافی نہ محتاج الی الغیر ایسے صفات کا تحقق و ثبوت مرتبۂ ذات موصوف و مرتبۂ وجودِ موصوف سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور بعد وجودِ الموصوف نہ عدمِ سابق اِن صفات کا ثابت ہو نہ عدم لاحق عارض اُن ہی صفات کو صفاتِ ذاتیہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ کہ ثبوت اُن کا للموصوف بالعرض ہو اور ذاتِ موصوف اُن کے تحقق و ثبوت کے بارہ میں ناکافی بلکہ محتاج الی الغیر اُن صفات کو صفات عرضیہ کہتے ہیں اور بالنظر الی ذات الموصوف تحقق و ثبوت اُن کا محفوف بین العدمین ہے یعنی مرتبۂ ذاتِ موصوف و مرتبۂ وجودِ موصوف میں بوجہ نہ ہونے اِن صفات کے جیسا کہ عدمِ سابق اِن صفات کا ثابت تہا۔ بوجہ عدمِ اقتضار ذاتِ موصوف عدم لاحق اُن کا نیز عارض ہو سکتا ہی مابہ الفرق بہ ٹہیرا کہ صفاتِ ذاتیہ کو یہ لازم کہ بالنظر الی ذات الموصوف و بالنظر الی وجودہ اُنکا تحقق و ثبوت ضروری ہو نہ عدمِ سابق تہا نہ عدمِ لاحق ہو سکے۔ دونوں ممتنع اور صفات عرضیہ کو یہ ضرور کہ انکا عدمِ سابق و عدمِ لاحق بالنظر الی ذاتِ الموصوف و وجودہٖ دونوں ممکن اور یہ خود ظاہر ہے کہ وجودِ ممکن محفوف بین العدمین ہے۔ اور ذاتِ ممکن وجود و توابعاتِ وجود کے ثبوت و تحقق میں بہمہ جہت دوسرے کی محتاج۔ اسی لیے مرتبۂ ذاتِ ممکن میں اُس کے وجود و سائر کمالاتِ وجود کا عدمِ سابق نیز ثابت ہے اور عدمِ لاحق نیز ممکن التحقق۔ پس واضح ثابت ہوا کہ ممکن کا وجود و کمالاتِ وجود

بلکہ ممکن کی صفات عرضیہ ہیں اور ان کا تحقق و ثبوت ذاتِ ممکن کو ثبوت بالعرض نہ ثبوت بالذات ورنہ نہ عدم سابق کو گنجایش ملتی اور نہ عدم لاحق کو امکان۔ اور چونکہ سلسلۂ وجود ما بالعرض بدون وجود ما بالذات از جملہ مستحیلاتِ عقلیہ ہے اور بوجہ استلزام اجتماعِ نقیضین کھلا محال۔ لہذا لازم کہ ہر ما بالعرض اپنے وجود و تحقق میں آپنے ما بالذات کا محتاج ہو پس ضرور ٹھیرا کہ مرتبۂ واقع اور مرتبہ نفس الامر میں ایک وہ موجود ہو جو اپنے وجود اور سائر کمالاتِ وجود کے ساتھ متصف بالذات و بالاصالت ہو اور یہ تمامی صفات اُس کی صفاتِ ذاتیہ ہوں وہ نہ اپنی ذات میں دوسرے کا محتاج ہو نہ مرتبۂ صفات میں اور دوسرے تمامی ممکنات اپنے وجود و کمالاتِ وجود مرتبۂ ذات و صفات سب میں اُسی کے بہمہ جہت محتاج یہ تمامی کمالات مثل نورِ آفتاب اُس کے کمالاتِ ذاتیہ ہوں اور دوسروں میں اُس کے جود و عطا کے بعد آئینہ وار جلوہ گر۔ پس وہ موجود جو بالاصالت و بالذات موجود ہے۔ اور باقی تمامی موجوداتِ عالم و ذراتِ عالم اپنے موجود ہونے میں اُسی کے محتاج۔ اور ہر ایک کا وجود و ہستی اُسی کے جود و عطا کا اثر۔ بلکہ اُسی کے کمالات سب میں جلوہ گر اور اُسی کے اظلالِ وجود سے ہر شے موجود۔ پس وہی موجودِ اصلی حقیقی موجود حق ہے۔ اور وہی خالقِ مطلق۔ وہی خدا ہے۔ اور سچا معبود اور وہی الٰہ حق ہے اور واجب الوجود اور چونکہ اُس کا وجود اُس کی صفتِ ذاتی ہے۔ لہذا لازم کہ اُس کی ذات عین کمالات جملہ مراتبِ وجود کو محیط ہو۔ اور تمامی مراتبِ وجود کا ثبوت و تحقق اُس کے لیے ضرور ہو کوئی مرتبہ مراتبِ عدم کا اُس کی ذاتِ مستجمع کمالات کے لیے نہ ثابت مانا جائے۔ ورنہ ظاہر کہ اُس کا موصوف بالذات ہونا غلط ہوگا اور یہ لازم کہ جس مرتبہ وجود کا عدم اُس میں مانا جائے۔ اس مرتبۂ وجود میں وہ دوسرے کا محتاج ہو اور اُس مرتبۂ وجود کے تحقق و ثبوت میں اُس کی ذات ناکافی پس لازم اور بدیہی لازم کہ جسکو واجب الوجود مانا تھا۔ وہ واجب الوجود نہ رہے۔ اور از جملہ ممکنات ہو اور مثل دیگر ممکنات دوسرے کا محتاج پس و تسلسل مستحیل کہ سلسلۂ وجود ما بالعرض بدون وجود ما بالذات جس سے عبارت ہے لازم آوے کھلے محال کو مستلزم لہذا ضرور کہ وہ موجود حق جملہ مراتبِ وجود کو محیط ہو اور ماسوائے اُس کے جو ہو۔ اُسکو وجود ذاتی اور وجود اصلی کا کوئی مرتبہ نہ ثابت مانا جائے سب اُس کے اظلالِ وجود کے پرتو ہوں۔ اور یہ وجود بوجود ظلی یعنی وجود و کمالاتِ وجود میں سب اُسی کے محتاج نہ بالاصالت موجود پس اب ثابت ہوا کہ کوئی

دوسرا نہیں۔ جو اُس معبودِ حق کا شریک فی الذات والصفات ہو اور مثل اسکے معبودِ حق قرار پاوے۔ محتاجگی ہر شے وہر موجود کی خود دلیلِ روشن ہے کہ وہ اپنے محتاج الیہ کا بندہ ہے۔ نہ یہ کہ خدا ہو یا شریکِ خدا۔ پس کھلا ثابت کہ معبودِ حق ایک ہے متفرد الذات والصفات احدٌ لاشریک لہٗ صمدٌ لا ندّ لہٗ۔ اور چونکہ ہر ہر ذرہ ذرات عالم سے اُسی کے جود وعطا وکرم وسخا کا اثر ہے اور اُسی کے کمالات کا پرتو اور اُسی کی ذرہ نوازی وبندہ پروری پر مرتب اور یہ خود واضح کہ جب اُس نے بغیر سابقہ استحقاق محض اپنی عطا اور جود سے یہ جملہ وجود ولبود ہم سب کو مرحمت فرمایا ہے پس سلب کرنا اور نہ دینا ان کمالات وعطیات کا نیز تحت قدرت تعالےٰ داخل اور باین معنے ہم سب کا نفع وضرر اُسی کی ذات سراپا کمالات کے ساتھ وابستہ اور خود مسلم کہ مدارِ اطاعت وفرماں برداری تجاہ اسی امید نفع واندیشۂ ضرر پر ہے۔ اور جس کے ساتھ امیدِ نفع واندیشۂ ضرر بالاصالت وابستہ ہو۔ وہی حاکمِ حقیقی ہے اور مالکِ اصلی وہی مفیضِ مطلق ہے اور وہی منعمِ برحق تو ایسے حاکمِ حقیقی کی اطاعت اور ایسے منعمِ حق کا شکریہ ہر متنفس پر ضرور اور جس نے دوسرے کو اپنے پرتوِ جمال وکمال سے ایسا باکمال باجمال بنا دیا بحکمِ فطرت اُس عینِ کمال وعینِ جمال کے سچے عشق وسچی محبت کا تخم ہر شے اور ہر دل میں ہونا لازم کیوں نہ ہو۔ الانسان مجبول علےٰ حب من احسن الیہ وشکر المنعم واجب از جملہ مسلمات ہے ونعم ما قال قائل ؎ برائے سجدۂ محرابِ ابرو ÷ بدلہا ذوقِ ایمان آفریدند ÷

اسی علاقۂ صادقہ عشق ومحبت کو بندگی وعبودیت کہتے ہیں۔ ایمان واسلام گویا اسی علاقہ عشق ومحبت کا عنوان ہے اور اسی علاقۂ عشقی کو عشقِ حقیقی ومحبتِ صادقہ کہتے ہیں اور بلحاظ اسی رابطہ قوتیہ کے کہ عشق ومحبت نیز اُس کا عنوان ہے اور حاکمی ومحکومی نیز اُس سے عبارت ما ایک کو عابد اور دوسرے کو معبود یا ایک کو حاکم اور دوسرے کو محکوم تعبیر کرتے ہیں۔ خوب کہا جس نے کہا ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور عشق ومحبت کو ولو کان مجازیاً یہ لازم کہ عاشق اپنی مرضیات کو محو مرضیاتِ محبوب کر دے اور اپنی خواہشات سے بالکلیہ بطرف ہو مرضیاتِ محبوب اُس کی مرضیات ہوں اور خواہشاتِ محبوب اُس کی خواہشات۔ اور جبکہ عشقِ مجازی کو یہ مرتبہ لازم ٹہیرا تو موافق مسئلہ مسلمہ الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ وآثارہ ترتب اُن آثار ولوازم کا مرتبۂ عشقِ حقیقی کو بالاولےٰ لازم۔ بندگی وعبودیۃ

اطاعت وفرمانبرداری اُسی مرضیاتِ محبوبِ حق کی اتباع اور اُس کی خواہشاتِ قلبی کی اطاعت کا عنوان ہے
پس لازم ٹہیرا کہ تمامی مخلوقات ولو کان کذا و کذا اُس کی مرضیات کا اتباع کریں اور اُس کے اوامر و نواہی
کی اطاعت اور چونکہ وہ کمالات میں یکتا ہے اور اُس کے جود و عطا کرم و سخا میں کوئی دوسرا شریک
نہیں لہذا یہ بہی ضرور کہ اس علاقہ اطاعت و بندگی میں کسی دوسرے کو شریک نکیا جائے اور حقِ عبودیتہ و
بندگی کو خالصًا اداکیا جاوے ورنہ درصورتِ عدم اطاعت آیا درصورتِ شرک فی العبادت کفرانِ نعمت
کا وبال و بغاوت و سرکشی کی نکبتہ و نکال میں گرفتار ہونا ضرور مگر ظاہر ہے کہ دوسرے کی مرضیات
قلبی و خواہشاتِ نفسی پر باوجود اتحادِ نوعی و علاقہ یکجہتی تا وقتیکہ وہ خود ہی نہ مطلع فرماوے۔ ہم اور آپ
مطلع نہیں ہوسکتے اور اس بارہ میں ہماری آپ کی کسی صاحب عقل کی عقل ولو کان صائبًا کافی نہیں
عقل انسانی کا کمال اس سے زیادہ نہیں کہ حسن و قبح اشیاء کو علی ماہی فی نفس الامر ادراک کرسکے مگر
کیا عجب جو چیز کہ حسن ہے بعارض قبیح قرار پاوے اور نامرضیاتِ محبوب میں داخل۔ اور جو شی
کہ قبیح عند العقل تہی بعارضِ حسن ہوا در جملہ مرضیاتِ محبوب شامل ہوا جیسا کہ شاہانِ دنیا و سلاطینِ بے ثبات
گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند ممکن کہ وہ سلطانِ حق و حاکم برحق جسکو ہم نے
حسن سمجھا۔ ارتکاب اُس کا عندہٗ تعالی القبیحہ العرضی موجبِ عتاب ہو اور جو ہمارے ادراک عقل کے
موافق قبیح تہا امتثال اُس کا بجسنہ العرضی مورثِ ثواب یا بربنا بے نیازی و بناءً علی غنائہ تعالیٰ
امر بالعکس ہو۔ اور مامور عندنا منہی عندہٗ تعالیٰ ہو اور منہی مامور۔ بالجملہ عقل انسانی ولو کان کاملًا اس بارہ
میں کافی نہیں بیشک اسی کی ضرورت ہے کہ جس کی مرضیات پر عمل و نامرضیات سے حذر کرنا ہے وہ خود ہی
اپنی مرضیات و نامرضیات پر مطلع فرماوے اور طریق اطلاع ایسا صحیح جس سے بالیقین ثابت ہوجائے
کہ یہ اطلاع من عندہ تعالیٰ ہے نہ من عند الغیر مگر مسلم کہ محبوبانِ دنیا یا حکام مجازی باوجود نسبتِ یگانگت
و اتحاد ہر کس و ناکس سے اپنی مرضیات اور اپنے مافی الضمیر کو نہیں کہتے اور نہ ہماری عقل ولو کان علی مرتبۃ
ان کی مرضیات کی اطلاع کے بارہ میں کافی تو وہ محبوبِ حق و حاکمِ مطلق باوجود اس فرق مرتبہ کے
کیوں کر ہر کس و ناکس کو اپنی مرضیات کی اطلاع دے سکتا ہے۔ یا اُس کی مرضیات و نامرضیات کے
بارہ میں ہماری تمہاری کسی صاحبِ عقل کی عقل کیوں کر کافی ہوسکتی ہے۔ بیشک ضرور ہے کہ وہ بہی اپنے
کسی مقربِ خاص کو جسکو علومِ راسخہ و ملکاتِ فاضلہ پر مجبول فرمایا جاوے اور جس کے کمالاتِ علمیہ

ومحاسن وملکاتِ عالیہ اُس کے نزدیک اِس مرتبہ پسندیدہ ہوں کہ بربنائے اس پسندیدگی کے وہ سب میں
برگزیدہ قرار پائے اور مرتبہ قربِ خاص کے ساتھ نوازا جائے اپنی مرضیات و نامرضیات پر مطلع فرمائے
اور برسالت اُس کی بواسطہ حجہ صادقہ کے ہم اور تم اور سب عوام کو اطلاع ہو۔ بالجملہ بدون واسطے ایسے مقرب کے
طریقِ عبادت وراہ بندگی و اطاعت پر آگاہی واطلاع نہ تھا ممکن اور نہ صرف عقل کسی کی ولوگان
مقر ہاس بارہ میں کافی۔ ایسے ہی مقرب خاص کو یعنی ہمارے تمہارے اور اُس معبودِ حق کے
واسطہ قرار پاوے نبی و رسول کہتے ہیں پس اقرارِ توحید کو ضرور ہے کہ اقرارِ رسالت نیز اس کے ساتھ
ہوتا کہ اس تصدیقِ رسالت کے بعد برہنمونی اُس رسولِ حق کے طریقِ عبادت پر ہم بندگانِ بانیاز
کو پوری اطلاع ہو اور راہِ ہدایت و اطاعتِ مرضیاتِ معبودِ حق نصیب ہو تا نہ ہو کہ بکشاکشی نفسِ امارہ
راہِ راست سے بے راہ ہوں اور بمصداقِ یضلون فی کل وادٍ یہیمون بھٹکتے پھریں اور منزلِ مقصود یعنی مقامِ قرب
ومقامِ وصول الی اللہ سے محروم رہیں یا اپنی عقلِ نارسا کو اس بارہ میں اپنا رہبر بنا کر مرتبہ عشق و محبتِ
حقیقی و مرتبہ فرمانبرداری و اطاعتِ حقہ سے جسکو محبِ مرضیات ہونا لازم تھا اور فنا فی رضاء
المحبوب ہو کر رہنا ضرور دور رہ کر اپنی عقلِ ناتمام و علمِ ناکافی کے اتباع کی بدولت مرتبہ عبودیت و نیازو مرتبہ
اطاعت و بندگی سے محروم رہیں اور افمن اتخذ الٰہہ ہواہ کے مصداق۔ بالجملہ بہ بداہتِ عقل ثابت کہ اقرار
رسالت نیز از جملہ متمماتِ ایمان ہے ایمان و اسلام کو اقرارِ توحید و اقرارِ رسالت دونوں کے ساتھ
وابستگی ہے اور تنہا اقرارِ توحید دربارہ نجاتِ اخروی کافی نہیں اور عقولِ ناقصہ و علومِ ناکافیہ کو اس بارہ
میں کافی سمجھنا اور انکارِ رسالت و پابندیِ مذہب کو غیر ضروری خیال کرنا مرتبہ عبودیت و مرتبہ بندگی
کے بالکلیہ مخالف ہے۔ بے شبہ شعارِ بغاوت ہے اور از جملہ لوازماتِ کفرانِ نعمت اعاذنا اللہ وسائر
المسلمین مگر ابھی ثابت ہوا کہ رسول مقربِ درگاہِ خداوندی کو کہتے ہیں اور تقرب اور یہ مقبولیت کسی
جمالِ جسمانی اور حسنِ صورت پر مترتب نہیں۔ بیشک جسم و روح میں یہ علاقہ کہ جسم اگر ظاہر ہے تو روح
اُس کا باطن۔ الظاہر عنوان الباطن پس تنہا ظاہر پر اسی کی نظر قاصر رہ سکتی ہے جسکو تا باطن رسائی
نہ ہو اور جو ظاہر و باطن کو یکساں دیکھے مطمحِ نظر اُس کا باطن ہوگا نہ ظاہر اسی بنا پر ارشاد ہے ان اللہ لا ینظر
الی صورکم واعمالکم ولکن اللہ ینظر الی قلوبکم ونیاتکم پس مدارِ قربِ الٰہی کمالاتِ روحانی پر ہے نہ غیر پر
جس کو مخلوقات و گروہِ رعایا و گروہِ عباد میں سے کمالاتِ روحانی پر مجبول فرمائے اور بنا علی التفضیل

وہ لیاقت علمی وملکات فاضلہ راسخہ عملی مرحمت فرمائے جن کی بناء پر تمامی موجودین وقت ومبعوثین الیہم پر اُسکو فضیلت ہو۔ اُس کے علوم کاملہ وملکات قویہ فاضلہ کو یہ لازم کہ ہمہ تن اطاعت ہو کر رہنا اُس کا شعار ہو اور نامرضیات باری سے حذر اُس کا مقتضائے ذات ترغیبات باری پر بقدر الاطلاع اُسکو احاطہ سہل اور مزاج شناسی حاکم مطلق ومعبود حق کا اُس کو پورا سلیقہ۔ بالجملہ جسکو اِس مرتبہ کا کمال نصیب ہو وہ ہی مقرب ہوگا۔ اور اسی کو مرتبۂ اطلاع مرضیات ونامرضیات یعنی منصب رسالت ونبوت پر جسکو منصب نیابت و مرتبۂ وزارت نیز کہہ سکتے ہیں ممتاز فرمائیں گے۔ اِس مرتبۂ کمالات کے اتصاف اور اِس مرتبۂ قرب کی قابلیت پر مدار کار نبوت ہے معجزات وخوارق عادات کا ظہور اِس منصب عالیہ کے آثار سے ہے اور یہ سب از جملہ آثار نبوت ہے نہ از جملۂ مدار نبوت اثر شئے بعد وجود شئے ہوتا ہے وہ مدار شئے جس کو مقدم علی وجود الشئے ہونا لازم ہے کیوں کر ہو سکتا ہے۔ غرض کہ نبوت و رسالت کا مدار اظہار خوارق ومعجزات پر نہیں اگر تمامی اُمتی اور گروہ رعایا جس کی طرف اسکو مبعوث فرمایا گیا ہے اُس کے کمالات علمیہ وعملیہ پر نظر کر کے بشہادت عقل صائب بے تردد اُس کے منصب کی تصدیق کرلیں اور اُس کو رسول برحق سمجھ لیں تو نبی پر معجزات کا اظہار بھی ضرور نہیں ہے۔ پس خوارق و معجزات جو از جملہ آثار لازمہ نبوت ورسالت نیز نہیں اُن کا مدار نبوت ہونا کیونکر صحیح۔ اور جب دیکھا جاتا ہے کہ تمامی مخلوقات مظاہر وجود باری ہیں کمالات وجود باری سب میں علی قدر القابلیت جلوہ گر اور نوع انسان اُن سب میں مظہر تام اور حضرات انبیا علیہم السلام علی فرق مراتبہم اُس نوع انسان کے افراد اکمل اور یہ خود مسلم کہ خالق برتر عز شانہ وجلت قدرتہ کی وہ وسعت قدرت اور وہ قوت ارادہ کہ فعال لما یشاء وفعال لما یرید اُس کا عنوان اور ان اللہ علی کل شئ قدیر۔ اُس کی تعبیر تو پس ضرور ہے کہ ہر انسان میں بقدر القابلیت یہ صفت کاملہ جلوہ گر ہو اور جیسا کہ باری عزوجل کے ارادۂ قویہ وقدرت کاملہ کو یہ لازم کہ اذا اراد اللہ شیئا یقول لہ کن فیکون۔ یعنی جس شئے کو موجود کرنا چاہے اُس کے امر تکوینی کو اُس شئے کا تابر تبۂ وجود آنا لازم ہو علی ہذا انسان بالخصوص اکمل الانسان کو کہ گروہ انبیا جس سے عبارت ہے نیز یہ ضرور کہ اُن کو اِس مرتبہ قابلیت کاملہ کیساتھ نوازا جائے کہ اُنکی قدرت اور اُن کا ارادہ ارادۂ قویہ وقدرت کاملہ باری عزوجل کا مظہر و ثمر بن سکے۔ جب چاہے بمقابلہ منکرین اُن کی قدرت اور اُن کے ارادہ کو اپنی قدرت کاملہ اور ارادۂ قویہ کا ثمر بنا کر اُن کے ہاتھ

اظہار خوارق کردیا جائے اور منکرین کو اُن کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز تا بعد ظہور اِس حجت قویہ
کے جس میں منکرین کو گنجائش دم زدن نہیں۔ اُس کے دعویٰ صادقہ کو ثابت کردیا جائے۔ اور اِس امر
کی تصدیق کہ بے شبہ یہ رسول منزل من اللہ ہے اور جانبی مرضیات اور نا مرضیات باری کی وُہی
تفصیل ہے جسکو وہ کہے اور بیان کرے۔ اِس ضمن میں بحمداللہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ خود اقرار توحید
کو اقرارِ رسالت و تصدیقِ رسالت لازم ہے۔ کیونکہ اقرارِ توحید کو یہ ضرور کہ معبودِ حق کی اطاعت
بلا شرکتِ غیرے اپنے ذمہ لازم سمجھے اور جس کی اطاعت کو وہ معبودِ حق عین اپنی اطاعت ثابت
کردکھائے اسکو علی الراس والعین تسلیم کرے۔ پس جبکہ سچے نبی کی تصدیق خود فرمائی گئی اور اُس کے
دعوے کے احقاق میں بمقابلہ منکرین وہ حجت قویہ پیش کی جس کے معارضہ سے باوجود تحدی
مقابل عاجز اور اسی بنا پر اُس خارقہ کا معجزہ عنوان یہ ثابت کردکھایا کہ بے شبہ یہ نبی من عندنا
منزل ہے اُس کی اطاعت عین ہماری اطاعت سمجھو اور اُس کے دعوے نبوت کی تصدیق کرو
تو بعد ثبوت ایسی حجت قویہ کاملہ کے جو شخص کہ اُس کی تصدیق نہ کرے اور اُس کے اوامر و نواہی
کی اطاعت سے منحرف ہو تو اُس کا یہ انکار اور یہ اعراض بے شبہ دو امر سے خالی نہیں اور ضرور
کسی ایک پر مبنی ہے۔ یا وہ شخص اپنے کو کسی دوسرے خدا کا بندہ سمجھتا ہے اور اطاعت اُس دوسرے
کی اپنے ذمہ واجب جانتا ہے یا بزعم خود وہ کسی کا بندہ نہیں خود مستقل ہے۔ جو چاہے سو کرے نہ
کسی کی اطاعت سے تعلق نہ بندگی سے علاقہ بالجملہ زبان قال سے گو وہ مدعیِ توحید ہے مگر زبان
حال سے گویا اُس کی تغلیط کرتا ہے اور اپنے دعوے توحید کی آپ تردید۔ الحاصل اقرار توحید اقرار
رسالت و تصدیقِ رسالت کو مستلزم اور انکار رسالت کو انکار توحید لازم سچی واقعی اصلی و حقیقی
توحید وُہی ہے کہ اقرار رسالت و تصدیق رسالت اُس کے ساتھ ہو ورنہ در صورت توحید ہے
نہ در حقیقت۔ اور الحمد للہ کہ خود اقرارِ توحید کا مستلزم اقرارِ رسالت ہونا شہادت عقل سے نیز
ثابت متحقق ہوا اور دعوے استلزام توحید بتصدیق الرسالت واضح طور پر پایہ ثبوت کو پہنچا
خیر یہ کلام ضمنی تھا کلامِ سابق کا یہ خلاصہ کہ انسان کامل یعنی گروہ انبیاء کے مرتبہ کمال کو یہ لازم
کہ وہ قدرتِ کاملہ و ارادۂ قویہ باری کے مظہر ہوں اور جس چیز کو مرتبۂ وجود میں لانا چاہیں اور بارادۂ
من اللہ و ابداءٍ منہ حتمی طور پر انکا ارادہ اس کے ساتھ متعلق ہو تو اُن سے امر تکوینی کے بعد بارادۂ

تعالیٰ و مشیتہ اُس چیز کا مرتبۂ وجود میں آنا نیز ضرور ہو۔ مگر یہ قابلیت کاملہ اور یہ قوت ارادہ بغیر قوت خیال
دبدون خلوہ و صفائہ عن الغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور ایسی قوت تو یہ اور ایسا خیال راسخ جیسا کہ گا ہے
وہبی من اللہ ہوتا ہے اور کسی کے مرتبۂ کمال کو لازم جیسا کہ گروہِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے
ہی گا ہے کسبی نیز ہوتا ہے اور اس شق ثانی کی نیز دو قسم ہیں ایک وہ کہ کسب اس کا علی نہج الحق ہو
اور جملہ باستمدادِ قادرِ مطلق دوسرا وہ کہ کسب اس کا علی نہج الباطل ہو اور باستمدادِ خبائث من الجنات
والشیاطین جنکو ابتلاءً للانسان و امتحاناً لہ بہ نسبت انسان قوی القدرت مجبول فرمایا گیا ہے قسم اول
جس کا وہبی عنوان ہے گروہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور قسم ثانی جس کی کسبی تعبیر
ہے ایسی عام کہ تنہا مقربانِ بارگاہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں وہ قسم کسبی جس کا کسب علی نہج الحق ہو
اسکو البتہ اتباع انبیاء و مقربان درگاہ یعنی حضرات اولیاء کے ساتھ علاقہ خصوصیت ہے اور قسم ثانی
کسبی کو اہلِ باطل کے ساتھ علاقہ خاص۔ گروہِ اولیاء کے خوارق کو جو بطفیل اتباع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
اس مرتبۂ شرف کے ساتھ نوازے جاتے ہیں کرامت کہتے ہیں۔ اور اہلِ باطل سے اگر خوارقِ عادات
تا بمرتبۂ وجود آویں استدراج و سحر و مسمریزم وغیرہ اُن کی تعبیرات ہیں اور وہ جملہ بامداد الشیاطین والخبائث
مرتبۂ وجود میں آتی ہیں۔ اِس تقریر سے فی مابین کرامات و استدراجات وغیرہ اہل باطل نیز فرق
معلوم ہوگیا ہوگا۔ اول یعنی کرامت کو یہ ضرور کہ صاحبِ خارقہ از جملۂ اتباعِ انبیاء ہو اور شریعت حقہ
کا متبع۔ عقائد و اعمال میں بہمہ جہت مرضیاتِ خالق کا پیرو ایسے شخص سے جو خارقۂ عادات
اکراماً لہ و اکراماً لنبیہ مرتبۂ وجود میں آوے بے شک وہ کرامت ہے اور خود اُس کے عقائد و اعمال
کی حقانیت کی دلیل۔ اور ثانی یعنی استدراجات وغیرہ کو یہ ضرور کہ صاحبِ خارقہ متبع شریعت
نہ ہو۔ اور عقائد و اعمال و احوال و اقوال میں اپنی ہوائے نفسانی و جاذبۂ شیطانی کا پیرو۔ ایسا
خارقہ نہ خود حق نہ صاحبِ خارقہ کے عقائد و اعمال و مسلک و مذہب کی حقانیت کی دلیل۔ اور قسم
اول چونکہ اکمل الافراد یعنی حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور انہیں
کے منصبِ رسالت و منصبِ نبوت کے لیے از جملۂ خصائص لہٰذا لازم کہ اگر کوئی مدعیِ کاذب
دعوے کاذب کے ساتھ مدعی نبوت ہو کر نبی بننا چاہے اور اپنے دعوے کاذب کے مقارن
احقاقاً لدعواہ کوئی خارقہ ظاہر کرے اور دوسروں کو اس کے معارضہ سے عاجز تو وہ مدعیِ کاذب

ہرگز ہرگز کوئی خارقہ بڑا ہو یا چھوٹا ظاہر نہیں کرسکتا اور ایجاباً من اللہ تعالیٰ واجب ہے کہ بقدرت
تعالیٰ وتقدس وہ اِس ارادہ میں ناکام رہے اور خود اظہارِ خارقہ سے عاجز۔ بالجملہ وہ خوارق
جنکو معجزہ کہتے ہیں مخصوص بحضرات انبیاء ہیں صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ اور انہیں کے مرتبۂ
کمالات کو لازم اور اتباعِ انبیاء یعنی گروہ اولیاء کے ہاتھ پر اکراماً لہم وتنبیہم جو خارقہ ظاہر
ہو اُسکو کرامت کہتے ہیں۔ اُس کو مرتبۂ ولایت ومرتبہ قربِ الٰہی کے ساتھ خاص تعلق۔
یہ دونوں قسمیں خوارق کی خود بھی حق ہیں اور صاحبِ خارقہ اور اُس کے عقائد و اعمال کی حقانیت
کی نیز دلیل۔ اور قسمِ ثالث خوارق کی جسکو اہلِ باطل سے علاقہ خاصہ ہے نہ رابطۂ مخصوصہ
نہ خود حق نہ صاحبِ خارقہ اور اُس کے مذہب کی حقانیت کی دلیل۔ اِس جملہ بیان سے واضح
ہوگیا کہ اظہارِ خوارق از جملہ آثارِ خاصۂ نبوت نیز نہیں چہ جائیکہ مدارِ نبوت ہو و مدارِ رسالت
نیز یہ بھی ثابت کہ اظہارِ خوارق نہ کلیۃً حق نہ کلیۃً کسی کے حق ہونے کی دلیل۔ نبوت ورسالت کی
بنا خود اُن کمالاتِ روحانی پر ہے جو مدارِ قربِ الٰہی ہیں نہ ظہورِ خوارق پر۔ سچائی کسی رسول ونبی
کی اور سچائی کسی دین ومذہب کی یہ ہے کہ اُس کا من اللہ ہونا ثابت ہوجائے اور بواسطۂ
حقہ اصابتہ کے اُس کا اتباع نصیب ہو جو کمالاتِ روحانی وعلومِ راسخہ وملکاتِ فاضلہ کے ساتھ
ممتاز ہوکر مدعیِ نبوت ہو اور بمقابلہ منکرین اپنی سچائی اُن خوارقِ عادات ومعجزاتِ باہرات سے
ظاہر کرے کہ جن کے معارضہ سے دوسرے عاجز ہیں بے شبہ سچا نبی ہے اور دین اُسکا
سچا دین۔ مگر یہ ظاہر کہ یہ جملہ دین ومذہب اور یہ تمامی اوامر ونواہی اور یہ سب بندگی وعبادت
یا بمنزلۂ نسخۂ طبیب ومعالجۂ اطباء ہے یا بمنزلۂ قانونِ سیاست وآئینِ فلاح وصلاحِ مملکتِ
حکامِ وقت۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص مہلکات ومضرات سے بچے اور بغاوت وسرکشی سے
مجتنب تا حیاتِ ابدی ونجاتِ اُخروی نصیب ہو۔ اور موردِ الطاف وانعاماتِ حاکمِ حقیقی
بنکر مرتبۂ قربِ خاص کے ساتھ نوازا جائے اور جب یہ مثال مرکوزِ خاطر ہوچکی تو خود معلوم ہوگیا
ہوگا کہ نظر باختلافِ اماکن وازمنہ ونظر باختلافِ اشخاص وامزجہ ونظر بہ تغیراتِ احوال وعادات
ونظر بمغایرتِ عوارض وامراض جن کا تغایر خود مشاہد ہے اور ہم بمقتضاء کمال وبمقتضاء حکمتِ
خالقِ برتر جل شانہ وتعالیٰ حکمتہ ہر زمان وہر مکان وہر نوعِ اشخاص وامراض کا قانونِ معالجہ

جدا ہوگا دعلیٰ ہذا ہر نوع ازمنہ واشخاص کا قانونِ سیاست علیحدہ تبس وہ شخص کہ اصل معالج واصل حاکم وسلطان
کی طرف سے بغرض معالجہ یا بغرضِ انتظام بھیجا گیا ہے۔ اگر فن خاص میں دستگاہ کامل
رکھتا ہو اور انتظاماتِ خاصہ ومعالجاتِ مخصوصہ میں ماہر تو ایسا شخص ہر نوع زمانہ وہر نوع اشخاص
کے معالجہ یا انتظام کے لیے کافی نہیں دوسرے طورِ معالجہ یا طرزِ انتظام کی جب ضرورت ہوگی ضرور
ہوگا۔ کہ اُس کو اپنی طرف بلایا جاوے۔ اور دوسرا کامل الفن جو ضرورت موجودہ کے بارہ میں باکمال
ہو بجائے اُس کے مبعوث فرمایا جاوے۔ اور جیسے کہ سابقین کی اصلاح وفلاح اور اُن کی معاش و
معاد کا انتظام مبعوثِ سابق کے اتباع میں منحصر تھا۔ تو موجودین کی صلاح وفلاح اور اُن کی معاشرت
کا انتظام جملہ مبعوثِ حال کے اتباع میں منحصر ہوگا یہ لوگ اگر چاہیں کہ مبعوثِ سابق کا اتباع کریں
یا آزادانہ بسر بے شک اندیشۂ ہلاکت سے خالی نہیں بلکہ بالیقین شعبۂ بغاوت ہے وموجبِ
تباہی۔ ہاں اگر وہ مبعوث جامعِ کمالات ہے وجملہ انواعِ صلاح وفلاح وجملہ اصنافِ ہدایات و
انتظامات سے پورا آگاہ ہر قسم کے علوم اور ہر قسم کے کمالات کے ساتھ اُسکو کامل واکمل بناکر مبعوث
فرمایا گیا ہے تو بے شک ایسے مبعوث کی بعثت عامہ ہوگی۔ اور جملہ ازمنہ وامکنہ کو شامل۔ جملہ
شرائع وادیان کو اُسی کی شریعت کاملہ ناسخ ہوگی اور ہر کہ ومہ پر اُسی کے اتباع واطاعت کا لزوم بغیر اس کے
اقرارِ رسالت اور بغیر اقرارِ سچائی مذہب اور سچائی شریعت اُس کی کے ہر کسیکو ولو کان کذا وکذا نجات
ووصول الی اللہ ناممکن اور اُسی کی شریعت ودین کا بقاء الی یوم القیامت ضرور اور یہ لازم کہ وہ
خاتم الانبیاء والمرسلین ہو اور سب کے بعد مبعوث کیا جاوے دوسرا اس کے بعد نہ نبی ہو نہ رسول
مقتضائے حکمت باری ومقتضائے ربوبیت ربِ مطلق یہی ہے۔ کہ ایسا کامل واکمل اور اس مرتبہ
کا افسرِ اعلیٰ وافضل سب کے بالآخر مبعوث ہو تاکہ دوسرا اس شرافت عظمیٰ اور اس منصب جلیلہ سے محروم
نہ رہیں۔ اور اس کامل واکمل کی شریعت کاملہ کا نسخ شرائع غیر کاملہ سے نہ لازم آوے۔ بالجملہ بشہادت
عقل وبضرورت قانونِ فطرت بغرض ہدایتِ خلق اللہ انبیا علیہم الف الف صلوٰۃ وسلام کا مبعوث
ہونا ضرور اور وہ بھی بہذا الترتیب۔ اعتقاداتِ ثلثہ مذکورہ کا جنکو آپ مسلمہ علماءِ متالہین کہتے ہیں
رد کرنا فضول میرے نزدیک سعی لغو ہے اور اوقاتِ عزیز کا ناحق اتلاف۔ کوئی اہل مذہب ایسا نہیں
جو مدارِ حقانیتِ مذہب اظہارِ خوارق پر سمجھتا ہو۔ اور سچی مقبولیت اور سچی نجات خیرات وحسنات و

طریقۂ وصول الی اللہ فی کل وقت کسی ایک مذہب میں منحصر جانتا ہو بے شک جملہ ادیانِ سماویہ اور
جملہ مذاہبِ حقہ اپنے اپنے وقت میں حق تھے اور طریقِ نجات اُن ہی میں منحصر ۔ البتہ بعد منسوخیۂ ۔
مذہب حقہ نہ رہے اور نجات دوسرے میں منحصر ہوئی علیٰ ہذا خوارق کو کلیتہً کوئی حق نہیں کہتا اور
نہ صاحب خارقہ اور اس کے حق ہونے کی کلیتہً دلیل ۔ مصائب کا تحمل ، موت تک کی تلخ کامی کی برداشت
کو نیز کلیتہً نہ کوئی مخصوص بہ اہل حق بتلاوے اور نہ سچے احوال و اعمال پر اُن کو مرتب ۔ دنیاوی غیرت
و جوش و اہل دنیا کی محبت مال کی طمع وغیرہ وغیرہ پر نیز اِس مرتبہ مصائب کی برداشت ہو سکتی ہے
بالجملہ ہر سہ امور کلیتہً کسی کے نزدیک دلیل حقانیت نہیں ۔ تصدیق رسالت و پابندیِ مذہب کیغیر و ترک
مذاہب منسوخہ کے اتباع آزادانہ معاشرت کا ابطال تقاریر سابقہ سے ظاہر ایسی حالت اور ایسی
صورت میں اُن اعتقادات کی تردید بے شبہ فضول ہے اور سعی لغو آئندہ اختیار بدست مختار آپ کا
یہ امر جو دریافت فرمایا گیا ہے ۔ کہ اہل اسلام کے کسی نبی یا ولی کی روح بغرضِ ہدایتِ خلق اللہ
واپس آتی ہے یا نہیں ۔ یعنے بطور اوتار یا آواگون اہل اسلام میں سے کسی مقرب نے ظہور فرمایا ہے
یا نہیں سو یہ خیال اہلِ اسلام کے نزدیک از جملہ خیالات باطلہ ہے ۔ اور ظاہر عقل و ظاہر نقل کے
بالکل خلاف ۔ وقوع اس کا موافق اصولِ اسلامیہ کیوں کر ہو سکتا ہے ۔ بے شبہ مبنی علی الباطل
باطل ہوتا ہے نہ واقع و متحقق ۔ اور قول قائلانِ آواگون چونکہ بہمہ جہت خلاف ظاہر ہے ۔ لہٰذا وہ
اس بارہ میں مدعی ہیں ۔ اقامت دلیل اُن کے ذمہ ۔ ہمارا در بارہ تردید مجرد انکار کافی ہے لہٰذا
اگر کوئی مقابل ہو اور دلائل پیش کرے ۔ انشاء اللہ تعالےٰ مدلل طور پر باطل کر دیا جائیگا ۔ اب دلائل
لکھکر تقریر کو طول دینا بے سود ہے ۔ اور آپ کے قیمتی وقت کی ناحق تضییع معاف فرمائیں
وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَھُوَ بَصِیْرٌ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌ عَلِیْمٌ ۔

ہدیہ احمدیہ فی سُنّیۃ الخطبۃ بالعربیۃ

السؤال

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ ہمیشہ پورا عربی پڑھا ہے حضور جب تک اس جہان میں تشریف فرما رہے کبھی جمعہ کا خطبہ عربی کے ساتھ دوسری زبان ملاکر نہیں پڑھا۔ جیساکہ احادیث میں ثابت ہے پس حسبِ اصطلاح فقہاء کرام عربی میں پورا خطبہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہوا جس کا حکم باعتبار عمل کے واجب ہے اس لیئے اس کا ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس کے خلاف پر ہمیشہ عادت کرنے والا فاسق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے حسب ارشاد حضور من ترک سنتی لم ینلہ شفاعتی محروم ہے۔ پھر حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بلا عذر دوسری زبان میں خطبہ کا جواز فرمانا کیا دلیل رکھتا ہے۔ اگر امام صاحب رضی اللہ عنہ کی اس میں تقلید کی جاوے تو فاسق بنتا ہے۔ اور اگر آپ کے فرمان پر عمل نہ کیا جائے تو تقلید کو بالائے طاق رکھتا ہے گو صاحبین کا مذہب عدم جواز ہے ولیکن جبکہ امام صاحب کا قول واضح ہو۔ صاحبین کے قول کے اوپر کیسے عمل کریں گے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ مثل قرأت فی الصلوٰۃ اس بارہ میں بھی امام صاحب رضی اللہ عنہ کا رجوع الی قول صاحبین ہے تو یہ نقل سے ثابت نہیں۔ بلکہ نقل اس کے خلاف ہے شامی و درمختار جلد اول صفحہ ۴۳۰ ملاحظہ ہو۔ تو اب امام صاحب رضی اللہ عنہ کے فرمان کو مانیں اور فاسق بنیں یا سنت مؤکدہ پر عمل کریں اور ترک تقلید کریں امید کہ امر حق کو مدلل بیان فرما کر اس خدشہ کو رفع فرمائیں گے۔ فقط

الجواب

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ بندہ نحیف خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔ بعالی خدمت مولانا المعظم مکرم و محترم مخدوم و مطاع جناب مولانا المولوی احمد صاحب سورتی سلمہم اللہ تعالیٰ و دامت برکاتہم بعد سلام مسنون مکلف ہے نامہ سرمایۂ عزت ہوا۔ حیران ہوں جواب کیا لکھوں مولانا مجھ جیسا ناکارہ جس کو ہنوز نہ مسائل ضروریۂ دین پر عبور نہ آیات قرآنی و

واحادیث نبوی کا صلوات اللہ علیہ وسلامہ بطورِ صحیح ترجمہ کرنے کا سلیقہ کیوں کر اس قابل ہو سکتا ہے کہ علمائے کبار کے شبہات کا جواب دے سکے اور ان حضرات کو اتفاقاً اگر کسی مسئلہ میں خلجانِ خاطر پیش ہو اسکو دفع کر سکے۔ اور وہ سخنِ دل نشین کہے کہ لائقِ پذیرائی ہو۔ اور صورتِ اطمینان مولانا اپنا مبلغ علم اسی قدر ہے کہ جس بارہ میں کوئی خدشہ پیش ہوا۔ آپ جیسے علمائے کی طرف رجوع کر اپنا اطمینانِ قلب حاصل کر لیا ہے

یہ تو قسمت تھی کہاں سیکھتے کچھ کسبِ کمال بے کمالی میں بھی افسوس نہیں کامل نہوا

بالجملہ اپنی ناکسی۔ عذرِ صحیح ہے کہ جواب نامہ سے معافی چاہوں۔ مگر چونکہ تعمیل ارشادِ بزرگان سرمایۂ سعادت ہے ناچار بہ تعمیلِ حکم جو کچھ اپنے علمِ ناقص اور فہم نارسا میں ہے۔ بنام خدا حوالۂ قلم کرتا ہوں اور اصلاح اس کی حوالۂ فہمِ ثاقب مگر اول چند امور بطور مقدمہ پیش کرتا ہوں بہنگام ملاحظۂ اصل مطلب ملحوظِ خاطر رہیں ؞

پہلا مقدمہ انواع متضادہ اور اقسام متبائنہ اپنی اپنی حقیقتِ نوعیہ میں باہم متبائن ہوتے ہیں مگر حقیقتِ جنسیہ میں سب مشترک اور وہ حقیقتِ جنسیہ سب پر صادق۔ دوسرا مقدمہ عام ایک کلی ہے کہ وجود اس کا بوجود فرد ہا ہو سکتا ہے اور انتفاء اس کا بانتفاءِ جمیع الافراد۔ تیسرا مقدمہ جو امر اور جو چیز کہ عقلاً یا شرعاً بالنظر الی الذات یا بالنظر الی اعتبارٍ جائز ہو اور ممکن۔ بالنظر الی الغیر و بالنظر الی اعتبارِ آخر واجب ہو سکتی ہے یا ممتنع۔ چوتھا مقدمہ وجوب احد الضدین مستلزم الحرمۃ الآخر و حرمتِ احدہما موجب لوجوب الآخر۔ پانچواں مقدمہ حصرِ حقیقی بمقابلۂ جمیع ماعدا ہوتا ہے اور حصرِ اضافی بمقابلۂ المضاف الیہ بعد تمہید ان مقدمات کے گذارش ہے فرض و واجب و مندوب و مکروہ و سنت موکدہ و سنتِ ہدیٰ اور جائز یعنی مباح جو اقسامِ مامور ہیں اور جواز الفعل کے افراد گو بوجہ تقسیم یکدیگر ہونے کے فی مابین ان کے تبائن ہے۔ اور حقیقتِ نوعیہ ہر ایک کی جدی اور آثار و لوازم مرتبۂ حقیقتِ نوعیہ ہر ایک کے جدے مگر بحکم مقدمۂ اولیٰ نفس جواز جو بمنزلۂ حقیقۃ جنسیہ ہے ان سب میں مشترک اور ان سب پر صادق فرض و واجب وہ کہ جواز الفعل مع عدم جواز الترک گویا اس کی حقیقۃ اور مندوب و مستحب وہ کہ جواز الفعل مع جواز الترک مرجوحاً اس کی تعبیر اور مکروہ وہ کہ جواز الفعل مع جواز الترک راجحاً اس کا عنوان اور جائز و مباح وہ کہ جواز الفعل مع جواز الترک تساویاً اسکی تعبیر سنتِ موکدہ وہ کہ فعل اس کا مواظبۃً ثابت ہو اور ترک

یعنی عدم فعل مرتبہ ثبوت کو نہ پہونچے۔ اور سنت ہدیٰ وہ کہ جس کا فعل و ترک دونوں ثابت بالجملہ حقیقۃ نوعیۃ
ہر ایک کی جُدی ہے۔ اور باعتبار حقیقۃ نوعیہ فی مابین اُن کے تباین اور بوجہ تباین مرتبہ حقیقت نوعیہ جو
آثار و لوازم خاص اُس مرتبہ حقیقۃ نوعیہ کے ہیں فی مابین اُن کے تبائن ضرور اور یہ لازم کہ وجود
ایک کی حقیقۃ نوعیہ کا جن لوازم و آثار کو مستلزم ہے دوسرے کی حقیقۃ نوعیہ کا وجود اُن کے عدم کو مستلزم
ہو مگر نفس جواز میں جو بمنزلۂ حقیقۃ جنسیہ کے ہے سب یک اور جواز نفس سب پر صادق مگر بحکم مقدمہ ثانیہ
اطلاق جواز اور لفظ جائز اُس پر صادق کرنے سے اُس کو فرض سمجھنا یا واجب جاننا یا سنت موکدہ یا
مستحب و مندوب سمجھنا یا اُن میں سے کسی خاص کے لوازم و آثار کو مترتب کرنا ضرور غلط ہے دوسرا
کہہ سکتا ہے کہ میری مراد مکروہ ہے یا مباح بالخصوص ایسی حالت میں کہ وہ خود یا اُس کے اتباع جو
جملہ علماء راسخین ہوں اُس کلام کی مراد کو بصراحۃ بیان کریں مثلاً فیما نحن فیہ کہ مذہب امام علیہ الرحمۃ
کثر اللہ تابعیہ جواز القرأۃ بالفارسیہ نقل کیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ شروع صلوٰۃ بغیر العربیہ جائز ہے یا خطبہ
بغیر العربیہ پڑھنا صحیح مگر علماء راسخین تصریح کرتے ہیں۔ کہ اِس جواز و صحت سے وہ جواز مراد ہے جو کراہۃ
تحریمی کے ساتھ متحقق ہو۔ فی الدر المختار وصح شروعہ ایضاً مع کراہۃ التحریم بتسبیح وتہلیل وتحمید وسائر
کلم التعظیم الخاصۃ لہ تعالیٰ کما لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان وخصہ البردعی بالفارسیۃ وشرطا عجزہ
وعلی ہذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوٰۃ فتسقط منہا ایضاً فیما وکنت تحمیدۃ او تہلیلۃ او تسبیحۃ للخطابۃ المعروفۃ
مع الکراہۃ پس لفظ جائز اور لفظ صحیح سے مواظبۃ علی فعلہ کیونکر سمجھی مواظبۃ علی الفعل خاص فرض و واجب
و سنت موکدہ کی حقیقۃ نوعیۃ کے لوازمات خاصہ و آثار مختصہ میں سے ہے مستحب و مباح یا مکروہ جو
باعتبار اپنی حقیقۃ نوعیہ کے فرض و واجب و سنت موکدہ کے مباین ہیں۔ ان کے آثار و لوازمات
میں سے نہیں۔ چونکہ فرض و واجب و سنت موکدہ کی حقیقت خاصہ جو ملزوم ان لوازمات و آثار کی تھی
بحکم تبائن حقیقۃ مرتفع ہے تو ارتفاع اِن لوازم کا نیز ضرور فان رفع الملزوم مستلزم لارتفاع اللوازم
ایضاً فی صورۃ کون اللوازم مساویۃ للملزوم بلکہ خود جانب فعل یعنی قراۃ القرآن بالفارسیہ فی حالت
الصلوٰۃ یا قرأۃ الخطبۃ بالفارسیہ کو جبکہ امام علیہ الرحمۃ نے مکروہ فرمایا تو علیٰ قول الامام اُس پر مواظبت فسق
ہو گئی اور اُس کے ترک یعنی قرأت بالعربیہ و خطبہ بالعربیہ پر مواظبۃ لازم بالجملہ لفظ جائز فرمانے سے مواظبۃ
ثابت ہو کر بالزام ترک السنۃ بالمواظبۃ فاسق کہنا بھاری غلطی ہے۔ اور بڑی گستاخی کبرت کلمۃ تخرج من

افواہہم ان یقولون الا کذبا اور بحکم مقدمۂ ثانیہ چونکہ وجود اس جواز کا جو عام ہے اور ان سب افراد
کے لیے کلی مشترک ہو وجود فردٍ ما ہو سکتا ہے اس کے وجود سے فردِ خاص کا وجود سمجھنا ضرور غلط ہے
اور جبکہ بحکم عموم آیۂ شریفہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن قرأۃ ما تیسر سواء کان فاتحۃ الکتاب او غیرہا فرض
و رکن ہے۔ اور بحکم حدیث صحیح لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب قرأۃ فاتحہ خاصۃً واجب علیٰ ہذا
بحکم عموم فاسعوا الی ذکر اللہ فی حالت الخطبہ مطلق ذکر سوا ارکان تحمید و تہلیل و سائر ارکان بالعربیہ و غیرہا
رکنِ خطبہ ہے والذکر الطویل علی قدر التشہد المشتمل علی الحمد والثناء والصلوٰۃ علی النبی والوعظ والتذکیر
و قرأۃ القرآن والعبارۃ بالعربیۃ مسنون اور بنظر عمومِ آیت اولیٰ فی حالت الصلوٰۃ قرأۃ آیۃ او
آیات کانت سے نفسِ فرضیت و نفسِ رکن صلوٰۃ ادا۔ اور بلحاظِ سقوطِ مرتبۂ فرضیت اسی پر اکتفا صحیح و
درست مگر بصورتِ اکتفا علیہا فاتِ قرأتِ فاتحہ جو واجب تھی اس کا ترک لازم و ترک الواجب
حرام پس اکتفا علیٰ غیر الفاتحہ نیز حرام علیٰ ہذا باعتبار نفس عموم ذکر اللہ خطبہ بالتحمید والتسبیح و غیرہا یا خطبہ
بلسانِ غیر عربی گو صحیح اور بلحاظِ سقوطِ نفسِ رکنیتِ خطبہ اکتفا علیہا جائز مگر اکتفا علیہا چونکہ ترک سنت کو
مستلزم اور خطبۂ طویلہ بلسان عربی جو مسنون تھا اور اس پر مواظبت ثابت اس اکتفا علیہا سے اس کا
ترک لازم لہٰذا بکراہتِ تحریمہ ضرور مکروہ اور بحکم مقدمۂ ثالثہ شے واحد کا باعتبارین مختلفین جائز و
صحیح باعتبارے و مکروہ یا حرام باعتبارِ آخر ہونا ممکن اور خود مسائل شرعیہ اس پر شاہد دیکھئے صلوٰۃ فی الارض
المغصوبہ گو بالنظر الی ارکان الصلوٰۃ جائز اور مسقطِ صلوٰۃ مگر بالنظر الی کونہا فی الارض المغصوبہ ضرور حرام
اور مورثِ معصیت متخفف سے گو حکمِ غسلِ قدمین ساقط و بحالتِ تخفف غسلِ قدمین ناجائز مگر بحالت
خوض فی الماء و غسل اعضاء الوضوء گو بالنظر الی رکنیۃ الوضوء صحیح مگر بالنظر الی الاعراض عن الرخصۃ لا ریب مورثِ
معصیت مسلم الثبوت و غیرہ کتب اصول کو ملاحظہ فرمائیے اور جبکہ حرمت یا کراہت اس کی باعتبارِ آخر صحیح
و ثابت تو بحکم مقدمۂ رابعہ جب وہ حرام ہوگا یا مکروہ تو ضد اس کی ضرور واجب ہوگی اور اسی ضد پر مواظبت
لازم بالجملہ واضح ثابت کہ گو امام علیہ الرحمۃ نے خطبہ بلسان غیر عربی و قرأۃ القرآن بلسان غیر عربی کو باعتبار
صحیح و جائز فرمایا مگر جبکہ باعتبارِ آخر اسکو حرام یا مکروہ نیز فرماتے ہیں اور اس کے ترک پر مواظبت لازم تو پھر امام
علیہ الرحمۃ کثر اللہ تابعیہ یا ان کے مقلدین پر ترکِ سنتِ مؤکدہ یا ترک واجب کا اور وہ بھی علیٰ سبیل المواظبۃ
والدوام الزام لگانا کیونکر درست اور وعید فسق کے ساتھ ان کی تہدید کیونکر صحیح بے شک غلط بیشک غلط

اور اپنی خطافہمی اس الزام بے جا کا منشا صحیح ہے۔ میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا + باقی دربارۂ رجوع
امام الی قول الصاحبین باستناد عبارت درمختار یہ خدشہ پیش کرنا کہ یہ رجوع خاص دربارۂ قرأت
فی الصلوٰۃ ثابت ہے۔ لا فی غیرہا ایضاً مولانا خدا معاف یہ بھی عین خطا ہے اصل یہ کہ دربارۂ شروع
صلوٰۃ و دربارۂ قرأۃ فی الصلوٰۃ شروع بلسان الفارسیہ اور قرأت بالفارسیہ دونوں کے جواز و
صحت کو منسوب الی الامام کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں۔ دونوں مسئلوں میں امام علیہ الرحمۃ نے رجوع
الی قول الصاحبین فرمایا اور علی قول البعض خاص دربارۂ قرأت نہ دربارۂ شروع اور اصح قول اخیر
ہے فی الدرالمختار وجعل العینی الشروع کالقرأۃ ولا سلف لہ فیہ ولا سند لہ یقویہ بل جعلہ فی
التاتارخانیہ کالتلبیۃ یجوز اتفاقاً فظاہرہ کالمتن رجوعہما الیہ لا ہو الیہما وفی ردالمحتار
قولہ رجوعہما الیہ ای ذکر راجعاً الی قولہ بصحۃ الشروع بالفارسیۃ بلا عجز کما رجع ہو الی
قولہما بعدم الصحۃ فی القرأۃ فقط لا فی الشروع ایضاً کما توہمہ العینی +

لیکن یہ حصر بمقابلہ شروع فی الصلوٰۃ ہے نہ بمقابلہ خطبہ پس بحکم مقدمہ خامسہ جس کے مقابلہ میں یہ
ہے نفی اس حکم کی اسی ما یقابلہا سے کیجائے گی فقط نہ جمیع ما عداہا سے جمیع ما عداہا سے اس حکم رجوع کی
نفی سمجھنی ضرور غلط ہے اور ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکر صحیح ہو خطبہ جو بمنزلہ قرأت القرآن ہے اور حالہ خطبہ
بمنزلہ حالۃ الصلوٰۃ آیت شریفہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے حکم میں خطبہ کو شامل کرنا یا خاص
خطبہ کو اس آیت بین ہدایت کا شان نزول قرار دینا اس کی واضح دلیل اور باوجود اس کے کہ جمعہ خلیفۃ
الظہر ہے بجائے اربعہ رکعات ظہر جمعہ کی دو رکعت ہوئی اور گویا خطبتین کو بجائے رکعتین قرار دینا اسکا
نیک شاہد پس خطبہ کو حکم صلوٰۃ سے علیحدہ کرکے کیونکر اس حصر میں داخل کرسکتے ہیں: نیز بتصریح فقہا علیہم
الرحمۃ مفتی بہ اس بارہ میں قول صاحبین ہے اور وہی عند فقہاء الاحناف معتبر اور اسی پر عمل اور حنفیہ
اسی سے عبارت کہ امام علیہ الرحمۃ وصاحبین و امام زفر رحمہم ہر چہار حضرات میں سے رحمۃ اللہ علیہم جس کا قول
مفتی بہ ہو اس پر عمل کیا جائے۔ پس خاص قول امام پر دلوکان قولاً مرجوحاً عمل کرنا کیونکر لازم اور دائرہ
حنفیت کو تنہا اتباع قول الامام میں محصور کرکے کوتاہ کرنا کیونکر صحیح۔ مولانا آپ ہی ارشاد فرما دیں
کہ ایسے توہمات واہیہ فاسدہ اور شبہات غلط و کاسدہ کی بنا پر متقدمین کی جناب پاک میں کلمات گستاخانہ
کا اطلاق کیسا ہے بحکم حدیث صحیح نوارد وار کہ آنچہ از دہن برآید بر وے ریزد خود اپنے ہی کو ملوث

کرتا ہے یا اُن مقدس حضرات کے دامن عفت تک بھی یہ لوث پہونچ سکتا ہے نہیں نہیں اور خدا نہ کرے
چشمہ آفتاب را چہ گناہ۔ مولانا دست بستہ آرزومند ہوں کہ میری ناکسی پر نظر نہ فرما کر ان چند سطور کو بنظر انصاف
ملاحظہ فرماویں اور بصورت پسندیدگی خاطر مبارک بندہ کمینہ کو اطلاع بخشیں اور ہمیشہ خدمات لائقہ سے
یاد فرمائیں اور بحق بندہ ناکارہ دعائے خیر فرماتے رہیں۔ والسلام

الدلیل الباہر علی صحۃ القولین فی شق القمر

بندۂ کمینہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفر لہ بخدمت سراپا الطاف و عنایت حکیم محمد ضیاء علی صاحب سلمہم
بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامہ پہونچا چاہا فوراً جواب لکھوں مگر بندہ کے حقیقی چچا مدظلہ جو کچھ عرصہ سے
بیمار تھے اس وقت اون کے مرض نے ترقی کی اور حالت مرض زیادہ نازک ہو گئی علاوہ ہجوم کار متعلقہ
یہ پریشانی زیادہ سا رہا و تحریر ہوئی اوسی حالت پریشانی میں خدا جانے آپ کا خط رکھ کر کہاں بھول گیا
کہ بعد افاقہ طبیعت جناب چچا صاحب سلمہ چند مرتبہ بارادہ تحریر جواب ڈھونڈا مگر نہ ملا آج اتفاقی
وقت سے پشتارہ خطوط میں آپ کا خط بھی ملفوف نکلا والحمد للہ گو بوجہ زیادہ تاخیر جواب لکھتے
شرماتا ہوں اور نیز خیال کرتا ہوں کہ غالباً اب ضرورت بھی نہ ہو مگر چونکہ من و رتہا آپ کو مطلع کرنا
ضرور اور بوجہ پیش آنے خدشہ مذکورہ فی السوال کے جو آپ کو خلجان پیش آیا ہے اوس کا ازالہ لازم
لہذا وہ کوفت و کلفت جو بزمانہ انتظار جواب آپنے برداشت کی اول اوس کی معافی چاہتا ہوں معاف
فرمایئے اور قبل از عرض مطلب چند امور بطور مقدمہ پیش خدمت کرتا ہوں ہنگام ملاحظہ مضمون
جواب ملحوظ خاطر رکھیں پہلا مقدمہ بین الشیئین اگر لعلاقۃ بینہما اجتماع ہو اوس اجتماع کو مصاحبۃ لازمی و دائمی کہتے ہیں
اور اجتماع لا للعلاقۃ کو مصاحبۃ اتفاقی و غیر دائمی دوسرا مقدمہ اجتماع تناقضین محال و ممتنع مگر تحقق
تناقض کے لیے یہ شرط کہ مورد ایجاب و سلب نسبۃ واحدہ ہو اور وہ بھی بحیثیۃ واحدہ و اعتبار
واحد تیسرا مقدمہ موضوع واحد کو بالنظر الی اعتبار جو محمول ثابت ہو بالنظر الی اعتبار آخر اوس
محمول کی نفی اوس موضوع سے کرنی صحیح ہے چوتھا مقدمہ تا وقتیکہ بین الشیئین تناقض نہ ہو اثبات و

و اقرار احدہما کا دوسری کے نفی و انکار کو مستلزم نہیں آور نہیں ہو سکتا بعد تمہید مقدمات واضح ہو وقوع
قیامت و قیام ساعت اس سے عبارت ہو کہ قادر حق جس کی شان بے نیازی اور کمال قدرت کا یہ عنوان فعال لما یشا
و فعال لما یرید اپنی قدرت کاملہ سے بمقتضا حکمت بالغہ تمامی کائنات و جملہ موجودات کو فنا فرمادے. اور
ہر ایک کے شیرازۂ ترکیب کو اوس سے جدا اور ہر ہر موجود دلو کان کذا و کذا اوس کے اسی اثر فنا و زوال
کو قبول کرے آیۃ شریفہ وَاِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ اوسکی نیک تصدیق و اذا رجت
الارض رجا و بست الجبال بسا فکانت ہباءً منبثا اوسپر واضح دلیل مگر افہام قاصرہ چونکہ اس کو
دشوار بلکہ عین محال سمجھتے ہیں اور موجودات میں مجردات یکطرف بعض اجسام مثلاً اجسام فلکیہ کے وجود
کو اس مرتبہ محکم و مستحکم اعتقاد کرتے ہیں کہ خرق و التیام اون کا نیز ممتنع و محال چہ جائیکہ زوال وجود پس
بضرورۃ ازالۂ اوہام ایکا سدہ و بضرورۃ تصحیح افہام الفاسدہ لازم ہوا کہ اثباتاً لدعوی قیام الساعۃ اونہیں
اجسام مستحکم میں سے وہ جسم کہ اوس میں بوجوہ ممتاز ہو اور بالنسبۃ الی الاکثر اعلی و افضل خدا قمر قبل از وقوع ساعۃ
اوس میں خرق و التیام واقع کر دکہائیں اور اوس کے انخراق و انشقاق کو از جملۂ علامات کبری و آثار عظمے
وقوع ساعۃ قرار دیں تا بطور مشتے نمونہ از خرواری یہ انشقاق و انخراق قیام قیامۃ و وقوع ساعۃ پر عمدہ دلیل ہو
اور کسی بڑے چھوٹے عام و خاص کو گنجایش دم زدن نہ رہے ؎ ور نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ✣ پس بالنظر الی ہذہ الحکمۃ الصحیحۃ و الضرورۃ الواضحۃ اصل میں انشقاق قمر کا از جملۂ آثار
لازمۂ قیامت و علامات صادقۂ ساعۃ ہونا ضرور آور چونکہ شق القمر کا قرب ساعۃ کے ساتھ اجتماع بعلاقۃ مبنیہا ہے
ولعلۃ مذکورۂ سابقہ پس بحکم مقدمۂ اولی اس اجتماع و مصاحبۃ بینہما کا مصاحبۃ لازمہ ہونا لازم اور اس
مصاحبۃ لازمہ کا لزوم اس مرتبہ کہ اگر کفار مکہ اور جاہلان عرب حضور سرور عالم سید العرب و العجم صلی اللہ علیہ
وسلم سے طلب اظہار ہذہ المعجزہ علی یدہ الشریفہ نہ کرتے تاہم وقوع اس انشقاق القمر کا لکونہا من آثار
الساعۃ و من اماراتہا و علاماتہا ضرور تہا اور بے شک لازم دیکھو خود جناب باری جل و علا دعوی قرب ساعۃ
کے ساتھ تحقق ہذا الاثر کو بطور دلیل لاکر فرماتے ہیں اقتربت الساعۃ و انشق القمر اور چونکہ آخر زمانہ کے لیے
اس شق القمر کا علامت ہونا مذکور فی الکتب السابقہ تہا اور آخر النبیین کے وقت بعثت کے لیے عمدہ دلیل
اور نیک امارۃ لہذا بعد وقوع ہذا الانشقاق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی گروہ کفار کو مخاطب
بنا کر فرماتے ہیں اشہدوا بالجملہ اصل یہ کہ شق القمر فی نفس الامر از جملہ آثار قیامت تہا و لکونہا اثراً

من آثار الساعۃ وقوع اوس کا ضرور حضرت رسالتمآب علیہ صلوۃ اللہ وسلامہ سے کفار کا یہ مطالبہ کہ
آپ تصدیقاً لدعوی النبوۃ اس کا اظہار علی یدہ الشریفہ فرمادیں اتفاقی تھا اور آپ کا اپنے دست مبارک
پر اس خارقہ کو ظاہر فرمانا اور سادس کا فی حق حضرۃ الرسالۃ معجزہ ہونا نیز اتفاقی اور بحکم مقدمہ اولے یہ
مصاحبۃ واجتماع مصاحبۃ اتفاقیہ ہے اور اوس کے ساتھ صفۃ کونہا معجزۃ علی ید النبی کا اجتماع نیز اتفاقی
ہے لازمی نہیں ضروری نہیں پس بالنظر الی ہذہ المصاحبۃ الاتفاقیہ وبالنظر الی کونہا ظاہرۃ علی ید النبی
فی مقابلۃ انکار المنکرین ولو کان علی سبیل الاتفاق اوس کا معجزہ ہونا ضرور اور یہ کہنا نیز صحیح کہ شق القمر
معجزۃ للنبی الکریم علیہ التحیات والتسلیم اور اوس کا فی حق النبی الکریم معجزہ ہونا اس مرتبہ صحیح وثابت
کہ بقول شخصے ہر کہ شک آرد کافر گردد مگر بالنظر الی الاصل وبالنظر الی مصاحبتہا اللازمۃ من قرب الساعۃ
وکونہا من آثار القیامۃ وعلاماتہا شق القمر سے نفی معجزہ ہونے کی کرنی اور یوں کہنا کہ شق القمر لیست
بمعجزۃ نیز صحیح و درست اور چونکہ جہۃ ایجاب وسلب جدا جدا ہے لہذا بحکم مقدمۂ ثانیہ اس ایجاب
وسلب کو نہ متناقض کہہ سکتے ہیں اور نہ ان کے اجتماع باہمی کو ممتنع ومحال بلکہ بحکم مقدمۂ ثالثہ
یہ نفی واثبات اور اوس کا اجتماع فی موضوع واحد اسطور پر صحیح جیسے انسان پر بالنظر الی الحمل العرضی
الانسان کاتب وضاحک بالحمل الایجابی محمول کرنا یعنے کاتب اور ضاحک کا اثبات صحیح و درست
اور بالنظر الی الحمل الذاتی اوسکی نفی یعنی الانسان لیس بکاتب ولیس بضاحک بالحمل السلبی بھی کہنا درست
پس واضح ثابت ہوا کہ تفہیمات الٰہیۃ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالی اسنے
یا حضرت علامۂ رازی نے نہایۃ العقول میں اگر دربارۂ شق القمر لیست بمعجزۃ فرمایا ہے بے شک
ٹھیک ہے اور ہرگز غلط نہیں اور راست کا یہ اعتقاد اور یہ اقرار کہ شق القمر معجزۃ للنبی الکریم صلوٰۃ اللہ
علیہ وسلامہ بیشتر صحیح و درست اور ضرور صحیح و درست دونوں صحیح ہیں اور بین القولین کوئی تعارض
نہیں بلکہ بنا بر قولین چونکہ علی اعتبارات مختلفہ وحیثیات متغایرۃ ہے قولین کو متناقضین
کہنا بے شبہ غلط ہے اور بحکم مقدمۂ رابعہ جبکہ اون دونوں قولین میں تناقض وتعارض نہیں
یہ کہنا ہی صحیح نہیں کہ احد القولین کا اقرار قول آخر کے انکار کو مستلزم ہے یا اونمیں سے کسی کے
اثبات کو دوسرے کی نفی لازم تو بالجملہ لیست بمعجزۃ کہنے سے معجزہ ہونیکا انکار سمجھنا اور اس قول
کو اقرار امت کے خلاف جاننا اپنی غلطی فہم ہے اور عدم ممارست قواعد معقول پر اس غلطی فہم و

وفساد علم کی بنا رے سخن شناس نئ دلبرا خطا اینجاست پس ایسے حضرات متقدمین کی جو از جملہ علماء راسخین تھے و منجملہ مخدومین امۃ تفلیسہ کرنی اور اون کے اس قول کو متناقض قولِ امۃ سمجھکر اوسکو مستلزم لانکار المعجزۃ الثابتہ جاننا اور بر بنا انکار معجزہ اونکی تضلیل و تفسیق کرنی بھاری گستاخی ہے۔ اور بڑی گمراہی کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا بلکہ ایسے متقدمین مت کی تضلیل و تکفیر بحکم حدیثِ صحیح خود اپنی تکفیر کا باعث ہے فالحذر فالحذر لازم کہ ایسے خیالاتِ فاسدہ اور توہماتِ کاسدہ سے توبہ صادقہ کیجاوے اور بنظر حیثیاتِ متغایرہ قولین کو صحیح و درست مانا جاوے وما علینا الا البلاغ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم ؁

التحبیر فی اثباتِ التقدیر

سوال ایک ہندو یہ سوال کرتا ہے مسلمانوں کے ہاں آمنت باللہ میں لکھا ہے والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت جبکہ خیر و شر دونوں کا فاعل خداوند تعالیٰ ہے تو مخلوقات کو عذاب کیوں ہوتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں بار بار جنم لینا لکھا ہے چنانچہ مثنوی مولانا روم میں یہ شعر موجود ہے ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ۔ ہمچو سبزہ بار ہا روئیدہ ام

الجواب مسئلہ تقدیر از بسکہ نازک مسئلہ ہے مقتضائے عبودیت و مقتضائے ایمان یہی ہے کہ اس مسئلہ میں نہ کوئی رد و قدح ہو نہ کوئی گفتگو اپنا فہم نارسا و عقلِ ناتمام خواہ اوس کے ساتھ موافقت و مساعدت کرے خواہ نہ کرے بہر حال اوسکو سر تسلیم رکھا جاوے اور اس مسئلہ کی حقانیت و سچائی کی تہ دل سے تصدیق کامل کیجائے ہر چند کہ الٰہیات خداوندی کو بیان کرنا اور مسائل شرعیہ کی توجیہ کرنی ہم جیسے نابکاروں کا کام نہیں چہ جائیکہ ایسے مسائل دقیقہ مگر بعد غور کامل کے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ تقدیر کو جو داخلِ ایمان کیا ہے غرض اس سے یہ ہے کہ مخلصین ایمان کو غیر مخلصین سے ممتاز کیا جاوے اور کھرے کھوٹے ایمان کی بذریعہ اس کسوٹی کے عمدہ

پکہ کی جاوے توضیح اس مقال اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ با اختیار
صاحب شوکت و جلال ذی کمال و ذی جمال کے ساتھ چند قسم کے لوگ دعوی محبت کا رکھتے ہوں اور رسم محبت
و اخلاص کو بجا لاتے ہوں لیکن فیمابین اون کے یہ فرق ہو کہ کوئی بطمع مال و بامید انعام و اکرام مدعی محبت
ہو اور کوئی باندیشہ قہر و جلال اپنی اولاد و مال و منال پر خائف ہو کر رسم محبت بجا لاوے اور کوئی محض
فریفتۂ جمال و کمال ہو نہ کسی نفع سے مطلب نہ کسی خطرہ کا اندیشہ جو کچھ محبت و فریفتگی ہو محض بر بنائے اخلاص ہو
اب وہ بادشاہ اپنی فراست کاملہ سے گو فرق مراتب ان سب کا بخوبی سمجھے اور یوں چاہے کہ ہر ایک
کے ساتھ اوس کے منصب و مرتبہ کے موافق برتاؤ کرے مخلصین کو اپنی درگاہ تک آنے دے نہ
غیر مخلصین کو مگر اس اندیشہ سے کہ برتاؤ ظاہری سب کا ایک طور پر ہے اگر میری طرف سے فرق ہوا تو
بلے وجہ مجکو متہم کریں گے تب یہ تجویز فرمائے کہ مثلاً ایک روز ان سب کو حاضر کر کے یہ کہہ سنائے
کہ بعض تم میں سے خواہ حاضر ہو کر سلامی ہوں یا نہ ہوں اون کے لیے ہم نے کچھ انعام دینا تجویز کیا ہے
اور بعضوں کو کچھ سزا چونکہ وہ بادشاہ صادق القول و واثق الوعد ہے اور ہر گونہ صاحب اختیار لہذا
اوس کے حکم کو سنکر جو لوگ کہ مخلصین ہیں وہی حاضر درگاہ شاہی رہیں گے اور چونکہ مشاہدہ جمال
و کمال اون کا مقصود اصلی ہے و مطلب ذاتی اس سے اون کی کوئی بحث نہ ہوگی کہ انعام ملیگا یا سزا ہوگی
جو ہو سو ہو چونکہ اون کی حیات بمشاہدہ جمال محبوب ہے بہر حال وہ لوگ حاضر باشی دربار شاہی کو نہ چھوڑیں
گے بخلاف اون لوگوں کے کہ جن کی آمد و رفت کسی امید پر مبنی تھی یا کسی اندیشہ پر وہ لوگ آج یوں سمجھکر
کہ اپنے اوقات عزیز کو کیوں رائیگاں اور بیہودہ ضائع کریں یہ بادشاہ سچا ہے اور ہر طرح صاحب
اختیار اگر بنام انعام ہم لوگوں کے نام درج ہیں بہر حال انعام ملیگا اور اگر بنام سزا شامل کیا ہے بہر حال
سزا ہوگی تو اس خیال سے آمد و رفت درگاہ سلطانی و حاضر باشی حضرت ظل سبحانی ترک کر کے اپنے
کار و بار دیگر ہوا و ہوس میں مصروف ہوں گے پس اس تدبیر نیک سے فیمابین اون کے عمدہ تمیز
ہو جائیگی اور الزام بذمہ اون کے رہیگا نہ بذمہ حضرت سلطانی علی ہذا جناب باری عز شانہ کی طرف سے
اس مسئلہ تقدیر کو خیال فرمائے پس اس مسئلہ میں گفتگو کرنی اور عقل نارسا کو اس میں دخل دینا اور اپنے
نفع و نقصان اور منافع و مضار سے بحث کرنی اور اس بنا پر عبادت کو جو بمنزلہ حضوری و سلام دربار
شاہی ہے فضول و نکما سمجھنا اپنے کو سلسلہ غیر مخلصین میں داخل کرنا ہے نعوذ چونکہ اوسکو دولت

ایمان نصیب نہیں اگر اس میں بحث کریں۔ کریں اہل اسلام کو کسی طور پر اس میں بحث کرنا زیبا نہیں علاوہ بریں
خداوند برتر جات قدرتہ ان سب اشیاء کا خالق ہے نہ فاعل مخلوق خالق کی صنعت نہیں بخلاف فعل کے
کہ وہ فاعل کی صفت ہے اور اوسکی ذات کے ساتھ قایم پس جب صفت بری ہے اور قبیح ذات بھی
قبیح اور بری ہوگی اور جو اثر اوسکی قبح و برائی کا ہوگا مثل عذاب وغیرہ کے چونکہ وہ صفت اوس ذات
فاعل میں پائی جاتی ہے بحکم مقدمہ مسلمہ لشئے اذا ثبت ثبت بآثارہ ولوازمہ یہہ جملہ آثار شنیعہ نیز اوس
ذات فاعل میں پائے جاویں گے۔ بخلاف ذات خالق کے کہ مخلوق نہ اوسکی صفت نہ آثار قبیحہ مخلوق
کے اوس میں متحقق پس خالق کو فاعل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ مع ہذا بمقتضائے حکمت
اگرچہ جناب باری عز اسمہ نے ہر چیز بری و بھلی کو پیدا کیا ہے مگر باانیہمہ انبیا علیہم السلام کو مبعوث
فرما کر اور کتب سماویہ کو نازل کر کے اس امر پر متنبہ فرما دیا کہ ہم اس امر سے راضی ہیں اور اس سے ناراض
باوجود اس تنبیہہ اور تعلیم کے چونکہ مرضیات خالق کو چھوڑ کر نامرضیات اشیاء کو اختیار کیا ہے اس وجہہ سے
مورد عتاب ہو سکتا ہے اور مستحق عذاب و عقاب مثلاً کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہے کہ ہر قسم کے برے
بھلے مصارف کے لیے ہم تجکو نقد خرچ دیں گے مگر یہ یاد رہے کہ اگر اچھے مصارف کیواسطے
ہم سے روپیہ طلب کیا ہم راضی ہوں گے ورنہ ناراض باانیہمہ تنبیہہ گو وہ شخص موافق اپنے وعدہ
سابقہ کے برے بھلے مصارف کے لیے نیز صرف دے اور گو اوس کے صرف دینے کی بنا پر
وہ جملہ امور قبیحہ مرتبہ وقوع میں آئیں مگر چونکہ ہر طرح تنبیہہ کر چکا تھا کہ در صورت اختیار کرنے مصارف
قبیحہ کے البتہ وہ شخص اپنے اوس بیٹے سے ناراض ہوگا اور ہمیشہ اوسکو مورد ملامت کرتا رہے گا
علیٰ ہذا جناب باری عز اسمہ کیطرف سے خیال فرمایئے باقی ٹھیک بات یہ ہے کہ اوس حکیم مطلق قادر برحق
نے بمقتضائے اپنی حکمۃ حقہ و قدرت کاملہ کے پیدا کیا ہے گو باعتبار اپنی ذات کے وہ شئے قبیح ہو اور
کسی کے حق میں موجب مضرت مگر باعتبار مجموعۂ عالم کے کہ عبارۃ شخص اکبر سے ہے عین خیر ہے
اور خالص منفعت مثلاً خط و خال جو چہرۂ محبوب و رخ تاباں پر واقع ہوں گو باعتبار اپنی نفس ذات
کے قبیح اور اگر اونکو تنہا لحاظ کیا جاوے نے مذموم بہت معلوم ہوں مگر بلحاظ چہرۂ محبوب عین خیر ہیں۔
اور موجب افزونی ہزار حسن اور ظاہر ہے کہ خیر وہ ہے جو باعتبار مجموعۂ عالم خیر ہو اور شر وہ ہے
کہ نظر بمجموعۂ عالم شر ہو تا خر یہہ ہی تو وجہہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اور قاتل ظالم کو جان سے مار ڈالنا

گو بحق اوس چور اور قاتل کے بہت بُری سزا ہے مگر چونکہ مجموعہ سلطنت کے حق میں بڑی صلحت ہے اور عین خیر اسی بنا پر حاکم عادل کے حق میں نہ موجب قبح سمجھا جاوے نہ از جملہ آثار ظلم شمار کیا جاوے علیٰ ہٰذالقیاس اس مسئلہ تقدیر کو تصور کیجئے اور یوں خیال فرمائیے کہ اوس تعالیٰ شانہ نے ان اشیار کو جو پیدا کیا ہے چونکہ عالم کے حق میں سراسر خیر و منفعت ہے وہ سبحانہ تعالےٰ و تقدس لوث الزام سے دراء الورار ہے فسبحان اللہ عما یصفون و تعالیٰ عما یشرکون ہر چند کہ یہ مسئلہ دقیق ہے مگر انشاء اللہ یہ تقریر سلیس واسطے تسلی خاطر کے کافی ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ÷

ابطالِ تناسخ

تناسخ و آواگون جواز جملہ مسلمات ہنود ہے بنا اسکی خود ایک امر غلط پر ہے اور وہ یہ کہ عدل واجب اور اوسکو یہ ضرور کہ نیک اعمال پر نیک انجام ہو اوس کے بدلے میں انعام ملیں اور راحتیں حاصل ہوں اور برے اعمال کا انجام برا ہو اور اس کے عوض میں سزائیں دی جائیں اور تکالیف میں رکھا جاوے۔ با اینہمہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مدۃ العمر عبادۃ و اطاعت میں بسر کریں اور ہمیشہ ہمیشہ انواع انواع کی تکالیف میں مبتلا رہیں نہ اونکو روٹی نصیب اور نہ ٹکڑا میسر اور ظاہر ہے کہ ان اعمال نیک پر انجام بد مخالف عدل ہے تو کسی پہلے جنم میں اس روح نے برے کام کئے تھے اون کی یہ سزا ہے علیٰ ہٰذا برے افعال پر جو عیش و عشرت اور ہر قسم کی راحت نصیب ہوتی ہے وہ بدلا اور انعام اون اعمال نیک کا ہے جو پہلے جنم میں افعال نیک مرتبہ وقوع میں آئے تھے اسوجہہ سے اہل ہنود نے مسئلہ تناسخ کو داخل مذہب کیا اور اسکو ایک امر ضروری سمجھا مگر اول سرے سے یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ ہر عیش و عشرت بطور انعام و اکرام ہوا کرے اور جو رنج و دکھہ ہو وہ کسی نہ کسی فعل بد کی سزا ہو۔ ہمارے تمھارے معاملات شبانہ روزی میں بہت سے وہ امور ہیں جو اس مقدمہ باطلہ کو رد اً باطل کرتے ہیں طبیب جو مریض کو ہر غذائے مرغوب سے روکتا ہے اور طرح طرح کی ادویہ و اغذیہ تلخ و بے مزہ استعمال کراتا ہے کیا وہ کسی جرم کا بدلہ ہے کیا وہ بدخواہی ہے خیر خواہی نہیں۔ فصاد جو نشتر مارتا ہے یا استاد جو شاگردوں کو سزا دیتا ہے اور بات بات پر زجر و توبیخ کرتا ہے کیا منشا اوس کا کوئی عداوت ہے۔ قصاصاً جو کسی شخص کو قتل کیا

جاوے یا بربنار مرض آکلہ کوئی عضو کاٹا جاوے کیا وہ ظلم ہے اولاد عزیز کو جو غذائی زہر آلود نہ دیجاوے اور
مصیبت فاقہ گوارا ہو یا جو بر استاد اون کے حق میں پسند خاطر ہو کیا وہ والدین کی بدخواہی ہے دشمن کو
جو حلوا زہر آلود دیا وہ یا شیر دنبا کہ جس میں زہر شامل ہو کہلایا جاوے یا مریض کو غذائی مرغوب الطبیعۃ
جو منافی مرض ہو دیجاوے اور عیش و عشرت میں اوسکو رکہا جاوے کیا اوس کے ساتہ کوئی سلوک
ہے اولاد دشمن کو جو بغرض محرومی کمالات و علم و ہنر دا تبری احوال جو باستادوں سے محفوظ رکہا جاوے
اور ہر قسم کے سامانِ راحت اوس کے واسطے فراہم کیے جاویں تاکہ وہ عیش و عشرت میں منہمک ہو کر کسب
کمال سے محروم رہے کیا اوسکی خیر خواہی ہے اور بنا بر اوس کی کسی محبت پر ہے نہیں نہیں نہ تکلیف و کلفت کو
یہ ضرور کہ کسی نہ کسی فعل بد کی سزا ہو نہ عیش و عشرت اور سامان راحت کو یہ لازم کہ کسی نہ کسی فعلِ نیک پر انعام
بلکہ بعض تکالیف صورۃً تکالیف ہیں اور درحقیقت عین راحت اور علیٰ ہذا القیاس بعض سامان راحت
صورۃً سامان راحت ہیں اور درحقیقت عین کلفت چنانچہ امثلہ مذکورہ بالا سے واضح تر ہے پس
جب اصل مقدمہ ہی غلط نکلا تو مسئلہ تناسخ جو اسپر متفرع تہا کیونکر صحیح و درست ہو۔ فان الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ
نیک اعمال پر مصائب اور تکالیف میں رکہنا ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے مریض کو بضرورۃ علاج و اصلاح
مزاج اغذیہ مرغوبہ سے روکا جاوے یا بضرورۃ مرض استسقا وغیرہ آب و دانہ بند کر کر صعوبۃ فقر و
فاقہ اختیار کیجائے یا جیسے اولاد عزیز کو غذائی زہر آلود باوجود اصرار نہ دیجاوے اور فاقہ گوارا ہو یا جو استاد بضرورۃ کسب
کمال پسند خاطر ہو علی ہذا بوفی اعمال بد راحتوں میں رکہنا یوں سمجھنا چاہیئے جیسے دشمن بدسگال کو بحالۃ
مرض غذائیں مرغوب الطبیعۃ جو منافیِ مرض ہوں دیجاویں اور اس تدبیر سے مرض لاحقہ کو ترقی دیکر
نوبت بہلاکت پہونچائی جاوے یا حلوائی زہر آلود و عمدہ طور پر طیار کر کر کہلایا جاوے یہ جملہ راحتیں عین
تکلیف ہیں اوسکی اون اعمال بد کی عین سزا۔ اور وہ تکلیفیں عین راحت ہیں اور اوس کے اون اعمالِ
نیک کا نیک بدلا۔ علاوہ بریں جب عدل ہی واجب ٹہیرے۔ تو مقتضائے عدل یہ ہے کہ جس جنم
میں وہ افعال نیک و بد کیئے تہے یا جس بدن میں بوساطت جن اعضا کے وہ اعمال بد یا نیک کمائے
تہے وہی بدن اور وہی اعضا اون افعال نیک و بد کی سزا بہی بہگت آتے یہ کیا عدل ہے کہ کرے
کوئی اور بہرے کوئی۔ مقتضائے عدل یوں تہا کہ اوس شخص کی عمر بڑہائی جاتی تا اپنی جزا و سزا و انعام
و اکرام کو پورا استیفا کرتا۔ یہ کیا عدل ہے کہ کسیکو اوس کا پورا حق نہ دیا جائے اور اس کی مدت عمر کو

جس میں استیفار حقوق ہو سکتا کوتاہ کر دیا جاوے۔ متعہذا خداوند عالم کو ہر چیز پر بہمہ جہت ملک کامل حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ تصرف ہر شے پر بقدر ملک ہو سکتا ہے پس جب وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ مالک کل اشیا ہے ہر طرح پر تصرف کر سکتا ہے اور ہر چیز کو جیسے چاہے برت سکتا ہے گنجایش استحالہ و موقع اعتراض جب ہو جب ملک مالک مطلق میں کوئی مرتبہ نقصان کا ہو پس جب ملک کامل ہے اور جملہ حیثیات اور اعتبارات کو شامل بلحاظ قدرۃ کاملہ اور ملک تامہ ادر قادر مطلق کی یہ بہی ہو سکتا ہے کہ باعتبار وسعت ملکیۃ و وسعت قدرۃ اگر چاہے بُروں کو آرام و راحت دے اور اچھوں کو رنج و کلفت ؎

دوست سلطان ہر چہ خواہد آن کند

اسی بنا پر ارشاد فرماتے ہیں لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون مسئلہ تقدیر میں جو شبہ واقع ہوتا ہے یہ تقریر اخیر اوس کے دفع کرنے کے لیے بہی کافی ہے بالجملہ نہ عدل واجب نہ درصورت وجوب عدل یہ ضرور کہ صورۃً جو امور راحت و تکلیف کے ہیں حقیقۃً بہی وہ راحت راحت ہو اور وہ تکلیف تکلیف بلکہ صورۃً راحت حقیقۃً تکلیف اور صورۃً تکلیف حقیقۃً راحت ہو سکتی ہے۔ پہر مسئلہ آواگون ثابت ہو تو کیونکر ہو اصل یہ ہے کہ یہ خیالات ہنود سراسر غلط ہیں اہل اسلام کے ہاں ایسے خیالات باطلہ کسی طور پر ثابت نہیں۔ مثنوی شریف کا شعر جو معرض استدلال میں لکھا ہے اولاً محققین نے از جملہ ملحقات قرار دیا ہے دوسرے یہ بیان ہے حالت سلوک کا سالک کو باعتبار کل یوم ہو فی شان ہر حالت میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف عروج ہوتا ہے اور ہر حالت میں جو مرتبہ کہ سالک کو نہ حاصل تہا وہ حاصل ہوتا ہے اور جو حاصل تہا وہ اوس میں محو لہذا یہ امر صادق آتا ہے کہ گویا روح کمالات ہر آن ایک جدے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را + ہر زمان از غیب جان دیگر است + حضرت مولانا علیہ الرحمۃ بہی اسی جانب اشارہ فرماتے ہیں ؎ ہفتصد ہفتاد قالب دیدہ ام + ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام + یہ شعر اسی جانب اشارہ ہے کہ وجود عالم بطور تجدد امثال قائم ہے اور بقا اس وجود کی ایسی ہے جیسے فوارہ میں ہر آن و ہر زمان میں آب دریا و آب چاہ تہوڑا تہوڑا ہو کر بقدر قابلیت لب فوارہ آتا رہتا ہے اور اس طور پر لب فوارہ ایک عرصہ تک اوس پانی سے بہرا معلوم ہوتا ہے ورنہ وہ پانی جو اول بار آیا تہا اگر دوسرا آنا در امثال نہوتا کبھی فنا ہو چکا تہا پس بربنا مصلحت تجدد امثال جو از جملہ مسلمات حضرات صوفیہ ہے اور دلائل

شرعیہ ہوسکی موید مولانا بھی ارشاد فرماتے ہیں مقتصد ہفتاد الخ
اطبا کے نزدیک بدل ماتحلل از جملۂ ضروریات ہے غذا جزاز جملہ اسباب ستہ ضروریہ ہے وجملہ حیوانات
بمقتضائے طبیعت اوس کے محتاج ہیں یہ احتیاج الی الغذا بھی بضرورت بدل ماتحلل ہے کہ بوجہ حرکات
بدنی ونفسانی جسقدر اعضا بدن میں تحلل واقع ہوتا ہے اور جسقدر اجزا بدنی فنا ہوتے ہیں بذریعہ غذا انکا
بدلہ ہوجاتا ہے اندرین صورت ظاہر بدن نظر بظاہر حال جون کا توں محفوظ معلوم ہوتا ہے ورنہ
نظر بحقیقۃ ہر آن میں گویا قالب انسانی اور ہے ظاہر ہے کہ جو قالب اون اجزاء فانیہ پر مشتمل تھا
اور تھا اور یہ قالب موجود جو ان اجزا غذائیہ پر مشتمل ہے اور ہے پس موافق اس مسئلہ طبعیہ کے
کہ عقل ونقل جس کی مساعد ہیں مولانا علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں مقتصد قالب الخ بالجملہ مولانا
کے اس کلام حق کو مسئلہ تناسخ سے جو عین باطل ہے کوئی تعلق نہیں سباق وسیاق مثنوی میرے
اس دعوے پر عمدہ شاہد ہے مطابقت فرمالیجئے۔ مگر جیسے بہو کے کود وا ور دوچار دڈھیان منظر
آیا کرتی ہیں اسیطرح پر اون ہنود صاحب نے مولانا کا کلام حق کو اپنے خیالات پر منطبق کرنا چاہا ولیکن
شتان ما بینہما۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ الکاتب احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔ مرقومہ ۲۶ صفر روز چہار شنبہ

القول الاعلی فی رویۃ اللہ تعالی

سوال خداوند عالم جل مجدہٗ کا دیدار ہوگا یا نہیں جو ہو مدلل لکھئے اور جو شخص منکر دیدار ہو اوس کا
شرع شریف میں کیا حکم ہے ؟

الجواب بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل
باطلا وارزقنا اجتنابہ الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد
بندہ نحیف خادم الطلبہ حقر الزمن احمد حسن عفی عنہ بخدمت سراپا الطاف میر مہدی علی صاحب سلمہم اللہ تعالی
بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامۂ عالیہ بتحقیق مسئلہ رویۃ باری عز وجل پہونچا آدل میں ناکارہ
اس قابل کہاں کہ کسی مسئلہ دینیہ کی تحقیق وتدقیق کے بارہ میں قلم اوٹھاؤں جو سر ماہ شعبان ۱۳۰۱ھ

اسلامیہ کے طلبہ کے امتحان کا سینہ ہی مجبہ ہیچکارہ کے متعلق علاوہ اپنے مدرسہ کے اور چند مدارس کے امتحان تحریری کے سوالات لکھکر روانہ کرنے تھے از انجملہ مدرسۂ عالیہ ریاست رامپور کے کل سوالات اور مدرسہ عالیہ دیوبند کے متعلق کچھ حصہ اس لیے میں بالکل عدیم الفرصت تہا اور تحریر جواب کیطرف مضمون سوال کو بھی پورا نہ دیکھ سکا اب بتاریخ ۵ شعبان سے اس خدمت امتحان تحریری سے فراغت ملی ہے گو بضرورۃ امتحان تقریری بعض مدارس مثلاً مدرسۂ عربیہ بریلی وغیرہ میں جانا باقی ہے اور انشاءاللہ پرسوں بروز سہ شنبہ روانہ ہو جاؤنگا ہر چند اس حالت میں کہ پا برکاب ہوں جواب استفسارات سامی شافی وکافی طور پر نہیں لکھ سکتا مگر چونکہ مدت زیادہ گذری اور مشقت انتظار غالباً ناقابل برداشت ہوگئی ہو اس لیے بقدر کافی کہ مسد قلق باقل ودل کا ہو بجواب نامۂ سامی سطر ہائے چند لکھکر اصلاح اوسکی حوالہ فہم ثاقب کرتا ہوں رب کریم مجکو اور میرے قلم کو لغزش وزلت سے محفوظ رکھے اور آپکے واسطے سرمایۂ سکینہ ہو آمین یارب العالمین ❊

بھائی جان دیدار باری عزوجل کا وقوع وثبوت احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت کتب احادیث بالخصوص صحاح ستہ مسلم شریف وبخاری شریف وغیرہ کتب معتبرہ میں سے کونسی کتاب ہی جس میں احادیث رویت باری مذکور نہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بشارت عظمی کیساتہ کہیں باین الفاظ مُبشر ستروں ربکم عیاناً اور کہیں یوں ستروں ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر لیس فی سحابۃ لاتضامون فی رویتہ قرآن پاک میں نیز اس مژدۂ جان بخش کے ساتہ کہیں یوں نوازا جاتا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ یعنے بہت سے لوگ آج کے روز کو تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے۔ اور کہیں یوں بضمن زجر کفار اپنے بندگان اخلاص کی تسلی فرمائی جاتی ہے وجوہ یومئذ عن ربہم لمحجوبون یعنی بتحقیق وہ لوگ روز قیامت نعمت دیدار خداوندی سے محروم ہوں گے اور محجوب۔ یہ آیتہ کفار کے حق میں جب ہی زجر ہوسکتی ہے کہ اہل اسلام وبندگان خاص اس دولت عظمے ونعمت کبرے دیدار خداوندی سے مشرف ہوں ورنہ در صورت محرومی ہر دو فریق وناممکن ہونے دیدار الٰہی کے زاجر ہونا اس آیتہ عین ہدایتہ کا نیز ناممکن ہوگا بالجملہ نصوص قطعیۂ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ نبی کریم صاحب لولاک صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ دونوں ثبوت دیدار کے ساتہ ناطق ہیں علماء متقدمین میں سے باستثناء فرق ضالہ سلفاً وخلفاً جملہ اہل حق کا اوس کے وقوع وثبوت پر اجماع واتفاق ہے عقل کے نزدیک جیسے وجود باری بے چون وبے چگون مسلم عقلہذا رویتہ باری نیز ممکن الوجود ولو کان مجہول الکیف

پھر آپ ہی فرما دیں کہ اعتقاد حقیقت اس مسئلہ حقہ کا ہم اہل اسلام کے ذمہ جنہوں نے تمامی تکالیف شاقہ دنیویہ و ریاضات مذہبیہ کو اسی امید و رجا میں سہل سمجھ رکھا ہے کس مرتبہ ضرور ہے اور کس قدر از جملہ ضروریات دین اور منکر و معاند اس کا کس مرتبہ گمراہ اعاذنا اللہ منہ۔ بے شبہ منکر اوس کا معاند ہے اور خود بخود بے بختی اور از جملہ فرق ضالہ ایسے کو مقتدا دین بنانا مصداق ہے حدیث نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم یرفع العلم ویکثر الجہل واتخذ الناس رؤسہم جہالاً فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا اعلم دین نہ کمال انگریزی ہے نہ کمال جغرافیہ علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث الخ بلکہ ثبوت رویتہ باری پر خود جناب باری عز اسمہ کا سمیع و بصیر و رائی ہونا دلیل کافی ہے جسمیتہ و مکان و جہتہ وغیرہ کو جیسا کہ مرئی ہونے اور رویتہ مادی کے واسطے جس دلیل ضروری سمجھا جاتا ہے علیٰ ہذا رائی ہونے اور سمیع و بصیر ہونے کے واسطے یہ جملہ امور ضرور ہیں پس جیسا کہ وہ باری عز و جل شانہ ہمارا اور تمہارے انہیں سے کسی چیز کا محتاج نہیں اور ان تمامی سمات حدوث و امکان و لوازم مرتبہ نقصان سے منزہ ہو کر تمامی اشیاء کا رائی و بصیر ہے علیٰ ہذا مرئی و مبصر نیز ہو سکتا ہے اوسکی صفات کاملہ و مرتبہ کمال ذات و صفات و مرتبہ وجوب وجود کو اپنی صفات ناقصہ و مرتبہ و نقصان ذات و مرتبہ امکان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ورنہ لازم کہ ہم تمامی مخلوقات جیسے اپنے وجود میں ثبوت جسمیتہ و لوازم جسمیتہ شکل و صورت حیز و مکان جہتہ و زمان وغیرہ وغیرہ کے محتاج ہیں وہ باری جلت قدرتہ و تعالت عظمتہ نیز محتاج ہو و تعالی اللہ عن ذالک کلہ۔ انکار منکرین چونکہ دلائل شرعیہ و عقلیہ دونوں کے خلاف ہے اور استحالہ عادی کے سوا کوئی دلیل عقلی یا شرعی اوسکی مؤید نہیں لہذا ناقابل التفات ہے اور نتیجہ اون کے اس قول غلط کی اور اعتقاد باطل کی اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اپنی اوس حالت رویتہ سے جو بروز قیامت انکو اور اون کے اسلاف کو پیش آویگی خبر صحیح دے رہے ہیں بیشک ایسے ضال مضل اور ایسے نابکار دولت دیدار خداوندی سے بالیقین محروم ہوں گے اُن جیسوں کو دیدار خداوندی ہونا اور اونکا ایسی دولت و نعمت عظمیٰ کے ساتھ نوازا جانا تحقیقی ناممکن ہے و یقیناً محال اس تاویل صحیح کے بعد آپ کو یا دوسرے مسلمانوں کو کسی خلجان میں پڑنا کیوں ضرور اور اون کی تردید و ابطال کے درپے ہونا کیوں لازم آپ اپنے عقاید حقہ پر ثابت قدم رہیں اور ایسے فاسد الاعمال والعقائد اور فاسد العلم و العمل کی صحبت سے حذر رکھیں فان المرء مع من احب واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم ❊

القول المختصر فی ابطال جسمیۃ الرب الاکبر

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و فقہائے عظام اس صورت مسئولہ میں کہ خداوند تعالیٰ شانہ کا کسی مادی صورت پیدا ظہور فرمانا ممکن ہے یا نہیں یہ سوال امکان حلول کے قبیل سے نہیں ہے کہ خدائے پاک کسی جسم میں حلول کرے بلکہ خود اللہ پاک جسم ہو جائے مثلاً ایک فرد افراد انسان سے ہو جاوے اگر ممکن ہے تو کیوں اور اگر خارج از امکان ہے تو کس برہان عقلی یا شرعی سے بینوا توجروا +

الجواب یہ مسلم کہ وجود شے پر جیسے کہ اوس کے لوازم و آثار کا وجود ضروری ہے علیٰ ہذا لوازم و آثار نقیض کا عدم ضروری پس واجب الوجود اور ازلی الثبوت چونکہ نقیض ہے ممکن الوجود اور حادث کا لہٰذا لازم کہ لوازم و آثار مرتبہ وجوب وجود و ازلیۃ وجود سب متحقق ہوں اور لوازم و آثار مرتبہ حدوث و امکان جملہ منتفی علم و ارادہ و مشیۃ و قدرۃ و سمع و بصر و غیرہ جملہ صفات کمال کا اوس ذات عین صفات کمال کے لیے جیسے واجب الثبوت ہونا ضروری ایسے ہی حدوث و امکان و جملہ سمات نقصان سے تنزیہ و تقدیس اوس ذات مستجمع صفات کی لازم اور صفت کاملہ سبوحیۃ و قدوسیۃ کی اس تنزیہ کے لیے کافی دلیل چنانچہ اسی صفت سبوحیۃ کو دلیل لا کر صفات حدوث و امکان و سمات عیب و نقصان مثلاً وجود شریک باری یا وجود ولد یا وجود لوازم بشریۃ وغیرہ سے کہیں یوں تنزیہ فرماتے ہیں سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون کہیں یوں ارشاد سبحانہ ان یکون لہ ولد کہیں یوں ہدایت کا نا یاکلان الطعام الخ جسم ہونا چونکہ ہیولیٰ و صورۃ کا محتاج یا اجزاء لاتتجزیٰ سے مرکب اور ظاہر کہ وجود کل کو وجود اجزاء کی حاجت اور نیز ظاہر کہ احتیاج از جملہ صفات نقصان بلکہ عدم پر مترتب پس وہ ذات مستجمع صفات کہ جملہ مراتب وجود و تمامی صفات کو محیط ہے اور عدم و تمامی شوائب و سمات عدم و صفات حدوث و امکان سے بہمہ جہت منزہ جسم ہونا یا جسم ہو کر پایا جانا اوس کا کیونکر ممکن ہو بیشک ممتنع ہے و بے شبہ محال نیز جسم ہونے کو متشکل ہونا ضرور غذا کی حاجت حیز و مکان کی ضرورۃ حرکت یا سکون لازم اور ظاہر کہ تشکل بغیر احاطہ حدود ناممکن اور احاطہ حدود و احاطہ اندام سے عبارۃ اور یہ جملہ از جملہ صفات حدوث و منجملہ سمات نقصان بلکہ عین آثار حدوث و امکان اور پایا جانا آثار حدوث و امکان کا فی ذاتہ تعالیٰ و تقدس محال پس جسم ہو کر پایا جانا اوس باری عزّ شانہ کا

وجل مجدہ کا بوجہ استلزام ان محالات کے نیز محال نہ تحت قدرۃ داخل اور نہ تحت مشیتہ۔
عموم قدرۃ سے محالات و ممتنعات باستثناء عقلی خارج بلکہ لفظ شے کا مصداق اصلی وہ ہے جو تحت مشیتہ
داخل ہو پس نہ ممتنعات و محالات تحت ہذا العموم داخل ہیں اور نہ خود ذات و صفات باری عزوجل پس
جب صفات باری مقدور نہیں اور ثبوت اون کا لذاتہ تعالیٰ وتقدس واجب صفت جسمیہ لذاتہ تعالیٰ
اگر ممکن الوجود ہوتی لازم تہا ازلی و ابدی ہوکر متحقق ہوتی نہ یوں کہ اذا شاء فعل و اذا لم یشاء لم یفعل۔ بالجملہ باری
عزوجل کا جسم ہوکر پایا جانا شرعاً و عقلاً ظاہر صریح ناممکن ہے و بہمہ جہت محال کسیطرح نہ تحت قدرۃ داخل
ہے نہ تحت مشیتہ۔ اور جو ممکن جانے اور جایز رکہے گمراہ ہے ایمان و اسلام اوس کا خطرہ قوی
سے خالی نہیں کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا۔ واللہ یہدی من یشاء الی
صراط مستقیم وہو بکل شئ علیم۔ فہو اعلم بالصواب والیہ المرجع فی کل باب +

تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد
وآلہ وصحابہ اجمعین۔ اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ بندۂ نحیف
ہیچکارہ بلکہ ناکارہ خادم الطلبا احقر الزمن احمد حسن
غفرلہ۔ بخدمت عالیمرتبت جامع الکمالات مجمع حسنات
جناب مولوی سراج الدین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ
بعد سلام مسنون میگذارد نامہ کہ بنام نحیف فرستادہ
بودند اولی از خطاکاری حیثیمی رسان کہ تازہ آمدہ
بود بدست دیگراں افتاد پس از دیر بدیں من رسید
ممنون عنایتم فرمودہ در بارۂ رفع تعارض احادیث

بخدمت عالی رتبہ جامع کمالات مجمع حسنات
جناب مولوی سراج الدین صاحب سلمہ
بندۂ نحیف خادم الطلبہ احقر الزمن
سید احمد حسن غفرلہ بعد سلام مسنون
مکلف ہے گرامی نامہ حیثیمی رسان کی غلطی
سے جو تازہ آیا ہوا ہے دوسروں کے
ہاتہوں میں جا پڑا اور بعد مدت بندہ کو ملا
تعارض احادیث نبویہ کے بارہ میں جو آپ نے
تحقیق کی درخواست کی ہے سخت حیرت
ہے آپنا یہ حال کہ احادیث

چند علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام کہ جواب تحقیقی
خواستہ اند منکہ لشعور صحیح ترجمہ حدیث و قرآن ہم کردن
نتوانم حیرانم کہ در جوابش چہ گویم مولانا مبلغ علم من
بمرتبہ رسیدہ کہ ہنوز بر مسائل ضروریہ دین عبور ہم
میسر نیست تحقیق و تدقیق مضامین عالیہ چہ رسد
و آں ہم پیش علما را گر گاہے سخن دلنشین بزبانم
رفتہ باشد اتفاقیست ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ٭ بغلط بر ہدف زند تیرے

پس نظر بہیچو لیاقت خویش دست من از تحریر جواب
نامہ سامی کوتاہ بود اما چونکہ فرمودہ اند المامور معذور
تعمیل ارشاد سامی را مایہ سعادت خود دانستہ بطفیل
کفش برداری حضرات اساتذہ ہر چہ بمن ارزانی فرمودہ
اند مینگارم و اصلاحش حوالہ فہم ثاقب مولانا در حقیقت
احادیث مندرجہ سوال باہم متعارض اند از ینجاست
کہ علماء باہم دریں بارہ اختلاف دارند مگر بزعم خفیف
واللہ اعلم بحقیقۃ الحال قول بالتوقف ترجیح دارد
و ایں قول بہ توقف نہ فقط در بارۂ ذراری مشرکین
راجح مے بینم بلکہ بحق اولاد مسلمین نیز حدیث عائشہ
رضی اللہ عنہا کہ بروایت مسلم نقل فرمودہ اند
دریں بارہ حجت کافیست و ارشاد نبی کریم علیہ
التحیۃ والتسلیم واللہ اعلم بما کانوا عاملین کہ
بحق ذراری مشرکین فرمودہ اند بر ثبوت
ایں دعوے دلیل شافی ٭

کریمہ اور آیات قرآنی کے صحیح ترجمہ پر بھی تو عبور
ہے نہیں چہ جائیکہ جوابات تحقیقی
مبلغ علم صرف اتنا کہ مسائل ضروریہ بھی پورے
مستحضر نہیں چہ جائیکہ تحقیقات و تدقیقات
مجتہدانہ وہ بھی آپ جیسے علماء کے سامنے
اگر کبھی کوئی بات پسندیدہ زبان سے نکل گئی
سو اتفاقی ہے ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ٭ بغلط بر ہدف زند تیرے

ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک لہذا اپنی
لیاقت پر نظر کرتے ہوئے تحریر جواب سے
قاصر تھا مگر المامور معذور پر نظر کرکے
تعمیل ارشاد کو باعث سعادت سمجھ کر
بہ برکت کفش برداری حضرات اساتذہ
جو کچھ فہم ناقص میں آیا حوالہ قلم کرتا ہوں
اور اوس کی اصلاح جناب کے ذہن رسا پر چھوڑتا ہوں
احادیث مندرجہ سوال میں تعارض ضرور ہے اسی وجہ سے
علماء مجتہدین میں اختلاف واقع ہوا اگر میرے
نزدیک قول بالتوقف راجح اور نہ صرف ذراری مشرکین
کے بارے میں بلکہ اولاد مسلمین میں بھی توقف کو ہی ترجیح ہے
چنانچہ حدیث عائشہ جو بروایت مسلم منقول ہوا اس بارہ
میں حجت کافی ہے اور ارشاد نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
اللہ اعلم بما کانوا عاملین جو ذراری مشرکین کے بارہ
میں فرمایا ہے اس دعویٰ کی دلیل شافی۔

و آنکه حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم
بحق صاحبزادگان خدیجہؓ فرمودند ہما فی النار
چونکہ مخصوص است بحق آن ہر دو صاحبزادگان
خدیجہؓ کہ بزبان جاہلیت مردہ بودند این
طرف جناب ختمی مآب ہر چہ فرمودہ اند۔
ہم بامانتِ نورِ وحی و باعلام تعالیٰ فرمودہ اند۔ پس
بحقِ دیگران اگر قول بالتوقف گفتہ آید منافی
آن نیست و نباشد و بعدے ازین بآخر این
تحریر خواہد آمد انشاء اللہ تعالیٰ۔ ارشاد ہدایت
بنیاد کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ بظاہر البتہ
متعارض است و مذہب توقف بظاہر این
حدیث واضح مباینتہ دارد جمع این حدیث با
احادیث مندرجۂ بالا و مذہب توقف دو طور
توانا شد اول آنکہ الفاظ این حدیث را تاویل
تبادیل کردہ آید دوم آنکہ بر معانی ظاہرہ تبادر
الی الفہم محمول کردہ شود بیان اول آنکہ علماء
راسخین بشرح لفظ فطرۃ و بیان معانی آن اقوال
شتی فرمودہ اند قیل ہی ما أخذ علیہم وہم فی اصلاب
آبارہم وقیل ما قضی علیہم من سعادۃ و شقاوۃ و
قیل کل مولود یولد علے فطرۃ اللہ تعالی والاقرار
بہ فلا یجد احدا الا وہو مقر بان لہ صانعاً
وان سماہ بغیر اسمہ او عبد معہ غیرہ وقال
محمد بن الحسن کان ہذا فی اول الاسلام قبل ان

وہ ارشاد جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں
کے بارہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہما فی النار چونکہ وہ اُن
دونوں کیساتھ مخصوص ہے جو زمانۂ جاہلیت میں انتقال
کر گئے تھے اور آپکا یہ ارشاد بھی بنورِ وحی و باعلام اللہ تعالی
ہے پس دوسروں کے حق میں قول بالتوقف منافی اس کے نہیں
اور ہم اس کے متعلق اس تحریر کے آخر میں کچھ بحث کریں
گے۔ ہاں ارشادِ ہدایت بنیاد کل مولود یولد علی الفطرۃ
(ہر بچہ پیدا ہوتا ہے فطرت پر الخ) بظاہر متعارض ہے اور
مذہب توقف اس کے ظاہر معنے کے بالکل مخالف پس
توفیق اس حدیث کی احادیث مندرجہ بالا اور مذہب
توقف سے دو طور پر ہو سکتی ہے اوّل یہ کہ اس حدیث کے
الفاظ میں تاویل کیجاوے دوم یہ کہ اس کے معانی
ظاہرہ متبادرہ الی الفہم پر اسکو محمول کیا جاوے بیان اوّل کا
یہ ہے کہ علماء راسخین کا لفظ فطرۃ میں بڑا بھاری اختلاف ہے
قول اوّل تو یہ ہے کہ ما أخذ علیہم وہم فی اصلاب آبارہم یعنے وہ
عہد جو لیا گیا ہے اون سے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں
میں تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ما قضی علیہم من سعادۃ و شقاوۃ
یعنے وہ سعادت و شقاوت جس کا اون پر حکم کر دیا گیا ہے اور تیسرا قول
یہ ہے کہ کل مولود یولد علی فطرۃ اللہ تعالی والاقرار بہ فلا یجد
احدا الا وہو مقر بان لہ صانعا وان سماہ بغیر اسمہ او عبد معہ
غیرہ یعنی ہر بچہ پیدا ہوتا ہے اقرار الٰہی پر پس نہیں پاتا ہے کسیکو مگر
کہ وہ صانع کا مقر ہوگا اگرچہ نام اوس نے کچھ اور رکھ لیا ہو
اور غیر ونکو اوسکی عبادۃ میں شریک کر رکھا ہو۔ اور امام

تنزل الفرائض وامر بالجہاد فلوبات قبل ان یہوّدہ
او ینصرہ ابواہ لم یرثہما ولم یرثاہ لانہ مسلم وہما کافران
ولما جاز سبیہ وقیل ارید بہ ایمان یوم المیثاق
وقیل یولد علی الفطرۃ ای علی ابتداء الخلقۃ فی علم اللہ
تعالیٰ مومنا کان او کافرا فابواہ یہودانہ وینصرانہ
فی حکم دنیاہ کل ذالک ملتقط من مجمع البحار
وظاہر است کہ بعد این تاویلات نہ این قول
با قول اللہ اعلم بما کانوا عاملین متعارض است
ونہ با مذہب توقف وتاویل دیگر ہم ممکن کہ این
ارشاد ہدایت بنیاد خاص دربارۂ احکام دنیا است
مثلاً احکام میراث یا مولود را در مقابر مسلمین
دفن کردن ونماز جنازہ واکشس ادا کردن
مطلب این است کہ بر بنار ارشاد اللہ
اعلم بما کانوا عاملین وبار ارشاد آخر خلق للجنۃ
اہلہا خلقہم لہا وہم فی اصلاب آبائہم وخلق للنار
اہلہا خلقہم لہا وہم فی اصلاب آبائہم در بر
بنار توقف کفر واسلام مولود ہر دو محتمل بود بحکم
الاسلام یعلو ولا یعلی احتمال اسلام را ترجیح دادہ
میفرمایند کل مولود یولد علی الفطرۃ تا اگر ابوین
مولود از جملہ یہود ونصارے نباشند با مولود
ہمان معاملہ نمایند کہ با مسلمین البتہ اگر ابوین
از یہود ونصارے باشند بحکم اتباع ابوین
ومتابعت والدین ہم ہم من آبائہم کا قر

پس اگر کوئی بچہ قبل یہودی بنائے جانے کے انتقال
کر گیا ہو تو اوس کے والدین چونکہ کافر ہیں وارث اوس کے
مال کے نہیں ہو سکتے اور اگر والدین میں سے کوئی مر گیا ہو
تو وہ وارث نہیں ہو سکتا اختلاف دین کی وجہ سے
اور بعض فطرۃ سے ایمان یوم میثاق مراد لیتے ہیں اور بعض
کا قول ہے یولد علی ابتداء الخلقۃ فی علم اللہ مومنا کان
او کافرا فابواہ یہودانہ وینصرانہ فی حکم الدنیا یعنی ہر بچہ
پیدا ہوتا ہے ابتداء خلقت پر علم باری میں مومن ہو یا کافر
پس والدین یہودی ونصرانی بنا لیتے ہیں حکم دنیاوی میں
اور کل یہ اقوال مجمع البحار سے لئے گئے ہیں اور بعد ان
تاویلات کے نہ یہ حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کے
معارض اور نہ مذہب توقف کے اور ایک یہ بھی تاویل
ہو سکتی ہے کہ یہ ارشاد نبوی احکام دنیا کیساتھ مخصوص ہے
جیسے کہ وراثت مولود یا مقابر مسلمین میں دفن کیا جانا یا
نماز جنازہ ادا کرنا وغیرہ وغیرہ مطلب کلام کا یہ ہے کہ بر بنار
ارشاد اللہ اعلم بما کانوا عاملین اور ارشاد ان اللہ خلق للجنۃ
اہلہا خلقہم لہا وہم فی اصلاب آبائہم وخلق للنار اہلہا خلقہم
لہا وہم فی اصلاب آبائہم یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل جنت جنت
کے واسطے اور اہل نار نار کے واسطے پیدا کئے ہیں اس حال میں کہ وہ
اپنے آباء کے اصلاب میں تھے اور بر بنار مذہب توقف کفر
اسلام مولود ہر دو محتمل پس بحکم الاسلام یعلو ولا یعلی
یعنی اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں رہتا احتمال اسلام کو ترجیح
دیکر ارشاد ہوتا ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی کہ اگر ابوین

مولود یہود ونصاریٰ نہوں تو مولود کو بحکم اسلام بکر معاملہ مسلمین کا سا کیا جائے گا اور اگر یہود ونصاریٰ ہوں تو بقرینہ اتباع ابوین۔

قرار داده با مولود هم بهان معامله کنند که با یهود و
نصارا چنانچه فرمودند و یهمایهودانه و ینصرانه
ای فی نه دالاحکام باقی ماند بیان شق ثانی و آن
تمهید مقدمات چند را میخواهد لهذا اول از ان
چند امور بطور مقدمه مینگارم از آن بعد انشاء الله
تعالی باصل مطلب رجوع خواهم نمود مقدمه اولے
چنانکه اتحادِ لوازم دلیل اتحادِ ملزوم است همچنان
اختلاف لوازم آثار دلیل اختلاف ملزوم۔
مقدمۂ ثانیه آثار متضاده از شی واحد صادر شدن
نتواند مقدمۂ ثالثه مزاج مرکب تابع جزء غالب
خود باشد مقدمۂ رابعه حقیقتے که از اجزاء شتی ترکیب
یافته باشد چنانکه آن جمله اجزاء در قوام کل داخل
میشوند و کل در تحقق و وجود خود محتاج آنها
باشد همچنان احد الاجزاء به نسبت حقیقت
جزء آخر نسبت استغناء دارد و هر واحد
در تحقق و وجودِ خود مستقل است و احتیاج
باخر ندارد و احکام هر واحد جدا است و وجود هر
واحد جدا نه مثل که خشت و خشب و غیره اجزاء بیت
از جمله مقومات بیت است یکی را از ان با دیگری
علاقۂ احتیاج نیست بلکه در تحقق و وجودِ خود هر واحد
از دیگری مستقل و مستغنی ست بعد تمهید مقدمات
احوال انسانی را بپیش احکام خداوندی ملاحظه
فرمایند وقتی سر باطاعت می نهد و قدمی از جادهٔ

کا قرار دیکر معامله والدین کا سا کیا جائیگا فابواه
یہودانه و ینصرانه سے اسی جانب اشارہ ہے اب
شق ثانی یعنی معنے ظاہر پر اس حدیث کو محمول
کیا جاوے اور یہ شق چند مقدموں پر موقوف ہے
لہذا اول ان مقدمات کو عرض کرلوں بعد ازاں
اصل مطلب کی راہ لوں گا پہلا مقدمہ جیسے اتحاد لوازم
دلیل اتحاد ملزومات کی ہے ویسی ہی اختلاف لوازم دلیل اختلاف ملزومات
کی دوسرا مقدمہ شئی واحد سے آثار متضادہ سرزد نہیں ہوسکتے
تیسرا مقدمہ مزاج شئی مرکب کا تابع جزء غالب کے ہوا کرتا ہے
چوتھا مقدمہ جو شئے اجزاء مختلفہ سے مرکب ہوتی ہے وہ اپنے
اجزاء کیطرف محتاج ہوتی ہے اور جملہ اجزاء
اوس کے قوام میں داخل ہوتے ہیں اگر اجزاء آ
ئیں باہم ایک دوسرے سے استغنا ہوتا ہے اور
ہر ایک دوسرے کے قوام سے خارج اور حکم
ہر واحد کا جدا جدا دیکھو اجزاء بیت اینٹ
لکڑی وغیرہ بیت کے محتاج الیہ اور اوس
کے قوام میں داخل لیکن ہر واحد بالنسبۃ
الی الآخر مستغنی اور ہر ایک کا حکم جدا اب جب
یہ تمہید مقدمات نقش خاطر ہوئی۔ تو اب
انسان کو بمقابلہ احکام خداوندی ملاحظہ
فرمایئے کبھی ایسا مطیع کہ
جنید و شبلی وقت
بنجاتا ہے۔

فرمانبرداری بیرون نمی کشد و دمے بعصیان و
و نافرمانی نمے گذارد و وقتے با ہوا و ہوس و
مرغوبات نفسانی مشغول نمی باشد پس بحکم
مقدمہ اولی و ثانیہ این آثار متضادہ از شے
واحد نیست ضرورست کہ ہر ہر واحد مؤثری است
و ملزومے جدا ترکیب انسانی ازیں چنیں اشیاء
ثلثہ ترکیب یافتہ است کہ یکی ازان اثر اطاعت
و فرمانبرداری دارد و دیگری ازان اثر عصیان و
نافرمانی و ثالث اثر انہماک در ہوائے نفسانی پس
متحقق شد کہ بحقیقۃ انسانی حصۂ از مادۂ ملکوتی
کہ لا یعصون اللہ ما امرہم و یفعلون ما یؤمرون
عنوانش فرمودہ اند و حصۂ دیگرے از مادۂ
شیطانی کہ و کان الشیطان لربہ کفورا تعبیرش
قرار دادہ و حصۂ آخر از مادۂ بہیمی کہ بوالہوسان
نفس را بجملہ اولئک کالانعام بل ہم اضل تعبیر
کردند و حقیقۃ انسانی ازیں مواد ثلثہ ترکیب
دارد و دانی کہ اطاعت و عصیان و اتباع ہوا و
ہوس و انہماک بآن چونکہ از جملہ افعال اختیاریہ
ہست صدور آن بغیر علم صورت نپذیرد و
البتہ اینقدر تفاوت ضرور کہ احکام شرع شریف
چونکہ جملہ ازان مطابق بنفس الامر است و مخالفۃ
شرع شریف خواہ بپیرایہ کفر و عصیان باشد و
خواہ بلباس ہوا و ہوس ضد آن پس اطاعت

اور گا ہے ایسا نافرمان کہ شیطان بھی اس سے
پناہ مانگتا ہے اور کبھی ہوا و ہوس نفسانی میں
منہمک رہتا ہے پس بحکم مقدمہ اولی و ثانیہ یہ
آثار متضادہ شے واحد کے تو نہیں ضرور ہے
کہ ہر ایک کے واسطے مؤثر و ملزوم جدا جدا ہوں
پس معلوم ہوا کہ حقیقت انسانی اجزاء ثلثہ سے
مرکب ہے اول تو جزء ملکوتی کہ لا یعصون اللہ ما
امرہم و یفعلون ما یؤمرون اسکی تعبیر ہے یعنی
اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرتے بلکہ اوس
کے موافق دوسرا جزء شیطانی جسکی و کان الشیطان
لربہ کفورا تعبیر ہے یعنے شیطان اللہ تعالی
کا نہایت نافرمان ہے تیسرا جزء
بہیمی جس کا عنوان اولئک کالانعام
بل ہم اضل ہے یعنے صاحبان ہوا و ہوس
مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اون سے بھی
بدتر اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت و عصیان
و انہماک ہوا و ہوس افعال اختیاریہ سے
ہیں جو بغیر علم کے سرزد نہیں ہو سکتے البتہ
اتنا فرق ہے کہ احکام شرع چونکہ جملہ
مطابق نفس الامر ہیں اور منہیات شرع خواہ
وہ کفر و عصیان ہوں یا ہوا و ہوس
جملہ خلاف نفس الامر
پس اطاعت

دفرمانبرداری واتباع شریعت را علم صحیح
نفس الامری مطابق ضرور افتاد وعصیان و
نافرمانی واتباع نفسانی را علم غلط آزینجا ست
کہ ادراکات عقل بحت کہ صاف وشفاف
وسلیم وغیر ماؤفہ باشد وبغلط کاری ظلمات
وہم وخیال نہ افتادہ باشد چونکہ ہمہ بانفس
الامر مطابقت دارد دراحکام شریعت نیز
بہمین احکام نفس الامری نام نہادہ ام ودانی
کہ مقصود از خلق انسانی عین اتباع وامتثال
شرع است خود میفرمایند ـ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ
وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ پس مادہ ملکوتی
راچنانکہ نظر بمقصود بودن آن بہ تہ قلب
نہادہ بودند این نورِ علم ونورِ عقل راکہ مدار
اطاعت وامتثال است نیز بہ تہ قلب جا دادند و
باصل قلب وشغاف قلب نہادند ووہم
وخیال را ہر کارگذاری مادہ عصیان و
بوالہوسی کہ جائش حوالی قلب وبالائے
قلب بود وہم بہ بالائے آن گذاشتند لفظ
فطرۃ راکہ بمعنے انشقاق است مادہ ایمان
فرمودہ اند میفرمایند فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ
فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ولفظ طبع کہ بمعنے مہر
کردن است واز سطح بالا تعلق دارد بہ نسبت
مادہ کفر تعبیر ازان کردہ اند میفرمایند طبع کافرا

واتباع شریعت کیواسطے علم صحیح
مطابق نفس الامر ضرور آور نافرمانی
شرع اور اتباع نفس کیواسطے علم غیر
مطابق نفس الامر ضرور آ اسیوجہ سے
اور ادراکات عقل سلیم جو شوائب وہم و
خیال سے مبرا ہوں اصطلاح شرع
میں احکام نفس الامری کے ساتھ موسوم
ہوئے اور چونکہ پیدائش انسانی بغرض
اطاعت وامتثال شرع شریف ہے
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا
لِيَعْبُدُوْنِ اس کی دلیل واضح
پس مادہ ملکوتی کو مقصود اصلی ہونیکی
وجہ سے تہ قلب وشغاف قلب
میں جگہ دی گئی اور وہم و
خیال جو بوالہوسی اور عصیاں
کے آلات ہیں حوالی قلب
میں رکھے گئے لفظ فطرۃ
جو بمعنے انشقاق ہے مادہ
ایمانی کی تعبیر ہے
اور لفظ طبع جو بمعنی مہر
کردن ہے اور سطح بالا سے
تعلق رکھتا ہے مادہ کفر کی نسبت
ارشاد ہوتا ہے اَوْ طُبِعَ کَافِرًا

برین دعوی شاہد عدلیست در دلالت
واضح دارد ازین تقریر ثابت شد کہ ہر
انسان مومن باشد یا کافر از ہر دو مادۂ ایمان
وکفر خمیرش کردہ اند وچونکہ بحکم مقدمۂ ثالثہ
مزاج مرکب تابع مزاج جزو غالب ست
بدن انسانی را کہ از اخلاط اربعہ ترکیب یافتہ
آخر ہمین قاعدہ یکی را ازان دموی یا صفراوی
گویند و دیگری را ازان بلغمی یا سوداوی دانی کہ
ما و شما غلبہ کدام جزو را بنظر غلبۂ آثارش معلوم
میتوانیم کرد وآثار و اقوال را قبل از بلوغ
اعتبارے ندادہ اند مگر بایند رفع القلم عن
ثلثہ الحدیث معلوم شد کہ بعد بلوغ آثار جزو
ملکوتی کہ جزو ایمانی گویا عبارت ازان است
غالب خواہد شد یا آثار مادۂ شیطانی و مادہ
بہیمی کہ جزو کفر و جزو عصیانی عنوانش میتوان
شد بغلبہ خواہد رسید البتہ عالم الغیب
والشہادہ کہ علمش محیط بکل است واللہ
علیم بذات الصدور شان اوست بمقتضائے
حکمت خود این ہر دو مادۂ کفر و ایمان
را کم و بیش کردہ با فراد انسانی نہادہ است
وبحکم یفعل ما یشاء و فعال لما یرید کسی را
مادۂ ایمانی غالب و مادۂ کفر مغلوب دادہ
آفرینش فرمودہ اند و دیگری را برعکس آن مثلا آنکہ مومن

اس کی برہان روشن ہے اس
تقریر سے ثابت ہوا کہ انسان کا
خمیر مادۂ کفر و ایمان سے ہوا ہے
اور چونکہ بحکم مقدمۂ ثالثہ مزاج مرکب
تابع مزاج جزو غالب ہوتا ہی جیسے کہ
بدن انسانی کی ترکیب اخلاط اربعہ سے
ہے اور غلبۂ آثار صفرا کی وجہہ سے
صفراوی اور غلبۂ آثار دم کی وجہ سے
دموی کہتے ہیں اسیطرح سے ہم کو
مادۂ ایمانی یا مادۂ کفر کا غلبہ آثار و
لوازم کے ظہور سے معلوم ہو گا اور
آثار و لوازم قبل البلوغ شارع
کے نزدیک قابل اعتبار نہیں تو
بعد البلوغ کے آثار و لوازم سے
پتہ ایمان اور کفر کا چلے گا جیسا کہ
رفع القلم عن ثلثۃ الخ سے واضح ہے
البتہ عالم الغیب والشہادۃ نے
کہ جو بکل شی علیم اور علیم بذات
الصدور ہے بمقتضائے حکمت
کاملہ کسی میں جزو ایمانی غالب
رکھا ہے اور کسی میں جزو
کفر لیکن وہ ابتدا سے
ہی جانتا ہے کہ یہہ

اگر بمرتبہ بلوغ خواہد رسید آثار جزر غالب غالب
و آثار جزر مغلوب مغلوب بود بمرتبہ وقوع خواہد آمد
پس ایمان و کفر مولود کہ عبارت از ین غلبہ است
و غالب آمدن آثار ایمان یا کفر از جملہ آثار آن
نیز بعلم او تعالیٰ و تقدس مخصوص است ازین
جا ہست کہ اللہ اعلم بما کانوا عاملین میفرمایند
ما و شمارا کہ ہمچنین علم ننواختہ اند میفرمایند لا یعلم
الغیب الا ہو بغیر اعلام تعالیٰ ممکن نیست کہ
بغیر از شہادت آثار کسی را داخل جماعت مومنین
سازند یا شامل زمرہ کافرین و چونکہ احادیث
دریں بارہ متعارض بودند و دانی کہ اذا تعارضا
تساقطا پس بحق ما و شما گویا بوساطت اعلام
دریں بارہ نرفتہ ازہمین است کہ اکثرے
از اہل تحقیق قول بالتوقف اختیار فرمودند
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ در بارۂ صاحبزادگان
خدیجہ بہما فی النار فرمودیا حضرت خضر علی
نبینا و علیہ السلام بحق آن طفل کہ میان اطفال
لعب و بازی میکرد طبع کافرا گفت ہمہ
با علام تعالیٰ فرمودند مسلک توقف با او
مخالفتی ندارد اکنون بحکم مقدمۂ رابعہ اگر تنہا بر تربیت
اصل قلب و سنخ قلب لحاظ کنیم میتوانیم گفت
کہ ہمہ را بر فطرۃ و بر مادۂ ایمان مخلوق فرمودہ اند
و بہر واحد آنچنان نور علم صاف و شفاف ارزانی

کافر ہوگا اور یہ مومن اسی وجہ سے
فرمایا گیا ہے اللہ اعلم بما کانوا عاملین
بخلاف ما و شما کے کہ چونکہ بغیر اعلام
تعالیٰ ذرہ بھر بھی علم نہیں رکھتے
بغیر آثار و لوازم کے نہ یہ کہہ سکتے
ہیں کہ مومن اور نہ کافر اور چونکہ
احادیث اس بارہ میں متعارض تھیں
اور اذا تعارضا تساقطا پس اکثر
اہل تحقیق نے قول بالتوقف اختیار
کر لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
جو صاحبزادگان خدیجہ کے
بارہ میں بہما فی النار فرمایا اور حضرت
خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اوس بچے کے بارہ میں جو بچوں میں
کھیل رہا تھا طبع کافرا فرمایا یہ سب
باعلام تعالیٰ تھا مذہب محققین
کے مخالف نہیں اب بحکم مقدمہ
رابعہ اگر محض اصل قلب کی
طرف لحاظ کریں تو کہہ سکتے ہیں
کہ سب فطرت اور مادہ ایمانی
پر پیدا ہوئے ہیں اور ہر
واحد کو ایسا علم حق صاف
و شفاف عطا ہوا ہے

فرمودہ اند کہ اگر آن نور علمی بصرافت خود ماند
ہر دو اندر را استقرار بر ایمان میسر آید و خاتمہ اش
ہم بخیر باشد اما چونکہ در ترکیب بعضے ازان مادہ
کفر را غالب نہادہ قوۃ وہمیہ و قوۃ خیالیہ اکہ مشیر
کار اوست ہم غالب فرمودہ اند لہذا آن نور علمی
بصرافتہ خود نمے ماند و مشوب بظلمات وہم
و خیال شدہ بغلطی مے افتد و از جادۂ حق صریح
بر طرف بودہ رو بباطل مے کشد قوۃ وہمیہ
باختراع خود مثل والد مادۂ جزئیہ اختراعیہ
را بمیان نہد و قوۃ خیالیہ مثل رحم والدہ اعتبار
صورتش کردہ این حکم جزئی اختراعی
را کہ از جملہ حقایق باطلہ است و احکام نادرتیہ
کہ بمعونت وہم و خیال ہمچو مادہ و صورت
ترکیب یافتہ پیش علم کردہ باطل را
بصورت حق مے نماید ازینجا است کہ ہر دو
قوۃ وہمیہ خیالیہ را والد و والدہ قرار دادہ
میفرمایند و ابواہ یہودانہ وینصرانہ و یمجسانہ
و یا مراد از ابویں امور خارجہ است کہ از
اصل فطرۃ او بیرون افتادہ پیشتر گفتہ ام
کہ احد الاجزاء از جزء آخر خارج میشود ہر یکی را ازان
وجودی جدا است و حکمی جدا ایں بنظر آن نور
علم کہ باصل قلب است ایں ہر دو قوۃ
وہمیہ و خیالیہ کہ تعبیہ نمائی و فضلات استشعاری

کہ اگر وہ نور علم اپنی صرافتہ پر رہے تو استقرار
ایمانی اعلے پیمانہ پر میسر آسکتا ہے اور خاتمہ
بالخیر ہو سکتا ہے اور چونکہ بعض کی ترکیب
میں مادۂ کفر غالب رکھا ہے اسوجہہ سے
قوئ وہمیہ و خیالیہ کو جو اوس کے
معین و مددگار ہیں نیز غالب کردیا ہے
پس وہ نور اپنے خلوص پر نہ رہا اور قوے
مذکورہ کے اختلاط کی وجہہ سے غلطی میں پڑ
گیا اور جادۂ حق سے منحرف ہو گیا پھر
قوۃ وہمیہ نے جو بمنزلہ والد ہے ایک
مادۂ جزئیہ اختراع کیا اور قوۃ خیالیہ
نے جو بمنزلہ رحم والدہ ہے اوسکو
ایک خاص صورۃ پہنا کر نور علم کے
سامنے پیش کر کے باطل کو بصورۃ
حق نمایاں کر دیا اسی ہی وجہہ سے
ان دونوں قوتوں کو حضور انور صلعم نے
فابواہ کے ساتھہ تعبیر فرمایا اور یا مراد
ابوین سے امور خارجیہ ہوں جو اصل
فطرت سے بالکل جدا ہیں اور میں پہلے
کہہ آیا ہوں کہ احد الاجزاء جزء آخر سے بالکل جدا
اور ہر ایک کا وجود جدا ہیں وہ نور علم جو
اصل قلب میں ہے ان قوتوں سے
جو مدار غلط کاری۔

ازکار پردازی آنہاست خارج خواہد شد
وصحیح است آنچہ میفرمایند کہ بنظر امور خارجہ
ہر مولود بہ یہودیۃ ونصرانیۃ میرسد ورنہ
باعتبار اصل فطرۃ خود کہ مرتبۂ نور علمی عبارۃ
از انست کل مولود یولد علی الفطرۃ مگر دانی
کہ این قوۃ وہمیۃ وخیالیہ چنانکہ بہ نسبت نور
علمی خارج است ولاحق ہمچنان بہ نسبت
مجموعۂ ترکیب انسانی داخل ہست ومقوم پس بلحاظ مجموع
ترکیب صحیح است کہ گوئیم بکفر ہم مطبوع است وایمان
ہم باصل فطرۃ مومن بر مادۂ ایمانی مفطور شدہ است
وکافر بمادۂ کفر کفر وایمان جملہ از فطریات است
وہمہ از آثار ذات نہ کفر کافر از خارج رسید
ونہ ایمان مومن آما چونکہ اختلاف جہات
فرق اعتباریست حکم کردن بہمچہ احکام متخالف
صحیح ہست ویکے بادیگرے متعارض نیست
واللہ علی مایشاء قدیر وہو بکل شئی علیم۔
الحمدللہ کہ از شرح احادیث مستفسرہ
فراغت شد البتہ اینقدر باقی ماند کہ کسانیکہ
بنظر کل مولود یولد علی الفطرۃ ہر مولود را
از اہل جنت اعتقاد میکنند بآیتہ
کریمہ وما کنا معذبین حتی نبعث
رسولا استدلال فرمودہ اند پس
اگر مسلک توقف را راجح گفتی جواب

اور ضلالت شعاری ہیں بالکل جدا ہوگا اور
اب انظر باموور خارجیہ ہر مولود کو یہودیۃ و
نصرانیۃ پر پیدا شدہ کہہ سکتے ہیں ورنہ باعتبار
اصل فطرت کے کہ مرتبہ نور علمی عبارت اوس سے
ہے وہی کل مولود علی الفطرۃ صادق اور
یہ بھی واضح رہے کہ قوۃ وہمیہ وخیالیہ جیسے
بہ نسبت نور علمی اوس سے خارج ہے اسی
طرح بہ نسبت ترکیب انسانی جزانسانی
ہے پس بلحاظ ترکیب اگر یوں کہیں کہ انسان کفر پر
مفطور اور مخلوق ہوا ہے اور ایمان پر بھی مومن
مادہ ایمانی پر مفطور اور کافر مادہ کفر پر اور
یہ دونوں آثار ذات ہیں نہ آثار صفات
خارجیہ تو بالکل بجا و درست ہے مگر چونکہ
ہر دو حکم بجہات مختلفہ ہیں لہذا تخالف
وتناقض نہیں واللہ علی مایشآء قدیر
وہو بکل شئے علیم ہزار ہزار شکر اوس
حکیم علی الاطلاق کا احادیث مستفسرہ
سے کو فراغ حاصل ہوا صرف اتنی بات
باقی رہی کہ جو لوگ بحکم کل مولود یولد علی الفطرۃ
کے ہر مولود کو جنتی مانتے ہیں اور آیۃ کریمہ
وما کنا معذبین حتے نبعث رسولاً
کو حجت پکڑتے ہیں مذہب توقف
والے اس کا کیا جواب دینگے

این استدلال حضرات ایشاں چیست میگویم اولاً درین
آیہ نفی تعذیب فرمودہ اند نہ نفی ادخال فی النار
این نمیفرمایند کہ ما کنا مدخلین فی النار حتی نبعث رسولا
و دانی کہ دخول فی النار را معذب شدن ضرور نیست ملائکہ
عذاب کہ بنار تعلق دارند وحیات و عقارب دوزخ کہ
در عین نار افتادہ اند آنہا را از معذب شدن چہ کار ہمچنان
اگر ذراری مشرکین نیز بغیرہ بہ نظر کفر خلقی خود بدوزخ روند
و معذب نباشند چہ دور علاوہ برین دریں آیہ انتہاء و غایت
این نفی تعذیب تا بوقت بعثت فرمودہ اند کہ ظاہر آن
واضح دلالت دارد کہ بعد از بعثت از طرف ایشان تعذیب
متحقق خواہد شد و دانی کہ عذاب اخرویرا با موقت بعثت چہ
کار پس مراد ازین تعذیب تعذیب فی الدنیا است نہ تعذیب
فی الآخرۃ و کلام ما در تعذیب اخرویست نہ در تعذیب دنیا بالجملہ
ازیں آیہ اگر تعذیب فی الآخرۃ مراد گیرند البتہ باین بحث
تعلق دارد و نظر بظاہر آں احتجاج ایشان صحیح مگر
جوابش بیان بالا شد و اگر تعذیب فی الدنیا مراد گیرند چنانچہ
لفظ حتی نبعث رسولا برین مراد دلالۃ دارد آیہ مذکورہ
را با مبحث معلومہ تعلق نیست و استدلال حضرات ایشان
نادرست واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ؀
امید کہ این ہمہ تقریرات پریشان من ناکارہ اگر پسند
خاطر افتد فہو المقصود ورنہ کالائے زبون بریش خاوندش
یا این اوراق را بمن ناکارہ واپس دہند یا چاک
کردہ لقمہ آتش فرمایند۔ والسلام ؀

سنیئے اولاً تو آیۃ کریمہ میں عذاب کی نفی ہے
نہ دخول نار کی پس دوزخ میں رہیں جیسے کہ
ملائکہ وہاں انتظام کرتے ہیں پس ملائکہ کو کون
معذب کہہ سکتا ہے حالانکہ داخل دوزخ ہیں
پس اگر آیۃ کے یہ الفاظ ہوتے وما کنا مدخلین
حتے نبعث رسولاً تو استدلال صحیح تھا اب جنتی
ہونے کی کوئی اور دلیل تلاش فرمائیں دوسری
آیۃ کریمہ میں بعثت کو غایۃ تعذیب قرار دیا ہے
جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عذاب دنیاوی
مراد ہے نہ عذاب اخروی اور گفتگو عذاب
اخروی میں ہو رہی ہے نہ عذاب دنیوی
میں خلاصہ یہ ہے کہ آیۃ کریمہ میں اگر عذاب
اخروی مراد لیں تو مبحث میں تو آجائیں گے
مگر یہ مراد غلط ہے اور اگر عذاب دنیاوی
مراد لیں تو مسئلہ مبحث سے خارج ہو جاتا
ہے۔ پس استدلال کیسا واللہ اعلم و
وعلمہ اتم واحکم ؀
امید کہ اگر مجھ ناکارہ کی یہ پریشان
تقریریں پسند آئیں تو ہو المقصود
ورنہ کالائے بد بریش خاوند
یہ اوراق مجھ ناکارہ کو واپس
فرمائیں یا پھاڑ کر جلا دیں
والسلام

تاریخ وفات حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ از حضرت مولانا محمود حسن صاحب دام مجدہ السامی صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

گم ہوئی ہے آج حسرت ہائے ہائے ہے — حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے اپنی جو
سید العلما امام اہل عقل و اہل نقل — پاک خو بیت پاک سیرت صاحب خلق نکو
معدن علم و حکم سر دفتر اہل کمال — عازم جلد بریں ہے جبکہ چلنا ہے جاو
جب شبیہ قاسمی سے بھی ہوئے محروم ہم — تم ہی بتلا دو کہ پھر ہم کیا کریں اے دوستو
درد پہونچا ہے سب کو اس کا منکر کون ہے — ہاں مگر اک فرق ہے تھوڑا سا گر میری سنو
لوگ کہتے ہیں چلے علامہ احمد حسن — اور میں کہتا وفات قاسمی ہے ہو نہو
کامل و اکمل سبھی موجود ہیں پر اوسکو کیا — جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
اپنی اپنی جائے پر قایم ہیں سب اہل کمال — ہر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
ہاں جنہیں اتحاد قاسمی میں بار تھا — تم کو ہم کہتے تھے من او تب کو کہتے تھے تو
جمع حسرت قرین درد و غم میں میں ہی تھا — فکر میں تاریخ کے سب تھے جب سر فرو
بادل پر پاس آئی کان میں میرے صدا — حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ دنیا سے لو

۱۳۳۰ھ

دیگر از نتیجہ فکر گرامی جناب مولنا حافظ عبد الغنی صاحب مدظلہم ساکن پھلاوہ ضلع میرٹھ

ہے فخر علمائے زمن سید احمد حسن — ہے حضرت استاد من رفتی چو جان من ز تن
ہے ہے بجا رفت آن زمان خدمت بودم دواں — تا بست سالہ در جہاں بودم ہمچوں جان و تن
ہے ہے چہ عزم انگیختی با رفتگاں آمیختی — جائے تو شد خالی دریغ ہاتف حافظ این سخن
خاکے بفرقم ریختی ہے ہے چہ کردی جان من — در بزم قاسم علم دیں ہاں گشت شمع انجمن

۱۳۳۰ھ

قطعہ تاریخ طبع کتاب نایاب موسومہ افادات احمدیہ از جناب مولوی سید حبیب احمد صاحب افق امروہوی

کشید در چشم سرمہ شرع ہیں کمالات احمدیہ — فیوض علمش اگر بخواہی بخواں مقالات احمدیہ
چو فکر تاریخ طبع کردم ز غیب ہاتف ندا بدادم — افق بگوئی کہ چاپ گشتہ زہی افادات احمدیہ

۱۳۳۰ھ

قطعہ تاریخ طبع کتاب از نتیجہ فکر تقدس مآب جناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی

طبع ایں مجموعہ نادر چو شد — از افاضات امام المسلمین
حضرت احمد حسن قطب زمن — فخر آل رحمۃ للعالمین

طبع ناظم جست چوں تاریخ سال
گفت ہاتف مطلع خورشید دیں

۱۳ ھ ۳۳

ضرورت التماس

حضرات! اسمیں شک نہیں کہ بزرگان اسلاف کی یاد تازہ رکھنے اور انکے مواعظ و ملفوظات سے مستفید و مستفیض ہونے اور ان کے واقعات سے آگاہ و خبردار رہنے اور ان کے افعال و اقوال سے سبق آموز ہونیکا بہترین ذریعہ ان کی سوانح کی ترتیب و ترویج اور انکی تالیفات و تصنیفات کی اشاعت ہے۔ "افادات احمدیہ" جو آج کتابی صورت میں آپکے پیش نظر ہے انہیں اغراض و مقاصد کی فی الجملہ تکمیل اور اسی مدعا و مقصود کی ایک عملی تکمیل ہے۔ ہمیں اسکی ستائش و تحسین میں اوراق رنگین کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت فخر المحدثین سند المفسرین رئیس الاذکیا زبدۃ الاصفیا مولانا حاجی سید احمد حسن صاحب محدث امروہوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام نامی و اسم گرامی کی عظمت و شہرت اسکو لفظی تحسین و ستایش کی سطحی نمایش و زیبایش سے مستغنی بنانیکے لیے بہت کچھ کافی ہے۔ اور یہ مختصر کتاب بیشک "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" کی مشہور مثال کی صحیح مصداق ہے ÷

جسنے حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ حسن صورت و سیرت اور فضایل و کمالات ظاہری و باطنی کے بہت کم ایسے مراتب ایسے ہونگے جو قدرت کے فیاض ہاتھ نے مولانائے مرحوم کو عطا نہ کیے ہوں۔ آپ حسن و جمال صوری اور فضل و کمال معنوی کی ایک مجسم تصویر ہی نہیں بلکہ محاسن اخلاق اور محامد اوصاف میں بزرگان اسلاف کا صادق نمونہ تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور خداداد ذہن و ذکاوت کی بابت ہم بجز اس آیت شریفہ کی تلاوت کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ این سعادت بزور بازو نیست ÷ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

آپ حضرت قاسم العلوم و الخیرات مجمع الحسنات و البرکات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (قدس سرہ العزیز) کے سچے جانشین اور ثانی سمجھے جاتے تھے۔ اور جو خوبیاں مجموعی حیثیت سے آپ میں موجود تھیں وہ ایک شخص واحد میں بمشکل مجتمع نظر آسکتی ہیں۔ آپکے اوصاف جمیلہ کے شمار اور خدمات جلیلہ کے اظہار کے لیے ایک مبسوط کتاب درکار ہے مگر مجھے صرف یہ امر گوش گذار کرنا ہے کہ ان معدودے چند اوراق میں (جنکو آپکے فتاوی و تحریرات کے کثیر و وافر ذخیرہ سے وہی نسبت ہے جو ذرہ کو پہاڑ اور قطرہ کو بحار سے) رویۃ باری تعالی۔ ابطال حجیتہ باری تعالی۔ تقاریر تناسخ۔ خطبہ۔ شق القمر جیسے اہم اور معرکۃ الآراء مباحث و مسائل کے علاوہ وہ بسیط تقریر بھی شامل ہے جو مولانائے مرحوم نے قصبہ نگینہ کے عظیم الشان مناظرہ میں بمقابلہ آریہ سماج اثبات توحید و رسالت کے متعلق زبردست اور پرزور عقلی دلایل کے ساتھ بیان فرمائی تھی اور مخالفین بھی آپ کی فصاحت بیانی و طلاقت لسانی پر شیفتہ و فریفتہ ہوکر بول اٹھے کہ یہ تقریر "بیان" ہونیکے قابل ہے"!
اور ان کا مطالعہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے علمی مذاق رکھنے والے حضرات کے لیے خصوصًا اور تمام اہل اسلام کے لیے عمومًا مفید بلکہ از جملہ واجبات ہے۔

اس مقام پر میرا فرض ہے کہ اپنے واجب التعظیم و التکریم ابن العم مولوی حافظ قاری سید محمد سلمہ خلف الرشید مولانائے مرحوم کی سپاس گذاری کا حق ادا کروں جنہوں نے بعض معزز و محترم اصحاب کے اصرار سے تعمیل ارشاد اور طلب ثواب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس رسالہ کو سعی بلیغ اور صرف کثیر طبع کرایا۔ اور صاحبزادہ موصوف کی قابل قدر توجہ اور لایق تشکر التفات اور علم دوست حضرات کی قدر دانی و جوہر شناسی سے اوس مبارک وقت کے جلد از جلد آنیکا متوقع ہوں جبکہ مولانائے مرحوم کے فتاوی و تحریرات کے گرانقدر و بیش بہا جواہرات "افادات احمدیہ" کے متعدد و مختلف حصص کی شکل میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر نوازفزائے چشم مشتاق و سرور افزائے شوق عشاق ہوں ÷

حمت الزمن محمود حسن حسینی امروہی

(طبیہ کالج۔ دہلی)؛

غیر مطبوعہ حصہ دوم

سید العلماء فخر المحدثین رئیس الاذکیاء والمتکلمین

قاسم ثانی حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

بہ تحشی مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی خلف الرشید

حضرت مولانا سید احمد حسن رحمۃ اللہ علیہما

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی
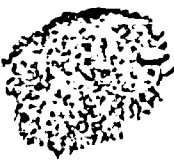
بنیرۂ سید العلماء

فہرست افادات احمدیہ حصہ دوم

فہرست فتاوی

از: پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

مقدمہ

افادات احمدیہ حصہ دوم میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرو ہویؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں اور فتاوی کا مجموعہ ہے۔ جس پر میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضویؒ کے حواشی ہیں۔ اور شروع میں آغاز سخن کے عنوان سے ان کا دیباچہ ہے۔ میں ان تحریروں کو اپنی کتاب۔ سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث۔ احوال و آثار کا حصہ قرار دے کر من وعن شائع کر رہا ہوں۔ تا کہ ان کا افادہ عام ہو۔ اس سے قبل میرے والد مولانا سید محمد رضوی نے مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تعاون سے افادات احمدیہ کا حصہ اول شائع کیا تھا۔ جواب نایاب ہے۔ اس لئے ان مطبوعہ مضامین کو بھی شامل اشاعت کر رہا ہوں۔ چونکہ ان دونوں کتابوں میں زیادہ فتاوی ہیں۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تاریخ کیا ہے۔ تو عرض یہ ہے۔ کہ فتویٰ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو کہ افتاء سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی رائے یا اظہار کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں لفظ فتویٰ کا اطلاق معاملات زندگی میں پیش آمدہ مسائل و سوالات کے بارے میں شریعت کے حکم پر ہوتا ہے جو کہ علماء شریعت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ بتاتے ہیں۔ فتوی دینے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی علوم میں مہارت رکھتا ہو۔ جیسے مفتی محمد اعظم مفتی کفایت اللہ تھے۔ جو شامی اور فتاوی عالمگیری سے فتاوی لکھتے تھے۔ میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے پاس ملک بھر سے استفتاء آتے تھے۔ وہ چونکہ تمام شرعی اصطلاحوں، اصول و قواعد، ناسخ منسوخ، راجح مرجوح، حلال و حرام کا ادراک بخوبی رکھتے تھے۔ اس لئے وہ استفتاء کے جوابات شرعی احکام میں شریعت اسلامی کی فہم کے ساتھ دیتے تھے۔

شریعت اسلامی میں فتوی کا آغاز آنحضرت ﷺ کے زمانے ہی سے ہو گیا تھا۔ خود قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً روح کے بارے میں پوچھا گیا کہ روح کیا ہے۔ اس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا کہ آپ کہہ دیجئے قل

الروح من امر ربی کہ روح اللہ کی شان ہے۔ اسی طرح جب یہ پوچھا گیا کہ تمہارا رب کون ہے۔ اس کا حسب نسب کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں قرآن مجید نے کہا کہ آپ کہہ دیجئے کہہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ پھر ایک موقع پر یہ پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی۔ تو اس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا کہ الیہ یرد علم الساعۃ اس کا علم اللہ ہی کو ہے غرض قرآن مجید نے کئی مسائل کی وضاحت کی۔ قرآن حکیم میں لیستفتونک اور لیعلونک کے الفاظ آئے ہیں۔ وہ دراصل کسی مسئلہ کے بارے میں سوال ہے جس کا جواب بذریعہ وحی دیا گیا۔ اس طرح کے سوالات سورۂ بقرہ، سورۂ مائدہ، سورۂ اعراف اور سورۂ انفال میں ملتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرام آنحضرت ﷺ سے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ جس کا جواب آپ قرآن مجید سے دیا کرتے تھے۔ احادیث میں یہ جوابات محفوظ ہیں۔ جس سے اُمت کو رہنمائی ملتی ہے۔ علماء نے انہی احادیث سے فقہ کی تدوین کی۔ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنھون نے پیش آمدہ مسائل کا حل احادیث کی روشنی میں کیا۔ مدینہ منورہ میں فقہا تھے۔ جو علم کے ماہر تھے۔ اور جنھون نے اکابر صحابہ۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زید بن ثابت اور دیگر صحابہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ ان فقہائے سبعہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ سعید بن الحسیب ۲۔ عروہ بن زبیر ۳۔ قاسم بن محمد ۴۔ ابوبکر صدیق
۵۔ عبیداللہ بن عبداللہ ۶۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن ۷۔ خارجہ بن زید وغیرہ

حضرت علیؓ کی فقہی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ فقہی مسائل میں حضرت علیؓ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت علی سے مشورہ کئے بغیر فتویٰ دیدیا۔ پھر جب حضرت علی کو معلوم ہوا تو آپ نے اصل شرعی فتویٰ سے آگاہ کیا تو حضرت عمر نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ لولا علی لھلک عمر اگر حضرت علی نہ ہوتے تو حضرت عمر ہلاک ہو جاتے۔

صحابہ کرام کے بعد یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد فقہائے اُمت تک پہنچا۔ ائمہ مجتہدین کے دور میں شریعت اسلامی کے اس اہم شعبہ فتویٰ نویسی میں وسعت ہوئی۔ امام احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے بارے میں رد کا فتویٰ دیا۔ شاہ عبدالعزیز نے انگریزی سلطنت کے خلاف دارالحرب کا فتویٰ دیا۔ غرض حالات وگردوپیش، آمدہ مسائل میں اضافہ کے لحاظ سے اجتھاد واستنباط کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ تو اس فن فتویٰ نویسی میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ فقہاء، ائمہ، محدثین کرام نے اس فن کے اصول وقواعد مدون کئے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری میں اس فن کے حوالے سے کئی علماء فقہار کی تصانیف منصۂ شہود پر آئیں۔ امام احمد بن حنبل کے مسئلہ خلق قرآن کے رد کا فتویٰ اور امام مالک بن اَنس کے طلاق مکرہ کے فتوے نے فتویٰ کو تقدس کا درجہ دیا۔

میرے دادا سید العلماء مولانا احمد حسن محدث امروہوی ایک عبقری شخصیت تھے۔ اور بلاشبہ آپ نادر روزگار شخصیات میں تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اوصاف حمیدہ سے متصف کیا تھا۔ ان کے اندر تبحر علمی تھا۔ ان کے علمی سمندر سے بہت سے چشمے ابلے اور سینکڑوں تشنگان علوم نے ان سے سیرابی حاصل کی۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے ان کے پاس استفتاء آتے تھے۔ جن کے جوابات وہ دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے بہت سے فتاوی، نادر تحریرین تلف ہو گئیں۔ گھر میں ایک رجسٹر فتاوی باقی رہ گیا تھا۔ وہ میں نے محفوظ کرلیا تھا۔ اس کتاب کے ساتھ وہ شائع کر رہا ہوں۔ ان کے مشہور فتاوی مین فاتحہ خلف الامام، بہشتی دروازہ، بسم اللہ جزء الحمد ہے یا نہیں اور امکان النظیر اور امتناع وغیرہ ہیں۔ اس موضوع پر شاہ اسمٰعیل شہید پر بھی کلامی مباحثہ ہوا تھا۔ یہاں میں اپنے دادا کے فتویٰ کا ایک نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ جس میں جسمیۃ باری تعالیٰ سے بحث کی ہے۔ تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے کہ ان کے فتاوی کس قدر عالمانہ فاضلانہ ہوتے تھے۔ یہ فتویٰ ماہنامہ القاسم دیوبند شعبان المعظم ۱۳۲۸ء میں چھپا تھا۔ نمونہ یہ ہے۔

سوال دربارہ جسمیۂ باری تعالیٰ

خداوند تعالیٰ شانہٗ کا کسی مادیت پر ظہور فرمانا، ممکن ہے یا نہیں۔ امکان حلول یعنی خدائے پاک کے کسی جسم میں حلول کر جانے سے سوال نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ کا جسم ہونا (مثلاً ایک فرد، افراد انسان سے ہو جانا) ممکن ہے تو کس طرح اور خارج از امکان ہے تو کیون اور کس برہان عقلی یا شرعی سے۔ سائل: بندہ محمد احمد سورتی عفی عنہ۔

یہہ مسلم ہے کہ وجود شی کو جیسا اس کے لوازم و آثار کا وجود ضروری ہے۔ علی ہذا لوازم و آثار نقیض کا عدم نیز ضروری۔ پس واجب الوجود اور ازلی الثبوت چونکہ نقیض ہے ممکن الوجود اور حادث کا۔ لہٰذا لازم ہے کہ لوازم و آثار مرتبہ وجوب وجود و ازلیت وجود سب متحقق ہون۔ اور لوازم و آثار مرتبہ حدوث و امکان جملہ منتفی علم و ارادہ و مشیت و قدرت سمع و بصر وغیرہ جو صفات کمال کا اس ذات عین صفات کمال کے لئے جیسے واجب الثبوت ہونا ضروری ایسے ہی حدوث و امکان و جملہ سمات نقصان سے تنزیہ و تقدیس اُس ذات مستجمع صفات کے نیز لازم۔ اور صفت کاملہ سبوحیت و قدوسیت کی اس تنزیہ کے لئے کافی دلیل۔ چنانچہ اسی صفتِ سبوحیت کو دلیل لاکر صفات حدوث و امکان و سمات عیب و نقصان مثلاً وجود شریک باری یا وجود ولد یا وجود لوازم بشریت وغیرہ سے کہیں یون تنزیہ فرماتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔ کہیں یون ارشاد ہے۔ سبحانہ ان یکون لہ ولد۔ کہیں یون ہدایت۔ کانا یاکلان الطعام۔ جسم ہونا چونکہ ہیولی و صورت کا محتاج یا اجزائے لاتیجزی سے ترکیب اور ظاہر کہ وجود کل کو وجود اجزاء کی حاجت اور نیز ظاہر کہ احتیاج از جملہ صفات بلکہ عدم پر مرتب۔ پس وہ ذات مستجمع صفات کہ جملہ مراتب وجود و تمامی صفات کو محیط ہے اور عدم و تمامی شوائب و سماتِ عدم و صفات حدوث و امکان سے بہ ہمہ جہت منزہ۔ جسم ہونا یا جسم ہو کر پایا جانا اس کا کیونکر ممکن ہو بے شک ممتنع ہے۔ و بے شبہ محال نیز جسم ہونے کو متشکل ہونا ضرور۔ غذا کی حاجت، خیر و مکان کی ضرورت۔ حرکت یا سکون لازم اور ظاہر کہ تشکل بغیر احاطہ حدود نا ممکن۔ اور احاطہ حدود احاطہ عدم سے عبارت اور یہ جملہ از جملہ حدوث و منجملہ سمات نقصان بلکہ عین آثار

صفات حدوث وامکان۔ اور پایا جانا ان آثار حدوث وامکان کا فی ذاتہ تعالیٰ وتقدس محال۔ پس جسم ہو کر پایا جانا اس باری عز قدرتہ وجل مجدہ کا بوجہ استلزام ان محالات شتی کے نیز محال۔ نہ تحت قدرت داخل اور نہ تحت مشیت۔ عموم قدرت سے محالات وممتنعات باستشاء عقلی خارج بلکہ لفظ شئی کا مصداق۔ اصلی وہی ہے جو تحت مشیت داخل ہو۔ پس نہ ممتنعات ومحالات تحت ہذا العموم داخل ہیں اور نہ خود ذات وصفات باری عزّ وجَلّ۔ پس جب صفات باری مقدور نہیں اور ثبوت ان کا لذاتہ تعالیٰ وتقدس واجب۔ صفت جسمیت لذاتہ تعالیٰ اگر ممکن الوجود ہوتی لازم تھا ابدی وازلی ہو کر متحقق ہوتی نہ یون کہ اذا شاء فعل واذالم یشاءلم یفعل۔ بالجملہ باری عز وجل کا جسم ہو کر پایا جانا شرعاً وعقلاً ہر طرح ناممکن ہے وبہ ہمہ جہت محال۔ کسی طرح نہ تحت قدرت داخل ہے نہ تحت مشیت اور جو ممکن جانے اور جائز رکھے گمراہ ہے۔ ایمان واسلام اس کا خطر قوی سے خالی نہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وھو بکل شیء علیم۔ فھوا اعلم بالصواب والیہ الرجوع فی کل باب۔ احقر الزمن احمد حسن امروہی غفرلہ۔

(مطبوعہ ماہنامہ القاسم دیوبند شعبان المعظم ۱۳۲۸ نمبرا جلد نمبرا مدیر رسالہ حبیب الرحمٰن عثمانی) واہ واہ کیا شان ہے فتویٰ کی آپ نے دیکھا کہ کہنا صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم سے مبرا ہے۔ کیونکہ انسان ممکن الوجود ہے۔ اور جو ممکن الوجود ہے وہ حادث ہے یعنی فنا ہو جانے والا ہے۔ کیونکہ جسم فانی ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالی واجب الوجود ہے اور غیر فانی ہے۔ لہذا اس کا جسم ہونا غیر ضروری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بقائے ابدی ہے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لئے مولانا احمد حسن محدث نے جو عقلی دلائل پیش کئے ہیں اور قرآن مجید سے استنباط کیا ہے۔ اس سے ان کے علوئے فکر اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی علمی شان ان کے تمام فتاویٰ میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو زیور طبع سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ایک اور بات یہ کہ ماہنامہ القاسم دیوبند کا پہلا شمارہ جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ء پر شائع ہوا تھا۔ اور اس میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے اعلان کیا تھا کہ القاسم کے سرپرست حضرت مولانا احمد حسن صاحب

ہوں گے اور ان کے فیوض علمیہ سے ادارہ مستفیض ہوتا رہے گا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد حسن محدث کس پایہ کہ عالم تھے۔ تمام علمائے دیوبند ان کی علمیت کو مانتے تھے۔ اور ان کے علم کے سامنے سرتسلیم خم کرتے تھے۔ میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ؒ نے اپنی جدوجہد سے جو عزت حاصل کی وہ میرے لئے باعث فخر اور تمام اُمت کے لئے سرمایہ ملت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

نبیرۂ

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی ؒ

کراچی

از مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی

آغاز سخن

اس مین شک نہین کہ بزرگان اسلاف کی یاد تازہ رکھنے ان کے مواعظ و معلومات سے مستفید ہونے اور ان کے حالات و واقعات سے آگاہ اور ان کے افعال و اقوال سے سبق اور ان کے ملفوظات سے مستفید ہونے کا بہترین طریقہ ان کی سوانح کی ترتیب اور ان کی تالیفات و تصنیفات کی اشاعت ہے (افادات احمدیہ) جو آج کتابی صورت مین آپ کے پیش نظر ہے انہی اغراض و مقاصد کی فی الجملہ کفیل اور اسی مدعا و مقصود کی عملی تکمیل ہے۔

سید العلماء فخر المحدثین حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے نام نامی اسم گرامی کی عظمت و شہرت اسکو لفظی تحسین و ستائش کی سطحی نمایش سے مستغنی بنانے کے لئے کافی ہے۔ حسن صورت حسن سیرت اور فضائل و کمالات ظاہری و باطنی کے بہت کم مدارج و مراتب ایسے ہونگے جو قدرت کے فیاض ہاتھون نے مولانائے مرحوم کو عطا نہ کئے ہون آپ حسن و جمال صوری اور فضل و کمال معنوی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور خداداد ذہن و ذکاوت اور خداداد علمی تبحر کی نسبت صرف یہہ کہہ سکتے ہین (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

آپ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے سچے جانشین اور شیخ الطریقت شیخ العرب و العجم حضرت الحاج مولانا شاہ امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی تقاریر اور تحریرات نمونہ ہین حضرت نانوتویؒ کی۔ اس لیے آپ کو قاسم ثانی کہا جاتا ہے۔

حضرت محدث امروہویؒ کی وفات کے بعد متصلا چند نایاب مضامین ہم نے طبع کرائے تھے۔ اور "افادات احمدیہ" کے نام سے ان کو شائع کیا تھا۔ اہل علم اور ملک نے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس قدر وہ مقبول ہوئے کہ ہاتھوں ہاتھ وہ کتاب فروخت ہوئی اور آج اس کے نسخے کمیاب اور نادر ہیں۔

آج ہم ان مسائل اور اس کے ساتھ دیگر اہم مضامین شامل کر کے طبع کرا رہے ہیں۔

جن کا مطالعہ موجودہ الحاد و دہریت کے دور میں مسلمانون کے لئے ازبس ضروری ہے۔اور علمی ذوق رکھنے والون اور طلبائے مدارس کے لئے خصوصی طور پر ان کا مطالعہ مذہبی اسلامی معلومات کے اضافہ کا باعث ہے۔قیمتی اور نایاب مضامین جو آج تک منظر عام پر نہیں آئے ہم ان کو مسلمانون کے افادۂ عام کے لئے شائع کر رہے ہیں۔اور وہ عجیب مضامین جن کی معلومات کے لئے علمی دنیا بے چین تھی آج ہم ان کو مطالعہ کے لئے سامنے لا رہے ہیں۔اگر اہل علم اور مسلمانون نے ان کی قدر کی تو ہم انشاء اللہ تعالی دیگر مضامین بھی طبع کرا کے آپ کے سامنے پیش کرین گے۔

اس لئے ہم اہل علم سے خصوصاً اور مسلمانون سے عموماً گزارش کرتے ہیں کہ وہ اوّلین فرصت میں اس نادر کتاب کو اپنے مطالعہ کے لئے منتخب فرمائیں۔

اسلامی دنیا کے زبردست عالم جنکا تبحر علمی علماء کی جماعت مین مسلم ہے اس یکتا کے ملفوظات چند پیسون مین آپ کو مل رہے ہین۔گو عام مذاق بگڑ چکا ہے اسلامی کتب اور اسلامی لٹریچر سے دلچسپی نہین ہے لیکن آج ان ہی کتب کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے تا کہ ہم دہریت کے مسموم اثرات سے محفوظ رہ سکین اسوجہ سے پہلے سے زیادہ آج اسلامی کتب اخلاقی کتب کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

حضرت ؒ کی سوانح حیات قدرے تفصیل کے ساتھہ تذکرہ مشائخ دیوبند مولفہ مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری نے لکھے ہین ملاحظہ فرما سکتے ہین کتاب کی طوالت کے پیش نظر بیان نہین کیے گئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے حضرت مولاناؒ کی وفات سے متاثر ہوکر جو اشعار فرمائے ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کی نظر مین حضرتؒ کا کسقدر اونچا مقام ہے۔چند اشعار یاد ہین نمونتاً پیش کرتا ہون

حضرت قاسم نشانی دے گئے تھے ہم کو	گم ہوئی تصویر قاسم آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے
ہر جگہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھہ لو	اپنی اپنی جائے پر قائم ہین سب اہل کمال
مین یہہ کہتا ہون وفات قاسمی ہے ہونہو	لوگ کہتے چل بسے علامہ احمد حسن

بادل پرپاس آئی کان مین میرے صدا حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ دنیا سے لو

۲۹ ربیع الاول بعد نماز عشاء وصال فرمایا اور ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بعد نماز ظہر اپنے قائم کردہ مدرسۃ اسلامیہ جامع مسجد میں تدفین عمل مین آئی۔

۱۔تشریح آیت کریمہ شریفہ

آیت شریفہ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیہم وما کان اللہ معذبہم وہم یستغفرون

بظاہر آیت پر شبہ واقع ہوتا ہے کہ بمقتضائے قاعدہ عربیہ یون فرماتے ما کان اللہ معذبہم وانت فیہم وما کان اللہ لیعذبہم وہم یستغفرون۔ یعنی قاعدہ عربیہ یہہ ہے کہ جملہ فعلیہ کے ساتہہ جملہ فعلیہ ذکر کرنا اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ ذکر کرنا مستحسن ہے پھر کیا وجہہ کہ خداوند کریم نے جملہ فعلیہ کے ساتہہ جملہ اسمیہ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر فرمایا۔

دراصل اس پیرایہ کے اختیار فرمانے مین ایک بڑی حکمت غامضہ کیطرف اشارہ ہے اور عجیب نکتہ ہے وہ یہہ ہے کہ جملہ اسمیہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے لہذا اولاً جملہ اسمیہ کیساتہہ جملہ فعلیہ ذکر کرنا اشارہ اسطرف ہے کہ جبتک وجود محمدی ﷺ ثابت ومستقر دنیامین ہے انکو عذاب دائمی تو کیا معنے؟ وقتاً دون وقتٍ بھی عذاب نہین دین گے۔ اور دوسرے جملہ مین جو جملہ فعلیہ کے ساتہہ جملہ اسمیہ بیان فرمایا ہے اشارہ اسطرف ہے کہ جبتک وہ استغفار کیجا ئین گے ہم انکو دائمی طور پر عذاب ندین گے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۔تشریح آیۃ شریفہ

آیت شریفہ "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الخ۔ خداوند کریم جل وعلے اپنے کلام پاک مین ارشاد فرماتے ہین کہ پاک ہے وہ ذات جسنے اپنے بندہ کوراتون رات مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصے تک سیر کرائی۔ اس آیۃ سے معراج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور علوئے مرتبہ حضور کا اور شان محبوبیت کا اظہار بیان کرنا مقصود ہے۔

واقعہ معراج مین حضور سرور عالم ﷺ کو وہ مرتبہ ملا اور وہ قرب باری تعالے عزاسمہ حاصل ہوا اور وہ راز ونیاز کی خداوند عالم سے باتین ہوئین کہ انبیاء سابقین اور جملہ خلائق مین نہ کسی کو یہہ مرتبہ حاصل ہوا اور نہ ہو جنکی مختصر تعریف یہہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

چونکہ اس معراج مین ایسے ایسے امور عظام وقوع مین آئے جس کے محال اور غیر ممکن ہونے پر تمام
عقلاء کا اتفاق ہے۔ یعنی آسمان کا پھٹ جانا اور فرق والتیام کا ہونا جو عند الحکماء از جملہ مستحیلات
ہے نیز جسم خاکی حیز اصلی تمت ہے نہ فوق اسکا حیز اصلی اور میل کلی کو چھوڑ کر جانب فوق جانا یہہ بہر
از جملہ محال ہے ایسے ایسے امور بعید از عقل کا وقوع مین آنا تو مقتضی اس امر کا تہا کہ اس موقع پر اپنی
قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے اور ایسے الفاظ اختیار فرماتے جو خداوند عالم کی اعلیٰ درجہ عظمت اعلیٰ درجہ
کی قوۃ پر دال ہوتے یعنی مثلاً یون فرماتے اَلقدیر الذی اسری بعبد یا جو الفاظ اوسکی عظمت کے
مناسب ہوتے وہ بیان فرماتے سبحان بیان فرمانے کا کیا موقع تہا کوئی یہان ایسا عیب ہے جسکی
پاکی بیان فرمائی جاتی ہے۔ صاحبو اس شبہ کا جواب یہہ ہے کہ چونکہ یہہ وقت معراج وہ وقت ہے
کہ خداوند عالم اپنے محبوب کو اپنے پاس بلاتا ہے اور حضور کی محبوبیت اور اپنی عاشقیت کا اظہار کرنا
مقصود ہے تو کیا عجب ہے کہ کوئی واہم اس حالت کو دیکھکر یون خیال کر بیٹھے کہ خداوند پاک نہایت
بے چین اور سوز وگداز مین بیتاب ہوکر اپنے محبوب کو بلاتا ہے حاشا یہہ وجہ نہین وہان بے چینی
کیسی سوز وگداز کیسا۔ سوز وگداز اوسکو ہو جو عاشق وصل محبوب پر قادر نہو۔ خداوند عالم کو آپ سے تو
کیا معنے؟ ہر فرد بشر سے اس درجہ قرب ہے کہ رگ گردن سے زیادہ خود ارشاد فرماتے ہین (نحن
اقرب الیہ من حبل الورید) پھر اوسکو مفارقت کیسی اور اوسکو بے چینی اور سوز وگداز کیسا لہذا اس
واہمہ کو رفع کرنیکے لیے ارشاد فرمایا (سبحان الذی) یعنی وہ ذات ایسے واہمہ اور خیالات باطلہ سے
پاک اور ایسے نقصانات سے بالکل بری ہے نیز یہی شبہ اس آیت شریفہ مین واقع ہوتا ہے کہ جب
اس آیت سے شان تجدید اظہار کرنا مقصود ہے تو ایسے الفاظ بیان کرتے جو حضور سرور عالم ﷺ کی
محبوبیت پر دال ہوتے یعنی خداوند عالم یون فرماتے کہ (سبحان الذی اسری محبوبہ یا بمطلوبہ) پر کیا
وجہہ کہ ان الفاظ کو چھوڑ کر لفظ (عبد) کو اختیار فرمایا سو صاحبو جواب اس شبہہ کا یہہ ہے کہ جب
خداوند عالم نے حضور نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کی ایسی قدر فرمائی کہ اپنے پاس بلایا اور وہ علاقہ
خصوصیت برتا کہ نہ کسی نبی سے ایسا برتاؤ ہوا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کا آپکو مظہر ٹہرایا تو کیا

عجب ہے کہ کوئی آپ کے ایسے کمالات کو دیکھکر نعوذ باللہ خدا یا خدا کا بیٹا سمجھے اور اوسکی ذات وصفات مین آپکو شریک ٹھہرائے جیسے نصاری نے کمالات عیسوی کو دیکھکر حضرت عیسی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا لہذا خداوند کریم پہلے سے واہمہ کو رفع فرماتے ہیں کہ دیکھوان کمالات محمدی اور اس عروج کو دیکھکر کہین محمد ﷺ کو خدا کا شریک ٹھہرالین وہ تو خدا کے بندے ہین اور غلام نہ خدا کے شریک اور ساجھی دوسرے اس لفظ کے اختیار فرمانے مین ٹھیک اشارہ اسطرف کہ جو کچھہ یہہ کمالات حضور کو حاصل ہوے بندہ ہونیکی وجہہ سے ہوئے جو مقام بندگی مین کامل ہوگا وہی خداوند عالم کے ہان بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۔ قرأۃ خلف الامام

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ ایک شخص حنفی المذہب امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور آمین بالجہر ورفع یدین نہین کرتا اور جو منع کیا جاتا ہے کہ قرءۃ خلف الامام منع ہے تو کہتا ہے کہ کوئی حدیث مرفوع منع کرنیکے بارہ مین آئی ہے تو دکھلا دو یا یہہ کہ الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور گنہگار ہوتا ہے تو الحمد پڑھنی چھوڑ دونگا اگر کوئی حدیث مرفوع آئی ہو تو معہ حوالہ کتاب مطلع فرمائین۔

الجواب

آیت شریفہ (واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ لعلکم ترحمون) جسکا حاصل یہہ ہے کہ قرآن پاک پڑھتے وقت آداب قرآن یہہ ہے کہ خاموش ہوکر اسکو سنو اگر یون آداب بجالاؤگے تم پر رحم کیا جاویگا۔ یہہ آیت صاف طور پر اس بارے مین صراحۃ النص ہے کہ بحالت قرءۃ قرآن پاک ہم مامور بالسکوت ہین سورہ فاتحہ ہو یا کچھ اور پڑھا جائے اب اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی اگر قرءۃ خلف الامام سے منع فرمائیں تو کیا خطا۔ اور بمقابلہ اس حدیث (لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب) کو جو جز واحد ہے اور ظنی الثبوت اگر ناکافی سمجھین تو کیا بیجا۔ انصاف یہہ کہ

بمقابلہ آیت وہ اگر دوسری آیت جو درباره جواز قرءۃ خلف الامام ہے مطالبہ کریں بجاء خود ہے اوسپر لطف کہ دوسری حدیث جسکے رجال سند معتبر ہین یون وارد (من کان وراء الامام فقرء الامام فقرأۃ لہ) جس سے مضمون آیت کی کھلی تائید اب (حدیث لاصلوۃ الا بفاتحہ الکتاب) فی حق المنفرد ہے یا فی حق الامام اور آیت مذکورہ اور حدیث ثانی فی حق المقتدی۔ ہذا ہو مذہب امامنا الاعظم رحمۃ اللہ علیہ و علے المذہب حدیث و آیت مین کوئی تعارض نہیں اور دونون پر عمل بخلاف مذہب ہذا غیرہ کے کہ اگر حدیث پر عمل ہے تو آیت اور حدیث ثانی پر ترک عمل لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۴۔ فاتحہ وغیرہ

کیا فرماتے ہین علماء دین مسائل ذیل مین کہ روحونکا اپنے گھر شب جمعہ و شب براٗت وغیرہ کو آنا اور بددعا کرنا عدم تصدیق پر اپنے اہل وعیال اور اولاد کو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں اسپر عقیدہ کرنا کہ روحین آتی ہین کیسا ہے اور جو روحونکی آنے کو درست نجانے وہ شخص متبع سنت ہے یا نہیں اور تیجہ دسوان وغیرہ جائز ہے یا نہیں اور مزارات پر چراغ جلانا۔ چادر وطعام و بالیدہ وغیرہ چڑہانا درست ہے یا نہیں اور طواف بہی کرنا اور فاتحہ فی زمانا درست ہے یا نہیں۔ مانعین کو وہابی کہنا اونکو برا کہنا اور تخصیص جمعرات کی سنت کہنا فاسد ہے یا نہیں۔

الجواب

مسائل مستفسرہ آپکے اکثر وہ ہین جنکو علماء کبار طے کرچکے ہین تازہ جواب کی کیا ضرورت ہے مگر تعمیل حکم کرنی ضرور مجملا جواب لکہتا ہون۔ تفصیل سابقین کے کلام سے دریافت کر لیجئے۔ اوستاذ الآفاق حضرت مولانا محمد اسحق صاحب محدث دہلوی کی دو کتابین ایک اربعین مسائل دوسری مأتہ مسائل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب السنۃ۔ ان مین اکثر اسی قسم کے مسائل تفصیل سے مذکور ہین دیکھ لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ نہ روحون کا آنا جمعہ اور شب براٗت کو حجۃ

شرعیہ سے تیجہ نہ دسواں وغیرہ درست نہ کھانے پر فاتحہ درود پڑھنا لازم نہ مقابر پر چراغ وغیرہ جلانا
نہ ان کا طواف کرنا درست جملہ از جملہ بدعات ہیں اور منجملہ منکرات ___ ایصال ثواب سے انکار
نہیں مگر شریعت نے اوسکو مطلق رکھا ہے کسی وقت یا کسی زمانہ یا کسی ہمت خاصہ کی اوسمیں قید نہیں
اپنی طرف سے قید کا اوسمین داخل کرنا وار مطلق شرعی مقید کرنا بے شک بدعت ہے اور احداث فی
الدین ہے اور شرعاً نامقبول (مَن اَحدَثَ فِي امرِ نا ہٰذا مالیس فیہ فہو ردّ) کھانے کا ثواب جدا ہے او
رالحمد شریف پڑھنے کا جدا نہ یہ اوسپر موقوف ہے نہ وہ اسپر موقوف اتفاقاً واحیاناً نہ لزوماً کھانیکے
ساتھ الحمد شریف یا کچھ اور سورۃ وغیرہ اگر پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں مگر چونکہ عوام عقیدتاً الحمد
خوانی کو ضروری جانتے ہیں اور بغیر اوسکے ایصال ثواب کو ناممکن سمجھتے ہیں لہذا ممانعت لازم اور
ترک اوسکا بہ مصلحت دین ضرور۔ جو شخص ان بدعات و رسومات کا قائل ہے اور اونکو داخل دین سمجھتا
ہے اور تارک پر ملامت کرتا ہے وہ بے شک بدعتی ہے اور تارک السنۃ۔

۲۔ نکاح ثانی کو عیب جاننا سخت درجہ مذموم ہے اندیشہ ہے ایمان ہاتھ سے جائے اور کافر قرار
پائے۔ قرآن پاک میں خود ارشاد ہے (ثیّبٰت وابکارا) نیز ارشاد ہے (وانکحوا الایامیٰ منکم)
حضرت سرور عالم ﷺ نے قولاً احادیث کثیرہ میں نکاح ثانی کی ہدایت فرمائی۔ صاحبزادیوں نے
نکاح ثانی کیا ازواج مطہرات سوائے حضرت عائشہ صدیقہ کے جملہ حضرت خدیجہ الکبریٰ جو
حضرت فاطمہ کی والدہ ماجدہ ہیں حضور کے نکاح میں بیوہ ہو کر آئیں پس خود واضح ہے کہ نکاح ثانی
کا برا کہنے والا کس مرتبہ گستاخ اور کیسا بے دین اعاذنا اللہ منہ

۳۔ امامت کے لئے متبع سنت و عالم بالسنۃ مستحق ہے اہل بدعت و مرتکب کبائر کو جو شرعاً فاسق
ہے امام نہ بنایا جائے شرافت نسبی جب ہی قابل لحاظ ہے کہ اعمال اچھے ہوں ورنہ صاحبزادہ
حضرت نوحؑ کو باوجود نبی زادہ ہونے کے ان کے اعمال بد کی بنا پر فرمایا جاتا ہے (انہ لیس من
اہلک انہ عمل غیر صالح) واللہ سبحانہ تعالیٰ وعلمہ اتم۔

۵۔مصافحہ بعد العصر والفجر کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بعد العصر وبعد الفجر مصافحہ کرنا کیسا ہے آیا سنۃ یا مباح یا مکروہ؟

الجواب الحمدللہ وکفی والصلوۃ والسلام علےعبادہ الذین اصطفے

احکام دین واوامر ونواہی شرعیہ دوقسم پر ہین اول وہ جنکو مقید بقیود محدود بالحدود کر کے مشروع کیا ہے اور ہیات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو اوسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ مثلاً صوم۔صلوۃ یا ارکان حج وغیرہ اسی قسم کے احکام اسے اوامر ونواہی کو مقید شرعی کہتے ہیں۔دوسری وہ جنکی مشروعیہ مین مرتبہ اطلاق ماخوذ ہے نہ ہیات خاصہ اوسکی مشروعیہ میں ماخوذ ہیں اور نہ امکنہ یا ازمنہ مخصوصہ جیسے جہاد وایصال ثواب انہی احکام واوامر ونواہی کو مطلق شرعی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ مقید شرعی کو مطلق یا مطلق شرعی کو مقید قرار دینا یعنی بصورۃ اطلاق مقید ان ہیات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو جو اوسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ ہے غیر ضروری سمجھنا اور بصورۃ تقیید المطلق اون ہیات خاصہ یا کسی زمان خاص ومکان خاص کو داخل مشروعیہ جاننا اور اوسکے ساتھ ضم کرنا دونوں بدعت ہیں اور بحکم حدیث صحیح (من احدث فی امرنا ہذا مالیس فیہ فہورد) شرعاً مذموم ومردود بلکہ لفظ احدث جولغۃً وجود مفعول کو چاہتا ہے جیسا کو صورۃ ثانی یعنی فی صورۃ تقیید المطلق وضم القیود فی مرتبہ اطلاقہ میں واضح صادق ہے اور صورۃ اولے یعنی فی صورۃ اطلاق المقید ورفع قیودہ میں صادق نہیں گو بعد تاویل ان الصوم المقید فی حکم الوجود والرفع الثابت بمنزلۃ الثبوت یہہ صورۃ اولیٰ نیز مصداق احداث ہے۔اور دونوں صورت حدیث صحیح مذکور کے عموم میں داخل ہوکر مذموم ومردود ہیں اور از جملہ بدعات ومنجملہ سیئات۔اعتقاد مشروعیۃ صورتین مذکورتین کا بدعت ہے اور ارتکاب اونکا گمراہی ہے۔

مختصر اور صاف مطلب یہ ہے کہ جو احکام مطلق ہیں کسی قید کے ساتھ مقید نہیں اونکو کسی قید کے ساتھ مقید کرنا بدعت ہے اور اسی طرح جو احکام کسی قید کے ساتھ مقید ہیں اونسے قید ہٹالینا اور مطلق کردینا یہ بھی بدعت ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔شارع نے اوامر ونواہی کو

جسطرح بیان کیا ہے اوسمیں اس طرح کا اپنی طرف سے تغیر وتبدل کرنا بدعت ہے۔

حضور سرور عالم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں (کُلُّ بدعۃ ضلالۃ وکُلُّ ضلالۃ فی النار)

مصافحہ نیز از قسم ثانی ہے بلکہ من وجہ مقید ہے اور من وجہ مطلق۔ یعنی بعد اعتبار قید بعد الملاقات شارع نے باعتبار زمان ومکان فی ای مکان فی ای زمان یعنی کہ مشروع فرمایا ہے اور بعد قید بعد الملاقات کے زمان خاص یا مکان خاص کی قید اوسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ نہیں اوس میں سے قید بعد الملاقات کے اٹھا کر بعد صلوۃ العصر یا بعد صلوۃ الفجر یا بعد مطلق صلوۃ کی قید کے ساتھ اوسکو قید کرنا باعتبار مطلق شرعی کو مقید کرنا ہے اور باعتبار آخر مقید شرعی کو مطلق اور نظر ہر دو اعتبار احداث فی الدین ہے اور داخل بدعۃ ہے۔ اکابرین دین من الفقہاء والمحدثین کا اوسکی کراہتہ اور ناجوازی پر فتویٰ دینا بہت درست ہے اور مطابق احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ اور نیز مطابق اصول شرعیہ ودلائل عقلیہ اور متبعین اکابر دین اوسکو مکروہ کہنا یا بدعت سمجھنا غیر صحیح ہے جو شخص مکروہ جانے یا فتویٰ کراہت کا دے اوسکو گمراہ کہنا خود گمراہی ہے اور قائلان کراہتہ کو مرتد سمجھنا سخت مذموم بلکہ بحکم حدیث صحیح خطرہ قوی ہے کہ کہنے والا خود مرتد قرار پائے۔ اعاذنا اللہ وسائر المسلمین آمین۔

بلا وجہ شرعیہ کسی عام یا خاص کا ان قیودات مذکورہ کو شروعیہ مصافحہ کرنا ساتھ مشروع قرار دینا لا یتوم علیہما دلیل (فانہم رجال ونحن رجال) درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم

۶۔ حرمت سود

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بنظر حالت موجودہ وافلاس مسلمانوں کے لیے کیا سود کا لین دین خواہ آپس میں خواہ غیر اقوام سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سود خواری اشنع ترین اعمال میں سے ہے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ سود کے کھانے اور کھلانے والے پر اور اوسکے کاتب اور گواہ پر اللہ برتر کی لعنت ہے

یعنی یہ اشخاص رحمت الہیٰ سے دور ہیں قرآن پاک میں جو وعید شدید آکلین ربوا پر فرمائی ہے ایسی دوسرون پرنہیں (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ) یعنی خبردار ہوا گر سودخواری نہ چھوڑو گے تو خدا اور رسول تم سے لڑے گا۔ یعنی تم خدا اور رسول کے دشمن قرار پاؤ گے۔ ایسے گناہ شنیع کے جواز کا فتویٰ کیونکر ہوسکتا ہے بے شک سودخواری حرام ہے اور قطعاً حرام ہے اہل اسلام پر واجب کہ تجارت زراعت وغیرہ امور کو وجہ معاش سمجھیں اور سودخواری کو فی کل حال حرام جانیں فقہا علیہ الرحمۃ نے جو دارالاسلام میں سکونت رکھتے ہیں اور بہ نظر قیام چندروزہ دارالحرب میں بطور امان داخل ہوں اونکو چونکہ حربین کا مال مباح الاصل کہا ہے اگر وہ چاہیں تو بحیلہ مذکورہ اہل حرب کا مال لے سکتے ہیں یہہ نہیں کہ خود وہاں کے مسلمان اون اہل حرب یعنی کفار دارالحرب یا مسلمان دارالحرب سے باہم سودخواری کا معاملہ کریں۔ وہ چونکہ ذمیان کفار سے ہیں خود از جملہ اہل حرب ہیں انکے حق میں نہ اموال اہل حرب مباح نہ یہہ حیلہ جائز۔ (ہدایہ میں ہے لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب) وقال محشی فی ذیل ھذا القول (الذی دخل دارالحرب فی امان) بالجملہ یہ حکم مخصوص ہے ساتہہ مسلمانان دارالاسلام کے۔ مسلمانان دارالحرب اس حکم سے متمتع نہیں ہوسکتے نیز بین المتقبہا، یہہ حکم متفق علیہ نہین امام ابویوسف امام شافعی وغیرہ علیہم الرحمۃ اسکے مخالف ہیں (یعنی وہ دونوں صورتوں میں منع فرماتے ہیں پس بربناء ان روایات کے ربوا کو جائز سمجھنا ہی غلطی ہے مسلمانان ہند کو بنظر حالات موجودہ و بنظر افلاس کسی طرح ربوا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالے اعلم وعلمہ اتم

نوٹ امام ابویوسف و امام شافعی دارالحرب میں بھی مسلم کو سودخوری کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ وہ مسلمان دارالاسلام سے برائے چندے امان کے ساتہہ آیا ہو۔ بہرحال سود کا دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں یہاں تک کہ سودی معاملہ میں کاتب اور گواہ سب پر اللہ تعالے کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ تعالے سب سے ناراض ہوتے ہیں اس وجہ سے سب گنہگار اور وعید میں سب داخل ہونگے۔

۷۔ مفقود الخبر

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عرصہ دو سال سے مفقود الخبر ہے اوسکی زوجہ نے نکاح ثانی دوسرے شخص سے کرلیا ہے اس نکاح کو عرصہ ایک سال گزر چکا ہے اس حالت میں نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب ہمارے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مفقود الخبر کی زوجہ کا نکاح کو نو سال گزرنے کے بعد صحیح ہے مگر بصورت اندیشہ زناء اور بحالت ضرورت شدیدہ و بعالم مجبوری امام مالک علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیکر چار سالہ مدت کے بعد نکاح کر دینا جائز اور مباح ہے صورۃ مستفسرہ مین چونکہ دو سالہ مدت مین زوجہ مفقود الخبر نے نکاح کرلیا لہذا نکاح صحیح نہیں ہے۔

نوٹ یعنی امام مالک کے مذہب پر عورت چار سال کے بعد بعد از تفریق و عدت نکاح کر سکتی ہے۔

۸۔ وظیفہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ

۱۔ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟

۲۔ اس ملک کے لوگ ہر نماز کے بعد بغداد شریف کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں یا حضرت مدد کرو وغیرہ۔ بعض جھک جاتے ہیں۔ بعض قدم مارتے ہیں بعض سے پوچھا گیا کہ حضرت صاحب تمہاری عرض سن رہے ہیں تو وہ کہتے ہیں تمام جہاں کو دیکھ رہے ہیں۔

۳۔ استمداد جو جائز ہے اوسکی کیا صورۃ ہے؟

جواب اگر ارباب احوال صادقہ پر یہ حال صادق پیش آئے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ اونکو اپنے غلبہ حال میں حاضر فی المجلس میں نظر آدیں تو ایسا مغلوب الحال اپنے اوس حضور خیال کی بنا پر تلفظ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہہ بیٹھے تو مضائقہ نہیں وہ مغلوب الحال مورد ملامت نہیں (والسکاری معذورون مگر جواز اس کلمہ کا چونکہ بعذر حالت صادقہ ہے اور ظاہر کہ حال واردہ کو بقاء نہیں پس

وظیفہ اس کلمہ کا جو مواظبت کو چاہتا ہے اون ارباب احوال کو نیز جائز نہیں چہ جائیکہ عوام کو بلکہ ظاہرو متبادر مفہوم کلمہ ہذا یہہ ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ کو حاضر وناظر کارخانہ قدرت الہیہ کا شریک یا دخیل کار سمجھ کر پکارا جاتا ہے اور ظاہر کہ یہہ کھلا شرک ہے اور باعتبار اس معنے متبادرہ کے ضرور موہم شرک۔ اور الفاظ موہومہ کے اطلاق سے اسقدر تبہ زجر شدید کہ گروہ صحابہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین جنکے ہر رگ وپے میں عظمت محمدی ﷺ اس مرتبہ راسخ ہے کہ اون حضرات سے واہمہ اہانت قطعی ناممکن تھا باایہمہ لفظ (راعنا جو موہم توہین محمدی تھا اوسکے اطلاق سے اون حضرات مقدسہ گروہ صحابہ کے ممانعت شدید فرمائی جاتی ہے بلکہ یوں ارشاد ہے (یاایہا الذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا) دوسرے عوام یا خواص امتہ کو ایسے الفاظ موہومہ کا اطلاق کیونکر جائز ہوگا بیشک ممنوع ہے اور ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر معنے متبادرہ لیکر ہو تحقیقاً شرک ہے اعاذنا الیہ منہ

۲۔ صورۃ مستفسیرہ بااہتمام ناجائز ہیں اور از جملہ بدعات شنیعہ بلکہ یوں سمجھنا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا علم محیط بالکل ہے اور تمام جہان کو دیکھ رہے ہیں کھلا شرک ہے۔ (لایعلم الغیب الا اللہ)

۳۔ مقربان خداوندی وخاصگان درگاہ الہی حضرات انبیاء وصدیقین وشہداو صالحین وجملہ اولیا اللہ کو وسیلہ بناکر بدرگاہ قاضی الحاجات وحدہ لاشریک لہ یوں دعا کرے کہ خدائے برتر بتوسل اپنے مقربان خاص مجھہ ناچیز ناکس پر رحم فرمائے بے تردد صحیح ہے اور جائز اور کارخانہ قدرت کا دخیل سمجھنا ممنوع ہے اور توسل درست ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۹۔ آب چاہ مشترک مسلم وغیر مسلم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع مین ایک ہی چاہ پختہ ہے مختلف قومین اوس موضع میں آباد ہیں۔ مسلمان، ہندو، پست اقوام وغیرہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھاٹ سے پانی بھرتے ہیں ایسے حالات میں چاہ مذکورہ کا پانی پاک رہے گا یا نہیں۔

الجواب

پانی بالیقین طاہر و پاک ہے اور یہ مسلّم کہ یقین لا یزول بالشک۔ پس جبتک مُزیل طہارت یعنی نجاست نہ مخلوط ہو، پانی کو کسی واہمہ اور شک کی بنا پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور وہ ظروف جن سے پانی بھرتے ہیں اگر نہ خود ناپاک نہیں نہ کوئی اور نجاست اونکو لگی ہے تو بھرنے والا کوئی ہو پانی پاک رہے گا۔ البتہ اگر ظن غالب ان ظروف کے ناپاک ہونے کا ہے تو ضرور صورۃ احتیاط اور اجود لحق العوام والخاص یہہ ہے کہ ایسے کوئیں سے پانی نہ بھریں اور اوسکے استعمال سے حذر کریں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۰۔ تقلید

بندہ نحیف خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔ بخدمت برادر مکرم گرامی قدر قاضی ظہور الحسن صاحب بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے والا نامہ مرسلہ پہنچا۔ مضمون مندرجہ مورث ہزار حیرت عزیز من یہہ جملہ خطرات و اوہام از جملہ وسواس الشیاطین ہیں۔ اعاذ نا اللہ منہ بے شبہ اثر اوس آزادی کا جو بحکم (الناس علے دین ملوکم) اکثر رعایا کے طبائع مین جاگزین ہے یا فرقہ باغیہ نیچریہ صحبت بد و مجالستہ شبانہ روزی شاید پیدا ہوا ہے۔ اے عزیز تم جیسے حلیم الطبع نیک سیرت محب العلماء والفقرا ایسے خیالات زبون کا ہونا زیادہ مستبعد ہے۔ علماء امتہ نے اس نقل مذہب تلعب فی الدین لکھا ہے اور اوسکے مرتکب کو مستحق زجر۔

مرتحسین امتہ کو البتہ جائز ہے کہ وے حضرات بحکم ترجیح دلائل عقلیہ ونقلیہ خواہ نقل مذہب کریں خواہ کسی مسئلہ خاص مین دوسرے مجتہد کی تقلید۔ ہم جیسے عوام کو یہی نقل مذہب یا ترک تقلید فی مسئلہ دون مسئلۃ کسی طرح جائز نہیں الحذر الحذر

پابندی مذہب وتقلید شخصی بیشک بڑی مصلحتہ عظیمہ دینیہ پر مبنی ہے اور ضرور نظام دین و اصلاح دین اوسپر موقوف ونظر برآن فی حق العوام تقلید شخصی واجب و ترک اوسکا فی نفسہ ناجائز۔

دیکھو کس کس نے اس آزادی غیر مقلدی وخود مختاری کے بسم اللہ شروع کی اور انجام کہان تک پہنچا بیشک یہہ پہلا سبق ہے کہ آج اس امام کو چھوڑا دوسرے کے مقلد ہوئے اور علے ہذا کل تیسرے کے۔ مسلم مذاہب اربعہ حق ہین اور حق دائر ہے بین المذاہب الاربعہ۔ نہ یہہ کہ ہر ہر مذہب حق ہے۔ مقلد جنکا مقلد ہے فی ظنہ اوس مذہب کو حق سمجھتا ہے اور دوسرونکو فی زعمہ باطل۔ اپنے امام کا مذہب بے شبہ راجح دوسرا مرجوح۔ پس بمقابلہ راجح عمل بالمرجوح کیونکر جائز ہے اور بمقابلہ حق فی ظنہ کے باطل فی زعمہ کو اخذ کرنا کب درست۔

نوٹ مطلب یہہ ہے کہ جب کوئی شخص چارون امامون مین سے کسی کی تقلید کرے گا تو اوسکو اچھا اور بہتر جان کر تقلید کرے گا ایسی صورۃ میں دوسرے کی تقلید کو غیر ضروری سمجھے گا اور اوسکا مذہب مرجوح اوسکی نظر میں ہوگا نیز مقام غور وانصاف ہے کہ اپنے علماء مذہب کی برات دون صحبت نصیب مذہبی کتابون کا مطالعہ میسر اوسپر یہہ زائد کہ فروعات مذہب مین علماء مذہب کی بات بات میں ضرورۃ اور دوبارہ دریافت احکام جزئیہ ان حضرات علماء کی کس مرتبہ حاجت۔ جس مجتہد کی نہ صحبت میسر ہوسکی نہ کتب مذہب دستیاب اوسکے مقلد کو بات بات میں کس مرتبہ بھٹکنا پڑے گا۔

مولانا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ عالم رویا مین حضور سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے منجملہ دیگر معروضات کے عرض کیا مین چاہتا ہوں غیر مقلد ہوکر رہون فرمایا ہرگزنہیں فی زمانا ہذا مقلد رہنا بہت ضروری اور آزادی بہت مضر۔ عرض کیا کسکی تقلید کرون فرمایا یہہ وہ وقت ہے کہ جہالت غالب ہے مستحبات دین ومکروہات جائز ناجائز۔ بدعۃ وسنۃ مخلوط ہے اور تمیز فیما بینہما مستعذر مذہب ابوحنیفہ جسکی بناء ورع واحتیاط ہے اوسکو اختیار کرو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں دونون امر بہ پابندی ارشاد حضور کرنی پڑین ورنہ میری طبیعت مائل بہ آزادی تھی۔

اور بہ صورۃ تقلید مسائل مذہب امام مالک

جب مرجحسین امتہ وراسخین فی العلم یون محکوم ہون اور فی قھم تقلید کو ضروری فرما کر

خاص تقلید مذہب امام ابو حنیفہ" ہدایت ہو اور بر بناء اس امر کے کہ امام علیہ الرحمۃ نے ورع اور احتیاط کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے دلائل مشتبہ چھوڑ کر امور مشتبہ سے حذر کیا خاص مذہب امام کو دیگر مذاہب پر ترجیح دین میرا اور آپکا کیا حکم اور بمقابلہ ترجیح حضور صلوات اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کے ترجیح کیونکر (بحکم حدیث من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یمثل ربی) حضور کا خواب مین کچھ ارشاد فرمانا بے شبہ لائق احتجاج ہے اور بمقابلہ اوسکے دوسر یکے خیالات ضرور از جملہ اضغاث احلام۔

مولانا کا یہہ خواب مطبع فاروقی مین مولانا کے کسی رسالہ کیساتھہ طبع بھی ہو گیا ہے اور مل بھی سکتا ہے۔

باالجملہ نحیف مزید اہتمام وبلیغ تاکید کے ساتھ ایسے خیالات کی پابندی سے منع کرتا ہوں۔ کچھہ دن لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اگر ہو سکے پانچ صد مرتبہ بعد نماز صبح وبعد نماز عشاء مزاولت رکھو انشا اللہ تعالے خود قلب میں سلامت پیدا ہو جائیگی اور وہ نور علم انشا اللہ منکشف ہوگا جس سے ان خیالات باطلہ کا بطلان خود واضح معلوم ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۱۔اشعار اردو فی الخطبہ وغیرہ

۱۔خطبہ جو اشعار اردو درج ہیں وہ روز جمعہ خواندگی خطبہ مین جائز ہے یا نہیں

بروز جمعہ قبل از خواندگی خطبہ جو آذان ہوتی ہے صف اول روبرو امام ہونی چاہئی اگر صف دوسری یا تیسری مین ہو جائے تو وہ بھی جائز ہے یا نہیں

بعض اشخاص یہہ کہتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ صف اول پر منحصر نہیں بلکہ دوسری مین یا تیسری مین پڑھے۔ ثبوت یہ دیتے ہیں کہ مسجد دھلی مین باہر ممبر پر پڑھتے ہیں اور اشعار کا پڑہنا در خطبہ بدعت بتلاتے ہیں۔

۳۔ایک شخص نے کہا کہ بروز جمعہ اگر چالیس آدمی شریک جماعت جمعہ نہون وہ نماز جائز نہیں۔

۴۔ایک لڑکی ہے اوسکے والدین موجود ہیں بباعث تنگدستی اور افلاس زمانہ سے مجبور ہو کر میان بیوی مین تفرقہ ہو گیا یعنی علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ بیوی نے اپنی رائے اور تجویز سے کچہہ لیکر بلا اجازت اپنے خاوند کے نکاح کر دیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

۵۔ایک عورت ہے اوسکے خاوند کو دس سال ہوئے قید ہو گئے وہ عورت اپنے بسر اوقات کیواسطے نکاح کرنا چاہتی ہے اور خاوند اجازت نہیں دیتا اور نکاح اوسکی بلا اجازت خاوند کے کوئی نہیں کرسکتا اس صورۃ میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔

جواب

۱۔اردو اشعار کا خطبہ میں پڑھنا جائز نہیں بدعت ہے۔

۲۔دوسری اذان جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے اوسمین امام کے سامنے ہونا کافی ہے۔صف اول میں ہونا ضروری نہیں۔اگر مجمع زیادہ ہو دوسری تیسری صف وغیرہ میں ہونا اوس اذان کا صحیح ہے۔

۳۔از جملہ شرائط جمعہ جماعت ہے اور جماعت کا ادنے درجہ تین اشخاص ہیں علاوہ امام کے پس اگر تین مقتدی بھی ہون جمعہ صحیح ہے۔

۴۔چوتھے سوال کا مطلب واضح طور پر نہ سمجھا اگر مراد یہہ ہے کہ بعد علیحدگی بین الزوجین عورت نے جو اوس لڑکی کی والدہ ہے بغیر اجازت خاوند یعنی پدر مرد نکاح کر دیا پس اگر دختر نابالغہ ہے تو ولدیت نکاح باپ کا حق ہے۔بغیر اجازت اوسکے نکاح صحیح نہیں۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ اوس لڑکی نے بعد علیحدگی خاوند اپنا دوسرا نکاح بغیر اجازت خاوند اول کر لیا تو جواب یہہ ہے کہ خاوند اول نے اگر نکاح سے علیحدہ کر دیا تھا اور طلاق دیدی تہی تو اب عورت دوسرا نکاح کرنے مین خود مختار ہے نکاح اوسکا ہو گیا۔

۵۔جس عورت کا خاوند زندہ ہے اور اوسنے اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دی وہ عورت نکاح اپنا دوسرے سے نہیں کرسکتی اور اگر کیا ناجائز ہے اور صحبت حرام۔واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۲۔بیعنامہ فرضی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مین کہ زید کے تین لڑکے ہیں اور تین لڑکیان۔زید نے اپنی حیات مین کچھ اپنی جائداد دکان اور باغ وغیرہ کا فرضی بیعنامہ اپنے تینون لڑکون کے نام بالاشتراک لکھ دیا اور اس بیعنامہ مین قیمت کی وصولیابی یا معافی بھی تحریر کردی۔زید کے لڑکون مین نہ تو ادائے ثمن کی وسعت تھی اور نہ بقاعدہ شرعی زید مین اور نہ او سکے لڑکون مین بائع مشتری کے سے معاملات پیش آئے صرف بیع نامہ فرضی لکھ دیا گیا۔زید نے معتبر اشخاص کے روبرو یہ بھی کہا کہ مجھے اس بیع نامہ سے لڑکیون کا محروم کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ٹیکس سرکاری سے بچنا مقصود ہے۔

چنانچہ زید ہی عمر بھر اس جائداد پر قابض و متصرف رہا۔لڑکون کی کوئی مداخلت مالکانہ نہین ہوتی اب سوال صرف اسقدر ہے کہ بیع فرضی سے شرعاً بیع صحیح ہے یا ہبہ۔اور زید کے انتقال کے بعد اس جائداد مین زید کی لڑکیون کو بھی حصہ شرعی مل سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

مدار عقد بیع اور مدار عقد ہبہ اسپر موقوف ہے کہ رکنین عقد یعنی ایجاب وقبول کا منجانب متعاقدین یعنی بائع و مشتری یا واہب و موہوب کہ تحقق ہو اور ہبہ کیلئے موہوب لہ کا قابض کرانا لازم بیعنامہ یا ہبہ نامہ جسکو دستاویز کہتے ہیں وہ صرف یادداشت عقد ہے اوسپر مدار عقد نہین اور جب تک ایجاب وقبول کا وجود نہ ثابت ہو صرف وجود دستاویز تحقق عقد کے بارہ مین کافی نہین۔

نیز دستاویز کو غایۃ مافی الباب اقرار المقر صرف بحق مقر فی حکم الایجاب کہہ سکتے ہیں اور ظاہر کہ تنہا ایجاب دربارہ تحقق عقد کافی نہین اور یہہ خود ظاہر کہ موافق قواعد شرعیہ کوئی معاملہ بائع مشتری کا سا وقوع مین نہین آیا۔مدت العمر خود زید بائع یا واہب اوس جائداد مبیعہ پر مالکانہ قابض و متصرف رہا اور پسران زید کو کبھی کوئی مداخلت مالکانہ نہین ہوئی پس شرعاً اس عقد کا کوئی وجود نہین ہے بے شک کالعدم ہے۔اور بعد وفات زید وارثان زید اولاد پسری و دختری وغیرہ جملہ اپنے اپنے حصہ شرعیہ مستحق ہین۔ذالک فی الکتب الفقہ۔واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۳۔ہبہ نامہ فرضی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی مین جائداد لڑکیون کو لکھ دی اور بعد کو مرگیا درعرصہ تین چار ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا اس صورۃ مین تحریر زید کی درست ہے یا نہین کیونکہ لڑکا پیدا ہونا بعد کو ہوا ہے اور اسوقت زید کی زوجہ دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے اور زید کی لڑکیاں حصہ جائداد مین اپنی والدہ کو دینا نہین چاہتین اس حالت مین موافق شرع شریف کیا حکم ہے۔

جواب

زید نے جو اپنی کل جائداد لڑکیون کو لکھ دی ہے یہہ ایک صورۃ ہبہ ہے اور وہ عقد شرعی ہے جسمین ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے یعنی منجانب واہب ایجاب موہوب کا قبول اور بعد ایجاب وقبول قبضہ کرا دینا لازم اور بغیر قبضہ کرائے ناتمام۔ سوال سے فقط لکھنا ثابت ہوتا ہے نہ ایجاب وقبول کا کوئی ذکر ہے نہ قبضہ کا بس مجرد کہہ دینے سے ہبہ ثابت نہین ہوسکتا اور مذکورہ بالا صورۃ مین ورثاء مین ترکہ تقسیم ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۴۔مسائل مختلفہ میلاد وغیرہ

۱۔کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لفظ یا رسول اللہ کہنا بدون انضمام صلوۃ یا سلام کے جائز ہے یا نہین۔

۲۔مجلس میلاد مین قیام کرنا جائز ہے یا نہین۔

۳۔روح محمد ﷺ کو ہر جا حاضر جاننا اور ہر کام اور ہر بات سمیع وبصیر جاننا یا کسی خاص مجلس میلاد یا وقت ندا کے یا درود شریف پڑھتے وقت حاضر وناظر جاننا جائز ہے یا نہین اور حاضر جاننے والا کافر ہے یا نہین۔

جواب

لفظ یا رسول اللہ کہنا بدون انضمام لفظ صلوۃ یا سلام جائز نہین۔ ندا کیلئے منادیٰ کا حاضر ہونا شرط ہے اور فی کل وقت ومکان وفی کل حال وزمان حاضر وناظر ہونا مخصوصات باری تعالے

ہے دوسرے کے ولوکان نبیاً ولوکان ملکاً ہرجگہ حاضر و ناظر جاننا اور باالفاظ ندا پکارنا البتہ صورۃ شرک ہے۔ حضوری روح محمدی صلعم اگر عام ہوتی تو ملائکہ کو تحفہ درود کے تبلیغ کیواسطے کیون مقرر فرمایا جاتا وہو ثابت بالا حادیث۔

اور چونکہ ملائکہ اس خدمت تبلیغ پر مقرر ہین یہی وجہ ہے کہ درود کے ساتھ یارسول اللہ کہنا نیز جائز ہے۔ ارباب احوال صادقہ کو اگر فی وقت حضوری حضور اقدس ہوئی ہو اور ایسی حالت خاصہ مین اونہون نے یارسول اللہ کہا ہو یا آثار حقیقۃ محمدیہ کو جو اپنے حقیقت ممکنہ مین جلوہ گر ہے مخاطب بنا کر ندا کی ہو نہ بربناء اعتقاد حضوری روح محمدی فی کل وقت و مکان تو وہ حضرات معذور ہین (والسکاری معذورون) یا بالجملہ دور بیٹھے بلفظ ندا حضور کو پکارنا اور یارسول اللہ کہنا جائز نہین اور موہم شرک ہے البتہ بروقت حاضری روضہ اطہر اوس حیات النبی کو یارسول اللہ کہنا یا اس لفظ کو ضمیمہ درود و سلام کرنا دونوں صحیح ہین اور غائبانہ ندا و نیز مرتبہ ادب کے اسمرتبہ خلاف ہے کہ بعالم حیات محمدی جو وراء الحجرات آپکو ندا کرتے تھے اونکی نسبت ارشاد ہے (والذین ینادونک من وراءِ الحجرات اکثرہم لایعقلون) اب بعد وفات محمدی صلعم یون بمراحل دور ہو کر ندا کرتا ہو کیون کہ نہ گستاخی ہوگی اور کیون نہ مرتبہ ادب سے دور۔ بیشک یہہ ندا نہ ادباً صحیح ہے اور نہ شرعاً جائز ہے۔

۲۔ مجلس میلاد مین عند ذکر ولادۃ صلعم قیام کرنا اگر بغیر اعتقاد حضوری صلعم تو گو بوجہ عدم ثبوت شرعی جائز نہین اور بوجہ ابہام شرک جیسا کہ الفاظ موہمہ کا اطلاق ناجائز ہے اور بحکم آیت شریفہ (یاایہاالذین آمنوالاتقولوراعناوقولوانظرنا) از جملہ ممنوعات۔ اس قسم کے افعال موہمہ شرک کرنا نیز صحیح نہیں مگر بوجہ عدم اعتقاد حضوری صلعم نہ شرک ہے نہ کفر اور بعد اعتقاد حضوری صلعم بیشک صورۃ شرک ہے اعاذنا اللہ منہ وسائر المسلمین۔

۳۔ روح محمدی صلعم کو فی کل حال و فی کل وقت و مکان حاضر و ناظر جاننا اور یون اعتقاد رکھنا کہ آپ ہر بات کو سنتے ہین اور جانتے ہین بیشک از جملہ شرکیات ہے۔ درود پڑہتے وقت نیز یہہ نہ اعتقاد کرے کہ آپ حاضر و ناظر ہین بلکہ یون اعتقاد کرے کہ ملائکہ اس تحفہ کی تبلیغ کیواسطے مقرر

ہین اور احادثت صحیحہ سے گروہ ملائکہ کا من اللہ تعالے اس خدمت پر مامور ہونا ثابت۔ مین الفاظ درود کو بوساطت ملائکہ تا بحضوری اقدس ﷺ پہنچاتا ہوں۔ یہ بالراست تبلیغ نہین یہہ بوساطت ملائکہ ہوگی یہہ درست ہے۔ واللہ تعالے اعلم وعلمہ اتم

۱۵۔ امامت تراویح نابالغ

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ رمضان شریف مین ایک نابالغ لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

نابالغ کی امامت اور اوسکے پیچھے نماز تراویح ادا کرنا فقہاء علیہم الرحمہ اوسکے جواز اور اداء نماز تراویح کے بارہ مین مختلف فیہ ہین بعض نے جائز ہی کہا ہے مگر یہ قول صحیح نہین اور نہ اسپر فتویٰ ہے قول صحیح یہہ ہی ہے کہ یہ صورت جائز نہین ہے اور نماز تراویح نہین ادا ہوتی۔ فی فتاویٰ قاضی فی امامۃ الصبیان فی التراویح قال مشائخ العراق وبعض مشائخ بلخ لایجوز وقال بعضہم یجوز وقال شمس الائمہ سرخسی انہ لایجوز لانہ غیر مخاطب وصلوتہ لیست بصلوۃ علی الحقیقہ فلا یجوز امامتہ کامامتہ المجنون۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۶۔ درباره جواب اذان دوم ودعاء (بعد آذان الخطبہ)

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا اور بعد اس اذان کے دعا مانگنا جو اذان کی دعا ہوتی ہے درست ہے یا نہین۔

جواب

فقہاء علیہم الرحمہ اس بارہ مین مختلف ہین۔ بعض جواب اذان کو جائز ہی کہتے ہین اور استدلال اونکا یہہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ جو خطبہ جمعہ کیواسطے منبر پر بیٹھے اور موذن نے اذان

دی تو اونہون نے اذان کا جواب دیا اور فرمایا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اس طور پر جواب اذان جمعہ دیا تہا اور آپ بھی منبر پر بیٹھے ہوئے تھے مگر چونکہ حدیث صحیح مین وارد ہے (اذا خرج الامام للخطبۃ فلا صلوۃ ولا کلام) اور نیز دوسری حدیث مین وارد ہے (من قال لغیرہ انصت والامام یخطب فقد لغا) اور ظاہر کہ انصت از جملہ امر بالمعروف ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر از جملہ فرائض مین ہین پس بحالۃ الخطبہ جب امر بالمعروف ہی کو لغو وناجائز فرمایا تو جواب اذان اور دعا بعد الاذان کیونکر جائز ہوگی۔ حدیث سابق سے واضح ثابت کہ بعد خروج امام للخطبہ ہر قسم کے صلوۃ اور ہر قسم کا کلام ممنوع ہے۔ اور استماع خطبہ ساکت وصامتا بیٹھنا لازم کمافی حالت قرأۃ الخطبہ اس وجہ سے عند الامام علیہ الرحمہ انصات لازم ہے اور ہر طرح کا کلام ولوکان قرأۃ القرآن اوذکر اللہ تعالے باتسبیح والتحمید سب ممنوع۔

قال فی ردالمختار واجابۃ الاذان حینئذ مکروہ وقال فی درالمختار (کل ماحرم فی الصلوۃ حرم فیہا اے فی الخطبہ مُحرَم اکلٌ وشُرب وکلامٌ ولوتسبیحا ورد السلام اوامر بالمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت بلافرق بین قریب وبعید فی الاصح)

وفی الفتاویٰ السراجیہ اذا کان غائبا عن الخطبہ بحیث لایسمع الخطبۃ فالسکوۃ لہ افضل من القرأۃ والذکر واذ خرج الامامُ للخطبۃ کرِہَ الذکر ورد السلام مالم یفرغ عن الخطبہ)

باقی رہا فعل امیر معاویہ سووہ صحابی تھے اور احادیث مذکورہ ممانعت کلام حدیث قولی خود حدیث فعلی حضور ﷺ پر مقدم ہے اور قول رسول اللہ علیہ السلام والصلوۃ کو فعل حضور پر ترجیح ہے پس فعل صحابی پر بدرجہ اولے ترجیح ہوگی۔ نیز وہ خود امام تھے مقتدین کو ان پر قیاس کرنا صحیح نہین۔

باالجملہ اصح یون ہے کہ جواب اذان دینا اور بعد اذان کے دعا مانگنا دونون مکروہ ہین اور بلا کراہتہ جائز نہین ہذا ہوا المعتمر عند الفقہاء۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۷۔درباره معامله (۶۰)روپیه دیکر(۹۰)روپیه لینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئله مین که بکر نے حامد سے ساٹھ روپیه اس شرط پر لیا که عوض ان ساٹھ روپیه کے فی سال تیس روپیه تین برس مین نوے روپیه خالد کو دیوے لیکن جب بکر نے بوجه تہی دستی کے ایک سال مین ایک کوڑی بہی خالد کو نہین دی اور مدت بھی آخر ہوگئی تو خالد نے بجائے نوے روپیه کے جو ساٹہه روپیه بدله تھا چند بیل اور کچھ زمین که اگر فروخت کیا جائے تو نوے روپیه سے دوسرے لوگوں خرید لین گے بکر سے لے لیا۔ پس شرعا یہه بیل اور زمین خالد کے حق مین سود ہوگا یا نہین اگر ہوگا تو سود کی کیا علت پائیگی اور سود کی کیا تعریف ہے اور سود کس چیز مین ہوتا ہے اور اگر نہین تو کیا سبب ہے۔ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

یہه معامله فی حق الخالد بے شبه فی حکم الربوا ہے۔ یہه ہرگز جائز نہین اور کیونکر جائز ہو یہه ظاہر ہے که بکر نے خالد کو ساٹہه روپیه بطور قرض اور اوس قرض دینیکے ساتھ یہه شرط کی بجائے اسکے سه ساله مدت کے بعد نوے روپیه لون گا اور وہ ہی اسطور پر که ہر سال مین تیس روپیه لیتا رہون گا یہه سه گونه نفع بکر کو بربناء اوس دین حاصل ہوا اور خالد نے دیده و دانسته مجبوری اس بھاری نقصان کو برداشت کیا اور اس دباؤ مین که اگر اس شرط کو نہین مانتا تو قرض نہین ملے گا یہه کھلا نقصان گوارہ کیا۔ اور حدیث صحیح عند الفقہا والمجتہدین وارد (کل دین جرّ نفعاً فہو ربواً)

پس بے شک یہه ربوا ہے اور سود۔ وتعریف ربوا اوسپر صادق ہے اخذ مال الغیر بلا عوض اور سونا چاندی کا منجمله اشیاء ربویه ہونا خود مسلم مگر شاید یہه واہمه پیش ہو که گو ابتداً معامله یون ہی تھا مگر اب بلآخر بیل و زمین کو بمقابله زر زمین خریدا ہے اونکا مختلف الجنس ہونا ظاہر و بصورت اختلاف جنس حضور سرور عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم) یعنی بصورت اختلاف جنس مساوات ضرور نہین کمی و بیشی کے ساتھ بیع کرنا نیز درست ہے سو یہه واہمه ہر دو وجه غلط ہے اور ناقابل التفات ہے اور یون که یہه عقد ثانی بنا علے العقد الاولی تیس

روپیہ اصل کو معہ زرسود نوے روپیہ قرار دیکر زمین وبیل قیمتی نوے روپیہ کا مال بمقابلہ تیس روپیہ کیونکر خریدا جاتا۔ نیز خالد نے صرف اسی مجبوری اسی دباؤ مین یہہ معاملہ کیا ہے کہ قانوناً وعرفاً اپنے ذمہ نوے روپیہ نقد دینے واجب الادا سمجھے اور بغیر معاملہ مذکورہ اپنی گلوخلاصی ناممکن جانا پس کھلا ثابت کہ یہہ دوسرا عقد من جانب العاقدین اوسی عقد اول پرمبنی ہے وظاہر انّ العقد الاول باطل شرعاً فالمبنی علی الباطل ایضاً باطل) دوسرے بصورت اختلاف جنس کے کیف شاء بیع کرنا صحیح تھا اگر بناء معاملہ دین پر نہوتی اور اس مرتبہ غبن فاحش اور تفاصل ناقابل برداشت کے ساتھہ معاملہ نہ کیا جاتا جس کو صرف بر بناء دباؤ دین گوارہ کیا گیا ہے یہہ ظاہر کہ خالد نے چونکہ مدیون بکر ہے اور اپنے ذمہ نوے روپیہ قانوناً واجب الادا جانتا ہے اسی مجبوری سے اوسنے اس بھاری نقصان کے برداشت کر کے بکر کے ساتھہ یہ معاملہ کیا ہے پس بے شک یہہ جر نفع بر بناء دین سبق ہے اور بکر نے جو نفع کثیر بر بناء قرض اوٹھایا اوسکے ربوا ہونے اور فی نفسہ حرام ہونے مین بحکم حدیث مذکورہ بالا کوئی تردد نہیں ضرور ناجائز ہے اور تحقیقاتی حکم الربوا فقہا نے جو بیع بالعین کو مکروہ تحریمی فرمایا حرام قطعی باسقاط الربوا پس فضہ کثیرہ کو بمقابلہ فضہ قلیلہ مع شئی یسیر بیع کو ناجائز کہا اسی حکمت غامضہ پر مبنی ہے۔ بیشک اس قسم کی بیع کا فتوٰی دینا باب الربوا کو مفتوح کرنا ہے ہو مسدود من الشارع بالجملہ یہہ بیع ناجائز ہے ہرگز صحیح نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۸۔ ڈاڑھی پر سیاہ خضاب وتارک جماعت وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مین کہ مجلس میلاد شریف مین چند اشخاص بیٹھے ہون اور ان کے نزدیک زید بیٹھا ہے مہتمم مجلس خاص طور پر زید کی طرف توجہ کر کے کہے کہ جاؤ وضوء کر کے آ زید جواب مین کہے کہ آپکو کیا علم ہے آیا وضوء کر کے آیا ہون یا نہین پھر مکرر غصہ ہو کر کہے مگر زید باوجود تاکید کے وضو کرنے نہ جائے اور بعد چائے وغیرہ تقسیم ہو مگر زید کو نہ دیجائے اور بجائے تواضع کے زید سے کہا جاوے تو کیا ہویگا یہہ کہنا مہتمم مجلس کا بخیال کسی بدگمانی یا بہ نگاہ تحقیر یا بلا

کسی کے جائز ہے یا نہین۔

۲۔غوث پاک عبدالقادر جیلانی ؒ کے ذکر پیدائش کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا اہل مجلس کو جائز ہے یا نہین۔

۳۔جو شخص لبونکو قصداً بڑھائے اوسکے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہین۔

۴۔جو شخص مسجد مین اس خیال سے نہ آوے کہ مجھکو جماعت مین شریک ہونا پڑے گا اور یون بھی کہتا ہے کہ میری نماز ان ملاؤن کے پیچھے نہین ہوتی بلکہ علانیہ یہ کہے کہ مولوی مردود ہین ہم فقیرون کے رمز کو کیا جانین یہہ شخص کیسا ہے اور اوسکا کہنا کیسا۔

۵۔جو شخص ڈاڑھی پر سیاہ خضاب اس وجہ سے کرے کہ سنت ہے حضور ﷺ کی اور کہے کہ رسول اللہ نے خضاب کیا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اپنی ڈاڑھی کو سیاہ کرو تا کہ کافرون سے مختلف ہو کیونکہ یہود ونصاریٰ اس فعل کو نہین کرتے اور خصوصاً جہاد کرنے والون کو حکم کیا گیا ہے چنانچہ اون جہاد کرنے والون مین علماء دین ہین ہمارے واسطے جائز ہے۔ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑہنا جائز ہے یا نہین کیونکہ یہہ شخص ایک مسجد مین امامت پر مقرر ہے۔

۶۔جس تقریب شادی مین انگریزی باجہ ہو سوائے دف کے ایسی تقریب مین کھانا کھانا جائز ہے یا نہین۔

۷۔جو پیش امام مسجد کا ہر قسم کے کھانے سوم۔دہم۔بستم۔چہلم اور تقریب شادی باجہ وآتش بازی وغیرہ کے کھاوے جائز ہے یا نہین اور نماز اوسکے پیچھے جائز ہے یا نہین۔

الجواب

۱۔یہہ کہنا اگر بغرض تذلیل ہے اور شان تحقیر گناہ ہے اور بیشک مورث معصیہ فی الحدیث صحیح (تواضعوا تواضعوا حتے لایفتخر واحدکم علے بعض اوکما قال)

۲۔اگر حضرت غوث پاک کو حاضر وناظر جان کر کھڑا ہورہے شرک ہے اور سخت معصیت ورنہ بدعت اور ضرور مورث معصیہ۔

۳۔لبون کا بڑھانا شعار کفار ہے اور کتروانا مسنون وشعار اسلام۔حدیث صحیح وارد ہے۔(قصُّوا الشوارب واعفوا اللحیٰ) ایسے شخص کو جو بالعمد اصرار کر کے تارک سنتہ ہو اور مخالفت حدیث کا مرتکب امام مسجد نہ بنایا جائے۔

۴۔وہ شخص بڑا گستاخ ہے اور بڑا متکبر تارکین جماعت کی نسبت حضورﷺ نے وعید شدید فرمائی ہے۔فرماتے ہیں ان کے گھرون کو آگ دیدو نیز ارشاد کہ اپنے سے ہر ایک کو اچھا سمجھکر ہر اچھے برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو جماعت نہ چھوڑو۔

۵۔یہہ قول اوسطؒ بالکل غلط ہے حضور نے خضاب لگا نیکو حکم دیا ہے بلکہ ڈاڑھی کے سیاہ کرنیسے ممانعت فرمائی ہے فرماتے ہیں (واجتنبوا السواد) نیز ارشاد ہے جو لوگ ڈاڑھی سیاہ کرتے ہیں وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہینگے۔

۶۔اولیٰ یون ہے کہ نہ کھائے اور ایسے اشخاص سے متارکتہ اختیار کرے اور اگر کھانے نے کا تو خیر۔ البتہ خواص وقت کو چاہئے ہرگز نہ کھائیں ایسے شخص کو امام مسجد نہ بنایا جائے اور اگر کہیں احیاناً امام ہو خیر شریک جماعت ہو جا اور ترک جماعت نکرے۔واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۹۔وضاحت حدیث نوری من نور اللہ

حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے حدیث نوری من نور اللہ کے مطلب کو نہایت شرح اور بسط کے ساتھہ تحریر فرمایا ہے خلاصہ یہہ ہے کہ اضافت ایک شئے کی دوسری شئے کیطرف جب ہوتی ہے تو بقاعدہ عربی مضاف اور مضاف الیہ میں غیرت ہوگی نہ باہمی جزئیت اور نہ جزئیت اس قاعدہ کے بعد مضاف کو عین مضاف الیہ قرار دینا بالکل غلط ہے اور جزئیتہ کا علاقہ صحیح اسلئے کی اضافت کا دارومدار جزئیہ پر نہین ہوتا بلکہ کسی نئے ربط کی وجہ سے بھی اضافت ہوسکتی ہے۔اسطرح جہان من کا استعمال ہو ضروری نہیں ہے کہ وہ من تبعیضی ہو بلکہ بعض وقت من تعلیلیہ بھی ہوتا ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یہان اس موقع پر من تبعیضی نہین ہے کہ جس سے علاقہ جزئیت ثابت

کیا جائے بلکہ تقلیلیہ ہے۔ جس کا مطلب یہہ ہوگا کہ بوساطت وجود محمدی تمامی کائنات کا
وجوداوس خالق برتر نے مخلوق فرمایااوراکراماًواحتراماًاضافت نور کی حضرت کی طرف کی گئی جیسا کہ
اکراماً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوروح اللہ کہا جاتا ہے اسطرح نور محمدی کونوراللہ کہا گیا یعنی
خدائے برتر نے نور محمدی کو بلا واسطہ کسی مخلوق کے اپنی قدرت کاملہ سے مخلوق فرمایا نہ مثل دیگر
کائنات اوراوسکی مخلوقیت مین وجود محمدی کوواسطہ فی الخلق قرار دیا اس خصوصی فضل وکرم نے حضورکو
ایک خاص مقام اورعزت دی اسوجہہ سے نوراللہ کی اضافت خاص اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی
طرف منسوب کی اس نسبت عینیت کا علاقہ یا جزئیت کا تعلق بتاتا ہے دونون غلط ہین۔ حضرت
مولانا نے ملائکہ کی مثال دیکراس مسئلہ پرخوب روشنی ڈالی ہے۔ ملائکہ مقربین کا مخلوق من النور ہونا
احادیث مین مذکور ہے۔ یہان پرنور سے نوراللہ مراد ہے اورکوئی ملائکہ کی نہ عینیت کا قائل ہے
اورنہ جزئیت کا اصل یہہ ہے کہ خود باری عزوجل واجب الوجود اورتمامی مخلوقات کا وجوداوی
احدیت الذات والصفات سے مستفاد ہے وہی مبدالکل اورتمامی مخلوقات بہ ہمہ جہت اوسکی محتاج
اوسکا وجوداصلی ہے اورکائنات کا وجودظلی۔

حضرت مولانا نے نورآفتاب کی مثال دیکر مزید اس حدیث مذکور کی وضاحت فرمائی
ہے۔جسطرح نورآفتاب آفتاب کی ذات سے قائم ہے اوراوسکے نور سے عالم منور ہوتا ہے کیا کوئی
کہہ سکتا ہے کہ عالم پر جونورمحیط ہے وہ آفتاب کا عین ہے یا آفتاب سے جزئیت کا علاقہ ہے یہہ
دونون صراحتاً غلط ہین بلکہ یون کہا جاتا ہے کہ نور جوآفتاب کی ذات سے قائم ہے وہ اصل ہے
اورعالم کا نوراوس نور کا عکس اورظل اور پرتو ہے نہ انمین عینیت کا علاقہ ہے اورنہ جزئیت کا اب
خوب واضح ہوگیا کہ اللہ کا نور ذات خداوندی مین اصلی ہے اورمرتبہ انبساط مین آکرتمامی کائنات
مین وہ نورجلوہ گر ہے وجود حقیقی اوروجوداصلی اورمرتبہ وجودظلی میں البتہ تعدد ہے وجوداصلی بے نیاز
محض ہے اوروجودظلی بہ ہمہ حاجت۔ نیز وجوداصلی غیرمخلوق اورسب کا خالق ہے اوروجودظلی مخلوق
ہے اوریہہ دونون متبائین ہیں اورانعام چونکہ اللہ تعالیٰ نے بلاوساطت مخلوق نورمحمدی کو پیدا فرمایا

اسلئے اس خاص اورشرف فضیلت کیوجہ سے نوراللہ کیطرف کیگئی ہے نہ انمین عینیت کا علاقہ ہے اور نہ جزئیت کا علاقہ ہے وہ خالق اور یہہ مخلوق دونون جدا جدا ہین اسی وضاحت کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہوگیا ہے۔ حضور تمام کائنات میں افضل ہین۔

۲۰۔ دربار صلوۃ مسافر ونوافل وغیرہ

بجواب

ا۔ مسافر کو بجائے چار رکعت دو رکعت پڑھنا چاہیے اگر تنہا پڑھے یا خلف الامام المسافر۔ بصورۃ اقتدا امام مقیم چار رکعت پڑھے گا۔ سنتہ ونوافل کا قصر صرف اسقدر ہے کہ جو مؤکدہ بہ حالت قیم تھا وہ نہین۔ اسی وجہ سے بہ حالت سفر، سنت ونوافل کا ادا کرنا موکد نہین۔ بحالت فرصت واطمینان ادا کرنا اولےٰ ہے۔

احادیث سے اداء سنت وترک سنت اداو اکتفا علے الفرض دونون ثابت ہین اور فیما بین احادیث یہی صورت جمع ہے کہ بوقت سفر ترک اور بوقت قیام منزل ادا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۱۔ دربارہ نذر ومصرف نذر

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ ایک شخص نے نذر کی کہ فلان وقت اس مسجد مین اسقدر چندہ دونگا مگر جب اوس چندہ کا وقت آیا تب اوس مسجد کو کچھ ضرورت باقی نہین رہی اب یہہ نذر کرنے والا دوسری مسجد یا کنوین یا مدرسہ یا کسی دوسرے کار خیر مین اوسکو خرچ کرسکتا ہے یا نہین۔

بجواب

صورۃ مستفسرہ مین صرف اوس مقدار روپیہ کا دوسری مسجد بلکہ ہر مصرف خیر مین جائز ہے جو نذر کہ معلق یا شرط نہوا گرچہ اوسمین کوئی تعین زمان یا مکان وغیرہ ماخوذ کیجائے مگر وہ معلق نہین

ہوتی مطلق ہی رہتی ہے اور بوجہ اطلاق اس کا علے خلاف تعین انکا صرف کرنا صحیح ہے فی الدرمختار (والنذر من اعتکاف اوحج اوصلوٰۃ اوصیام اوغیرہ غیرالمعلق ولو معیناً لاتخصیص بزمان ومکان ودرہم علی فلان فخالف جاز) وفی الفتاویٰ الشامیہ (انما جاز لان الداخل تحت النذر ماہو قربتہ وہو اصل التصدق دون التعین فبطل التعین ولزمتہ القربۃ) باالجملہ چونکہ مقصود ایسے نذر مین تقرب اللہ ہے لہذا ہر مصرف خیر مین جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۲۔ درباره عقد باجازت والده بموجودگی چچا حقیقی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مین کہ مسماۃ ہندہ کا سن ۹ سال کا ہے اوسکے باپ نے بچپن مین انتقال کیا تھا اوسکی مان اور اسکے چار بڑے چچا یعنی اسکے باپ کے حقیقی بڑے بھائی اور دو حقیقی ماموں زندہ ہین۔ اسوقت اوسکا ایک ماموں مجنون ہوا اور دوسرے ماموں سفر بعید مین ہے اور چارون چچا بھی مکان پر موجود نہون لیکن اتنی دور نہون جسمین نماز قصر پڑھی جائے تو اس صورت مین مان کو اختیار ہے کہ اوس لڑکی کا نکاح جس سے چاہین بدون اجازت ان وارثون کے اور بدون تصدیق وکالت اوس لڑکی کے کرے یا نہین۔

بجواب

چچا عصبہ ہے اور ہوتے ہوئے اوسکے، مان کو حق ولایت نہین پہنچ سکتا۔ نیز ظاہر کلام سے دختر منکوحہ کا بالغہ ہونا معلوم ہوتا ہے اسوقت میں وہ باختیار خود ہے دوبارہ نکاح اوسکی خود اجازت ضروری ہے۔ چچا کا اسقدر مسافت پر ہونا کہ احکام سفر شرعاً اوسپر مرتب ہون بحکم اقامتہ وبحکم وجود فی المصر باالجملہ بصورۃ مذکورہ مان نے جو بطور خود بغیر اجازت ولی وبغیر اجازت دختر منکوحہ اگر نکاح کیا نامعتبر ہے مگر بمنزلہ نکاح فضولی موقوف علے اجازۃ المنکوحہ ہے۔
دختر نے بعد اطلاع خبر نکاح اگر فوراً انکار کیا اور اس نکاح سے جو مان نے کیا ناراضامندی اپنی ظاہر کی بے شک وہ نکاح صحیح نہین رہا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۳۔ درباره مسائل مختلف مرتکب گناہ کبیرہ وامامت فاسق وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے مین ایک شخص مسلمان مرتکب گناہ کبیرہ وصغیرہ کا ہوا اور شرک بھی اوس سے سرزد ہوا ہوا ایسے شخص کا بعد توبہ کے کیا حکم ہے۔

۲۔ نیز ایک شخص امامتہ کرتا ہے اور اوسکی زوجہ باہر پھرتی ہے اوسکے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہین۔

۳۔ نیز جو شخص سوائے اردو فارسی کچھ نہ پڑھا ہوا ہو وہ منبر پر بیٹھ کر مثل علماء کے ترجمہ قرآن پاک کرتا ہے اور ثبوت حدیث سے دیتا ہے ایسے شخص کیواسطے شریعت کا کیا حکم ہے

۴۔ نیز زید وعمر دونون مسلمان ہین اور زید عمر کے نقصان پہنچانے مین کوشش کرتا ہے اوسکے واسطے شریعت کا کیا حکم ہے۔

بجواب

حدیث مین وارد ہے (التائب من الذنب کمن لاذنب لہ) شرک و کفر۔صغیرہ۔کبیرہ۔ ہر گناہ سے توبہ ہوسکتی ہے اور بعد توبہ صادقہ اوس خدائے برتر رحیم وکریم کے افضال کے بھروسہ قوی امید ہے کہ بعد توبہ صادقہ گناہ بالکل معاف ہو اور صاحب توبہ پاک و صاف مگر توبہ صادقہ اس سے عبارۃ کی سچی ندامت کے ساتھہ اقرار گناہ کر کے معافی چاہے اور آئندہ کو سچا عہد کرے کہ کبھی اوس گناہ کا مرتکب نہون گا۔

۲۔ اگر عورت اوسکی شرعی پردہ کے ساتھ باہر جاتی ہو امامتہ اوسکی بے تردد درست ہے والبتہ بغیر پردہ شرعی باہر جانا اور اجانب سے بے حجاب رہنا معصیہ ہے ایسا شخص جو ارتکاب گناہ مین یون بے باک ہو لائق اسکے نہین کہ اوسکو امام مسجد بنایا جائے

۳۔ اگر قرآن کا صحیح ترجمہ بیان کرتا ہے اور نیز علاوہ اسکے جو کبھی روایات معتبرہ سے نقل کرے تو مضائقہ نہین البتہ ادب شریعت یہہ ہے کہ ایسا شخص ایسی جرأت سے باز رہے اندیشہ ہے غلط ترجمہ یا غلط روایت زبان سے نکلے اور نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو۔ حدیث صحیح مین ارشاد

ہے (مَن کَذَبَ علی معتمداً فلیتبوؤ متعدہ من النار)

۴۔ مسلمان دوسرے مسلمان اوسکے ضرر سے محفوظ رہین۔ فرماتے ہین (المسلم من سلم المسلمون بیدہ ولسانہ) نیز ارشاد ہے (لاضَرَر ولا اضرار فی الاسلام) خوبی یہہ ہے کہ باوجود اسکے دوسرا اسکے درپے آزار ہو یہہ اوسکو یہہ بھی ایذا نہ دے۔

۵۔ قرآن پاک مین ہے (ادفع بالتی ھی احسن) یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دو برائی کے ساتھہ ندو) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ (فَمَن عَفَا وَاَصلَحَ فَاَجرُہ علے اللہ) یعنی جسنے خطا معاف کی اور صلح سے پیش آیا اوسکا اجر اللہ کے پاس ہے۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ واللہ علم بالصواب

۲۴۔ دربارہ طلاق

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ زید نے بوجہ دوسری عورت اپنی زوجہ ہندہ کو چھوڑ رکھا ہے مجبوراً ہندہ نے عدالت مین درخواست دیکر اپنا فیصلہ چاہا کہ زید نے مجھکو عرصہ کئی سال سے چھوڑ رکھا ہے اور کوئی خبر نہین لیتا لہذا یا تو مجھکو طلاق دلوائی دیجائے یا میرے خورد ونوش کا انتظام کرادیا جاوے چنانچہ یہہ ہی حکم عدالت سے صادر ہوا کہ یا تو طلاق دے یا پانچ روپے اوسکے خورد ونوش کیواسطے دیجائین۔ بعد گزرنے ایک ماہ زید نے عدالت مین درخواست کی کہ مین پانچروپیہ علیحدہ نہین دیسکتا اور چونکہ ہندہ نے درخواست طلاق بھی کی ہے لہذا مین اوسکو طلاق دیتا ہون عدالت دین مہر معاف کرادے۔ ایسی صورت مین ہندہ اپنے شوہر سے مہر لے سکتی ہے یا نہین اور یہہ طلاق خلع متصور ہوگی یا نہین

الجواب

چونکہ مہر مین اوسکو طلاق دیتا ہون مطلق ہے نہ کوئی شرط اوسکے ساتھہ ماخوذ ہے اور نہ بعوض دین مہر اور نہ بعوض مال۔ نیز یہہ طلاق صریح ہے نہ صیغہ خلع ہے نہ ہم معنے صیغہ خلع لہذا خلع بے تردد واقع مگر چونکہ ایک مرتبہ طلاق دی ہے طلاق رجعی واقع ہوگی اگر قبل از عدت یعنی اختتام

زمانہ عدۃ مین رجعت کرے اور شاہدین اوس عدت پر گواہ ہون تو پھر وہ زوجہ اوسکے نکاح مین رہے گی ورنہ بعد گزرنے عدت کے نکاح سے باہر اور مہر کامل سے نفقہ عدۃ شوہر کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ واللہ علم بالصواب

۲۵۔ درباره ذکر الشہادتین

کیا فرماتے ہین علماء دین اس بارہ مین کہ ماہ محرم مین حضرت امام حسینؓ کے ذکر شہادت مین چاہے نثر مین ہو یا نظم مین حضراتَ خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کی فضیلت و شہادت کا تذکرہ اہلسنت کیلئے کیا ضروری ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کے مجموعہ فتاوا ے بحوالہ جامع الرموز مین مذکور ہے اور کیا اسپر تمام علماء اہلسنت کا اتفاق ہے یا کسی کا اسمین اختلاف بھی ہے اور کیا یہہ حکم مملوکہ محدود مقامات کے ساتھ خاص ہے یا ہر شارع عام جہان واقعہ شہادت پڑھا جائے یہہ حکم مذہبا جاری ہوگا۔

الجواب

بندہ نے مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کو دیکھا نہ کتاب جامع الرموز نگاہ سے گزری چاہا دیکھون مگر نہین دستیاب ہوئی اسوجہ سے تحریر جواب مین زیادہ دیر ہوئی حیران ہون کیا لکھون۔

میرے نزدیک مسلمات دین مین سے ہے کہ مصائب پر صبر کیا جائے و رضا و تسلیم بے شک منجملہ لوازمات مرتبہ عبودیت صبر پر ثواب موعودہ مبشرات۔ صبر سے آیات قرآن اور احادیث نبی کریم ﷺ مالا مال اور جزع و فزع۔ گریہ و بکاء از جملہ ممنوعات شرعیہ وعید ہاے شدیدہ اوسپر وارد۔ کہین یون ارشاد ہے (لیس منا من حلق وقلق) اور کہین یون ارشاد ہے (لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب) بلکہ فی حق المیت وفی ضھہ نیکی یہہ جملہ نوحہ و بکاء اور یہہ تمام گریہ وزاری نیز اندیشہ سے خالی نہین۔ حدیث صحیح مین کھلا وارد ہے (المیت یعذب ببُکاءِ الحی علیہ) اور نیز یون

وارد (یُعَذَّب المیت بما نیح علیہ او کما قال)

ذکر شہادت حسینؓ یا مصائب کربلا وَلَو کَانَ بالروایات الصحیحہ چونکہ بالآخر منتج بکا و بین بلکہ نوحہ دزاری اوسکا عین مقصود اور رتبہ و مرتبہ رضا و تسلیم کے خلاف بلکہ اوسکے منافی تو علے الحال اہل اسلام اور احق بمقتضائے امان یون ہے کہ ہمہ صبر ہوکر ثابت القدم رہین اور جملہ رضا و تسلیم ہاتھ سے ندین۔ ہان بقدر وسعت مالی و بدنی عبادت سے یہ ارواح طیبہ طاہرہ اہلبیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایصال ثواب کر کے حسنات حاصل کرین اور نظم یا نثر یا جس طور پر کہ ہو نقل مصائب سے حذر کرین بلکہ جبکہ مشاہدہ یون کہ بیشتر اون مصائب و شدائد نقل و ذکر فی حق العوام نہ فقط فی حق القائلین باعث ہیجان غضب و عداوۃ ہوتا ہے بلکہ فی حق بعض صحابہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین ولو بلا سبب اوباسباب لغیرہ نیز محدث بغض ہوجاتا ہے اور ظاہر کہ اکرام صحابہ یعنی اکرام صحبت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم عین اکرام حضور ہے اور توہین صحابہ خود حضور اقدس کی توہین۔ پس بر بناء ہذا الحکمۃ الغامضۃ ایسے اذکار اور ایسے نقل روایات ضرور ممنوعات دین سے ہونگے خاص اوس حالت مین کہ رواج وقت کے موافق روایات موضوعہ سے مملو ہون۔ اسی بنا پر حضرات متکلمین نے مشاجرات صحابہ کے ذکر کو ناجائز لکھا ہے اور کتب عقائد مین صراحۃ ممانعت اوسکی مذکور اور بحالت ارتکاب ضرور مصلحۃ دین کے خلاف اور بعقائد العوام اسکو مقتضی کہ ذکر شہادت و نقل مصائب کربلا کے ساتھہ ذکر فضیلت شیخین و ذکر فضائل صحابہ نیز کیا جائے اور جبکہ مصلحت دین بر بناء ہذا الحکم ہے اور اصلاح عقائد العوام اوس سے مقصود پس بلا تخصیص زمان و مکان و بلا تخصیص نظم و نثر یہہ حکم عام ہوگا نہ محدود فی زمان او مکان او فی حال دون حال کوئی قید نہین ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الے صراط مستقیم۔

۲۶۔دربارہ سود کے مال سے تنخواہ جائز ہے یانہین

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ جن انگریزی دفاتر مین تنخواہین بنک کے سودی روپیہ سے ملازمین کو دیجاتی ہین اونہین باوجود یقین وعلم کے ملازمت کرنے کا جواز اور ضعیف سے ضعیف تاویل وتوجیہ سے اوس روپیہ کی اباحت شریعت سے ثابت ہوسکتی ہے یانہین۔

الجواب

ربوا کی حرمت ایسی منصوص وقطعی الثبوت ہے کہ کسی مسلمان کو جرأت نہین اور نہ ہوسکتی ہے جو اوسکو مباح کر سکے جن حضرات نے ان دیار کو دارالحرب سمجھ کر ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کے اس فقرہ کے بھروسہ (لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب) ربوا وسودخواری کو مباح کہا اور کفار سے سود لینا جائز قرار دیا میرے نزدیک منشاء صحیح اس رائے کا اون حضرات کا قلت تدبر ہے اور بدوجہہ یہہ رائے اون حضرات ضرور نا قابل تسلیم ہے۔اول یہہ کہ بعض علماء انہی دیار کو دارالحرب کہتے ہین اور ممکن دلو مرجوحا یہہ کہنا اونکا صحیح ہو اور مُسلّم اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) پس ہوتے ہوئے اس احتمال مخالف کے دارالحرب ہونا ان دیار کا کیونکر ثابت اور جب دارالحرب ہونا دیار کا خود ثابت نہین تو حلت ربوا جو اوسپر مبنی ہے کیونکر صحیح۔دوسرے یہہ کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی عبارت سے یون سمجھنا کہ مسلمان دیارنا کو کفار سے ربوا لینا صحیح ہے ہرگز صحیح نہین یہہ حکم اباحت ربوا اون اہل اسلام کے ساتھہ مخصوص ہے جو دراصل دارالاسلام مین اقامتہ پزیر ہون اور کفار دارالحرب سے امان لیکر چندے ربوا دارالحرب مین قیام عارضی کرین اور دوبارہ معاہدہ راسخ چونکہ وہ اہل اسلام خود دارالاسلام کے رہنے والے ہین اور بحق مسلمانان دارالاسلام منجملہ اہل غزا ہین مال کفار مباح الاصل۔لہذا اون مسلمانان دارالسلام کو جائز کہ بحکم اباحت اصلیہ مال کفار تو لے لیس من الحیل مثلا بحیلۃ الربوا کفار سے لیکر متمتع ہون نہ یہ کہ اہل اسلام کہ خود پناہ گزین اہل حرب ہین اور علے سبیل الدوام اقامتہ گزین دارالحرب والحکم پناہ وحمایۃ اہل حرب خود کفر ظلی کے مورد یہہ لوگ کیونکر مستحق اس انعام اباحت کے ہوسکتے ہین ہرگز نہین ہرگز نہین فقہا علیھم الرحمہ

نے مال اہل حرب کا مباح الاصل ہونا خود اس حکم اباحت کی دلیل گردانی ہے اور محشیان وشارحین ہدایہ نے تحت ہذہ العبارت بطور تحشیہ تصریح کردی المراد منہ (ای من المسلم ہو المسلم الذی دخل دار الحرب بامان) بالجملہ ربوا بیشک حرام ہے اور ہرگز مفید ملک نہین اور ضرور واجب الرد ہے اوسکی خالص آمدنی سے تنخواہ لینی جائز نہین۔ ہان اگر یون ہو کہ جسکی نوکری کیجائے اس کی یہ آمدنی حرام وناجائز حلال وجائز روپے سے مخلوط ہو اور حلال اس پر غالب یا وہ شخص حلال روپے سے قرضاً تنخواہ دے اور پھر وہ قرضہ کو دوسری آمدنی سے ادا کردے تو خیر کہہ سکتے ہین ایسی حالت مین اوس تنخواہ کا لینا جائز ہوگا ورنہ بیشک آخذ ربوا حرام ہے اور اوسکی خالص آمدنی سے تنخواہ لینی نیز ناجائز ہے۔ واللہ علم بالصواب

۲۷۔ دربارہ بصورت خوف جانی ومال
<u>معتدہ کو انتقال من بیت الزوج</u>

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ ایک مساۃ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ صاحب جائداد تھا اوس متوفی کے بھائی بھتیجے یہہ چاہتے ہین کہ کل جائداد پر ہم قابض ہوجائین اور مساۃ مذکورہ کو ترکہ کچھ ندین اور یہان پر مساۃ کا کوئی عزیز اقارب بھی نہین جو اوسکی مدد کرسکے اب بوجہہ خوف جان قبل ختم ہونے عدت کے اپنے بھائیون کے مکان جاوے اور وہان پر آکر عدت پوری کرسکتی ہے یا نہین۔

الجواب

بحالت اندیشہ جان و مال یا بحالت خوف سارقین یا خوف زنا بالجملہ بحالت ضرورۃ شرعیہ عورت متوفی عنھا زوجھا کو جائز ہے کہ بیت زوج سے نکل کر دوسرے مکان مین عدۃ پوری کرلے۔ فی الفتاوی قاضی خان (الحرۃ المسلم فی عدۃ طلاق او فرقۃ سوی الموت لاتخرج ولانہارا الا بضرورۃ من خوف انہدام اوحرق اوضاع مال) حاصل یہ ہے کہ بصورت خوف وبضرورۃ شرعی

انتقال من بیت الزوج جائز ہے۔ واللہ علم بالصواب

۴۸۔ درباره تارک الجمعہ والجماعت

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ زید بلا عذر شرعی تارک الجمعہ والجماعت ہے ایسے شخص کی نسبت شرع مین کیا حکم ہے اور کیا وعید احادیث مین وارد ہے۔

الجواب

اداء صلوۃ بالجماعت علے قول الامام الاعظمؒ سنت مؤکدہ عملا کالواجب ہوتی ہے اور علے سبیل العادۃ بغیر عذر شرعی جو تارک اوسکا ہو بحکم حدیث صحیحہ وشناعت حضور سرور عالم ﷺ سے محروم۔

امام احمد علیہ الرحمہ جماعت کو فرض فرماتے ہین اور اداء صلوۃ بغیر الجماعت ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ قرآن پاک مین دوبارہ جماعت بصیغہ امر یون تاکید (ورکعوا مع الراکعین) حدیث نبوی مین یون وارد ہے تارکان جماعت کے گھرون کو آگ لگانیکو جی چاہتا ہے مگر بلحاظ اہل وعیال واطفال جو بے خطا ہین درگزر کرتا ہون۔

کہین یون ارشاد ہوتا ہے (من ترک الجمعۃ والجماعۃ ختم اللہ علے قلبہ او کما قال) بالجملہ جماعت از جملہ مؤکدات مین سے ہے اور تارک اسکا مستحق زجر شدید۔ بیشک مخالفین دین جماعت کو کافر جاننا یا منافق یا آثار کفر یعنی ختم اللہ علے قلبہ کا اوسپر ترتب کرنا بہت خطرناک ہے اہل ایمان کے حق مین اس سے زیادہ اور کیا وعید شدید ہوسکتی ہے اعاذنا اللہ منہ سائر المسلمین منہ۔

بالجملہ ترک جماعت بلا عذر شرعی کسی طرح جائز نہین درصورت ترک عذاب آخرت اور حرمان شناعت کا اندیشہ قوی ہے۔ مسلمان پر لازم کہ عذاب آخرت سے ڈر کر سچی توبہ کرے اور بغیر عذر شرعی کسی حال مین عسرا و یسرا تا وسع وامکان جماعت نہ چھوڑے۔ (ان بطش ربک لشدید) واللہ علم بالصواب

۲۹۔ درباره عدم تفصیل مہر مؤجل ومعجل

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مین کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوااور نکاح کے وقت مہر ایک مقدار خاص کے ساتھ مقرر ہوا مگر حسب رواج قدیم مؤجل باہمزہ یا معجل بالعین ہونے کی کچھ تصریح نہوئی اور مطلق مہر رہا۔ ہندہ کے زید شوہر سے اولاد بھی موجود ہے اندر بصورت مہر زوجہ بوجہ عدم اتفاق باہمی یا کسی دوسری بناپر زید شوہر سے اپنے کل زرمہر کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہین اور شرعا وہ مجاز مطالبہ ہے یا نہین۔

الجواب

مہر بنفس العقد واجب علے الزوج ہو جاتا ہے اور یہہ وجوب وجوب شرعی ہے یہہ ہی وجہہ کہ عقد النکاح ذکر مہر وعدم وذکر دونون برابر ہین بہر حال مہر واجب فی الہدایہ (ثم المہر واجب شرعا امانۃ بشرف المحل فلا یحتاج الے ذکرہ بصحتہ النکاح) یعنی مہر کو بضرورۃ اظہار شرف محل خود شرع نے واجب فرمایا ہے اور چونکہ من جانب شرع مہر واجب ہے لہذا بغرض صحتہ النکاح زوجین کا عند العقد مہر کا ذکر کرنا ضروری نہین اور وطی یا خلوۃ صیحہ یا موت احد الزوجین کے بعد وجوب اوسکا مؤکد ہو کر کل مہر واجب الادا ہو جاتا ہے فی الفتاوی عالمگیری (والمہر یتاکد باحد ثلثہ معان الدخول۔ والخلوۃ الصحیحہ وموت احد الزوجین) یعنی منجملہ تین امور کے اگر ایک بھی مرتبہ وقوع آجائے وجوب مہر مؤکد ہو جاتا ہے بصورۃ مستفسرہ چونکہ زوجہ صاحب اولاد ہے کل مہر ذمہ زوج، واجب الادا ہو گیا۔ پس مطالبہ اوسکا نیز صحیح۔ منجانب زوجہ اگر تاجیل ہوے یعنی زوجہ اپنے مہر کو مؤجل کردے تو ہوسکتا ہے فی الہدایہ (کل دین حال اذا اجلہ صاحبہ صار مؤجلا) یعنی ہر وہ دین کہ جس کا ادا کرنا فی الحال واجب ہو بعد مؤجل کرنے صاحب الدین کے مؤجل ہو جاتا ہے۔ اور قبل گزرنے اوس کے جس کی مہلت دی گئی ہے اوسکا مطالبہ نہونا چاہیے۔ صورۃ مستفسرہ مین چونکہ عند العقد مہر کو مطلق چھوڑا ہے یعنی معجل یا مؤجل ہونے دونون سے کلام ساکت ہے بعد رواج قدیم نیز اوسکے موافق پس ہندہ یعنی زوجہ زید کو اختیار ہے جب چاہے اور جس وقت چاہے اپنے کل

حق کا مطالبہ زید شوہر سے کرے۔

فی البدایہ نقلا عن النحایۃ قال ابو یوسف ؒ (انّ موجبُ النکاح عند الاطلاق تسلیم المہر عینا اودینا) یعنی وقت اطلاق مہر یعنی بحالت کہ مہر مطلق ہو معجّل بالعین یا مؤجل باہمزہ ہونے کی قید اوسکے ساتھ نہ ماخوذ ہو مقتضائے عقد نکاح یہ ہے کہ زوج مہر کو زوجہ کے حوالہ کردے اور اوسکے ادا سے فارغ ہو بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک بصورۃ مؤجل ہونے مہر کے زوجہ حق رکھتی ہے کہ اپنے حق کا مطالبہ کرے اور تا اداء مہر اپنے کو زوج کے پاس جانے سے روکے وعن الثانی ابو یوسف ؒ (لہا نفسہ ان اجلہ کلہ وبہ یفتی استحسانا) وعن الصدر الشہید فی الشامیہ (قال فی مسئلہ التاجیل البعض ان لہ الدخول فی دیارنا بالاخلاف لان الدخول عند اداء المعجل مشروطا عرفا وصار کالمشروط نصا امافی التاجیل الکل فیصر مشروطا لاعرفا ولانصا فلم یکن الدخول علےقول الثانی استحسانا وبہ یفتی) یعنی بحکم عرف اگر بعض مہر کو مؤجل بہ میتزہ کہا جائے تو زوجہ اپنے نفس کو زوج سے نہین روک سکتی زوج بعد اداء اوس مقدار کے جو اوسنے معجّل دینا اپنے ذمہ لیا تہا زوجہ سے وطی کرنے کا حق رکہتا ہے اور بحکم عرف گویا مشروط ہے کہ بعد اداء معجّل زوج کو وطی سے نہ روکا جائے والمشروط عرنا کالمشروط نصا۔ مگر مہر بہ تقدیر تاجیل الکل یعنی بصورۃ مؤجل ہونے کل مہر کے یہہ شرط نہین نہ عرفا نہ نصا پس قول امام ابو یوسف ؒ پر بحکم قیاس استحسانی تا اداء کل مہر زوج وطی نہین کرسکتا اور زوجہ کو حق ہے کہ بغیر اداء مہر زوج کی وطی سے روکے اور فتوی قول امام ابو یوسف ؒ پر ہے وہوالاحق بالاخذ فان الاستحسان مقدمٌ علے القیاس۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۳۰۔ دربارہ سفر حج عورت بغیر محرم ووصولی اخراجات زائد وازڈگری

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ عورت باوجود اپنے شوہر اور بھائی کی موجودگی کے اور کسی رشتہ دار مستورات کے جنکے ہمراہ یہہ سفر کرنا چاہتی ہے محرم ہین لیکن اسکے محرم نہین اس صورۃ مین اگر حج کیا جائے تو کیسا ہے اور ادا ہوگا یا نہین۔

۲۔زمیندار جو کاشتکاران پر بقایا لگان کی نالشات دائر کرتا ہے اور اپنے پاس سے اس کے متعلق خرچ کرتا ہے تو عام طور پر عدالت سے جو زمیندار کو ڈگری خرچہ کی دیجاتی ہے وہ خرچہ ڈگری زمیندار کے خرچ شدہ رقم سے بہت ہی کم ہوتی ہے کیا اس حالت مین زمیندار کو جائز ہے کہ وہ خرچہ زائد موافق حساب کر کے مطالبہ لگان مین بڑھادے اور اوسکو سود کے نام سے منسوب کردے اسلئے عدالت سے سود کے ساتھہ ڈگری ملتی ہے اور کسی دوسرے طریقہ سے ڈگری نہین ملتی باوجود یکہ زمیندار کی نیت سود لینے کی ہرگز نہین ہے لیکن اوس خرچ زائدہ کے نقصان سے بچنے کے لئے یہہ ذریعہ اوسکے لئے جائز ہوگا یا نہین۔

الجواب

گو بعض روایات فقہیہ سے صورۃ مستفسرہ کے اجازت نکلتی ہو مگر یہ زمانہ پر آشوب ہے اور زناء ودائی زناء سے بچنا دشوار ہے ایسے حالات مین عورت کا بغیر محرم سفر کرنا کسی طرح جائز نہین حدیث صحیح (لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر تسافر مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیہا الا معہا محرم) اصل مذہب یہہ ہی ہے کہ عورت کے لئے وجوب حج کے بارہ مین محرم کا ہونا شرط ہے فی فتاوی قاضی خان (ولایثبت استطاعت المرأۃ اذا کان بینہا وبین مکۃ مسیرۃ سفر ثابتۃ کانت او عجوزۃ الا بحرم) وعند الشافعیؒ یجوز لہا المسافر بغیر محرم فی فقہیہ لہا نساء ثقات۔ باالجملہ بصورۃ مستفسرۃ عندا امامنا الاعظمؒ عورت کو سفر کرنا جائز نہین۔

۲۔خرچہ کا روپیہ مدعا علیہ سے لینا علماء کو اسمین خلاف ہے اوسکی ضرورۃ کی بنا پر سود کا فیصلہ کیونکر صحیح ہوگا نیز عدالت سے خرچہ ضروری دلوایا جاتا ہے البتہ اپنے کام کی جلدی مین یا کسی اور ضرورۃ سے مصارف جو قانونا جائز ہین اور اہل معاملہ کو پیش آتے ہین وہ عدالت سے البتہ نہین دلائے جاتے۔وہ خود کسی طرح ضروری نہین اونکو اس مرتبہ ضروری سمجھنا کہ ہر حال وصول کیجائین ولو بحیلۃ ربوا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے باالجملہ میرے نزدیک معہ حیلہ صحیح نہین ہرگز نکیا جائے بے شک ایمان کا یہ مقتضاء کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے ہر طرح حذر رہے سود خواری معاصی عظیمہ مین سے ہے

اوس سے بدرجہ اولے حذر کیا جائے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۳۱۔ دربارہ صلوۃ الجمعہ فی القریہ

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ دو گاؤن جو قریب قریب آباد ہین اور بمنزل واحد کے ہین نمازی تقریباً اسی نوے آدمی ہون گے ایک مسجد بھی ہے اور موٹا کپڑا بھی ملتا ہے ایسے گاؤن مین عندالشرع صلوۃ جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہین مدلل بیان فرمایا جائے۔

الجواب

حدیث مین وارد ہے (لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع) وبحکم ہذا الحدیث امام ابوحنیفہؒ وجوب نماز جمعہ وعیدین کیواسطے مصر ہونا شرط ہے۔ مصر کی تعریف کے بارے مین علماء کے اقوال مختلف ہین تیسرا علے الامتہ ولاتہ للجمعۃ (فانہا من آثار شوکت الاسلام ومن شعائر العظمت للمسلمین) فی زماننا اس تعریف کو اخذ کیا جاتا ہے جس مین اکثر حوائج ضروریہ مل سکین اور اوسمین مکانات ہون اور چند مساجد اور آبادی اہل اسلام استقدر ہو کہ اگر وہ سب اہل اسلام جمع ہون تو اوس جگہ کے جو بڑی مسجد ہو وہ اوس جماعت اہل اسلام کو نا کافی ہو اور ظاہر کہ اس تعریف کے موافق قصبات اور بڑے گاؤن جسکو عرفاً بڑا گاؤن کہین جیسے رجب پور۔ اوجھاری وغیرہ بحکم مصر ہین اور نماز جمعہ وعیدین اوسمین صحیح۔ صورۃ مستفسرہ اس تعریف کے موافق فی حکم المصر نہین ہوسکتی لہذا مقلدین امام اعظمؒ کو اوسمین جمعہ وعیدین کا پڑھنا صحیح نہین۔ چاہے جو قصبہ قریب ہو اور بعد اداء نماز جمعہ اوس سے واپسی آسان اور بہ سہولت اپنے گاؤن مین شب باشی ہونا متوقع اوس قصبہ مین جا کر نماز جمعہ ادا کرین۔ ورنہ ظہر کی نماز پر اکتفا کرین۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۳۲۔درباره قیام امام دارالحرب

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ مقتدیونکے اول صف کے درمیان امام جماعت کھڑا ہوسکتا ہے یا نہین؟

الجواب

امام کا وسط صف مین کھڑا ہونا مکروہ ہے آگے کھڑا ہونا چاہئے لفظ امام خود تقدم کو چاہتا ہے البتہ اگر جماعت عورت کی ہو اور عورۃ امام ہو تو بلحاظ زیارت ستر وہ وسط مین کھڑی ہوسکتی ہے۔ (اگرچہ یہہ جماعت مکروہ ہے)

سوال نمبر۲

امام جماعت صف سے کم از کم کسقدر فاصلہ پر اور زیادہ سے زیادہ آگے بڑھ کر کسقدر فاصلہ پر کہڑا ہوسکتا ہے۔

الجواب

اسقدر کہ پیچھے اوسکے مقتدیون کو سجدہ مسنونہ کرنا سہل ہو۔

سوال نمبر۳

تنگی جگہ وغیرہ کی وجہ سے امام جماعت مقتدیونکی صف سے کم وبیش ایک بالشت آگے ہووے اور اس وجہہ سے امام جماعت نے دائین بائین دو مقتدیون کا کندہے سے کندہا ملا ہوا اور کسقدر فاصلہ ہو تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہین۔

الجواب

بحکم الضرورۃ بحالت تنگی مسجد اور ہجوم جماعت یہہ صورت جائز ہوگی ورنہ مکروہ۔

سوال نمبر۴

وضو کرنیکی نالی کے اندر کی طرف کنارے بر فرش وضو کے مستعمل پانی سے بھیگ گیا ہے اوس بھیگے ہوے فرش پر کھڑے ہو کر نماز جائز ہے یا نہین اور اوس مستعمل پانی سے بھیگا ہوا کپڑا پاک ہے یا نہین۔

الجواب

وضو کا پانی علے القول الراجح پاک ہے وہ طاہر ہے البتہ مطہر نہین پس نہ بھیگا ہوا کپڑا ناپاک اور نہ جگہ تر شدہ نجس۔

سوال نمبر۵

اکثر مسجدونکی پچھیت مین اندر کیطرف قد آدم سے زیادہ بلند محراب ہوتی ہے جس جگہ امام جماعت سجدہ کیا کرتا ہے اور ایک محراب ہوتی ہے جس کے نیچے امام جسکو اکثر مقتدی دیکھتے ہین کہڑا ہوتا ہے یہ امام جماعت کا کھڑا ہونا کیا کسی صورت مین ناجائز ہے اور اسطرح پر مسجد کے نکلنے کے دوران مین بھی دو محرابین ہوتی ہین کیا ان دونون محرابون مین امام کو کھڑا ہونا چاہیے۔

الجواب

یہود و نصاری کے معابد مین امام کے کھڑے ہونیکی جگہ بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور ظاہر کہ تشبیہ بالیہود والنصاری مذموم و ممنوع۔ پس اگر محراب مسجد حقیقۃ علیحدہ ہو قیام امام ایسی محراب مین ضرور ناجائز اور اگر حقیقتہ علیحدہ نہ ہو بلکہ فی الجملہ صورۃ علیحدگی ہو کما ہو المتعارف فی اکثر المساجد تو بوجہ اشتباہ بالتشبہ عند البعض قیام فی المحراب نیز مکروہ ہے کہ امام صف اول کے اکثر مقتدیون پر مخفی نہ ہو اور بے حجاب نظر نہ آوے تو ان کے نزدیک وہ سب اول صورتین جسمین اخفا لازم ہو مثلاً قیام فی المحراب یا قیام امام بین الجدارین یا میان درہائے مسجد سب مکروہ ہین اور خلاف عمل امتہ الا بضرورت ضیق المکان وہجوم الجماعتہ۔

بالجملہ وہ محراب درون جوقد آدم سے زیادہ بلند ہے اوسمین قیام امام ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اور دوسری محراب مین بوجہہ اخفاء امام اور نیز بوجہہ تشبہ التشبہ مکروہ اور علی ھذا در ہائے مسجد مین قیام امام مکروہ اور ترک اوٹ۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۳۴۔ دربارہ طلاق جواب

جس خط کی نسبت مرد یعنی زوج نے سب مجسٹریٹ ومنصف کے روبرو اپنی دستخطی ہونے کا اقرار کیا ہے اوسمین صاف وصریح یہہ فقرہ موجود ہے اس طلاق والی عورت کا کونسا حق ہے اور وہ وثیقہ کہ دوسری عورت سے جب اوسنے نکاح کیا ور اوسکے باپ کو وثیقہ لکھ کردیا اوسمین یہہ تصریح کہ مین پہلی عورت کو طلاق دیدیا ہون یہہ دونون لفظ از جملہ الفاظ صریحہ ہین اور الفاظ صریحہ کا یہہ حکم کہ بمجرد الصدور طلاق واقع و مستحق نہ عزم وارداہ کی حاجت نہ نیت کی ضرورۃ ہذلاً وجداً یہہ طلاق ثابت خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے فرماتے ہین (ثلث جدھن جد وہذلہن جد النکاح والطلاق والعتاق) بالجملہ وقوع طلاق مین کوئی تردد نہین۔ فقہا علیہم الرحمۃ کے نزدیک کتابت نیز فی حکم التلفظ ہے۔ فی درالمختار علے فتاوی الشامیہ (کتب الطلاق ان مبینا علے نحو یوم وقع ان نوی وقال فی حاشیا الدر المختار المشہورہ بالفتاوی الشامیہ (ان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی وان لم ینو) وقال فیہا فی مقام آخر (یعنی بالمرسوم ان یکون موہودا معتوبا قبل مایکتب الے الغائب) چونکہ یہہ خط اپنے خسر صاحب کا نام لکھکر بھیجا ہے تو اوسکا مرسوم ہونا ظاہر بالجملہ الفاظ مذکورۃ الصدر سے ضرور طلاق واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ دونون مرتبہ لفظ طلاق صریح کا اطلاق ہوا ہے طلاق رجعی واقع ہوئی لیکن اس کے بعد پہنچنے اس خط کے فیمابین زوجتین مفارقت واقع ہوئی اوسکو مدت سہ سالہ گزرگئی لہذا وہ طلاق بحکم طلاق بائن ہے اسلئے کہ طلاق رجعی بعد گزرنے مدت عدۃ کے بائنہ ہوجاتی ہے۔ اسوقت عورت یعنی اوس زوجہ مطلقہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اور زوج اول پر بغیر نکاح جدید حلال نہین۔ واللہ علم بالصواب

۴۴۔ دربارہ پردہ نابینا جواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرد بینا ہو یا نابینا بشرطیکہ غیر محرم ہو پردہ کرنا اوس سے ضرور ہے جیسے مرد کو اجنبی عورت کا دیکھنا جائز نہین عورت کو بھی مرد اجنبی کا دیکھنا ناجائز ہے۔ پس مرد اگر نابینا ہے تو عورت تو نابینا نہین اوپر مرد نابینا سے پردہ کرنا ضرور ہے۔ جو شخص اپنی منکوحہ وغیرہ کو اجنبی مرد کے سامنے آنے دے اور اوسکو گوارہ کرے گو ناجائز جانے وہ شخص فاسق ہے لائق اسکے نہین کہ اوسکو امام بنایا جائے مقتدی لوگ خود مرتکب اسکے ہون یا نہون امام پر لازم کہ وہ اپنے طریقہ سے توبہ کرے اور اپنی عورت کو ہر اجنبی سے پردہ شرعی کے ساتھ رکھے ورنہ ضرور گنہگار ہے اور لائق اسکے امام نہ بنایا جائے۔

۴۵۔ دربارہ طلاق

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے نصیحۃً کہا کہ فلان عورت کے مکان پر کیون جاتا ہے۔ شخص مذکورہ نے کہا کہ وہ عورت میری زوجہ ہے۔ شخص مذکور نے بھائی سے سنکر کہا کہ تیری زوجہ منکوحہ اور تیری اولاد کہان جائین اوس شخص نے کہا مین نے طلاق دیا اور لفظ طلاق ایک بار کہا اور لفظ دیا دو یا تین بار کہا باہر نکلنے پر شخص مذکور نے طلاق سے انکار کیا اور کہا مین نے بھائی کے دھمکانے کی غرض سے کہا تہا مین اپنی زوجہ سے ناراض نہین ہون نہ مین اوسکے مخاطب ہون اب فرمایئے کیا طلاق واقع ہوئی یا نہین اگر ہوئی تو رجعی یا بائنہ یا مغلظہ۔

جواب

وقوع طلاق کیواسطے بے شک خطاب الے الزوجہ یا اضافت الی الزوجہ ضرور ہے اور جو الفاظ منجانب شخص مذکور فی السوال نقل کیے گئے ہین اونمین نہ اضافت الے الزوجہ ہے اور نہ خطاب مگر چونکہ یہہ الفاظ مذکورہ یعنی مین طلاق دیا بجواب اس فقرہ کے کہے ہین کہ تیری زوجہ منکوحہ اور

تیری اولاد کہان جائین اور ظاہر ہے کہ جواب کا مطابق سوال ہونا چاہیے گو اضافت الے الزوجہ صراحۃً مذکور فی العبارت نہیں۔ مگر بقرینہ سوال مذکور معناً وحکماً ضرور مذکور ہے اور اضافت معنویہ وقوع طلاق کے بارہ مین کافی ہے لہٰذا اطلاق بے شبہ واقع لیکن چونکہ لفظ طلاق ایک بار مذکور ہے اور لفظ دیا جو دو تین بار کہا ہے وہ ظاہر لفظ اول کی تاکید پس ایک طلاق رجعی واقع ہوگی مگر معلوم ہوا کہ عورت کو وقت طلاق حمل تھا اور اب چند ماہ گزرے جو وضع حمل ہو چکا تو چونکہ حاملہ کی عدۃ وضع حمل ہے اور بعد گزرنے عدۃ کے طلاق رجعی بحکم طلاق بائنہ ہے تو لازم کہ فیما بین زوجین اگر وہ دونون باہم راضی ہون تو نکاح جدید کردیا جائے بغیر تجدید نکاح زوجہ مذکورہ شوہر مذکور پر حلال نہین۔ واللہ علم بالصواب

۳۶۔ دربارہ بوسیدن ابہام درآذان

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ آذان مین بوقت نام پاک رسول ﷺ کا سنکر انگوٹھا چومنا اور آنکھ سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا۔ جواب صاف حدیث صحیح مع ترجمہ حدیث مرحمت فرمایا جائے۔

جواب

نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل جو احادیث اسبارہ مین نقل کیجاتی ہین اور جن روایات کے بھروسہ تقبل ابہام کو سنت یا مستحب سمجھا جاتا ہے وہ جملہ بہ تحقیق محدثین نامعتبر ہین بلکہ از جملہ موضوعات۔ امام شوکانی کتاب فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ مین تحریر فرماتے ہین (من قال حین یسمع اشھدان محمد الرسول اللہ مرحبا حبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علے عینیہ لم یعم ولم یرمد ابدا) قال فی التذکیرہ لایصح اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن مقاصد السنہ فی احادیث المشتہرہ علے السنہ مین تحریر فرماتے ہین لایصح فی المرفوع من کل ہذا شئے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے تذکرہ الموضوعات مین ان احادیث کو از جملہ

موضوعات تحریر فرمایا ہے۔

روایات فقہ جواسکے استحباب مین خزانت الروایات یا کنز العبادات وغیرہ مین نقل کیجاتی ہین وہ بھی نامعتبر ہین کتب متداولہ ومعتبرہ عندالعلماء مین کہین اس قسم کی روایات کا پتہ نہین اور خود یہہ کتابین جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام انکے اوپر مرقوم ہوے عندالعلماء نا معتبر ہین۔ ان کتب مین رطب ویابس کو بلاتنقیح جمع کردیا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب لکہنوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ النافع الکبیر مین اسی مضمون کو مفصل لکھا ہے باالجملہ مسئلہ تقبل ابہا مین ایک بے اصل مسئلہ ہے احادیث صحیحہ وروایات معتبرہ کے بالکل خلاف ہے۔ واللہ علم بالصواب

۳۷۔ دربارہ تکرار جماعت جواب

امابعد بندہ نحیف خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامروہی غفرلہ بہ خدمت برادر مکرم جامع کمالات جناب مولوی عبدالجلیل صاحب سلمہ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامہ پہنچا ممنون فرمایا۔ چونکہ فی الجملہ علیل تھا اور نیز برادر زادہ نوجوان جسکی عمر اٹھارہ سال کی ہے اور اپنے باپ کے ایک ہی تھا اور اس بناء پر سبکو عزیز تہا اچانک بیمار ہوا اور فوراً انتقال کرگیا اسلئے تمام خاندان پر وہ صدمہ ہے کہ لائق بیان نہین۔ دعا فرمایئے کہ رب کریم اوسکی مغفرت فرمائے اور وابستگان کو صبر کے ساتہہ نوازے اور اوسکے والدین کو نعم البدل عطا فرمائے آمین

مع ہذا ہجوم کار متعلقہ ان وجوہ سے جواب نامہ مین دیر ہوئی معاف فرمایئے۔

اب سنئے از جملہ شرائط جمعہ جماعت نیز ہے اور علے مذہب الاصح تکرار جماعت فی مسجد واحد مکروہ ہے۔ حضرت انسؓ جو حضور نبی کریم ﷺ کے خاص خادم ہین اور دس سال کامل شرف صحبت اور تشرف حضوری سے مشرف رہے ہین روایۃً فرماتے ہین (کانوا اصحاب رسول اللہ صلعم اذا فاتہم الجماعت یصلون فرادیٰ) وجناب ختمی مآب علیہ انوار صلوۃ وسلام ایک مرتبہ گروہ

انصار مین جو ایک مناقشہ تھا فیما بین ان کے مفرض مصالحت تشریف لے گئے تھے اتفاق سے تشریف لانے مین دیر ہوئی تو گروہ صحابہ نے انتظار کر کے نماز با جماعت پڑھ لی آپ جب تشریف لائے چونکہ مسجد مین نماز با جماعت ہو چکی تھی باوجودیکہ مسجد نبوی ﷺ مین نماز جماعت سے ادا کرنا کیسا کچھ موجب فضل ہے اور خود سرور عالم ﷺ کیسے کچھ حریص الطاعۃ مگر بوجہ مکروہ ہونے جماعت ثانیہ کے اپنی مسجد مین جماعت کا تکرار نفرمایا اور اندر مکان کے تشریف لیجا کر گھر کے لوگون کو جمع کیا اور ان کے ساتھہ جماعت سے نماز ادا کی۔

فقہا علیہم الرحمہ جو یون لکھتے ہین (واذا اعید الجماعۃ باذان واقامۃ فیک اللہ فلا) اس عبارت سے تکرار جماعت کو جائز سمجھنا اہل فہم سے مستبعد ہے پر ظاہر ہے پہلے فقرہ مین جس کراہت کو ثابت فرمایا دوسرے فقرہ والا فلا مین اوسکی نفی فرماتے ہین اور یہہ مسلم اور نیز مصرح کہ اعادہ جماعت باذان واقامۃ مکروہ تحریمی ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اعادہ جماعت بغیر اذان واقامۃ مکروہ تحریمی نہین۔ باقی کراہیۃ تنزیہی وہ بحال خود کما ثبت من فعل ﷺ ومن فعل الصحابہ لفظ لاباُس وبباح چونکہ مکروہات تنزیہہ پر نیز اطلاق ہوجاتا ہے لہذا البعض نے اعادہ جماعت کو لاباُس وبباح جان کر تعبیر کیا۔

امام ابو یوسفؒ نے جو روایۃً جواز اعادہ جماعت مروی ہے مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ زاویہ مسجد مین بلاتداعی (یعنی بلا اعلان) ایک دو کے ساتھ ادا کیجائے۔ بالجملہ اعادہ جماعۃ باجماعت کثیرہ وبا تداعی حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے پس جماعت مسنونہ مشروعہ صرف جماعت اولے ہے نہ ثانیہ۔

لہذا جماعت ثانیہ شرعا کان لم یکن ہے اسلئے بعد ہونے جماعت کے اوسی مسجد مین تکرار جماعت جائز نہین بلکہ فقہا مین جسنے جماعت ثانیہ کو جائز بلا کراہتہ کہا کما ہو مذہب احمد واسحاق رحمہما اللہ تعالے ان کے نزدیک نیز جماعت ثانیہ برائے نام جماعت ہے جو ثواب عظیم جماعت پر موعود ہے اوسمین نہین اور جو وعید کہ ترک جماعت پر وارد ہے تارک جماعت اولے

داخل ہے۔

پس حقیقت مین جماعت گویا کسیکے نزدیک متحقق نہین اوس وعید مین اور وجود اوسکا گویا کان لم یکن جمعہ جسکی شرط سے جماعت ہے تکرار جماعت کے ساتہہ کیونکر ادا ہو۔ بیشک مکروہ ہے البتہ چونکہ جمعہ جامع الجماعات اور اسوجہہ سے فقہا کے نزدیک جواز تعدد جمعہ نیز مختلف فیہ ہے (کرہ ظہر معذور ومسجود بہ جماعت فی مصر یومہا لِانّ الجمعۃ جامعہ للجماعات فلا یجوز الا جماعۃ واحدۃ۔ الا یجوز الجمعۃ عند ابی یوسفؒ فی موضعین الا اذا کان لا جنبان فمصر فی حکم المصرین کبغداد فی جوز حینئذ موضعین دون الثلثہ وعند محمدؒ لاباس بان یصلی فی موضعین او ثلثۃ سواء کان لمصر جانبان اولم یکن بہ یفتی بالجملہ جمعہ جامع الجماعات ہے اور مسجد جامع نے اون جماعتہ کو کہ مساجد متفرقہ مین ہوتی ہین اپنے اندر جمع کرلیا ہے پس جیسی کہ مساجد محلہ نماز پنجگانہ کے واسطے مسجد جامع محل جماعت ہے اور موضوع الجماعتہ نہ بیوت محلہ علی ہذا اس نماز جمعہ کیواسطے مسجد جامع محل جماعت ہے پس جیسا کہ درصورت ترک جماعت فی مسجد محلہ تکرار جماعتہ فی مسجد محلہ مکروہ ہے علی ہذا درصورت فوت جمعہ فی مسجد جامع تکرار جمعہ فی مسجد جامع جائز نہین مکروہ ہے ہان اور مساجد محلہ مین سے جو کہ بمنزلہ بیوت محلہ نہین اگر کسی مسجد محلہ مین جمعہ ادا کیا جائے علے مذہب امام محمدؒ جائز ہے اس بیان اور تمثیل سے یہہ بھی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اداء جمعہ فی المسجد الجامع کیا کچہہ افضل ہے۔ مسجد جامع یا جس مسجد مین نماز جمعہ پڑہ لیا جائے چونکہ جماعت ثانیہ شرعا جماعت مسنونہ نہین بوجہ فوت ہونے صحت شرط کے اعادہ جمعہ صحیح نہین بلکہ مکروہ ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۲۸۔ دربارہ تعمیر مسجد از مال حرام

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ ایک جگہ ایک مسجد شکستہ ہے اور کوئی شخص ایسا نہین ہے کہ اوسکا تکفل ہوکر اوسکا بندوبست تعمیر کا کرے پس سب لوگ اہل بستی نے یہہ مشورہ کیا کہ اپنے اپنے حیثیت کے موافق ہر شخص چندہ دیوے مگر وہ لوگ سابق مین چوریان کرتے تھے اور

شہادت کاذبہ پر حریص اور جو کچھہ اسوقت جائداد یا سامان انکے پاس ہے اوی روپیہ مغصوبہ یا اجرت شہادت کاذبہ کا ثمرہ ہے مگر اب وہ لوگ تائب ہوگئے ہین اور نوکری وغیرہ کرتے ہین آیا اون لوگون کا روپیہ لیکر تعمیر مسجد مین صرف کیا جائے یا نہین نیز اسیطرح ایک شخص نوکری کرتا ہے اور کچھہ روپیہ سود پر دیا ہے اور اوس سودی روپیہ سے ایک شئی خریدی اب اوس شئی کی کمائی تعمیر مسجد مین لگائی جائے یا نہین اور وہ شخص یہہ بھی کہتا ہے کہ یہہ شئے مین نے اصل روپیہ مین لی ہے آیا اوسکا قول معتبر مانا جائے یا نہین

الجواب

چوری زناء وغیرہ مال حرام خالص ہے مسجد وغیرہ تعمیر کرنے یا اور مصارف خیر مین صرف کرنا شرعاً مستحق اجر نہ لائق قبول حدیث صحیح مین ارشاد ہے (انّ لا یقبل الصلوۃ بغیر طہور ولا الصدقۃ من غلول) یعنی نہ بغیر وضوء نماز اور نہ صدقہ وغیرہ مال حرام سے درست البتہ مناسب حال یون ہے گو یہ امید مقبولیت نہین مصارف خیر مین اپنے کی عادت رہے تا کہ آمدنی حلال کے وقت صرف فی سبیل اللہ ہو اور عادۃ بخل نہ پڑے۔ بالجملہ مال حرام سے مصارف نیک جائز نہین۔ اہل ملازمت کا نوکری کے روپیہ سے صرف کرنا اور اوس سود خوار کا اصل روپیہ صرف کرنا صحیح ہے اور تعمیر مسجد اوس روپیہ سے جائز۔ ہان خالص آمدنی مال حرام ہو یا غالب مال حرام ہو تو چاہے حلال مال ویسے قرض لیکر اور نیت یہہ رکھے کمائی وغیرہ کر کے حلال مال سے ادا کر دونگا یہہ روپیہ قرض لیا ہوا نیز تعمیر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے تاہم وہ روپیہ جو تعمیر مسجد مین اسنے قرض لیکر دیا تھا اوس سے تعمیر مسجد درست ہوگی۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۳۹۔ دربارہ تصرف غسلخانہ مسجد

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ زید نے ایک مسجد کے غسلخانہ کو جو بیرون احاطہ مسجد ہے اپنا مدفن قرار دیا اور بجائے اوسکے دوسرا غسلخانہ اپنے حصے سے آراضی موقوفہ مین

بنادیا غسلخانہ قدیم متصل مسجد در مسجد ہے اور جدید غسلخانہ تخمیناً دس بارہ قدم کے فاصلہ پر ہے اور غسلخانہ قدیم اور سقادہ کا الحاق ایسا تھا کہ غسل اور وضو کو ایک ہی مکتفی ہوجاتا تہا۔ سقادہ کی ایک ایک ڈاٹ دونون طرف ہے۔ جدید غسلخانہ کیوجہ سے بغیر گھڑے کے کارروائی نہین ہوسکتی اور باعث تکلیف ہے پس ایسی حالت مین غسلخانہ قدیم منہدم کرنا جائز ہے یا نہین۔

الجواب

بعد الوقف ولزومہ خود واقف ومتولی کو وہ تصرفات جائز نہین ہوتے جو علی خلاف شرائط الوقف ہون یا علی خلاف مصلحت الوقف ہون شخص غیر کو کیونکر جائز ہوگا کہ آراضی موقوفہ و آراضی متعلقہ مسجد کو اپنی کسی حاجت کے لئے معین کرے اور وہ بھی اس حالت مین کہ نہ مصلحت مسجد موافق ہو اور نہ اہل محلہ اوسپر راضی چنانچہ طرز سوال سے واضح ہے کہ اہل محلہ ومصلیان مسجد کو یہہ تصرف اوسکا باعث تکلیف ہے اسی بناء نوبت استفتاء پہنچی باالجملہ یہہ تصرف زید کا ناجائز ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۰۔ دربارہ سامان مسجد بہ مسجد آخر

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ اگر مسجد کے اوپر اور ایک درجہ بنا ہوا ہے اوسکو کسی خوف کی بناپر اتروادین یا فصیل کو علیحدہ کردیا جائے تو اس صورة مین اسمین سے جو اینٹین وغیرہ نکلی ہین اونکو کسی دوسرے مصرف خیر صرف کرسکتے ہین یا نہین۔

الجواب

جہان تک ہوسکے حوائج مسجد مین صرف کیا جائے اور جس مکان کو منہدم کیا ہے اوسکو ازسرنو تعمیر کیا جائے اور بصورت استغنا اوس مسجد کے نقل اوسکا دوسری مسجد کیطرف بھی جائز ہے نیز اگر کچھ معاوضہ لے لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۱۔ دربارہ ذبیحہ نذر غیر اللہ

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ جبکہ مفسرین نے تفسیر آیت (ما احل بغیر اللہ) مین قید عند الذبح کا اعتبار فرمائی تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور کو جو منذ ور غیر اللہ ہے بوقت ذبح صرف نام خدا لیکر ذبح کر لے اور نذر بغیر اللہ کی نیت باقی رہے اور حلال لغیر اللہ بوقت ذبح نکیا جائے تو کیا وہ ذبیحہ درست ہوگا اور کھانا اوسکا حلال اور جائز ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی کچھ قول صاحب تفسیر احمدی سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ قول فقہاء اور علماء بالکلیۃ اسکے خلاف ہے پس تطبیق کی کیا صورت ہے۔

الجواب

جو ذبیحہ منذ ور غیر اللہ ہو اور تادم ذبح نذر غیر اللہ باقی رہے اور صرف عادتاً بسم اللہ کہکر ذبح کیا جائے بے شک وہ ذبیحہ مثل اوس ذبیحہ کے ہے جو منذ ور غیر اللہ ہو اور نیز نام غیر اللہ پر ذبح کیا جاوے درست و جائز نہین اور کھانا اوسکا بحکم نص حرام ہے۔ باقی رہا شبہ قول مفسرین جواب اسکا یہہ ہے کہ حقیقۃ مین یہہ قول اور یہہ قید کسیطرح منافی قول اور مذہب فقہاء کے نہین ۔ تفصیل اسکی یہہ ہے کہ اس قید کے دو اعتبار ہین یا یہہ قید واقعی ہے یا احترازی درصورت واقعی ہونے قید ہذا کے معنے آیت شریفہ کے یہہ ہین کہ حقیقۃ مین یہہ آیۃ بحق مشرکین عرب نازل ہے اور چونکہ اونکا یہہ حال تہا کہ جو چیز جسکی نذر ہوا کرتی تھی اسکے نام سے ذبح کیا کرتے تھے یعنی منذ ور اللہ کو بنام اللہ اور منذ ور غیر اللہ کو بنام عینہ پس مفسرین نے ان کے حال کے موافق اسی قید واقعی کا اظہار کر دیا اور صورت مسئولہ سے کچہہ تعرض نہین ہان صورت مسئولہ بھی حکم آیۃ مطلقہ مین داخل ہے اور حالت قید بطور علت مشترکہ کہ اس جگہ عبارت نذر غیر اللہ سے ہے حکم حرمت مین شامل ہے اور بوقت قید احترازی یہ معنی ہونگے کہ جو چیز واسطے غیر اللہ بوقت ذبح حلال کیجائے ایسا ذبیحہ حرام ہے اور جائز نہین یعنی اگر ہنگام ذبح وہ حلال سابق کہ واسطے غیر اللہ کے تھا مبدل نہوا اور ہنوز نیت غیر اللہ تادم ذبح باقی رہے (جیسا کہ مسئولہ صورت) ایسا ذبیحہ ہرگز جائز نہین اور اگر بوقت ذبح وہ

نیت باقی نرہے بلکہ نیت کرنے والا تائب ہوکراپنی نیت سابقہ سے باز رہے اور نیت غیراللہ کی بہ نیت نذراللہ مبدل کردے بے شبہ وہ ذبیحہ درست اور صحیح ہے اور اوسکے کھانے مین کچھ کلام نہین۔

غرض دونون صورتوں مین صورت مسئولہ کی حرمت مین کچھ کلام نہین اور قول مفسرین بہمہ جہت موافق قول فقہا کے ہے اور صاحب تفسیر احمدی کے قول کی بھی یہی تاویل ہے اگر ہوسکے بہتر ورنہ نسیان مین ہو اور نسیان ممکن ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۲۔ دربارہ نذر چندہ بہ تعین مسجد خاص

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین ایک شخص نے نذر کی کہ فلان وقت اس مسجد مین اسقدر چندہ دونگا مگر جب اوس چندہ دینے کا وقت آیا تب اوس مسجد کو کچھ ضرورت باقی نہین رہی اب یہہ نذر کرنے والا دوسری مسجد یا کنوین یا کسی مدرسہ یا کسی دوسرے کار خیر مین اوسکو خرچ کرسکتا ہے یا نہین۔

الجواب

صورۃ مستفسرہ مین صرف اوس مقدار روپیہ کا دوسری مسجد بلکہ ہر مصرف خیر مین جائز ہے جو نذر کے متعلق باشرط نہ ہو اگرچہ اوسمین کوئی تعین زمان یا مکان وغیرہ ماخوذ کیا جائے معین نہین ہوتے مطلق ہی رہتے ہین اور بوجہ اطلاق اس کا علے خلاف تعین الناذر صرف کرنا صحیح ہے فی الدرالمختار (والنذر من اعتکاف اوحج اوصلوۃ اوصیام وغیرہا غیرالمعلق ولومعینا لایختص بزمان ومکان ودرھم فلونذر التصدق یوم الجمعۃ بمکۃ بہذا الدرھم علے فلان فخالف جاز) وفی الفتاوی الشامیہ (انما جاز لان الداخل تحت النذر ماھو قربۃ وھو اصل التصدق دون التعین فبطل التعین) بالجملہ چونکہ مقصود ایسے نذر مین تقرب اللہ ہے لہذا ہر مصرف خیر مین صرف جائز ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۳۔ دربارہ زوجہ مجنون یا مجذوم

اگر کوئی شخص مجنون ہو جائے اور کوئی صورت صحت وتندرستی کی نہو یا کوئی مرض جذام مین مبتلا ہو گیا اور دن بدن ترقی ہے اور زوجہ مجنون وزوجہ مجذوم کو کسیطرح کا عیش وآرام نہین ایسی صورۃ مین زوجہ مجنون یا زوجہ مجذوم صبر کرے اور نفس کشی کرے یا دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہین۔

الجواب

مجنون شرعا مرفوع العلم ہے کسی حکم شرعی کا وہ مورد نہین حدیث صحیح مین وارد ہے (رفع القلم عن ثلثۃ عن الصبی حتے مدرک وعن المجنون حتے یعقل وعن النائم حتے استیقظ) مجنون اگر طلاق دے واقع نہین ہوتی فقہا کے نزدیک یہہ مسئلہ اتفاقیہ ہے کسیکو اسمین اختلاف نہین پس مجنون کی بیوی کسیطرح علیحدہ نہین ہوسکتی صبر کرے اور اجر عظیم حاصل کرے۔ اور بعفت اور پاکدامنی کے ساتھ بسر کرے مستحق ثواب عظیم ہوگی۔ جذام مین جو شخص مبتلا ہے اوسکو چاہیئے طلاق دیکر اوس مسکین غریب کو علیحدہ کردے اگر وہ طلاق نہ لے عدالت سے چارہ جوئی کرے یا اوسکو معافی مہر اور کچھہ دیکر طلاق لیجائے۔ واللہ علم بالصواب

۴۴۔ دربارہ ملبہ مسجد

کیا فرماتے ہین علماء دین اس صورۃ مین کہ اگر مسجد کے اوپر ایک درجہ بنا ہوا ہے اوسکو کسی خوف کی بنا پر اتروا دیا جائے یا فصیل کو علیحدہ کردیا جائے تو اس صورۃ مین اوسمین سے جو اینٹین وغیرہ نکلی ہین اوسکو کسی دوسری مسجد یا دیگر مصرف خیر مین صرف کرسکتے ہین یا نہین۔

الجواب

جہان تک ہوسکے حوائج مسجد مین صرف کیا جائے اور جس مکان کو منہدم کیا ہے اوسکو ازسرنو تعمیر کیا جائے اور بصورۃ استغناء اوس مسجد کے نقل واسکا دوسری مسجد کیطرف جائز ہے والمسئلۃ مذکورۃ فی کتب الفقہ لا حاجت التصریح۔ نیز اگر کچھ معاوضہ لےلیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ علم بالصواب

۴۵۔ دربارہ وتر جماعت بغیر شرکت نماز عشاء

ایک شخص نے فرض عشاء و جماعت سے ادا نہین کیے اور تراویح جماعت سے پڑھی ایسے شخص وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہین۔

الجواب

جماعت وتر بلحاظ مشروعیہ الجماعۃ فی التراویح ہے نہ تابع جماعت فرض گو اس مسئلہ مین علماء کو اختلاف ہے مگر فی الصورۃ المستفسرہ وتر باالجماعت صحیح اور یہہ ہی قول راجح ہے اگر امام مع القوم فرض کو باالجماعت نہ ادا کرین تو جماعت وتر و جماعت تراویح دونون خالی از کراہتہ نہین میرے نزدیک قول فقہاء سے یہہ ہی مراد ہے۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۶۔ مطلب حدیث نوری من نور اللہ

مجیب نے جو اصل جواب تحریر فرمایا ہے اور دیگر حضرات علماء نے اسکی تصحیح فرمائی ہے مجھ بندہ نحیف کو ان سب سے اتفاق ہے ماشااللہ سب صحیح ہے۔ بے شک اضافتہ الشئی الے الشئی نہ عنیۃ کو مقتضی نہ جزئیۃ کو بلکہ فیما بین مضاف و مضاف الیہ مغایرہ ضرور اور اضافت الشئی الے نفسہ محال پس مضاف کا عین مضاف الیہ ہونا کیونکر صحیح ضرور باطل۔ رہا احتمال جزئیۃ سو مدار اضافت جزئیۃ پر نہین بلکہ اضافت لادنی مد دبستہ ہوسکتی ہے۔ علی ہذا لفظ (من) کو یہہ لازم نہین کہ تبعیضہ ہو اور جزئیت پر دلالت کرے پس لفظ من نور اللہ سے بہ تدلیل اضافت نور کو عین اللہ جاننا یا لفظ من کو دال علے الجزئیۃ قرار دینا دونون غلط ہین وہ باری عز اسمہ و جل شانہ نہ کسی شئے کا جزء نہ خود کسی شئی سے مرکب۔ کتب عقاید و کلام مین یہہ مسئلہ صراحت موجود اور عند اہل عقل قاضی مبارک۔ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی۔ ملاحسن نیز قول ماتن (لایحل ولایتصور) کی شرح ملاحظہ فرمائین۔ باالجملہ یہہ واہمہ جزئیت و عینیۃ بالکل غلط ہین اور نصوص شرعیہ اور عقائد حقہ کے بہمہ جہت خلاف (کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا) کیونکہ صحیح ہو پہلا فقرہ جو خود مقتضی نے نقل

فرمایا ہے اور گونی حدذاتہا وہ غلط ہے اور کسی روایۃ صحیح مین الفاظ وفقرہ اولے بعینا ثابت نہین مگر بہرحال از جملہ مسلّمات خصم ہین اوس فقرہ اولے مین یہہ ہی لفظ (من) موجود ہے اور علاہذا اضافۃ نورالے حضرت القدس یا الے ذات النبی الکریم صلعم تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمامی مخلوقات ساتہہ ولوکان کذا وکذا جزء نبی کریم ہے یا کل کو حضور کی ذات اقدس علاقہ عینیت ہے نہین نہین ہرگز نہین حاشا ثم حاشا

پس جیسا کہ عند السائل فقرہ اولے مین من تعلیلیہ ہے اور اس معنے کو مفید کہ تمامی کائنات کا وجود اوس خالق برتر نے بوساطت وجود محمدی کے مخلوق فرمایا ہے اور تشریفا واکراما اضافت النور الے حضرات شریف بہ دلالۃ کون حضرت العالیہ واسطاً فی الخلق اور جیسا کہ حضرت عیسی علیہ الصلوٰۃ السلام کو اکراما روح اللہ اور کعبہ کو تعظیما بیت اللہ کہا گیا علی ہذا نور محمدی کو نوراللہ اور نور محمدی کو اوس خالق برتر نے چونکہ بلاواسطہ کسی مخلوق کے صرف اپنی قدرۃ کاملہ سے مخلوق فرمایا ہے نہ مثل دیگر کائنات۔ اوسکی مخلوقیۃ مین خود وجود محمدی کو واسطہ فی الخلق ہونیکی عزت دی یہہ ہی وجہ ہے کہ آپ کے نور کی اضافت خاص اپنی ذات جلّت عظمتہ وتعالے شانہ کیطرف فرمائی اور لکون ذاتہ الشریفہ واسطہ فی الخلق نور خلائق کی اضافت الے حضرت الاقدس ہوئی۔ دوسری روایۃ مین دیکھیئے ملائکہ مقربین کا مخلوق مین النور ہونا مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ نور سے نوراللہ مراد تو کیا ملائکہ کو جزء باری تعالے کہہ سکتے ہین نہ انکو عین اللہ قرار دے سکتے ہین (تعالے شانہ وجلت عظمتہ عن ذالک کلہٖ) اصل یہہ ہے کہ خود باری عزوجل واجب الوجود اور تمامی مخلوقات کا وجود اوسی احدیۃ الذات والصفات سے مستفاد وہی وحدہ لاشریک لہ مبدأ لکل اور تمامی مخلوقات ہمہ جہت اسکے محتاج وہ سب کا خالق اور سب اوسکے ظل عنایت سے مخلوق وجود اور جیسا کے عالم خلق مین ایک ذات آفتاب کے ساتہہ اصالت نور قائم بلکہ خود آفتاب عین نور اور وہی نور آفتاب اپنے مرتبہ انبساط مین جملہ قطعات ارض تمامی عالم مین جلوہ گر اصلی وحقیقی اور وہ جو ذات آفتاب کے ساتہہ قائم ہے اور دسری اشیاء منورہ کا نور ولوکان نجما ولوکان قمرا نور اصلی کا ظل اور عکس اور اسکے جود وسخا

اور عطاء اور اسی کی جلوہ گری سے ہر شئے منور علی ہذا تمامی کائنات مین بلاتخصیص نبی وولی وجود باری
ونور باری جلوہ گر اور اوسکا ظل وعکس کا سب مین پرتو اور اون سب کا وجود ولوکان ملکا ولوکان نبیا
وجود ظلی ہے اور اوس ایک واجب الوجود تعالے وتقدس خالق کل کا وجود اصلی اور اون سب کا
مبداء اور باقی سب اپنے وجود مین اوسیکے درگاہ بے نیاز کے دریوزہ گر خود فرماتے ہین (اللہ نور
السموات والارض) مگر ظاہر کہ ظل نہ عین اصل ہوتا ہے او نہ جزء اصل۔ آفتاب کا نور باوجود اس
نورافشانی وعطاء شبانہ روزی کے نور بحال خود قایم۔ یہہ نہین کہ اوس کی کسی مرتبہ کو تجزی ہوتی ہو اور
نور آفتاب خود ذات آفتاب سے منفصل ومنتقل ہوکر دوسری اشیاء مین گیا ہو نہین نہین بلکہ وہی ایک
نور خود ذات آفتاب کے ساتھہ بالاصالت قایم ہے اور بحالت انبساط وبطور ظل وعکس دوسری اشیاء
مین علی ہذا اصالتہ وحقیقتہ وجود تمامی کمالات وجود ذات باری کے ساتھہ قائم اور بغیر تجزی وبغیر نقل و
حرکت رتبہ انبساط مین تمامی کائنات مین جلوہ گر۔ وجود حقیقی اور وجود اصلی ایک اور مرتبہ وجود ظلی
مین البتہ تعدد۔ وجود اصلی بے نیاز محض اور وجود ظلی ہمہ حاجت۔ وجود اصلی غیر مخلوق اور سبکا خالق
اور وجود ظلی مخلوق اور اوس خالق برتر سے مستفاد دونون متبائن فی الحقیقتہ ہین اور سواء اشتراک لفظی
واسمی اون دونون مین کوئی علاقہ اتحاد نہین ایک کو دوسرے کے عین کہنا یا ایک کو دوسرے مادہ ترکیب
قرار دینا دونون صریح غلط ہین بلکہ جب تصریحات حضرات صوفیاء رضوان اللہ تعالے فرماتے ہین
(الاتحاد الحاد) کسی مخلوق کو ولوکان نبیا لوکان سید الانبیا المرسلین عین خدا یا عین خالق جاننا ضرور الحاد
ہے البتہ یہہ ضرور بے شک ضرور کہ جناب ختمی مآب کو از جملہ بشر اعتقاد کہ اور سائر کائنات مین
سب سے اعلے اور سب سے افضل جانین بے شک نہ آپ جیسا ہوا اور نہ ہو بعد از خدا بزرگ توئی
قصہ مختصر۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۴۷۔جواب دربارہ تراویح

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علے خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امابعد بندہ نحیف ہیچ کارہ بلکہ ناکارہ سگ بزرگان خویش احقرالزمن احمد حسن غفرلہ۔ بخدمت سراپا عنایت جامع کمالات جناب مولوی قطب الدین صاحب بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامہ پہنچا ممنون فرمایا حیران ہون کیا جواب لکھون یہہ وہ مسئلہ ہے جس کی فقہاء وعلماء متقدمین ومتاخرین پوری تحقیق کر چکے ہین رئیس الاذکیا سند العلماء جناب مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے اس بارے میں جداگانہ رسالہ لکھا ہے اور عبدالحیٔ صاحب نے الگ۔ مین ناکارہ جسکو ہنوز مسائل ضرور یہ دین پر عبور میسر نہیں کیا تازہ تحقیق کردن صلاح وتن خراب بھی مگر چونکہ تعمیل ارشاد بزرگان نیز از جملہ ضروریات ہے ناچار کچھ نکچہ لکھتا ہون وار اصلاح اوسکی حوالہ فہم ثاقب۔ مولانا صاحب ان پڑھے جاہلون کا سمجھنا ناسہل مگر ہم جیسے پڑھے ہوئے جاہلون کا جنہون نے ایک دو کتابین عربی پڑھ کر قرآن وحدیث کا اردو فارسی ترجمہ دیکھ کر وعظ کہنا شروع کر دیا اور اپنے کو بڑا عالم سمجھہ بیٹھے اونکا روبراہ کرنا سخت مشکل انکو اظہار علم واظہار فضیلت کی ضرورت سے نئے نئے مسئلے ایجاد کرنے ضرور اپنی نمایش کی بناپر اختلاف پیدا کر کے دس پانچ معتقد بنانے ضرور۔

بہرحال بڑون پر طعن کرنا چھوٹون پر صحابہ کی شان اعلے وارفع مین گستاخی لازم آوے یا مجتہدین کی اونکو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانی لابدی ہے۔

اب فرمایئے جب اصل مقصود ہی فوت ہوتا ہو اور اپنی نمایش کو بٹہ لگے تو پھر کسی کے سمجھائے سمجھیں تو کیون سمجھین اور مانین تو کیون مانین۔ اور وہ بھی اس حالت مین کہ مجھ جیسا سمجھانے والا ناچیز ہو وہ کب سنتے ہین میری کہانی۔ ناچار دل رکتا ہے اور تحریر جواب سے ہاتھ کوتاہ۔ مگر بامید انصاف جناب سامی بحکم خیرالکلام ماقل ودل کچھ تھوڑا سا مضمون کہکر آپکی سمع خراشی کرتا ہون اگر پسند خاطر ہوز ہے نصیب ورنہ چاک کر کر طعمہ آتش فرمایئے اور بوجہ کم استعدادی بندہ نحیف کو معذور کہیے۔

مولانا جس حدیث کی بنا پر تراویح کی بیس ہونے سے انکار کیا فرمایا جارہا ہے اور خم ٹھوک کر آٹھ ہونے تراویح پر اصرار ہے وہ حدیث ہے جس کو صلوۃ تہجد کے بارے مین حضرت عائشہؓ سے برید بن رضان نے روایت کیا ہے جس کے غالبا الفاظ یہ ہین (عن عائشہ قالت ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیر علے احدی عشرہ رکعۃ) سبحان اللہ یہہ استدلال بقول شخصے لڑتے ہین اور ہاتہہ مین تلوار بھی نہین۔ اس حدیث سے تراویح کا آٹھ ثابت کرنا ٹھیک نہین حضرت اس حدیث کو تراویح سے کیا تعلق۔ تراویح وہ نماز ہے جسکا ادا کرنا رمضان کے ساتھ مخصوص ہے غیر رمضان سے اوسکو کوئی تعلق نہین حدیث مذکور مین اوس نماز کا بیان ہے جو رمضان اور غیر رمضان ہر حال مین ادا کیجائے یعنی تہجد نہ صلوۃ تراویح۔ پس اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے تو صلوۃ تہجد کا نہ صلوۃ تراویح کا۔ اب فرمایئے تراویح کی آٹھ رکعت ہونے پر کیا دلیل۔ لہذا یہہ استدلال اسپر موقوف ہے کہ فقط کان اپنے مدخول کے وجود دائمی کو مقتضی ہوتب کہہ سکتے ہین کہ اس روایت سے دائما حضور سرور عالم ﷺ آٹھ رکعت پڑھنا روایت ہے پھر عدد بست کی صحت کی کیا صورت۔ حالانکہ محقق یون کہ لفظ کان واسطے اپنے مدخول کے دوام پر دلالت نہین کرتا چنانچہ مسلم الثبوت وغیرہ کتب اصول مین یہہ مسئلہ مسلم ہے علاوہ برین شہادۃ روایات صحیحہ کان اپنے مدخول کا وجود اکثری بھی نہین چاہتا چہ جائیکہ وجود دائمی۔ مسلم شریف وغیرہ مین خود حضرت عائشہ سے مروی ہے (کنتُ افعلُ فلا یزیدُ بہ رسول اللہ ﷺ) یہہ واقعہ ایک دفعہ سے زیادہ ثابت نہین نیز حضرت عائشہ کنتُ اطیب رسول اللہ ﷺ قبلَ اَن یَطوفُ بعد صحت حضرت عائشہ حضور سرور عالم ﷺ نے صرف ایک ہی حج ادا فرمایا ہے یعنی حجۃ الوادع پس ثابت ہوا کہ لفظ کان اپنے مدخول کی تکرار وجود کو نیز مقتضی نہین دوام کیسا۔ اسی بنا پر امام نووی (فی شرح المسلم فی باب صلوۃ اللیل واعداد رکعات النبی ﷺ تحریر فرماتے ہین۔ قد قالت عائشہ کنا اطیب رسول ﷺ قبل ان یطوفو ومعلوم انہ واحد ﷺ لم یحج بعدان حجۃ عائشہ م ور حجۃ واحد وھی حجۃ الوادع۔

فاستعملت کان فی مرۃ واحدۃ۔ مع ہذا بر بناء دلالت کان علی الاعداد یہہ روایت مذکورہ

اگر عدد بست کے معارض ہے اور اوسکی نفی پر دال تو صلوۃ اللیل کی تیرہ رکعت ہوتی یا نو یا سات یا پانچ رکعت ہونیکی نیز معارض ہوگی اور ان اعداد کی نفی پر نیز دلالت کریگی۔ امام بخاری خود حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں قالت کان رسول ﷺ یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ اذا اسمع النداء بالصبح رکعتین۔ نیز حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں (ثم یصلی انہا قالت ان النبی ﷺ کان یوتر بخمس ولا یجلس الا فی آخرہ) دوسری روایت حضرت عائشہ سے یون منقول فرماتے ہین (قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل بسبع رکعات حضرت اُم سلمہ سے نقل کرتے ہین (قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بخمس وسبع) پس وجود کان جیسا کہ ان روایات مذکورہ کو معارض نہین اور نہ ان اعداد سیزدہ وغیرہ کے نفی پر دال علے ہذا روایات حضرت عائشہ بروایت بست کے معارض ہے۔ اور یہہ عدد بست کی نفی پر دال ہے پس جس طور پر ان روایات کو جمع کیا جاتا ہے مثلا یون کہ صلوۃ اللیل کی آٹہہ رکعت سے وقوع اکثری ہوا اور تیرہ رکعت یا نو یا سات یا پانچ کا پڑہنا کہہ دیا گیا علی ہذا کہہ سکتے ہین کہ یہان پر یہہ صورۃ جمع ممکن ہے کہ کان اپنے مدخول کے نہ دوام کو چاہے نہ وجود اکثری کو مقتضی پس ممکن ہے کہ آپ نے تراویح بیس رکعت اکثر پڑھا ہو اور آٹھ رکعت علے سبیل الاتفاق آپ نے بر بناء شفقت علی الامۃ عدد بست پر التزام نہین فرمایا اور گاہ گاہ آٹہہ یا اس سے کم وبیش نیز ادا فرمایا۔ التزام علے العشرین بعد زمان حضرت سرور عالم ﷺ زمانہ صحابہ سے مرتبہ وجود مین آیا جیسا کہ جماعت تراویح کہ یہہ التزام اداء تراویح بالجماعت خود آپ نے شفقت علے الامۃ نہین فرمایا بلکہ گاہے باوجود حضور جماعت اور باوجود اطلاع آرام گاہ سے باہر مسجد مین تشریف نہین لائے اور بغیر جماعت مین نماز ادا کی اور بوجہ عدم تشریف آوری یہہ ارشاد فرمایا (خشیت ان یفرض علیکم)

بالجملہ لفظ کان دوام پر دلالت نہین کرتا پس روایت عائشہ نہ روایت بست کے معارض نہ اوسکے نفی پر دال نیز لفظ کان کو اگر دلالت علے الدوام ہو اور مانا جاے کہ لفظ کان اپنے مدخول کے وجود دائمی کو مقتضی ہے تو چونکہ صرف نفی یعنی (ما) نافیہ خود (کان) پر داخل ہے پس بحکم مطابقی یہہ

روایت عدم دوام زیادہ علے اور عشرین دلالت کریگی نہ دوام عدم زیادہ پر۔

رہا ثبوت بست رکعت کا تراویح کا سو اولاً وہ محتاج ثبوت نہین توارث امۃ علے العشرین اوسکے ثبوت کیلئے کافی دلیل ہے بالخصوص یہہ توارث کہ قرون ثلثہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین مین مشہود لہا بالخیر من زمانہ خلافت عمری سے آج تک انہی رکعات عشرین پر توارث عمل رہا ہے۔ارشاد نبوی ہے (ماراہ المؤمنین حسنا فھو حسن) اور آیت (ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لھم) اس توارث کی عملی دلیل کافی ہوتی ہے اور عمدہ شاہد علی ہذا توارث عملی خواہ زمانہ نبوت کا ہو اور خواہ زمانہ خلافت خود اقسام حدیث سے ہے اس حالت مین وہ حدیث جسمین تراویح کی بیس رکعت ہونیکی تصریح ہے اگرچہ ضعیف ہے مگر اس توارث امتہ کے لیے عمدہ دلیل اور یہہ توارث اوسکے ضعف کے لیے کافی۔لاریب حضرت جیسے خلیفہ ارشد کا جنکی نسبت یون ارشاد ہے (الحق ینطق علے لسان عمر) کہین یون (لوکان بعدی نبیا لکان عمر) کہین یون ہدایت (اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر) اور کہین یون وارد (اَن وَضَعَ الحق علے لسان عمر) اس عدد عشرین پر التزام فرمانا کافی ہے۔اور گروہ صحابہ کا جنکی نسبت عام ارشاد ہے (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اِہتدَیتم) اوسکو بلا فکر تسلیم کرتا ہے چنانچہ امام مالک تحریر فرماتے ہین (واستقر الامتہ علے ذالک علے العشرین فی خلافت عمر) خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان وحضرت سیدنا علی المرتضی خلیفہ رابع کا اپنے زمانہ خلافت مین موافق اوسی استقراء خلافت عمری کے عشرین رکعات تراویح کاربند ہونا جیسا کہ معنی شرح موطا سے بحوالہ بیہقی ثابت ہے باد صحیح (اَنَّہم یقولُون فی عہدِ عمر العشرین رکعت وفی عہد عثمان وعلی مثلہ ان ہرسہ خلافت راشدہ مین جم غفیر صحابہ کا اس پر اتفاق کے ساتھہ عمل فرمانا واضح دلالت کرتا ہے کہ اگر حضور سرور کائنات ﷺ فی شفقت علے الامتہ گاہ بگاہ دوسرا عدد مثلاً آٹھہ وغیرہ کا اختیار فرمایا مگر اصلی سنتہ نبی کریم ﷺ یہہ اور حضرات خلفاء راشدین وتمامی گروہ صحابہ یون ہی دیکھتے وسنتے تھے کہ آپ اکثر اوقات تراویح کو عشرین رکعات کے ساتھہ ادا فرمایا کرتے تھے اسی بنا پر حضرات صحابہ نے اس عدد بست کو بلا تردد تسلیم فرمایا ورنہ اگر یون کہا جائے کہ سنت آٹھہ رکعتہ

ہین اور بیس رکعتہ تراویح پڑھنا بدعتہ ہے تو خلفائے ثلثہ اور گروہ صحابہ سبکو بدعتی کہنا لازم آئے گا
پس اگر حضرت بدعت اسی کو کہتے ہین کہ خلفاء راشدین یا گروہ صحابہ جسپر عمل فرماوین اور زمانہ
خلافت یا قرون ثلثہ مین جوامر پایا جاے اور اوسپر زمانہ صحابہ سے آج تک جملہ ائمہ دین و مجتہدین
امتہ اور تمامی علماء و فقہا کا توارث عملی ہو تو حضرت کا ہے کو بست رکعات تراویح کی بدعت کہتے ہین
کیون تامل اور اپنے بدعتی ہونے سے کیون انکار جناب نبی کریم ﷺ نے (علیکم بسُنَّتی وسُنَّتُ الخلفا
الراشدین من بعدی) فرما کر سنت خلفا پر التزام کرنیکی طرف کیسی نیک ہدایت فرمائی اور سنتی اور
سنت الخلفا من بعدی کو ایک علیکم کے تحت مین داخل فرمایا۔ کیسا نیک اشارہ کیا کہ میری سنتہ وسنتہ
خلفاء راشدین دونون ایک ہین اور ایک طور دونون پر التزام رکھو۔ عملا و اعتقادا باہم کچھہ فرق نہین
کہ آپکا ان تاکیدات بلیغہ کے ساتھ یون ارشاد اور ناخلفان امت کا یہہ طور کہ سنت الخلفاء کو
از جملہ بدعات سمجھین اعاذنا اللہ تعالے وسائر المسلمین من شرور جہلہم۔ مولانا توارث عمل امتہ سے
بیس رکعت تراویح کا ثبوت ایسا قطعی ہے جیسا فرض ظہر و عصر و عشا چار رکعت ہونا و فرض مغرب کا
تین اور فرض صبح کا دو ایسی دلیل محکم توارث عملی سے ثابت پایا جاتا ہے ورنہ فرمایئے کہ فریضہ کی
اعداد تصریح کون سی آیت یا کس حدیث صحیح مین واقع ہے۔ اب بھی اگر حدیث ہی چاہیے تو حدیث
صحیح علیکم بسُنَّتی وسُنَّتِ الخلفا الراشدین من بعدی عضوعلیہا بالنواجہ) جسمین لفظ علیکم وجوب عمل پر
دلالت کرتا ہے اور عضوعلیہا بالنواجہ اوس وجوب عمل کی تاکید بلیغ کیا اسبارہ مین دلیل کافی نہین
ہے اور وہ حدیث جسمین عدد بست کی تصریح کی ہے کیا اب بھی بعد ضعف اس دعوے کے لئے حجتہ
بالغہ نہین۔ نیز ضعیف ہونا اوس روایت کا جب قادح ہوتا ہے کہ دوسری روایت قوی موجود ہوتی
تراویحکی آٹھ رکعت ہونے پر کوئی روایت ضعیفہ تک موجود نہیں۔ تہجد کی نماز کا آٹھ رکعت ہونا
روایت حضرت عائشہ مذکورہ سے البتہ ثابت ہے۔ باین ہمہ روایت بست پر کیا جرح اور کیون
اوسکے مدلول سے انکار۔ اگر فرماوٗ امام ابن ہمام نے آٹھ کو سنت لکھکر زائد کی نسبت یون تحریر فرمایا
ہے وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام (علیکم بسُنَّتی وسُنَّتِ الخلفاء الراشدین من بعدی ندب الے سُنَّتِہم) پس

ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک یہہ عدد بست جو زائد علے الثمانیہ ہے مستحب ہے۔

مین کہتا ہون کہ روایت عائشہ اور ہم تو ارث عملی گروہ صحابہ و خلفا الراشدین و تمامی ائمہ کو عددعشرین پر حجۃ الدین اور حدیث صحیح علیکم سُنّتی الخ کو اپنے دعوے پر دلیل پیش کرین بلکہ خود اس حدیث کو جسمین عدد بست کی تصریح ہے بجواب اسکے قول ابن ہمام کو معارض لا دین مع ہذا قول ابن ہمام سے کیونکر مستحب ہونا عدد زائد ثابت سمجھا اور کس بھروسہ اوسکو معارض۔ یہہ عددعشرین قرار دیا۔ حضرت من اگر یون عبارت ہوتی والزائد ندب و مندوب۔ البتہ آپ کا دعوے ثابت ہوتا۔ ابن ہمام سنت الی سنتہم فرماتے ہین مطلب یہہ ہے کہ ابن ہمام نے اسپر نظر فرماکر کہ زمانہ نبوت عدد عشرین پر التزام نہ تہا اور نہ کسی روایت صحیح سے عددعشرین کا زمانہ نبوت مین ہونا ثابت روایت صحیح مذکورہ بالا سے جو بروایت حضرت عائشہ نقل ہے آٹہہ رکعت پر التزام اکثری ثابت ہوتا ہے پس امام ابن ہمام نے زمانہ نبوت و زمانہ خلافت کے فرق مرتبہ کیطرف لحاظ کرکے اول عدد بست کو سنت کہا اور پھر برین خیال کہ شاید اس قول سے دوسرے حضرات عددعشرین کو سنتہ کا انکار سمجھ لین حدیث علیکم سُنّتی الی آخرہ کو دلیل لاکر تصریح کردی کہ یہہ حدیث خلفاء کی سنتہ کی طرف دعوۃ ہے پس سنتہ الخلفاء سنتہ سمجھنا ضرور اور سنت پر عمل کرنا لازم۔ بالجملہ عدد بست کو سنت کہنا نہ زمانہ نبوت ہے نہ یہہ کہ سنتہ الخلفاء کی اصل سنت سے انکار۔ نیز مطلب یہ ہے کہ باعتبار زمانہ نبوت آٹھ رکعت سنت ہے اور باعتبار زمانہ خلافت بیس۔ بالجملہ ابن ہمام کے قول مین لفظ ندب بمعنی نداء و بمعنی دعوۃ بلیغہ ہے نہ بمعنی مستحب۔

معنے یہہ ہین کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ علیکم سُنّتی الی آخرہ فرماکر اعلے ندا کیطرف دعوۃ بلیغہ فرماتے ہین کہ سنت خلفاء پر مثل سُنّتی عمل کرنا ضرور ہے قول ابن ہمام سے عود زائد علے الثمانیہ کا استحباب سمجھنا وہ حضرات جو الفاظ عربیہ کے ترجمہ پر قدرۃ نرکہتے ہون۔

اس تقریر سے انشاء اللہ تعالے واضح ثابت ہوگیا ہوگا کہ قول ابن ہمام سنتہ عشرین عین موافق ہے نہ معارض۔ بندہ نحیف بوجہ ضعف مرض لاحقہ جو ابتک باقی ہے زیادہ لکہنے سے قاصر ہے

اور نیز رجوع الے الکتاب کی قوت نہین جسقدر لکھا اکثر اوسمین اپنی یاد پر لکھا اگر اس سے زیادہ اس بارے مین تحقیق چاہتے ہون تو حضرت مولانا علیہؒ اور حضرت مولانا عبدالحی صاحب سے جو اس بارہ مین تحقیق کیساتہ رسالہ لکھا ہے ملاحظہ فرمائین۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب:

۴۸۔ قامع البدعت دربارہ سماع

کیا فرماتے ہین علماء دین مسائل ذیل مین:۔

۱۔ عرس کرنا مع مزامیر وروشنی کے اور مع اس امر کے کہ نوید کر کے اجتماع خلائق کہا جائے عندالشرع جائز ہے یا نہین۔

۲۔ اکثر لوگ مشہور کرتے ہین ہ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت خواجہ صاحبؒ کی دعوت کی تھی اور اوس دعوت مین حسب فرمایش حضرت خواجہ صاحب راگ مع مزامیر کرایا تھا۔ یہہ روایت صحیح ہے یا نہین۔

۳۔ حضرات چشتیہ کے نزدیک راگ سننا مع مزامیر کے اور عرس کرنا اور حال وقال کرنا درست ہے یا نہین۔

۴۔ ایک پیر کے بعد دوسرے پیر کے بیعت کرنا جائز ہے یا نہین۔

۵۔ بیعت کرنیکے کے لئے کس قسم کے پیر کی ضرورت ہے۔

۶۔ والدین اگر بوجہہ نا قابل ہونے پیر کے اپنی اولاد صغار کو یا اولاد کبار کو بیعت ہونیسے منع فرمائین باوجود منع کرنیکے بیعت ہوجانا ازروے شرع شریف درست ہے یا نہین

الجواب

باسمہ تعالے وتقدس عرس کرنا اگرچہ بغیر مزامیر وغیرہ کے ہو جائز نہین معلوم ہوتا اور بوجہہ تقید زمانہ خاص اور ہیئات خاصہ اور رسومات خاصہ کے داخل بدعت معلوم ہوتا ہے۔ ایصال ثواب باعتبار شرع شریف کے علی الاطلاق ثابت ہے کسیطرح کی تعینات اور خصوصیات کو ایصال

ثواب مین ہرگز مداخلت نہین اور ظاہر ہے کہ مقید کرنا مطلق شرعی کا مثل مطلق کر لینے مقصد دینی
کے بلا تفاوت بدعت ہے۔ مثلا جیسا کہ صوم وصلوۃ کو مقید باوقات اور ہیئات خاصہ اور شرائط
خاصہ مین ان قیودات سے خالی اور مبرا کرنا بدعت ہے علے ہذالقیاس جہاد کہ بزبان خیرت نشان
جناب ختمی مآب ﷺ علے سبیل الاتفاق خیر وجود مین آتے ہین ضمیمہ جہاد کرنا اور مامور بہا سمجھنا نیز
بدعت ہے دونون صورت بدعت ہونے مین ہم سنگ یک دیگر ہین۔ بلکہ بہ نظر غائر یون معلوم ہوتا
ہے کہ مقید مطلق بہ نسبت اطلاق مقید بالاولی بدعت ہے۔ مضمون احداث کہ مصداق بدعت ہے
جیسا کہ صورت اولین پایا جاتا ہے۔ صورۃ ثانی مین نہین پایا جاتا خود معلوم ہے کہ احداث وجود
مفعول کو چاہتا ہے نہ کہ عدم اوسکے کو اور ظاہر ہے کہ وجود مفعول درصورت تقید مطلق ہوتا ہے اطلاق
مقید مین وجود مفعول کہان ہان عدم تقید ہی بہ تمثال وجود ہے اسوجہ سے اطلاق مقید کو داخلی بدعت
کر سکتے ہین۔ بالجملہ عرس کرنا اگرچہ بغیر مزامیر وغیرہ درست نہین بلکہ منجملہ بدعات ہے اور
جناب سرور کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہین (مَن اَحدَثَ فی امرِ ناہذا مالیس منہ فہو مردود) یعنی
جو شخص پیدا کرے ہمارے اس دین مین وہ امر کہ داخل دین نہو وہ امر مردود ہے۔ ہرگز لائق
اخذ نہین۔ دوسری حدیث مین ارشاد ہے (کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار) یعنی ہر نئی بات
داخل گمراہی ہے اور جو بات داخل گمراہی ہوٹھکانا اونکا دوزخ ہے یہہ دونون حدیثین احادیث صحیحہ
مین سے ہین پس جو امر کہ باعتبار شرع مطلق ہو مقید کرنا اوسکا ساتھہ کسی قید کے مناسب نہین۔
ایصال ثواب کو جو نیز مطلق شرعی ہے مطلق ہی رکھنا چاہیے۔ خاص کر لینا کسی زمانہ یا کسی قسم کے
کھانے کا واسطے ایصال ثواب جیسا کہ اعراس وغیرہ مین ہوتا ہرگز زیبا نہین بے شک بدعت ہے
چہ جائیکہ مع روشنی اور مزامیر کے کہ یہہ صورت تو بالاولے اشد ترین ممنوعات مین سے ہے نہ
باعتبار شریعت جائز ہے اور نہ باعتبار طریقت۔ باعتبار شریعت مطہرہ مزامیر تو یکطرف جوراگ کہ
بدون مزامیر ہو جسکو باعتبار اصطلاح شرع غناء کہتے ہین سواء عیدین و شادی وغیرہ کے علے
الاطلاق وہ بھی جائز نہین بلکہ داخل ممنوعات ہے چنانچہ عینی شرح بخاری مین یہہ عبارت موجود

ہے (اما الغناء فلا خلاف فی تحریمہ لانہ من اللہو واللعب المذموم بالاتفاق واما ما یسلم من المحرمات فیجوز القلیل منہ فی الاعراس والاعیاد وبشبہا ومذہب ابوحنیفہ تحریمہ) وبقول اہل العراق ومذاہب الشافعی کراہتہ ہوالمشہور من مذہب المالک یعنی سننا راگ کا بالاتفاق حرام ہے اسلئے کہ وہ منجملہ لہو ولعب مذموم کے ہے لیکن جو راگ کہ خالی محرمات ہے (یعنی مزامیر وغیرہ) سے ہو اس قسم کا راگ تھوڑا سا تقریب نکاح وعیدین اور مثال ان کے جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ راگ کو حرام جانتے ہین اور ایسا ہی کچھ علماء اہل عراق بھی سمجھتے ہین۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی ہونا مشہور ہے امام مالکؒ سے بھی اور نیز صاحب عینی تحریر فرماتے ہین وقال مشائخنا مجرد الغناء والاستماع معصیۃ حتی (قالوا استماع القرآن بالالحان معصیۃ والقاری والسامع آثمان) واستدلوا علیہ بقولہ تعالے (ومن الناس من یشتری لہو الحدیث وجاء فی تفسیر المراد بہ الغناء) یعنی کہا ہے بعض ہمارے مشائخ نے کہ فقط راگ سنا اوسکا مقصد ہے یہان تک کہ سننا قرآن کا ایسی خوش آوازی سے کہ بطور راگ ہو نیز معصیہ ہے اور قاری اور سامع دونون گناہ مین شامل ہین۔ اور اون لوگون نے استدلال کیا ہے آیت شریفہ (ومن الناس من یشتری الے آخرہ سے یعنی بعض آدمی وہ ہین کہ مول لیتے ہین اور باتون کو جو منجملہ لہو ولعب ہین۔ اور اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ مراد اوس سے راگ ہے۔ اور جس کسی نے مجرد غنا کو مباح بھی کہا ہے بعد شروط معلومہ کے مباح کہا ہے بدون اون شروط کے وہ بھی جائز نہین کہتے بخلاف راگ مع مزامیر کہ ہو اوسمین حال وقال بھی کیا جائے جیسا کہ آجکل مروج ہے اور اوسکو منجملہ لوازمات طریقت جانتے ہین بالخصوص بعضے چشتیہ اس زمانے کے اوسکی نسبت صاحب مجمع البحار ایسا کچھہ تحریر فرماتے ہین (وما احدث التصوف من السماع بالآلات فلا خلاف فی تحریمہ وقد غلب علے کثیرین ممن یشبہ الے الخیر وعموا عن تحریمہ حتی ظہرت علے کثیر منہم افعال المجانین وزعموا ان تلک الامور من البر وتنزیہات الاحوال وہذا زندقہ) یعنی سماع مع مزامیر کے منجملہ مخترعات بعض اہل تصوف ہے بلاخلاف حرام ہے اور تحقیق غالب کہ یہہ حال اوپر اکثر اون لوگون کے کہ سمجھتے ہین لوگ اونکو اچھا لہذا انہی مین وہ لوگ اوسکی حرمتہ سے

واقف یہان تک کہ ظاہر ہوتے ہین اونپر افعال دیوانون کے سے بس وہ ناچتے ہین اور اس ناچنے کو منجملہ نیکی سمجھتے ہین حالانکہ یہہ سب کفر اور زندقہ ہے۔ نیز ترمذی شریف خود رسول ﷺ نے ارشا فرمایا (انّ رسول اللہ ﷺ قال فی الامتہ مسخ وخسف وقذف فقال رجل من المسلمین یا رسول اللہ متی ذالک قال اذا ظہرت المغنیات والمعازف وشرب الخمر) یعنی رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اس امتہ مین خسف یعنی دہس جانا اور مسخ یعنی بگڑ جانے صورت کا اور قذف یعنی برسنا پتھرون کا نیز واقع ہوگا ایک مہمان شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کب واقع ہونگے یہہ امور آپ نے فرمایا جس وقت گانے والی عورتین ظاہر ہونگی اور مزامیر کا رواج ہوگا اور لوگ شراب پینے لگین گے۔ بعض حدیثون مین یہہ بھی ارشاد ہے کہ ایسے وقت مین عذاب خداوندی اسطرح پے درپے نازل ہوگا جیسے لڑی پرونے کا دہاگہ ٹوٹ جاتا ہے اور اوسکے دانے پے بہ پے گرنے لگتے ہین اور نیز امام نسائی نے بروایت اوزاعی عمر بن یحیی سے روایت کیا ہے۔ قال کتب عمر بن عبدالعزیز الی عمر بن ولید کتابا فیہ وقسم ابیک لک الخمس کلہ وانما سہم ابیک کسہم اجل من المسلمین وفیہ حق اللہ وحق الرسول وذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل فما اکثر خصماء ابیک یوم القیامتہ فکیف ینجو من کثیرہ خصماء واظہار المعازف والمزامیر بدعتہ فی الاسلام ولقد ہمت ان البعث الیک من یجز جمتک جمتہ سوء) یعنی اوزاعی روایت کرتے ہین کہ عمر بن عبدالعزیز نے جو بڑے ارشد خلفاء داخل تابعین مین سے ہین خط لکہا عمر بن ولید کو اوسمین بہت سی باتون سے عمر بن ولید زجر و توبیخ کی منجملہ یہ بھی کہا کہ تیرے باپ کو خمس حصہ دیا تجہکو ہرگز جائز نہین تیرے باپ کا حصہ خمس مین مثل حصہ اور مسلمانون کے تہا اور خمس بین اللہ کا حق اور اللہ کے رسول کا حق اور ذی القربی اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین کا یہہ سب اوسمین شریک ہین فقط تیرے باپ کا معرض حق نہین کہ تنہا تجہکو دیدینا جائز ہوتا پس خدا جانے کسقدر ہوگا قیامت کے دن جھگڑا کرین گے تیرے باپ سے اور اللہ اعلم کیونکر نجات ہوگی ایسے شخص کی جس نے غصب کیا ہو اور انکے حقوق اور مطالبہ کرین گے اپنے حق کا قیامتہ مین اور ظاہر کرنا مزامیر او معازف کو جو بدعت ہے اسلام مین اور کچھہ اصل نہین اوسکی باعتبار

شرع۔اور درمختار مین ہے (من یستحل الرقص قالو یکفر ولا سیما بالدف بلہو ومزامیر) یعنی جو رقص کو جائز جانے اونکو علماء نے کافر لکھا ہے خصوصا وہ رقص کرنے والا جو دف پر ناچے اور بانسری بجاوے اور شیخ الاسلام کرمانی کا فتوی یہ ہے کہ مستحل رقص کافر ہے اسلئے کہ حرمتہ اوسکی بالاجماع ثابت ہے تو لازم آیا کہ اوسکا حلال جاننے والا کافر ہو کذا فی الطحاوی نیز جناب ختمی مآب ارشاد فرماتے ہین (سیأتی قوم یحلون الحرام والخنزیر والمعازف) یعنی قریب ہے ایسا زمانہ جسمین لوگ زنا کو، ریشمین کپڑون اور مزامیر کو حلال سمجھین گے۔

شیطان نے متع کی آڑ مین زنا کو حلال کر ڈالا اور بعض امیر زنان خصلت نے لباس ریشمین کو حلال سمجہ لیا اور بعضے صوفیان جہال نے راگ ومزامیر وڈہولک وطنبورہ کو حلال کر ڈالا۔ اللہ اونکو اور ہمکو ہدایت کامل نصیب کرے اور اپنے دین قیم پر قائم کرے آمین۔

بالجملہ جو راگ مع مزامیر کے ہو باعتبار شرع شریف ہم بروے قرآن ہم بروے حدیث ہم بروے اقوال مجتہدین ودیگر اکابرین اللہ بے شبہ حرام ہے اور موجب تمام معصیت ہے جس محفل مین اس قسم کے امور تحریمہ شامل ہین جیسے محافل اعراس مروجہ اہل بدعت حرمت مین اوسکی کیا کلام۔غرض جو عرس کہ ان امور تحریمہ سے خالی ہو بوجہ تقلید زمانہ خاص اور ہیات خاصہ کے بدعت ہے ورنہ قطعی حرام۔اور دیگر بلا قید کسی زمانہ کے اور بلا تقلید کسی ہیئت کے اور بلا نوع وغیرہ صرف بطور اتفاق کسی طرح کا ایصال ثواب ہو مضائقہ نہین بلکہ منجملہ خیرات ہے۔ارباب طریقت بلکہ حضرات چشتیہ کے نزدیک بہی مزامیر بے شبہ حرام ہین چنانچہ سلطان الاولیا حضرت خواجہ نظام الدین چشتی" کی تصنیفات الفوائد الفواد مین بصراحت وایضاح اس مضمون کو لکھا ہے عبارت یہہ ہے (درمیان شخصے بیاید وحکایت جماعتے تقریر کرد کہ ہم اکنون درفلان موضع یاران شما جماعتے کردہ اند ومزامیر درمیان بود خواجہ ذکر اللہ بالخیر این نفی نہ پسندید فرمود کہ من منع کردہ ام کہ مزامیر ومحرمات درمیان نہ باشد ہر چہ کردہ اند نیکو نکردہ اند درین باب بسیار غلوئی فرمود تا غایتے گفت اگر امامے درنماز باشد وجماعتے درعقب او مقتدی دوران جماعت عورات ہم باشند پس اگر امام را سہوے

اقتدا ازان مردان کہ اقتدا کردہ باشند یکے بہ شیخ اعلام بدہند بگوید سبحان اللہ واگر زنانے برآن خطا واقع شود اوامام راچگونہ بآ گاہند سبحان اللہ نہ گوید تا آواز بشنوید پس چہ کند دست بر دست زند وکف دست سر کف دست نزند کہ بہونی ماند بل پشت دست بر کف دست زند)

الغرض تا این غایۃ از ملاہی وامثال آن پرہنر آمدہ است پس در سماع بطریق اولے کہ ازین باب بناشریفی در منع وشک چندین احتیاط آمدہ است در منع مزامیر بطریق اولے وبعد ازان فرمود کہ اگر یکے از مقامی افتد بارے بہ شرع افتہ مبادا اگر از شرع بیرون افتہ پس چہ ماند)

دوسری جگہ پر ملفوظات مین مذکور ہے یکے از حاضرین گفت کہ یکے درین وقت حکم شدہ است کہ مخدوم راہر وقت باید سماع بشنود اوراحلال است خواجہ فرمود چیزے کہ حرام است بحکم کسے حلال نشود چیز یکے حلال است بحکم کسے حرام نہ شود آیدلم در مسئلہ مختلف مثلاً ہمین سماع امام شافعیؒ سماع رامباح می داند بادف بخلاف علماء ما اکنون درین اختلاف بر ہر چہ حکم کند ہمان باشد یکے از حاضرین گفت کہ ہمدرین روز ہا بعضے درویشان مستانہ وارد مجمعے کہ چنگ ورباب مزامیر بود رقصہا کردہ اند خواجہ صاحب فرمود کہ نیکو نکردادند ہمہ نامشروع است وناپسندیدہ است بعد ازان یکے گفت کہ طائفہ ازان مقام بیرون بایشان گفت کہ شما چہ کردید دران مجمع مزامیر بود شما چگونہ شنید ورقص کردید ایشان جواب دادند کہ اما چنان متفرق سماع بودہ ایم کہ ندانستہ ایم کہ درآن جا مزامیر است یانہ خواجہ صاحب چون بشنید فرمود کہ این جواب ہم چیزے نیست۔

نوٹ: خلاصہ کلام یہہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان ملفوظات وارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے جن لوگون نے سماع سنا پسند نہین فرمایا بلکہ حضرت خواجہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور سماع با مزامیر وہ بھی منع فرماتے ہین اور جائز نہین سمجھتے۔ اس فارسی عبارت کا خلاصہ یہہ ہی ہے اور خواجہ صاحب کے حوالے سے استدلال صحیح نہین ہے۔

نیز روایت مشہورہ اہل بدعت بہ نسبت حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ اونہون نے حضرت خواجہ شیخ العلامہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دعوت کی اور حسب استدعا حضرت

خواجہ کے راگ مع مزامیر کے کرایا یہ استدلال سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے اولاً یہہ کہ یہہ روایت ہی سراسر غلط ہے اور بے اصل۔

بھلا جو امر کے باعتبار شریعت مطہرہ بالکل ناجائز ہو اور اہل فقہ اور اہل حدیث وتفسیر بالاتفاق اوسکو حرام کہتے ہین کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایسے حضرات کاملین التقوی خاصگان بارگاہ خداوندی مرتکب ایسے امر نامشروع اور ناجائز کے ہون صاحب اہل طریقت کے نزدیک ادنیٰ ادنیٰ مکروہ شرعی کہ ہم اور آپ اور دیگر عوام کالانعام کو کرنا اوسکا کسی نہ کسی درجہ مین جائز بھی ہو چھوڑنا اوسکا بہت منجملہ ضروریات ہے اور اپنے حق مین وہ لوگ اوسکو حرام ہی جانتے ہین اور جائز نہین سمجھتے علی ہذا القیاس ادنیٰ ادنیٰ مستحب شرعی کہ اورون کو ترک اوسکا کسی نہ کسی درجہ مین جائز نہین ہو اور عمل اوسکا ضرور نہین وہ لوگ عمل اوسکا بھی منجملہ ضروریات جانتے ہین اور ترک اس کا جائز نہین سمجھتے اسلئے مقصود اعظم اہل طریقت مقام رضا اور خوشنودی جناب باری عز اسمہ ہے اور وہ تاوقتیکہ ادنے ادنے مکروہات شرعی کو نہ چھوڑا جائے اور ادنے ادنے مستحب شرعی پر عمل نہ کیا جائے ظاہر ہے کہ پورا پورا اتباع سنت حاصل نہین ہوسکتا جبتک کہ جملہ امور پسندیدہ کے ساتھہ عمل نہ ہو اور جملہ امور ناپسندیدہ کو ترک نہ کرے پوری رضا خداوندی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے بخلاف ہمارے اور آپ کے کہ فوز اعظم ہمارا اور آپ کا دخول فی الجنت اور نجات عن النار ہے عمل بالمکروہ سے رضاء خداوندی البتہ حاصل نہین ہوسکتی اسیوجہ سے ارباب طریقت یہ کہ مدعیان محبت خداوندی ہوتے ہین ترک مکروہ اور عمل مستحبات ضرور اور لازمی ہے اور ہمپر اور آپ پر چندان ضروری نہین چنانچہ مشہور ہے حسنات الابرار سیات المقربین یعنی جو باتین کہ عامہ خلقت کے حق مین حسنات ہون خاصگان بارگاہ خداوندی کے حق مین وہ ہی منجملہ سیات ہین اون لوگون کو وجہ قرب کامل کے خوف وخشیت خداوندی حد سے زیادہ غالب ہوتا ہے نہ مکروہ کرنیکی طاقت نہ مستحب چھوڑنیکی تاب بخلاف ہمارے اور تمہارے کہ درگاہ خداوندی سے کوسون دور ہین عظمت خداوندی سے کچھ خبر نہین بے کہٹ کے کہین مبتلا مکروہات ہو بیٹھتے ہین اور کہین تارک مستحبات غرضیکہ جب اہل طریقت

حق نیز مکروہ شرعی کا کرنا بھی جائز نہوا ایسے ایسے کاملان طریقت سے ارتکاب اس امر حرام شرعی کا کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہونہو یہ روایت ہی غلط ہے۔ صاحبان طریقت بہ نسبت اہل شریعت زیادہ تر پابند شریعت ہوتے ہین ہرگز ہرگز نہ وہ ایسا امر شنیع کر سکتے ہین اور نہ ایسے امر شنیع کی اونسے سرزد ہونیکی توقع ہوسکتی ہے۔

کامل الطریقت ہونا اونکا بلکہ داخل طریقت ہونا اونکا خود اول دلیل ہے کہ یہہ روایت سرے سے غلط اور بے اصل ہے۔ اہل بدعت نے صرف واسطے دفع طعن کے اپنی طرف سے گھڑلی ہے اور ایسے مقدسان طریقت کی نسبت ایک بہتان عظیم باندھا ہے اس قسم کی روایت سے سروپا قابل التفات نہین تاوقتیکہ سند قوی اور مستقل سے کوئی روایت ثابت نہ ہو ہرگز کاربند اوسکا نہونا چاہیئے اور موضوع اور غلط ہی سمجھنا لازم ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ احادیث نبوی اور فقہ اور اصول اور جملہ مسائل دین اور احکام شریعت مین سند کامل کا کیسا کچھ لحاظ ہے تاوقتیکہ سند متصل نہ ہو اور راوی اوسکے ثقہ اور عادل اور کسی طرح سے مجروح اور مقدوح نہون کوئی روایت حدیث وغیرہ کی لائق قبول نہین فقط اتنی بات کہ یہہ حدیث حدیث رسول ہے اور یہ قول قول فقہا ہے کام نہین چلتا صحت روایت اور تفتیش حال رواۃ بھی ضروری ہے آخر اسی بناپر محدثین اکثر احادیث کو موضوع اور مجروح قرار دیتے ہین ظاہر ہے کہ اگر فقط انتساب حضرت رسالت مآب واسطے اخذ قبول حدیث کا کافی ہوتا اور دریافت حال رواۃ کی کچھہ ضرورت نہوتی ساری احادیث خواہ ضعیفہ وموضوع ہون خواہ غیر ضعیفہ وموضوعہ ضروری العمل ہوجاتین بلکہ بہ انجیل وتورات مروجہ یہود ونصاری نیز قابل اتباع ہوتین۔

آخر وہ لوگ اونکو کلام خداوندی کر کے تعبیر کرتے ہین مگر باوجود انتساب توریت وانجیل غالب کلام خداوندی اور باوجود انتساب احادیث موضوعہ بجانب کلام نبوی ﷺ توریت وانجیل کا ہمارے حق مین نہ ہونا اور احادیث موضوعہ متروک العمل کا پڑھنا بجز اسکے کہ بوجہہ نقصان سند اور خرابی رواۃ کے نہ توریت نہ انجیل کا کلام خداوندی ہونا ثابت اور نہ اون احادیث کا کلام نبوی اسی

وجہ سے لائق اعتماد و قابل اسناد نہین ۔عیاذ نا اللہ

یہ تو ہو ہی نہین سکتا کہ کسی کلام کا کلام خداوندی یا کلام نبوی یا کلام نبوی ہونا یقینی اور باین ہمہ اوسکو چھوڑ دیا جاے اور متروک اور مردود ٹھہرایا جائے ۔ بالجملہ ہر روایت اور حکایت کے ثبوت کیلئے سند کامل کی ضرورت ہے اور صحت روایت ہونا منجملہ ضروریات ہے ورنہ وہ کلام موضوع اور غلط ہے نہ لائق اخذ ہے نہ قابل اعتماد اور ظاہر ہے کہ اسی قسم کی روایات اور حکایات کیلئے سند کامل کی ضرورت ہے اور بے سروپا حکایت بزرگان دین کیطرف منسوب کرنا کیونکر درست ہے۔ کوئی شخص یہ نہین بتلا سکے کہ ہمارے سامنے یہہ قصہ پیش آیا یا فلان شخص شریک جلسہ تہا اور اوسکے روایت متصل سلسلہ وار ہے ہم اوسکو روایت کرتے ہین پس جبکہ راوی اس قسم کے غیر ثقہ و غیر معتبر ہون ایسی روایت بے شبہ غلط محض ہے۔

اور بہتان صریح جہال نے عوام کیواسطے اس قسم کی روایت بے سروپا گھڑ کر بڑون کے نام پر لگادی ہین تاکہ سیدھے مسلمانون کو اپنے جیسا بنالیوین اور طعن خلائق سے نجات پاوین اعاذنا اللہ من شرورہم علاوہ برین ہم کہتے ہین درصورت صحیح ہونے اس روایت کے بجز اسکے ایک فعل اون حضرات اس روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کیا خود ان لوگون نے کیا دوسرونکو تو نہین کہا کہ تم ہی کرو اور راگ سنو بلکہ دیکہہ لیجئے کہ حضرت نظام الدین اولیاء جو رئیس حضرات چشتیہ ہین کیا فرماتے ہین اور دوسرونکو کسطرح سے ممانعت کرتے ہین اور علیٰہذا القیاس اور لوگونکے اقوال سے بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے بوجہہ تنگی مقام کے نقل عبارات سے معذور ہون۔غرض کہ برتقدیر ثبوت اس روایۃ کے خود سننا اونکا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرونکو تو کہنا ثابت نہین ہوتا بلکہ قول اونکا منافی فعل ہے اور جبکہ قول اونکا منافی فعل ہے تو قول ہی پر عمل کیا جائے گا نہ کہ فعل پر آخر یہہ ہی تو وجہہ ہے کہ اگر حدیث قولی اور فعلی باہم متعارض ہون اور جمع فیما بین نہو سکے تو حدیث قولی ہی پر عمل کیا جاتا ہے نہ کہ فعلی پر۔ مثلا حدیث شریف مین ارشاد ہے (لاصلوۃ بعد العصر حتے تغرب الشمس اوکما قال) یعنی بعد نماز عصر تاوقتیکہ غروب شمس نہ ہو نماز بطور ادا کے نہ پڑھنی چاہیے اور نیز حدیثون

مین وارد ہے کہ خود جناب ختمی مآب بعد عصر کے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے فعل رسول ﷺ
سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد عصر کے نماز کا پڑھنا جائز ہے اور قول آپ کا منافی اس فعل کے ہے
غرضکہ قول و فعل باہم متعارض ہین مگر اسی بنا پر کہ ایسے وقت مین عمل بالقول کیا کرتے ہین نہ کہ عمل
بالفعل۔ فقہا علیہم الرحمہ بالخصوص فقہا حنفیہ کے نزدیک بعد نماز عصر کے اور نماز کا پڑہنا اداءً جائز
نہین۔ علی ہذا القیاس ارشاد نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع ازواج چار سے زیادہ کسی مرد
کیلئے جائز نہین حالانکہ خود عقد ازواج مطہرات کا چار سے تجاوز ثابت ہے یہان پر موافق اوسی
قاعدہ کے بالاتفاق قول ہی پر عمل کیا گیا ہے نہ کہ فعل پر اور اوسکی وجہ یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ فعل
چونکہ منتسب ہوتا ہے فاعل خاص کے اور زمانہ خاص اور مکان خاص کے اسوجہہ سے تفسیر فعل من
حیث ہو فعل محتمل خصوصیت بھی ہوسکتا ہے۔ کہ وہ فعل بوجہہ خصوصیت فاعل یا خصوصیت زمان و
مکان وقوع مین آیا ہو۔ اور اوس فاعل کیلئے یا ہر زمان یا ہر مکان مین کرنا اوسکا جائز ہو اسلئے
تاوقتیکہ رفع ہونے اس احتمال خصوصیت کے کسی شخص کے حق مین فعل من حیثیت ہو فعل تمسک نہین
ہوسکتا البتہ جس شخص مین اجتماع اون خصوصیات کا ہو اوسی کے حق مین وہ فعل بھی جائز ہوگا ورنہ نہین
بخلاف قول کے کہ ہر طرح سے عام ہوتا ہے اگر خطاب عام ہے سبکے حق مین بھی عام و شامل رہے
گا حکم جواز ہے جب سب کے لئے اور اگر عدم جواز ہے جب سبکے لئے پس جبکہ۔۔۔۔۔ ثابت
ہونے اس روایت کے یہہ فعل اونکا متعارض ہے قول اتباع شریعت مطہرہ و ممانعت صریح سماع
مزامیر کے ہوا جسوقت مین قاعدہ مذکور حسب مسلم اہلحدیث واہل اصول احادیث نبوی مین جاری
ہے یعنی بمقابلہ قول رسول اللہ ﷺ کے فعل رسول پر عمل نہین کیا جاتا یہان تو بدرجہ اولے جاری
ہوگا۔ یعنی یہان پر بھی قول ہی پر عمل کیا جائے گا نہ کہ فعل پر۔ علاوہ برین بمقابلہ قول کے جبکہ فعل
رسول اور لائق عمل نہین بمقابلہ قول رسول فعل اون لوگون کا کیونکر قابل عمل ہوگا۔

انشاءاللہ تعالے شرط فہم اسی جواب سے جواب سوال آخر کا بھی معلوم ہو جائے گا یعنی
یہہ بات کہ حضرات چشتیہ کے نزدیک مزامیر سننا جائز ہے یا نہین اور یہہ روایت مشہورہ کیسی ہے

غلط یا صحیح۔ نیز اسی جواب سے معلوم ہوسکتا ہے۔ باقی رہا یہہ کہ پیر ثانی سے بیعت ہوجانا باوجود حیات پر اول کے جائز ہے یا نہین اگر چہ پیر اول حیات ہو مگر بیعت ہوجانا پر ثانی سے جائز ہے ہان اگر پیر اول متبع شریعت ہے اور لائق رشد وارشاد و تعظیم و تکریم پیر اول کی بدستور باقی رکھنی چاہئے۔

مکتوبات مظہری مین حضرت قطب الوقت عارف باللہ مخدوم العالے جناب مرزا جان جاناں صاحب شہید علیہ الرحمہ نے بہت طویل تقریر سے بیعت ہوجانا پیر ثانی سے جائز لکھا ہے تنگی مقام کیوجہ سے نقل عبارت سے معذور ہون جس صاحب کا دل چاہے مکتوبات مظہری مین غالبا صفحہ اٹھائیس مین اوس عبارت کو ملاحظہ کرلیں۔ خلاصہ تقریر جناب مرزا صاحب یہہ ہے کہ پیری اور مریدی بمنزلہ کسب علوم ظاہری کی ہے جیسا کہ درصورت حیات اوستاد اول اوستاد ثانی سے استفادہ علوم جائز ہے علی ہذا اگر چہ پیر اول زندہ ہو پیر ثانی سے بیعت ہوجانا بھی جائز ہے اس تمثیل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ پیر اول لائق رشد وارشاد ہوتا ہم جواز بیعت از پیر ثانی کو کچھہ کلام نہین مثلا اوستاذ ظاہری اگر چہ لائق استفادہ اور کامل النفس مگر باہم بوجہ عدم موافقت مزاج یا بوجہ کسی خواہش قلبی کے اور اوستاذ سے استفادہ علوم جائز ہے ایسے ہی پیر اول اگر چہ لائق وفائق ہو مگر بوجہ کسی امر آخر کے بیعت ہوجانا پیر ثانی بے شبہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جبکہ اس قسم کے پیر کا بعد دوسرے پیر سے بیعت ہوجانا جائز ہے تو جو پیر کہ خود لائق نہو اور اتباع شرع سے کچھہ علاقہ نہ رکھتا ہو ایسے پیر سے نقض بیعت کیون نہ جائز ہوگا بلکہ بنظر غائر یون معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پیر خلاف شریعت اور جوگی وضع سے نقض بیعت جائز ہونا کیا معنے بلکہ منجملہ واجبات ہے۔ اس لئے کہ پیری اور مریدی مین تعظیم منجملہ ضروریات ہے اور جو شخص کہ خلاف شرع ہو اور طریقت کو شریعت سے علیحدہ سمجھتا ہو ایسے شخص فاسق و گنہگار کی تعظیم و تکریم کیونکر جائز ہوگی اور ایسے شخص سے ہدایت کہان حاصل ہوسکتی ہے۔ (او خویش گم است کرا رہبری کند)

ایسے شخص کو پیر ہرگز ہرگز نہ بنانا چاہیے۔ پہلے ہی معلوم ہوچکا ہے کہ اہل طریقت بہ

نسبت اہل شریعت کے زیادہ تر تمبع شرع شریف ہوتے ہین اور بوجہ قرب خداوندی نہ اون لوگونکو مستحب چھوڑنیکی طاقت اور نہ مکروہ کرنیکی تاب باالجملہ طریقت کواتباع شریعت لوازمات ہے۔ بغیر اتباع شریعت کے قرب خداوندی اور وصول الی اللہ ہرگزنہین حاصل ہوسکتا۔

خود جناب باری ارشاد فرماتے ہین (ان اولیاء ولاّ المتقون) یعنی متقی ہی لوگ ولی اور مقرب الی اللہ ہین نہ کہ غیر متقی اور دوسری جگہ ارشاد ہے (ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم) یعنی بلاشبہ زیادہ عظمت وتوقیر والاتم مین سے نزدیک اللہ کے وہ شخص ہے جوزیادہ متقی ہو۔ان آیات بینات سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ قرب خداوندی کہ اصل طریقت ہے بغیر اتباع شریعت مطہرہ کے حاصل نہین ہوسکتا۔ظاہر ہے کہ اصحاب کرام سب سے زیادہ ولی کامل اور واصل الے اللہ ہین نہ اونسے حضرت غوث محبوب سبحانی زیادہ ہین نہ قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحم اللہ تعالے اور نیز ظاہر ہے کہ وہ لوگ طریقت کے اصول سے نہ ذکروشغل کرتے تھے نہ توجہ ومراقبہ نہ وہان دوضربی وسہ ضربی نہ جبس دوام فقط اتباع شریعت میں کمال حاصل تھا محبت رسول اللہ مین چور ہورہے تھے آپ کو ہر حال وزار پر جان نثار کرتے تھے نہ زن وفرزند کی فکر تہی نہ دنیا سے کچھ کام آپکی غلامی سے کام تہا اچھا معلوم ہوتا یا برا جیسا ارشاد ہوتا وہی کرتے تھے غرض اتباع حال وقال رسول سے بحث تھی بس یہہ ہی تو وجہہ ہے کہ امت رسول مین یکتائے روزگار ہوتے اور وحید عصر یا بالجملہ اتباع شریعت محمدیہ کی وجہہ سے اون لوگونکو یہہ قرب کامل حاصل ہوا ہے اگر بدون اتباع شریعت کے اور ہی اعمال سے قرب الٰہی حاصل ہوا کرتا تو چاہیے تھا کہ جناب باری عزاسمہ (لا لظلمین مثقال ذرۃ ولیس لظلام للعبید) جسکی شان ہے اون ہی لوگون کو جو خلاف شرع ہون اور اعمال مین بڑے چست وچالاک اپنا قرب کامل مرحمت فرماتا اور اون ہی کو ولی اور اکرم ہونیکا ارشاد ہوتا نہ کہ اصحاب کرام اور دیگر متقین امت کو غرض بعد ادنے فکر کے بلاتردد ظاہر ہوسکتا ہے کہ بدون اتباع شریعت قرب خداوندی کہ لب لباب طریقت ہے حاصل نہین ہوسکتا۔ بلکہ بدون اتباع شریعت طریقت بھی ہاتھ نہین آسکتی جو شخص کہ خلاف شرع ہو مبتلائے شرک ہو۔ مبتلاء بدعۃ ہو نہ وہ پیر

ہے نہ اہل طریقت بلکہ ایمان اسکا نیز محل خطر مؤمن کامل وہی ہے کہ بہ صدق قلب وتسلیم خاطر قائل لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہو نہ غیر اللہ کو لائق عبادت جانے اور نہ اقوال اعمال غیر رسول اللہ کو کہ مخالف شرع ہو داخل شریعت اور واجب الاطاعت جانے۔ جیسا کہ مشرکین غیر اللہ کو لائق عبادت سمجھتے ہین کہین کسی قبر کو سجدہ کرتے ہین کہین کسیکو طواف کہین کسیکو نافع جانتے ہین اور کہین کسیکو ضار وعلی ہذا القیاس اہل بدعتہ بھی افعال واقوال غیر رسول کو کہ شرع شریف سے بالکل بے لگاؤ محض ہون نہ بصراحتہ النص ثابت ہون نہ بدلتہ النص اور نہ بہ اشارہ النص نیز واجب الاطاعت سمجھتے ہین اور احکام شریعت سے بھی زیادہ تر التزام اوسکا کرتے ہین کہین کسی حسب ونسب کے قول وفعل کی سند لاتے ہین کہین صرف مقتضائے مواد نفسانی کی منہمک بدعات ہو جاتے ہین اور مبتلاء خرافات پابندی رسم وعادت کو عین عبادت جانتے ہین نہ قرآن سے بحث نہ حدیث سے اوسکے مخالف ہو یا موافق اپنے کام سے کام ہوتا ہے تاویلین گھڑ گھڑ کر قرآن وحدیث کو اپنے اقوال وافعال کے موافق کرلین نہ کہ اپنے افعال واقوال کو مطابق قرآن وحدیث کے کرین۔ بالجملہ جیسا کہ شرک مخالف لا الہ الا اللہ بدعت نیز مخالف محمد رسول اللہ ہے جیسا کہ مشرکین بوجہ اس مخالفت کے خارج اسلام ہین ایمان اور اسلام اہل بدعت کا خالی از خطرہ نہین۔ ہان اتنا فرق ہے کہ اہل شرک کی مخالفت ظاہر ہے کسیطرح سے گنجایش تاویل نہین بخلاف اہل بدعت کے کہ اونکو کافر یقینی نہین کہہ سکتے اگرچہ سرحد کفر داخل ہون لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہین۔ بالجملہ جو شخص کہ مبتلاء شرک ہو یا بدعتہ ہو مقتدا پیشوا ہونا ہرگز لائق اسکے نہین کہ اوسکو پیر بنایا جائے اور کامل بہ طریقت سمجھا جائے خود ارشاد فرماتے ہین (قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم) یعنی اے محمد ﷺ کہدو ان لوگون سے اگر دعوے محبت خداوندی ہے تو ہر بات مین اتباع محمدی کرو تا کہ محبوب اصلی خداوند کریم کو تمسے محبت ہو اور سارے گناہ تمہارے بخشدے اور اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر اتباع محمدی نہ مقام محبوبیت خداوندی مل سکتا ہے نہ بشارت مغفرت ذنوب۔ ظاہر ہے کہ جملہ عالم مین

جناب رسول اللہ ﷺ اصل محبوب خداوندی ہین اور آپ ہی کی نسبت ارشاد ہے (غفر لک ماتقدم من ذنبک وما تأخر) پس جو شخص کہ آپ کے رنگ ڈہنگ پر ہو اور آپ کے حال وقال سے کچھ مناسبت ومشابہت رکھتا ہو اور آپ کے افعال وحرکات سے کچھ نسبت بحکم اسکے کہ مشابہت محبوب نیز محبوب ہوتی ہے اور عنایت والطاف خاص مین کچھ شریک اوسیکو مقام محبوبیت مل سکتا ہے اور اوسیکی مغفرت ذنوب ہوسکتی ہے بخلاف اوس شخص کے کہ نہ اقوال وافعال رسول سے کچھ مناسبت رکھتا ہو نہ شریعت محمدیہ سے کچھ لگاؤ ایسا شخص موافق ارشاد آیت شریفہ مذکورہ بالا کے ہرگز کسیطرح مقبول خداوندی نہین ہوسکتا نہ از جملہ شریعت نہ از حد اہل طریقت غرض ایسے جوگیان زمانہ سے کہ متبع شریعت نہون بیعت ہونا ہرگز مناسب نہین۔ اگر اتفاق سے بیعت ہوگیا تو نقض اوسکا ضروری ہے بالخصوص اوسوقت مین جبکہ والدین ارشاد فرماوین ان کے ارشاد کے بعد امر مستحب بہی واجب ہوجاتا ہے اور امر مکروہ حرام چہ جائیکہ خود ایک ناجائز محض ہو کہ بعد ارشاد تاکیدات اونکی چھوڑ دینا بہت ہی ضروری ہوتا ہے ورنہ علاوہ نافرمانی خداوندی کا حقوق والدین کا وبال اور زیادہ سمجہنا چاہئیے۔

اس جواب سے جواب سوالات باقیہ نیز مذکور ہوگئے لہذا جواب مستقل لکھنا فضول۔ باقی یہہ امر بھی معلوم ہوگیا کہ بیعت ہونیکے لئے ایسے پیر کی ضرورت ہے جو متبع شریعت ہو اور غیر متبع شریعت سے بیعت ہونا جائز نہین بلکہ اونکی تعظیم وتکریم کرنا اور پیر بنانا موجب معصیت ہے۔ بالخصوص بعد منع فرمانے والدین کے خواہ اولاد صغار ہو یا اولاد کبار ایسے پیر سے بیعت نہ ہونا چاہئیے ورنہ دوگناہ لازم آتے ہین اور علی ہذا القیاس اگر ایسے پیر سے اتفاق سے بیعت ہوگیا ہو بعد ارشاد والدین نقض اوس بیعت کا اور بھی ضروری ہے۔ واللہ علم بالصواب

۴۹۔ در بارہ بیع سَلَم کھنڈ سال

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ شرائط بیع سَلَم جسکو عرف مین بدنی کہتے ہین اور آجکل کھنڈ سال والون مروج ہے یہہ بیع جائز ہے یانہین اور درصورت فوت ہونے شرط کے شرائط بیع مذکورہ سے کوئی حیلہ جواز بیع کا ہے یانہین۔

الجواب

کھنڈ سال والے جو اس کی بیع بطور سَلَم کرتے ہین شرعا یہہ عقد سلم جائز نہین منجملہ جوانِ شرائط بیع سلم ایک یہہ بھی شرط ہے کہ وقت عقد سے تا وقت حلول اجل و تا وقت اداء سلم فیہ یعنی مبیعہ کا وجود بازار وغیرہ مین پایا جائے ظاہر ہے کہ اس نیشکر کا اس قسم مین سے نہین ہے۔ رس اپنے عین وقت مین ہوتا ہے نہ قبل از وقت وعقد سلم وقت سے پہلے واقع ہوتی ہے پس یہہ عقد سلم کسیطرح جائز نہین فاسد ہے۔

ہان اگر یہہ مقابلہ صرف بطور وعدہ بیع کیا جائے اور وعدہ ہی کا طور عمل مین آوے البتہ مضائقہ نہین معلوم رہے کہ وعدہ بیع سے بیع لازم نہین چونکہ حکم مسئلہ ظاہر تھا اور شرائط سلم صراحتاً کتب فقہ مین موجود ہین اسلئے نقل عبارات کی ضرورت نہ سمجھی۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۵۰۔ جواب در بارہ سجدہ تحیہ

حامدً و مصلیاً و مسلماً۔ امابعد بندۂ نحیف خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت عزیز القدر گرامی منش برادرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب سلمہ خورجوی

سلام مسنون ودعاے ترقیات عرض کردہ می نگارد این است نامہ بطلب تحقیق مسئلہ سجدہ تحیہ رسیدہ بود عذر تاخیر جواب نامہ اولین نگاشتہ ام ایندم گو اطمینان کلی میسرم نیست دخلش ہنوز باقی مگر زیادہ ازین تاخیر جواب شاید مزید گرانی عزیز باشد ناچار جواب می نویسم ہان تامل این قدر دارم کہ مرد این کار نہ باشم استعداد من بمرتبہ رسیدہ کہ باوجود این مشاغل و مذاکرہ شبانہ روزی

برمسائل ضروری دین ہم عبور نہ دارم بہ تحقیق وتدقیق مسائل دقیقہ چہ رسد وآن ہمچو مسائل۔ مگر
چونکہ گفتہ اند خاطر عزیزان عزیز است ناچار بپاس خاطر عزیز بہ طفیل کفش برداری حضرات اساتذہ
ہرچہ بہ صفحہ خاطرم ریختہ اندمی نگارم واز فہم سلیم عزیز امید اصلاحش دارم لیکن اسقدر اول عرض کردن
ضروراست کہ مدار تکلف حب عقلی است وحب شرعی نہ حب عشقی آنانکہ بحب عشقی وبہ سودائے
محبت عشقی از خود رفتہ انداز مرتبہ تکلف یکسو بودہ مورد امر ونواہی شرعیہ نباشند از اوشان پرسیدن بہ حق
اوشان سخنے چندان موقع ندارد وارادت اوشان تابع اوشان است۔ علماء شریعت رابایدکہ اوشان را
معذور دارند دیگران را باید کہ افعال اوشان حجتہ نگیرند۔ شعر

مذہب عشق از ہمہ این جاجدا است عاشقان را مذہب وملت جداست

اکنون باصل جواب می پردازم عزیز من دانی کہ مطلق تعظیم ومطلق تذلل را عبادۃ نگویند
بلکہ عبادت ان مرتبہ تعظیم وتذلل را نام نہند کہ بامرتبہ خود رسیدہ باشد ومرتبہ از مراتب تعظیم وتذلل
فوق آن متصور نشود وچون چنین است لازم افتاد کہ مستحق عبادۃ ہمان ذات مستجمع صفات وکمالات
باشد کہ چند مراتب عزہ وکمال را فرا گرفتہ عظمت شان وعلو مرتبہ اش تابغایۃ خود رسد وبالائے آن
کدامے مرتبہ جلال وعظمت متصور چہ متوہم شود ونیز ظاہر کہ ہمچو علو برتبہ از مخصوصات باری است
واز مقتضیات شان اعلے وارفع معبود برحق وازین جاست کہ غیر اللہ را عبادۃ کردن یا سجدہ عبادت
بجا آوردن ہردو حرام بعینہ گفتند وکفر قرار دادند۔ چون کفرست وحرام بعینہ علے از علل اباحتش
نفرمودند واجازتش ندادند چہ کفر اباحتہ را نہ پزیرد حرام بعینہ حلال نہ شود۔ مگر مطلق کہ تعظیم فی الجملہ
عبادت ازان ست واز مرتبہ کمال دغایۃ فروتر غیر اللہ را نیز جائز فرمودہ اند۔ لہذا سجدہ راچون مظہر
غایۃ تذلل قرار دادہ اند وبرتبہ عبودیت راعنوان پس نظر براین سجدہ بغیر نیت عبادۃ باشد ومحض بنظر
تعظیم وتحیہ تاہم مستحق ممانعت است گو حرام بعینہ باشد واز مرتبہ کفر ادنے مگر بنظر ہمین عبادت بودن
آن حرمتہ را تقاضہ کند ونہی را خواہد لیکن ہمچو حرمتہ را حرمتہ لغیرہ گویندہ نہ حرمتہ بعینہ

بملل سابقہ از مرتبہ صورتش درگزشتہ ومرتبہ نیت را پیش نہاد خاطر فرمودند چنانکہ می

فرمایند (انّ اللہ لاینظر الی صُورکم واعمالکم ولکن اللہ ینظر الی قلوبکم ونیاتکم) حکم اباحتش دادند واجازتش فرمودند بلکہ در بعض صور مستحب فرمودند بامر استحبابی۔

اما آخر الامر نافہمی ابنائے وقت وکجی طبائع اوشان چون نوبت در شرک رسید از ہمین سجدہ تحیہ طرح شرک انداختند پس در شریعۃ استحباب آن منسوخ شدہ حکم بحرام بودن قرار یافت شارع صلوۃ اللہ علیہ ومعلامہ تقرع بحرمتش فرمودہ بحرام بودن آن اجماع امتہ فرق این قدر کہ علماء شریعت بالاتفاق از اصل اباحت منسوخش شمسر دند وبحق ہر واحد عام باشد یا خاص حکم بحرمتش دادند۔ وعلماء طریقت کہ علم حضرات اوشان ہم مؤید بہ نور کشف است اکثر باعلماء شریعت اتفاق کروند وشاید بعض حضرات اوشان استحبابش منسوخ داشتند واصل اباحتش راباقی نظر حضرات اوشان غالب برہمین افتاد کہ گاہے امر مستحب راکہ منسوخ می فرمایند استحبابش رانسخ می فرمایند واصل اباحت راباقی میدارند چنانکہ روز ہائے بیض ویوم عاشورہ کہ درسابق فرض بود چون منسوخ شد فرضیت برخاست استحباب باقی ماند۔ ہم چنین اینجا استحبابش برخاست نہ اصل اباحت۔

باقی علماء شریعت کہ سجدہ تحیہ را راساً حرام می فرمایند گفتہ کہ خوفاً عن العوام وانتظاما لامرالدین وسدً الباب شرک والکفر حرام فرمودند نہ این است کہ اصل اباحت برخاست واین گفتن گو کلیۃً درست نیست مگر احتمال صحیح است وگنجائش برخود دارد۔

واہل اصول متفق اند کہ نفی مقید بہ دو طور شدن تواند یکے آنکہ مطلق وقید ہر دو جزء مقید رفع کند سلب کند۔ دیگر آنکہ قید نفی شود وجزء ثانی کہ مطلق است بحال خود ماند پس استحباب کہ اباحت مقید را نام است نفی آن کہ عبارت از نسخ است ہم بدو طور متیو اند شد گاہے قید ومطلق ہر دو را نسخ کند ونفی نماید وگاہے قید۔ یعنی مرتبہ استحباب را نفی نمایند ونسخ کنند واصل اباحت باقی دارند۔ غرض نظر براین احتمال صحیح کہ ہم مؤید عقل است۔ غالب کہ بعضے از علماء طریقت باین رفتند ومحتمل کہ اصل اباحتہ باقی شمر دند وقول علماء شریعت راشاید مبنی بر انتظام شمردہ مخالف یامذعوم خود دیدند ونہی شرع را یا نہی سجدہ عبادت محمول نمودند یا محمول برزجر عوام امتہ۔

بالجملہ احادیث نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وقول علماء ومجتہدین ہم علے الراس والعین بناوند وسدالباب الکفر والشرک سجدہ تحیۃ را احرام می گفتند ونظر برہمین مصلحتہ حقہ دینہ احدے را اجازت نمی دادند بلکہ مے فرمایند۔ وچون مزعوم خودرانی الجملہ موئد عقل ونقل دیدند وآن چنان حجتہ قطعیہ کہ برین وجہ اصل اباحت نص قطع باشد ومحل دیگر ندارد نہ یافتہ بازعم خود اعتماد کردہ تاویل احادیث وتاویل ظاہر اقوال علماء ومجتہدین ذمہ خود کردند۔ تاہم باعلماء شریعت اتفاق کردہ متابعت ارشادات اوشان لازم شمردہ ادب شریعت را حفاظت فرمودند ازینجاست کہ خود حضرت سلطان الاولیاء والمشائخ" می فرمایند ہرچند میخواہم کہ مردم را منع کنم اما بحکم بقاء اباحت اصلیہ چنانکہ مزعوم اوشان گفتم بشرط عدم خوف فتنہ وعدم واہمہ تضلیل عوام امتہ شاید بحق خواص این سجدہ تحیۃ جائز میدانستند وخاص بحق آن خواص کہ بہ بحر توحید غرق ومستغرق شوند واز مرتبہ فنانی اللہ گم حال صادق دارند ومورد ذات حقہ باشند پیر واستاذ را مظہر تجلیات ربانی بینند کہ فرق ظاہر ومظہر کردن نتوان نظر اوشان ہمان تجلیات تامہ باشند کہ ظاہر رابینند نہ مظہر را پس ہمچو حالت استغراق اگر حال سجدہ تحیۃ کند مورد ملامت باشند ونہ موافق فہم اوشان مرتکب امر منکر۔

وموافق صاحب کتاب القبلہ کہ عبارتش ہم عزیز نقل کردہ اند این فقط فہم حضرات اوشان است بلکہ بعض از علماء واحادے چند فقہا ہم باین سو رفتہ اند کو قول اوشان نامعتبر است وروایات این شان نامسموع۔

بالجملہ بزعم نحیف چونکہ بناء قول ایشان ہمچو تاویلات است حضرات اوشان معذور اند غایۃ آنکہ خطا کردند براہ خطا اجتہادی رفتند۔ الحاصل بحق ہمچو مقبولان امتہ واساطین دین کہ برمقبولیۃ اوشان خود امتہ اتفاق کردہ اند ہمین کہ شرط ثبوت واقعی ہمچو اقوال اوشان را

ازملامت پاک اعتقاد دارند وقیاس قول علماء شریعت وقول اوشان جمع کنند وپالی ذامتہ رابرعوام امتہ قیاس نکنند۔ مولانا" می فرمایند۔ کار پاکان را قیاس از خود مگیر۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۵۱۔توضیح دربارہ سجدہ تحیۃ

اردو ترجمہ

مدار تکلف شرعی محبت عقلی اور محبت شرعی ہے نہ محبت عشقی اسلیئے بسا اوقات محبت عشق اگر اپنی پوری قوت اور پورے جذبہ کے ساتھہ ہو انسان اپنے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اگر یہہ تعلق خدا سے ہو اور وہ فنافی اللہ ہو یہان تک کہ اوسکو اپنے وجود کی بھی خبر نہین رہی چہ جائیکہ وہ اوامر ونواہی پر کماحقہ عمل کرے۔اس درجہ مین آکر یہہ لوگ مستثنے ہو جاتے ہین اور عوام کو انکی تقلید یا انکی حالت سے استدلال درست نہو گا۔

مطلق تعظیم مطلق تذلل کا نام عبادۃ نہین ہے ورنہ امراء اور سلاطین کا ادب اور اونکی تعظیم وتکریم بھی عبادۃ ہو جائیگی حالانکہ واقعہ ایسا نہین ہے بلکہ عبادت غایت تذلل اور غاتیہ تعظیم کا نام ہے اتنی تذلل اور اتنی تعظیم کہ اس سے زیادہ اوپر کوئی درجہ بندی یعنی انتہائی تذلل اور انتہائی تعظیم اور یہہ اوسوقت ہو سکتی ہے جب کہ ہمارے سامنے ایسی ذات ہو کہ اسمین تمام کمالات بطور اتم واکمل موجود ہون اور تمام نقائص سے وہ ذات ہمہ تن بری ہو ایسی ذات باری تعالے کے سوا کون ہو سکتی ہے اسلیئے سجدہ تعظیم یا تحیۃ اوسی ذات اقدس کیلیئے زیبا ہے جو تمام نقائص سے بری اور تمام ہی کمالات سے متصف ہے اور وہ حقیقت مین مسجود الیہ کی لائق ہے۔اسی وجہ سے علماء شریعت نے اوسکو حرام فرمایا ہے اور تمام علماء امتہ کا اسپر اتفاق ہے حرام کبھی حلال نہین ہو سکتا اور نہ کفر اباحت کو قبول کرتا ہے۔بالخصوص اس زمانہ پرفتن اور دہریت مین جبکہ عوام مسلمین مذہب سے کوسون دور ہون ضروری ہو جاتا ہے کہ سجدہ تعظیم سے شدت کے ساتھ روکا جائے۔کسی بزرگ کو حیات یا بعد الممات یا کسی شیخ کو سجدہ تعظیم درست نہین ہے یہہ تو اللہ تعالے کے لیے مخصوص ہے اور اوسی ذات اقدس کو یہہ سجدہ تعظیم دینا ہے یہہ کہنا اور یہہ تاویل کرنا کہ ہم سجدہ عبادت نہین کرتے سجدہ تعظیم کرتے ہین یہہ تاویل درست نہین اسقدر تذلل اور اسقدر تعظیم اوسی ذات اقدس کو زیبا ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے اور ہم سب اور وہ بزرگ سب اوسکے محتاج ہین اور جو کمال ان حضرات مین

موجود ہے وہ بھی اوسی ذات اقدس لاشریک کہ کا دیا ہوا ہے پھر سجدہ کرنا کوئی مطلب نہین رکھتا یقیناً سدِ ابواب الکفر والشرک ایسے سجدہ سے بھی ممانعت ضروری ہے۔

اگر کوئی بزرگ جو فنانی اللہ مین گم اور مستغرق تجلیات ربانی ہو اور کیفیت کا اسقدر غلبہ ہو کہ ظاہر اور مظہر مین بھی فرق نہ کر سکین وہ ان حالات خاصہ مین اگر کسیکو سجدہ کرلین تو وہ معذور ہو گئے ہمارے لئے اونکا یہہ عمل قابل تقلید اور نہ یہہ فعل باعث حجت ان کے نزدیک اسوقت بھی مسجود الیہ حقیقتاً خدا ہی ہے نہ کوئی اور۔

بہرحال سجدہ تعظیم جسکا دوسرا نام سجدہ عبادت ہے حقیقت مین یہہ دونون ایک ہی ہین سوائے خدا کے کسیکو جائز نہین ہے۔ شارع علیہ السلام نے سجدہ عبادت کو صراحتاً حرام فرمایا ہے اتنی ہیئت کذائی جیسی سجدہ اور رکوع مین ہوتی ہے کسی کے لئے بھی درست نہین چہ جائیکہ سجدہ اور اسقدر غایت تذلل اور غایت تعظیم جیسی کہ سجدہ اور رکوع سے واضح ہوتی ہے اسکا اللہ تعالے ہی مستحق ہے نہ کوئی اور البتہ کسی مکرم کے آنے پر بیٹھے سے صرف کھڑا ہوجانا جس کو نہوض کہتے ہیں درست ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو عورت کو اپنے شوہر کو سجدہ کرنیکی اجازت دیجاتی مگر چونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اسلئے عورت کو بھی سجدہ کی اجازت نہیں ہے۔

غور فرمائین کہ عورت کو سجدہ کی اجازت اگر ہوتی تو یہ ہی سجدہ تعظیم کی اجازت ہوتی کیونکہ سجدہ عبادۃ تو کسی حالت مین کسیکے لئے جائز ہی نہین آپ فیصلہ فرمائین کہ عورت کو حضور سجدہ تعظیم سے منع فرما رہے ہین تو اب ہمارے لئے سجدہ تعظیم کی کہاں گنجائش باقی رہتی ہے۔

یہہ استفسار مولوی عبدالرحمٰن خورجوی نے کیا تھا۔ اس میں انہوں نے مولانا احمد حسن کو جامع معقول و منقول اور فخر زمن کہا ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن خان خورجوی مولانا سید احمد حسن سے بیعت تھے اور ان کے حلقہء

ارادت مین شامل تھے۔ انہون نے یہہ استفسار خورجہ ضلع بلند شہر یو پی سے ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۱۵ کو فارسی میں ارسال کیا تھا جو سجدۂ تحیہ یا سجدۂ تعظیمی کے بارے میں ہے۔ اس کے جواب مین سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث نے لکھا۔ برادر گرامی قدر مولوی عبدالرحمٰن خان سلمہ اللہ تعالی آپ کا خط سجدۂ تحیہ کی تحقیق کے بارے مین ملا۔ مولانا نے بھی اس کا جواب فارسی مین دیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اردو ترجمہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

عزیز گرامی آپ یہہ سمجھ لیجئے کہ مطلق تعظم اور مطلق تذلل کو عبادت نہین کہتے۔ تعظیم و تذلل کا مستحق اللہ تعالی کی ذات ہے جو مستجمع الصفات ہے اور سجدہ اسی کے لئے زیب دیتا ہے۔ وہ معبود برحق ہے اس لئے غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے اور کفر ہے۔ چونکہ کفر ہے، حرام ہے اس لئے اباحت نہین اور اس کی اجازت نہین ہے۔ سجدۂ تعظیم کی ممانعت ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ اِنّ اللہ لا ینظر اِلی صُوَرِکم و اعمالکم ولکن ینظر اِلی قلوبکم و نیاتکم۔ اللہ تعالی تمہاری صورتون اور اعمال کو نہین دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلون کو ٹٹولتا ہے اور تمہاری نیت کو دیکھتا ہے۔ غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی سے شرک کا اندیشہ ہے اس وجہ سے اس کو جائز قرار نہ دیا۔

ہماری شریعت مین سجدۂ تعظیمی منسوخ ہے۔ یہان تک کہ شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر ہی اجماع ہے علماء نے اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا ہے اور ہر خاص و عام کو حرمت کا حکم دیا ہے۔ اہل طریقت نے بھی علماء سے اتفاق کیا ہے اور اس کو منسوخ گردانا ہے۔ جب اباحت منسوخ ہوگئی تو اب سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ جیسا کہ امم سابقہ مین یوم عاشور کا روزہ فرض تھا لیکن اب وہ ختم ہوگیا۔ سجدۂ تعظیمی کو شرک کے خوف سے حرام قرار دیا گیا اور یہی صحیح ہے۔ کسی نے اس کی اجازت نہین دی۔ خود حضرت سلطان الاولیاء نے اس سے منع کیا۔ یہہ امر منکر ہے۔ جو لوگ جائز سمجھتے ہین وہ خطا پر ہین۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ سجدۂ تعظیمی سے احتراز کیا جائے۔

احمد حسن غفرلہ

۵۲۔ درباره حیوانات جو بتونکے نام چھوڑتے ہین

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلے مین کہ اہل ہنود جو گائے یا بجار داغ دیکر اپنے بزرگون کے یا بتونکے نام چھوڑ دیتے ہین اور پھر اونسے کچھ تعلق نہین رکھتے اور وہ ہمیشہ جنگل مین مثل ہرنون پھرتے رہتے ہین اور انکی نسل مین اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے مگر عام اہل ہنود بہ خیال اسکے کہ ان کے ہاں گائے متبرک ہے اور وہ خود نہین مارتے اور نہ کھاتے ہین اور نہ کسی کے مارنے اور کھانے کو پسند کرتے ہین بلکہ مانع ہوتے ہین اور حاکم وقت نے حکم دیدیا کہ جسکے کھیت کا نقصان کرین وہ مارین لہذا اگر مسلمان اپنی کھیت کے نقصان کیوجہ سے یا جسکا کھیت نہو وہ شکار کرے تو درست ہے یا نہین۔

الجواب

اہل ہنود جس گائے یا بجار کو داغ دے کر اپنے بزرگون یا بتون کے نام پر چھوڑتے ہین اوسکو غیر اللہ یعنی بتون کے لئے چھوڑنیسے یہہ مطلب ہوتا ہے کہ اوس سے کوئی کام نہ لیا جائے ہر طرح کی خدمت سے اونکو بری رکھا جائے اور یہہ فعل اونکا ان کے زعم مین موجب نجات ہے او ر باعث رضامندی اصنام۔

یہہ مقصود نہین ہوتا کہ اوسکو غیر اللہ کے نام ذبح کیا جائے اور ۔۔۔۔۔۔ لغیر اللہ ہو اور اوسکی جان سواء حضرت جان آفرین جل و اعلیٰ دوسرونکے لئے نذر کیجائے ہوا بالجملہ واسکی جان نذر لغیر اللہ نہیں تاکہ ما اُھِلَّ لغیر اللہ مین داخل ہو اور بہ حکم نذر غیر اللہ حرام ہو اور اوسکا گوشت و پوست حرام ہوا بلکہ وہ از جملہ سوائب ہے اور یہہ فعل اونکا یعنی بنام اصنام چھوڑنا اور اس سے کسی قسم کی خدمت لینے اور نفع اٹھانے کو حرام سمجھنا ہماری شریعت مین بے اصل ہے اور اس حرمتہ کو منسوب الی اللہ کہنا افتراء علے اللہ ہے بالجملہ ہماری شریعت مین نہ اوسکا گوشت و پوست حرام نہ اوس سے دوسرے طور پر انتفاع ناجائز البتہ ہنود کے چھوڑنیسے وہ انہین کی ملکیت مین رہتا ہے اور بعد اس فعل کے اونکی مملوکیت سے نہین نکلتا پس بغیر اجازت ان کے اپنے تصرف مین لانا غصب ہوگا اور

ملک غیر مین بغیر اذن تصرف کرنا نا جائز ہے اس اعتبار سے اوسکو اپنے تصرف مین لانا درست نہین ہے ہان اگر وہ لوگ اپنے حقوق ملکیت سے ہر طرح دست بردار ہو گئے ہین تو بحکم (السلطان ولی لمن لا ولی لہ) اور بحکم استیلاء کفار سلطان وقت اوسکا مالک ہوگا اور بعد اذن سلطان یا نائب سلطان بعد اباحت سلطان فی حق الکل خود تصرف مین لانا اوسکا درست ہوگا۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

۵۳۔ مطلب حدیث بخاری شریف آ ذر

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال یلقی ابراھیم اباہ آذر یوم القیمہ وعلے وجہ آذر قترہ وغَبَرَۃ فیقول لہ ابراھیم الم اقل لک لاتعصنی فیقول ابوہ الیوم لا اعصیک فیقول ابراھیم یارب انک وعدتنی ان لاتخزنی یوم یبعثون فای جزی اَخزیٰ من ابی الا بعد فیقول اللہ انی حَرَمتُ الجنۃ علے الکافرین ثم یقال یاابراھیم ماتحت رجلیک فینظر ماذا ھو بذیخ متلطخ فَیُوخَذُ بقوائمہ فیلقی فی النار۔

ترجمہ:

حضرت ابراھیم اپنے باپ آ ذر سے قیامتہ کے دن ملینگے اس حالت مین کہ آ ذر کے چہرہ پر سیاہی اور گرد و غبار ہوگا حضرت ابراھیم آ ذر سے کہین گے کیا مین نے تمسے نہین کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کرو انکا باپ کہے گا کہ ہان مین تمہاری نافرمانی نہین کرونگا حضرت ابراھیم کہین گے کہ اے باپ آپنے مجھے وعدہ کیا تہا کہ مجھکو قیامتہ مین رسوا کرین گے میرے لئے اس راندۂ درگاہ باپ سے زیادہ اور کوئی قیامت ہوگی۔ باری تعالے فرمائین گے مین نے جنت کافرون پر حرام کردی ہے پھر فرمائین گے کہ تمہارے پیرون کے نیچے کیا ہے حضرت ابراھیم علیہ السلام ایک بجو کو گندگی مین لتھڑا ہوا دیکھین گے (یعنی آ ذر کو بشکل بجو دیکھین گے حضرت ابراھیم کو نفرت ہو جائیگی) پھر آ ذر کو جو بصورت بجو ہو گئے تھے دوزخ مین ڈال دیا جائے گا۔

اس حدیث سے اور آیت (فلما تَبَیَّنَ لہ انہ عدُ و اللہ تبرءَ منہ) مین تعارض ہے اور نیز

آیت لایتکلمون الامن اذن لہ الرحمن اور آیت من الذی یشفع عندہ الا باذنہ مین حدیث اور آیت اول مین اسطرح تعارض ہے کہ حدیث سے حضرت ابراھیم علیہ السلام کا آذر کے واسطے سفارش کرنا ثابت ہوتا ہے اور بوجہ تبری دنیا مین عداوۃ اللہ واقع ہوئی تھی پھر آخرۃ مین آذر کو کونسی محبت ہوگئی تھی جواوسکی محبت حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دل مین ایسی سمائی کہ استمزاج سفارش بلا اذن فرمانے لگے اور حدیث اور آیت ثانیہ مین اسطرح تعارض ہے کہ بدون ارشاد خداوندی کوئی شخص کسیکی سفارش نہین کرسکتا اور حدیث سے سفارش بلا اذن من عندنفسہ کرنی معلوم ہوتی ہے۔ انہ عدو لک۔ معنے عدو لک کے یہہ ہین کہ خدا کو اوس سے عداوت ہے مگر قیامتہ کو آذر کی عداوت مبدل بہ محبت ہوجاویگی اور کیون نہو خدا کی محبت سبکے تہ دل مین ہے دنیاء کی غشتین اوسکو دبالیتی ہین پھر قیامتہ کو بہ حکم کل نسب وجہہ ینقطع یوم القیامتہ الخ اور آیت یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ الخ دل لبریز محبت خدا سے اس طرح زائل ہوجائینگے جیسے راکھ آگ پر سے اوتر جاتی ہے یہہ ہی وجہہ ہے کہ روز قیامتہ کفار کے حق مین یوم الحزن کہلایا۔ حسرت بے محبت متصور نہین اور محبت طبعی قابل زوال نہین اپنی محبت طبعی ہے اور خالق کی محبت اوس سے مقدم کیونکہ حقائق ممکنہ موجود صرف یا وجود محض ہین ورنہ واجب ہوتے اور نہ معدوم محض ہین ورنہ ممتنع اور محال ہوتے مثل خطوط فاصلہ بین النور والظلمتہ۔ وحدود فاصل کی حقیقت ایک امر اضافی ہے یعنی انتہائی نور مثلا اوسکو کہتے ہین اور اس سے زیادہ اوسکی تعریف ممکن نہین ایسے حقائق ممکنہ امور اضافتہ یعنی منتہائے وجود صرف ہونگے اسلئے اونکا تعقل اوس ذی منتہا کے تعقل پر موقوف ہوگا اور کیون نہ ہو منتہیٰ کا تصور بغیر تصور ذی منتہیٰ متصور نہیں اس سے زیادہ اور کیا چیز اس کے اضافی ہونے پر دلالت کرے گی مگر یہ ہے تو ممکنات کا تعقل اس ذی منتہیٰ کے تعقل پر موقوف ہوگا اسلئے اپنی محبت بھی ذی منتہا کی محبت پر موقوف ہوگی اور چونکہ ذی انتہا وجود صرف ہے اور اوسکو ذات خداوندی سے ایسی نسبت جیسے شعاع کو آفتاب کے ساتھہ اور جیسے شعاعین بہ نسبت آفتاب اضافی ہین۔ کیونکہ اونکی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا بیان مین آسکتی ہین کہ وہ ایک پرتو آفتاب ہے ایسے ہی وجود موصوف بھی بہ نسبت ذات خداوندی کے

ایک امر اضافی ہوگا اور اسیوجہ سے تعلق اوسکا محقق ذات خداوندی کے تحقق پر موقوف ہوگا اور اس کی
محبت ذات خداوندی کی محبت پر موقوف ہوگی اور کیون نہو اپنی محبت اسیوجہ سے ہے کہ اپنا تحقق
اپنے ہی ساتہہ ہے (اور یہہ بات اس موقوف علیہ مین بدرجہا اولے ہے) یہہ دلیل عقلی تہی نقلی
توجیہ یہہ ہے خدا کا ارشاد ہے (ان اللہ لا یحب الکافرین) موقع ترش روئی محبوب مین واقع ہے
اور اوسکا صدمہ اوسیکو ہوسکتا ہے جسکے دل مین خدا کی محبت ہو کیونکہ ترشروئی محبوب سے محب ہی کا
دل تڑپ سکتا ہے اور کافرون کو اس کہنے کی گنجایش ہی نہین ہے کہ محبت نہین تو ہماری بلا سے اس
صورت مین آذر بروز قیامتہ مصداق عدو اللہ نہوگا بلکہ محب اللہ ہو جاویگا اور علت تبری زائل
ہوجاویگی آخر کون نہین جانتا کہ محبت خداوندی فی حد ذاتہ ایک عمدہ بات ہے اور محبت خداوندی بہر
طور لائق مراعات باقی عتاب خداوندی مانع محبت مذکورہ نہین بلکہ یہ عتاب خود اس محبت پر مبنی ہے
البتہ مقتضائے محبت یہہ تہا کہ محبوب کی اوسکے حال پر نظر عنایت ہوتی مگر اسکی یہہ بہی شرط ہے کہ
رضا جوئی بہی ہو ورنہ وہ محبت زیادہ تر، سرمایۂ عتاب ہوتی ہے مگر جیسے یہہ مخالفت رضا موجب
عتاب ہوجاتی ہے ایسے ہی وہ محبت اکثر باعث سفارش ہوجاتی ہے بالجملہ یہہ سب کارخانہ یعنی
عتاب وعنایت وسفارش متقضیات طبیعت مین سے ہوتا ہے۔ اسکی مخالفت بالارادہ کیجاتی ہے یہہ
ہی وجہ ہے کہ اہل دل اسوقت سفارش سے باز رہتے ہین کہ اوپر سے ممانعت ہوجائے یہہ ہی وجہ
ہوئی کہ کفار کی شفاعت نہ کی جائے گی یہہ نہین کہ اونکی شفاعت ہو نہین سکتی یعنی محال ہے بالجملہ
مراعات محبت خداوندی امر طبعی ہے پہر کافر ہو تو بوجہ ممانعت خداوندی شفاعت کی گنجایش نہین مگر
مراعات کچھ شفاعت ہی پر منحصر نہین یہہ مراعات حضرت ابراھیم علیہ السلام غور سے دیکھیے تو از قسم
شفاعت نہین بلکہ از قبیلہ طلب حق ہے یعنی آذر کی کیفیت معلومہ کو اپنی رسوائی سمجھکر یہہ عرض کیا کہ
مجھے یہہ وعدہ تہا کہ روز قیامتہ تجھکو رسوا نکرین گے شفاعت ہوتی تو وعدہ کے جتانے کی حاجت
نہوتی وعدہ کا جتانا خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے حق کے طالب ہین
کیونکہ وعدہ سے ایک قسم کا حق وعدہ کرنے والے پر ثابت ہوجاتا ہے یہہ ہی وجہ ہے کہ ایفائے

وعدہ ضرور ہے اور ظاہر کہ شفاعت مین اپنے حق پر نظر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے قبول نہ کرنے سے وہ شخص جس سے سفارش اور شفاعت کیجائے وہ لائق عتاب وملامت نہین ہوسکتا۔ واللہ تعالے اعلم بالصواب

وضاحت

خلاصہ کلام یہہ ہے کہ مسلمان ہو یا کافر ہر شخص کے دل مین محبت خداوندی ہے قیامتہ کا دن کفار کے حق مین یوم الحسرت ہوگا حسرت بغیر محبت اور تعلق کے نہین ہوسکتی البتہ دنیا کی محبت اور دنیا کے تعلقات اور امور دنیا مین انہماک اس محبت خداندی پر غالب آجاتے ہین۔ خالق اور مخلوق تعلق کو سب ہی جانتے ہین کون اس تعلق کو منقطع کرسکتا ہے اسیوجہ سے کفار بھی اللہ کو خالق مانتے ہین اور یہہ بات عقلی ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق سے ہوتا ہے دوسرے الفاظ مین اس [illegible] کو محبت خداوندی بھی کہہ سکتے ہین اب آذر کے دل مین اس لحاظ سے محبت خداوندی ہوگی مگر یہہ شبہ کہ جب اوسکے دل مین محبت خداوندی ہے تو پھر خداوند کریم کے الطاف وکرم کا وہ مستحق ہوگیا پھر ناراضی اور خفگی اور عتاب کیسا۔

محبت خداوندی جب ہی کار آمد اور مفید ہوسکتی ہے کہ رضا الہی بھی اوسکے ساتھ موجود ہو اور چونکہ کفر اور شرک ایسے عظیم گناہ ہین اور خدا کی رضا کے خلاف ایسے سخت بڑے گناہ ہین جن سے اللہ تعالے ناراض ہوجاتا ہے اور اگر توبہ نہین کی تو اللہ تعالے کی ناراضگی دائمی ہوجاتی ہے۔ اور پھر اوسکا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور عتاب اور غصہ منافی محبت کے نہین ہے باپ اولاد پر ناراض ہوتا ہے بعض وقت سزا بھی دیتا ہے اور یہہ سب جائز اور بر بناء محبت ہے نہ عداوت اسلئے آذر سے ناراضگی اور خفگی بر بناء اوس محبت کے ہے اور چونکہ کفر اور شرک اللہ تعالے کے انتہائی غصہ کا کام ہے اسلئے بر بناء اس گناہ عظیم کے وہ بخشش کے مستحق نہین ہونگے نہ بر بناء اصل محبت جو اسوقت کالعدم ہے۔

حضرت ابراھیم نے سفارش کی درخواست نہین کی بلکہ اوس وعدہ کو اللہ تعالے کو یاد

دلایا جو اللہ نے انسے کیا تھا کہ روز قیامتہ رسوانکرون گا لیکن حضرت ابراھیم نے جب اپنے باپ آذر کو بجو کی شکل مین اپنے پیرو کے نیچے دیکھا تو وہ خود متنفر ہو گئے اب وعدہ کے ایفاء کی درخواست سے بھی وہ خود رک گئے کہ ایفاء وعدہ کی کس کے لئے درخواست کرین یہان نہ آذر ہے اور نہ کوئی اور انسان بلکہ وہ آذر بصورت بجو پایا گیا اب ایفائے وعدہ کی گنجائش ہی کہان باقی رہی۔

۵۴۔ درباره بسم اللہ شریف

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ بسم اللہ شریف قرآن کا جزء ہے یا نہین اور اگر جزء ہے تو کیا بسم اللہ شریف ہر سورۃ کا جزء ہے اختلاف ائمہ مین راجح قول کیا ہے واضح دلائل نقلیہ وعبارات مدلل بیان فرمائین بعض کا خیال ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء نہین ہے اس شبہ کو رفع فرماتے ہوے جواب مرحمت فرمایا جائے۔ قاضی ظہور الحسن سیوہاروی

الجواب حامدا ومصلیا ومسلما

مخدومی۔ سلام مسنون۔ آپ نے جواب کیلئے مجھے مخاطب فرمایا ہے اس عزت افزائی کا شکریہ لیکن یہ کام علماء اور اون حضرات کا ہے جو استفتاء کا کام کرتے ہین۔ مین طالب علم جسکو نہ علمی لیاقت اور نہ مسائل پر عبور آپکی کیا تسلی کر سکتا ہے تاھم فہم ناقص مین جو آتا ہے عرض کرتا ہون اور خدا سے دعا کرتا ہون کہ وہ آپ کیلئے تشفی کا باعث ہو۔ وہو ہذا

محترم بسم اللہ ضرور قرآن پاک کا جزء ہے اور نہ اسمین کسی کا اختلاف ہے بلکہ اختلاف صرف ان دو صورتون مین ہے اول یہہ کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء ہے اور نیز ہر سورۃ کا جزء ہے اور یہہ ہی مذہب امام شافعی علیہ الرحمہ کا ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بسم اللہ نہ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورۃ کا۔ عبارت ذیل سے یہہ مفہوم واضح ہے۔ (سُمیٰ سرا فی کل رکعتہ وھی آیت من القرآن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحہ ولا من کل سورۃ. وقال الشافعی ھی آیت من الفاتحہ ومن کل سورۃ) (فتح المعین جزء اول) اس عبارت کے بعد شافعی فاتحہ اور ہر سورۃ کے ابتدا مین

بسم اللہ پڑہین گے کہ وہ دونون کا جزء مانتے ہین اور امام ابوحنیفہ امام اعظم کے نزدیک چونکہ وہ نہ فاتحہ کا جزء اور نہ سورۃ کا اسلئے وہ جزء خیال کر کے نہ پڑہین گے مگر چونکہ اجماع صحابہ اسپر ہے اور خود حضورﷺ کا بھی یہہ فعل رہا ہے کہ ہر رکعتہ کی ابتدا مین بسم اللہ پڑھی جائے فاتحہ سے قبل اور مابین فاتحہ وسورۃ نہ پڑھی جائے۔

چونکہ امام اعظم کے نزدیک بسم اللہ نہ فاتحہ کا جزء اور نہ سورۃ کا اسلئے بسم اللہ کو جہری اور سری نمازوں سراہی پڑہین گے جیسا کہ ہی سرانی رکعتہ سے واضح ہے نیز حدیث عن انس صلیت خلف النبی وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدامنہم یقرء بسم اللہ فکانوا الا یجہرون بسم اللہ رواہ احمد والنسائی باسنادہ علے شروط الصیحتہ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر رکعتہ کے ابتداء مین فاتحہ سے قبل بسم اللہ کو پڑھنا مسنون ہے گو بعض کا یہہ بھی مسلک ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء نہین ہے لیکن عبارت محولہ بالا سے واضح کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے اور یہہ ہی مذہب اصح ہے۔

ووجہ الاصح اجماعہم علے کتابتہا مع الامر تجریر الصحف وقد توارت فیہ وہو دلیل تواتر کو نہا قرآنا وبہ اندفعت الشبتہ لاختلاف۔ والدلیل علے انہا لیست من الفاتحہ الحدیث اذا قال العبد الحمد للہ یقول اللہ حمد نی عبدی الی اخرھم الحدیث فلو کانت بسم اللہ منہا لیبتدء بہا۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہوتی تو الحمد لللہ کے ساتھ بسم اللہ سے بندہ ابتدا کرتا حالانکہ بندہ الحمد لللہ سے ابتداء کر رہا ہے اور خداوند کریم جواب مین حمد نی فرما رہے ہین۔ واضح ثابت ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء نہین ہے البتہ چونکہ بسم اللہ قرآن پاک کا جزء ہے اسلئے ختم القرآن پاک کا وقت کسی مقام پر ایک مرتبہ بسم اللہ شریف کو پڑہ لینا چاہئیے۔ زمانہ نبوت سے لیکر آج تک یہہ ہی معمول رہا ہے ہذا ھو والمقصو دحررہ خادم ملت الجواب صحیح شیخ التفسیر الحدیث (عبدالرحمٰن کان اللہ لہ ومولانا سید رضا حسن مدرس

نوٹ: حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (مولانا) محمد امین

مدرس۔

حضرت والد بزرگوارؒ کی وفات کے بعد محترم قاضی ظہور حسن صاحب سیوہاروی نے یہہ استفتاء بندہ کے پاس بھیجا تھا مین اس زمانہ مین تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا اپنے اساتذہ سے مین نے اس مسئلہ کی تحقیق کی بحمد للہ یہہ مسئلہ صاف ہوا اور مدلل لکھکر قاضی صاحب کی خدمت مین روانہ کیا تھا بغرض رفاہ عام مسلمین شائع کیا جاتا ہے سید محمد رضوی

قاضی صاحب موصوف ذہین اور قابل شخص تھے مقبول شاعر بھی تھے تاریخ پر کافی عبور تھا اور حضرت والد بزرگوارؒ کے حلقہ ارادت وسلسلہ مین داخل تھے اس وجہ سے قاضی صاحب کو مجھ سے خاص لگاؤ اور تعلق تہا اور اسی بناء پر قاضی صاحب نے استفتا مجھ حقیر کے پاس جواب کیلئے بھیجا سوال سے قاضی صاحب کی ذہانت کا ہی پتہ چلتا ہے۔ اسوقت قاضی صاحب بقید حیات نہین ہین اللہ تعالے اون کی مغفرت فرمائے آمین سید محمد رضوی

قاضی صاحب مرحوم کو کہ بہ سلسلہ تالیف وتصنیف حضور نظام دکن سے بھی غالباً پچاس ساٹھہ روپیہ ماہانہ کی امداد تا حیات ملتی رہی۔

۵۵۔ مہر فاطمی اور مہر شرعی

کیا فرماتے ہین علماء دین اس مسئلہ مین کہ مہر فاطمی کی تعداد کیا تھی او مہر شرعی اور مہر فاطمی مین کوئی فرق ہے یا ایک ہین۔

الجواب

مقدار مہر حضرت فاطمہؓ کی تخمیناً ایک سو ساڑھے چھپن روپیہ ہوتی ہے اور مہر شرعی سے اکثر عرف مین مہر فاطمی مراد لیتے ہیں اس صورت مین مہر فاطمی اور مہر شرعی مین کوئی فرق نہوگا اور نہ اصل مہر شرعی سے مراد کہ ادنے مقدار اوسکی دس درہم سے کم نہو اور قدر زائد کی کوئی مقدار نہین زوجین جسقدر پر راضی ہون وھی مقدار ہے البتہ کمی مہر مسنون ہے (درھم کی مقدار مستحب ساڑھے

ماشہ چاندی ہے) واللہ تعالےاعلم بالصواب

نقل فتوی مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی

۵۶۔ جائداد بعوض دین مہر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس امر میں کہ زید کی ایک زوجہ اور تین دختر ہیں۔ اولادِ ذکور نہیں ہے۔ زید نے اپنی حیات وصحت میں بعد فراغ شادی دختران روبرو ہرسہ دختران ومردوعورت خاندان خود یہ بیان کیا کہ زیور ونقدی جو مرے پاس تھا وہ سب لڑکیوں کی شادی میں، مین نے خرچ کردیا۔ اب مرے پاس سوائے جائداد منقولہ کے کچھ نہیں ہے اس جائداد کو میں تمہارے سامنے اپنی زوجہ کو بعوض دین مہر پانچ ہزار روپیہ کے دیتا ہوں۔ آج سے یہ مالک وقابض ہے اس کو اختیار ہے کہ خواہ بیع رہن کرے یا رکھے چنانچہ اسی سال ۱۸۹۱ء سے کل آمدنی جائداد کی حسب اقرار زبانی زوجہ زید مذکور کے تحت تصرف وقبضہ اختیار پر مبنی ہے ہی بعد اس اقرار زبانی کے زید نے تاحیات خود جائداد مذکورہ میں اپنی زوجہ کے کچھ تعرض نہیں کیا وہ جائداد و آمدنی جائداد کی بطور خود مالک ومتصرف رہی اور انتقال زید کے داخل خارج جائداد کا زوجہ زید کے نام ہوا ان ہرسہ دختران نے اپنے نام داخل خارج ہونا نہ چاہا بلکہ اپنے حصے سے دست بردار ہوکر بیان کیا کہ ہماری والدہ بعوض دین مہر کے ہمارے باپ کی زندگی میں اس کا جائداد پر قابض و متصرف رہی ہم اپنے نام کا درج کرانا نہیں چاہتے بعدہ دو دختران خورد بحیات والدہ خود فوت ہوگئیں۔ ایک نے ایک پسر دوسری نے ایک دختر چھوڑی اور ایک دختر کا شوہر بھی منجملہ ہردو دختران مذکور کے اپنی زوجہ کی حیات میں فوت ہوگیا۔ بعد انتقال ہردو دختران مذکورہ کے زوجہ زید نے ایک ہبہ نامہ منجملہ جائداد درآمدہ دین مہر خود کی تخمینہ قیمت چار ہزار پانسو روپیہ اپنی دختر کلان موجودہ کے نام تحریر کرکے تکمیل رجسٹری وغیرہ سے کرادی اور باقی آمدنی جائداد کو تاحیات خود اپنے خرچے واخراجات ضروری کے واسطے رکھی اور اپنے خاندان والوں سے بیان کیا کے بعد انتقال

مرے اس جائداد باقی کی بھی مالک مری دختر موجودہ ہوگی اس کے بعد زوجہ زید بھی فوت ہوگئی۔ اس میں حکم فرائض کیا ہے یعنی ہر دو دختر اور دختران متوفیہ نے چھوڑے ہیں ان کا کوئی حق جائداد مذکورہ میں باقی یا اور کل جائداد سکنی وصحرائی پانچ ہزار سے زیادہ ہی نہیں اور پانچ ہزار دین مہر زوجہ زید کا ہے۔

الجواب

مدار عقود شرعیہ ایجاب وقبول عاقدین پر ہے۔ کاغذات تحریری جن کو قبالہ جات و دستاویزات بغرض یادداشت ہیں اور رجسٹری جواز جملہ شہادت ہے بغرض توثیق ان پر مدار عقود نہیں پس زید نے یہ تمامی جائداد روبروئے خاندان و بہ موجودگی دختران بعوض دین مہر اپنی زوجہ کو دیدی یہبہ زید کا صحیح ہے اور یہبہ بیع درست زید کا اپنے زمانہء حیات میں اس جائداد کو زوجہ کے تصرف میں اپنی تکمیل عقد کی کافی دلیل۔ اور یہبہ کل جائداد مملوکہ زوجہ زید ہے۔ زید کی ملک نہیں۔ فوت زید وہ متروکہ زید قرار پائے اور دختران زید کو اپنے حصہء شرعیہ کا اس میں استحقاق ہو حال زوجہ زید متوفی کے نام اِس جائداد کا داخل خارج ہونا ضرور تھا بالخصوص اس حالت دختران زید نے جو وارث زید تھیں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہبہ جملہ جائداد بعوض دین مہر ہی والدہ کی ملک ہے اور ہم کو اس میں کچھ دعویٰ نہیں اب چونکہ زوجہ زید نے بحالت صحت وعقل اور اپنی دختر کے نام ہبہ کردی۔ یہبہ تصرف اس کا نیز صحیح ہے۔ جس قدر جائداد ہبہ کرنے سے باقی تھی اس کا بھی ہبہ زبانی کردیا ہے۔ دوسرے برتقدیر عدم صحت یہ تسلیم ہبہء زبانی وہ متروکہء زوجہء زید ہوگی۔ وارث اس کی ایک دختر ہے دختران فوت شدہ کی اولاد۔ دختر چونکہ از جملہ اصحاب فروض ہے اور اولاد دختر جملہ ذوی الارحام اور ہوتے اصحاب فروض کے ذوی الارحام محروم رہتے ہیں۔ اس لئے صورت مستفسرہ میں مسئلہ ردیہ ہوکر جملہ جائداد باقیہ نیز دختر کو ملے گی اور اولاد دختر محروم رہے گی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامروہی

۵۷۔ نقل فتوی دار العلوم دیوبند

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا محلہ ایسا ہے کہ وہاں پر اولا کوئی مسجد نہ تھی۔ اس محلے کے بعض بعض شخص دوسرے محلے کی مسجد میں جو بہت قریب ہے نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے پھر تھوڑے دنوں کے بعد سب لوگ متفق ہو کر اس محلے میں ایک مسجد بنوائی لیکن بانی مسجد اس کا ایک ہی شخص ہے سب کو نماز کے لئے اذن عام دیدیا عرصہ مدت تک اس مسجد میں وہاں کے سب لوگ نماز جمعہ پڑھی پھر کسی دنیا کے معاملات کی وجہ سے اس محلہ مذکور کے بعض شخص سے اور بانی مسجد سے غایت درجے کی دشمنی ہوگئی۔ حتیٰ کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور سابق میں جس مسجد میں پڑھتا تھا اس کی بنا کے قبل ۔۔ پھر وہاں پر پڑھنا شروع کیا جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم اپنے محلے کی مسجد میں کیوں نماز نہیں پڑھتے ہو تو کہتا ہے کہ ہم کو خوف معلوم ہوتا ہے وہان جانے میں۔ ہم نے سنا ہے کہ بانیٔ مسجد کہتا ہے کہ اگر فلاں شخص ہماری اس مسجد میں آوے تو میں ان کو قتل کرونگا۔ اور جب بانی مسجد سے پوچھا جاتا ہے تو کہتا ہے یہہ سب جھوٹ ہے میں نے اِس کو ہرگز نماز کے لئے منع نہیں کیا کیونکہ مسجد تو میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے۔ نماز کے ساتھ کیا دشمنی۔ ہاں البتہ ان کے اور ہمارے درمیان دنیا کے چند معاملات میں نا اتفاقی اور دشمنی ہے اور گواہ ہر ایک کا اپنے اپنے دعویٰ پر موجود ہے تو اس تقدیر پر وہ شخص کہ جس کے اور بانی مسجد کے درمیان دشمنی سے اس چھوٹے محلہ مذکورہ میں دوسری مسجد بنوا کر جمعہ وغیرہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہہ مسجد ثانی، مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ یا مسجد ضرار کے اس کا جواب، دلائل واضح وفقہی بمطابق مذہب حنفیہ کے تحریر فرمائیں۔ حکم الثواب عند الملک العزیز الوہاب

الجواب

دنیاوی دشمنی اور عداوت کے سبب دوسری مسجد قریب مسجد اول کے بنانا جبکہ بنا اس کی محض اسی لئے ہے جائز نہیں اور کیا عجب ہے کہ حکم مسجد ضرار میں ہو جاوے اگرچہ نماز اس میں بھی

ہو جائے گی مگر یہہ امر درست نہیں کہ موجب تفرقہ اہل اسلام ہے۔

کتبہ عزیز الرحمن غفرلہ دیوبندی

الجواب صحیح

بندہ محمود حسن غفرلہ دیوبند

۵۸۔ بیع وہبہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلے میں کہ شیخ نجیب خان فوت ہوئے ایک زوجہ، تین دختر اور تین برادرزدگان چھوڑے وقت اندراج نام ورثہ کا غذات سرکاری میں دختران نے یہہ اظہار کیا چونکہ والدہ ہماری ترکہ پر بدین مہر قابض ہے لہٰذا اپنا نام لکھوانا نہیں چاہتے بلکہ نام ہماری والدہ کہ درج کاغذات سرکاری ہو جائے پس کاغذات میں نام زوجہ کا ہوا اور دختران اور برادرزادگان کا نام درج نہیں اب سوال یہہ ہے کہ آیا اظہار کلام دختران سے اور درج ہونے نام زوجہ سے کاغذات سرکاری میں اس ترکہ میں سے حصہ دختران کا ساقط ہو گیا اور سب ترکہ ملک خارجہ میں ہو گیا یا نہیں۔ بینوا توجزوا

الجواب

اس صورت میں ترکہ غلام نجیب خان سے حصہ دختران کا ملک والدہ دختران میں ہرگز منتقل نہیں ہوا۔ اور اس کلام اور اظہار دختران سے اور درج ہونے نام والدہ سے کاغذات سرکاری میں حصہ میراث دختران کا ساقط نہیں ہوا بلکہ ملک دختران کی اپنے حصہ میراث میں بحال قائم ہے ہرگز اس کلام سے ملک والدہ میں انتقال نہیں ہوا۔ کیونکہ یہاں سبب انتقال ملک دختران سے ملک والدہ کے دو امر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک ہبہ دوسرے بیع اور بیع دونوں سبب یہاں معدوم ہیں۔ اس کلام واظہار سے نہ ہبہ ہو سکتا ہے نہ بیع اول یہ کہ بیع و ہبہ میں بائع اور واہب خطاب مشتری اور موہوب بھی کر کے کہتا ہے۔ کہ یہہ چیز میں نے تم کو دی یا وکیل مشتری اور وکیل

موہوب سے کلام کرتا ہے اجنبی آدمی سے یہہ کلام لغو ہے کیونکہ اس سے عقد اور ہبہ نہیں ہے غیر سے ایسے کلام کا کہنا اخبار ہوتا ہے کہ جو قبل وقوع بیع و ہبہ کذب ولغو ہے کیونکہ عقدِ بیع و ہبہ انشاء ہے کہ اسی وقت یہہ کیا جاوے نہ جبر کہ جس کا وجود پہلے ہو چکا ہے پس اہل مدرسہ سرکاری جس سے دختران نے خطاب کیا کہ نام ہماری والدہ کا درج کیا جائے نہ اصل ہے نہ وکیل۔ والدہ کا ہے۔ بلکہ وکیل سرکار کا ہے پس اس سے کلام کرنے میں عقد بیع و ہبہ کا ہونا محال ہے لہٰذا اس اظہار سے ہرگز عقد بیع و ہبہ نہیں ہوسکتا۔ قال فی الہدایہ البیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کانا بلفظ الماضی مثل ان یقول احدٗ ھما بعث والاخر اشتریت وفیہ ایضا فی البیان البیعت تصح بالایجاب والقبول القبض۔ اما الایجاب اولقبول فلانہ عقد والعقد ینعقد باالایجاب والقبول۔ وقال فی الہدایۃ وینعقد الیہ بقولہ وہبت ونحلت واعطیت الخ

پس جس صورت میں کہ یہاں دوسرا کوئی مخاطب قبول کرنیوالا موجود نہیں نہ اصالۃ نہ وکالۃ تو یہہ عقد بیع و ہبہ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہہ کہ یہ الفاظ اظہار کے الفاظ بیع و ہبہ نہیں کیونکہ الفاظ بیع و ہبہ سے وہ ہوتے ہیں۔ کہ جس سے تملیک کسی شے کی دوسری کوئی پائی جائے۔ اور یہاں یہہ لفظ کہنا کہ نام والدہ کا درج ہو اعطاء وتملیک پر کسی وجہ سے دال نہیں بلکہ اس کے معنی نام لکھا دینا ہے جو تملیک کے غیر ہے۔ پس جب معنی اعطاء وتملیک کے اس میں نہ پائے گئے۔ تو یہ لفظ مفید ہبہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ مفید بیع ہوسکے۔ کیونکہ بیع و ہبہ بدون ایجاب کے منعقد نہیں ہوسکتے قال فی درالمختار فی بیان معنی الایجاب والقبول وھما عبارۃ عن کل لفظین ینبئان عن معنی التملیک والتملک ماضیین (دو ماضی) کبعث واشتریت وحالین۔

۔ اور الفاظ ہبہ میں سے ہبہ بھی یہ لفظ نہیں کیونکہ الفاظ ہبہ کی وہ ہوسکتے ہیں جن میں معنی تملیک پائے جائیں اور فرق ہبہ اور بیع میں صرف ثمن کا وجود عدم ہے۔ پس جیسے الفاظ تملیک بیع کے واسطے ضروری ہیں ایسے ہی صحت ہبہ بھی الفاظ تملیک پر موقوف ہیں۔ اسکے باوجود یہ اگر یہہ لفظ ہبہ و بیع کے واسطے مستعمل ہوتا بھی تاہم یہہ لفظ امر ہے اور صحت بیع وانعقاد عقد بیع کے واسطے

الفاظ ماضی شرط ہے۔جیسا کہ عبارت متقدمہ ہدایہ سے واضح ہے نیز درمختار میں ہے۔ واما المتمحض للاستقبال نکالامر لایصح اصلاً تیسرے یہ کہ یہاں والد کی طرف سے کوئی لفظ قبول نہیں بلکہ محض سکوت ہے اور عقدِ بیع و ہبہ بدون قبول کے منعقد نہیں ہوسکتا لہذا جب ایجاب مرتفع تھا قبول بھی یہاں نہیں ہے۔ پس بلا ایجاب وقبول کے اس کا عقد بیع ہونا ممکن نہیں کیونکہ ایجاب وقبول رکن بیع وہبہ ہیں۔کما قال فی الہدایہ فی باب البیع ینعقد بالایجاب والقبول وفی درالمختار ولا یتوقف سطر العقد فیہ ای البیع علی قبول غائب فلو قال بعت فلاناً الغائب فبلغہ فقبل لم ینعقد وفیہ فی بیان الہبہ ورکنہا الایجاب والقبول۔

چوتھے یہہ کہ اگر اسکو ہبہ تسلیم کیا جائے تو ہبہ مشاع کا فاسد ہے اور موجب ملک موہوب لہ کا نہیں ہوتا اور یہہ ترکہ مشترک ہے کیونکہ اس میں حصہ برادرزادگان کا بھی موجود ہے پس اگر دختران نے اپنا حصہ والدہ کو ہوسکتا بھی ہو تو یہہ مشاع کا ہوگا۔ اور یہہ مشاع سے ملک والدہ کی شے موہوب میں ہرگز نہیں ہوسکتی۔ قال فی درالمختار ولو سلمہ شائعاً لایملک ولا ینفذ تصرفہ فیہ اور بیٹو نکا یہہ قول کہ والدہ ہماری بدین مہر ترکہ پر قابض ہے جواب اسکا یہہ ہے کہ قبضہ زوجہ کا ترکہ زوج پر بدین مہر قبض ملک نہیں ہوتا بلکہ قبض اس کا قبض رہن ہوتا ہے کہ زوجہ کو اختیار بیع رہن کا نہیں لہذا اس قبضے سے کبھی ملک والدہ کی جو زوجہ متوفی ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ورثہ بیع شرعی بعوض دین مہر کہ دین یا حاکم دین مہر میں ترکہ نیلام کرادیتا تو زوجہ البتہ مالک ہوسکتی تھی۔ مگر یہاں معلوم ہے کہ ورثہ نے بیع نہیں کی اور نہ حاکم نے نیلام کرایا اس کو کسی طرح ملک زوجہ نہیں کہہ سکتے۔

مہر اسمہ احمد

۵۹۔اذان میں تقبیل ابہامین

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان میں نام پاک ﷺ کا سن کر انگوٹھوں کا چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا ہے۔ جواب صاف

حدیث صحیح سے مع ترجمہ حدیث بینوا توجروا۔

الجواب

نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل جو احادیث کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور جن روایات کے بھروسے تقبیل ابہام کو سنت یا مستحب سمجھا جاتا ہے وہ جملہ بہ تحقیق محدثین نامعتبر ہیں بلکہ از جملہ موضوعات۔ امام شوکانی کتاب فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث مسح العینین بباطن اعلی السبابتین عند قول الموذن اشھد ان محمد الرسول اللہ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق مرفوعاً قال ابن الطاہر فی التذکرۃ لایصح انتھی اور نیز تحریر فرماتے ہیں من قال حین یسمع اشھد ان محمد الرسول اللہ مرحبا بحبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ ثم یقبل ابھامیہ و یجعلھما علی عینیہ، لایصح۔ اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی اپنی کتاب مقاصدی احادیث المشتہرہ علی الالسنۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ لایصح فی المرفوع من کل ھذا الشئی

اور ملا علی قاریؒ نے تذکرۃ الموضوعات میں ان احادیث کو از جملہ موضوعات تحریر فرمایا ہے روایات فقہ جو اس کے استحباب میں خزانت الرویات یا کنز العباد و جامع الرموز و فتاویٰ صوفیہ سے نقل کی جاتی ہیں۔ وہ بھی نامعتبر ہیں۔ کتب متدالدلہ عندالعلماء میں کہیں اس قسم کی روایات کا پتہ نہیں اور خود یہ کتابیں جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام ان کے اوپر مرقوم ہوئے عندالعلماء نامعتبر ہیں۔ ان کتب میں رطب ویابس کو بلا تنقیح جمع کردیا ہے چنانچہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے اپنے رسالہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں اس مضمون کو مفصل لکھا ہے بالجملہ مسئلہ تقبیل الابھامین ایک بے اصل مسئلہ ہے احادیث صحیحہ و روایات کے بالکل خلاف۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔

حررہ خادم الطالبہ (احمد حسن غفرلہ)

۶۰۔رسم ورواج دوجا تیجہ بیسواں چالیسواں

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیاں شرع متین اس مسئلے میں کہ یہاں پر جو رسم ورواج جاری ہے کہ سوم دوم وبستم وچہلم کو قبرستان میں جاکر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں اور ثبوت اسکا کتاب تِلک عشر سے لیا ہے اس حدیث سے کہ آپ ہر سال کے ختم ہوجانے پر قبرستان شہداء اُحد پر جاتے تھے۔مع اصحاب کے جواب صاف صاف حدیث صحیح سے۔بینوتوجزوا۔

الجواب

ادلّہ ءشرعیہ دوطور پر ہیں ایک وہ جن کو شارع نے قید زمان ومکان ودیگر قیودات و تعینات کے ساتھ مقید فرماکر مامور فرمایا ہے۔مثلاً نماز جس میں قیودات زمانی ومکانی وتعداد رکعات وغیرہ سب ماخوذ ہیں یا روزہ جس کی ابتداء وانتہاء کو محدود وموقت کرکر مامور فرمایا گیا۔ ایسے اوامراء ایسے مامورات شرعیہ کو مقید کہتے ہیں۔دوسری قسم وہ جس میں کوئی قید زمانی ومکان اور کوئی ہیت خاصہ اس کی ادا کے اندر ماخوذ نہیں کیف ماآتفق جس طور پر بن پڑے ادا کرنا اسکا صحیح ہے مثلاً جہاد کہ بعدر جاء شوکت جس طور پر کہ موقع وقت سمجھا جائے ادا کرنا اس کا صحیح ہے۔زمان خاص اور وقت معین یا مکان خاص یا سلاح مخصوص یا عدد معین کوئی قید اس میں ماخوذ نہیں ایسے مامور شرعی کو مطلق کہتے ہیں۔مطلق شرعی ہر مقید میں موجود ہوسکتا ہے۔کسی قید مخصوص کے ساتھ اس کو مقید کرلینا اور قید خاص کو اس میں داخل سمجھنا بدعت ہے۔جیسے مقید شرعی کی قیودات کو اُٹھا دینا اور یوں سمجھنا کہ بضمن ہر مقید ادا ہوسکتا ہے۔قید خاص کی کیا ضرورت ہے بدعت ہے۔بالجملہ مطلق شرعی کو مطلق رکھنا ضرور ہے اور مقید شرعی کو مقید۔مطلق کا مقید کرنا اور مقید کا مطلق دونوں از جملہ بدعات مستقبحہ ہیں۔کیوں نہ ہو کل بدعت ضلالتہ وکل ضلالت فی النار ایصال ثواب نیز مطلق شرعی ہے کوئی قید زمان ومکان اور کوئی ہیئت خاصہ اور طرز خاص اس میں ماخوذ نہیں۔نقد ہو یا طعام جو بن پڑے بدنی ہو یا مالی ہر طرح ایصال ثواب جائز ہے اور امید ہے کہ مردہ کو ثواب ملے اور فائدہ ہو اس کو مقید کرنا بے شک بدعت قبیحہ ہے

فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی الموسم واتخاذ الدعوت لقراۃ القرآن وجمع العلماء والقراء للختم اوالقراۃ سورۃ الانعام والاخلاص یعنی مکروہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن یا تیسرے دن یا بعد ہفتہ یا لیجانا کھانے کا بجانب قبر عرس وغیرہ مین اور دعوت لینا بوجہ قرآن خوانی کے اور جمع کرنا صلحاء اور قراء کا واسطے ختم قرآن کے یا واسطے ختم سورہ انعام واخلاص کے۔

علامہ مستملی شارح منیۃ المصلی تحریر فرماتے ہیں یکرہ اتخاذ الضیافۃ من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وہی بدعت مستقبحۃ یعنی مکروہ ہے ضیافت لینا اہل میت سے اس لئے کہ ضیافت فی حالت السرور مشروع نہ فی حالت الحزن والغم اور ضیافت یعنی بدعت قبیحہ ہے اور فتح القدیر مین نیز یہی عبارت مرقوم ہے۔ بالجملہ تعیین وقت مثلاً سوم دہم بستم چہلم اور قبر پر بالالتزام جانا اور ان رومات ناجائزہ کو ادا کرنا دونوں از جملہ بدعات مستقبحہ (قبیح) ہین اور جائز نہیں۔ حضور سرور عالم ﷺ کا علی راس کل حول یعنی ہر سال شہداء اُحد کے قبرستان پر جانا بغرض اداء رسم چہلم وبرسی وغیرہ کہیں ثابت نہین اور نہ کسی روایت صحیحہ مین جوائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہو ثبوت اس مضمون کا۔ البتہ علی سبیل الاتفاق ولوکان علی راس الحول زیارت قبور کی غرض سے تشریف لے جانا بیشک ثابت ہے یون نہین کہ حضور وہاں تشریف لے جا کر کوئی رسم ان رسوم مروجہ سے ادا فرماتے ہون۔ حاشا ثم حاشا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی ﷺ یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم یعنی نبی کرم علیہ التحیات والتسلیم وحضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم قبور شہداء پر ہر سال جا کر سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث سے زیارت قبور شہداء کو اور سلام علیکم جواز جملہ آداب زیارت قبور ہے کہنا ثابت ہوا۔ رسومات مروجہ کا ادا کرنا ثابت نہیں پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے ہرگز صحیح نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم وعلمہ اتم

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی غفرلہ

۶۱۔افادہ

کنایات طلاق ان الفاظ کو کہتے ہیں جن کی وضع طلاق کے واسطے نہ ہو یعنی جو صراحتاً طلاق پر دلالت نہ کریں مگر معنی طلاق کو محتمل ہون اور احتمال طلاق کا رکھتے ہون ان کی تین قسم ہین ایک وہ قسم کہ جیس معنی طلاق کو محتمل ہو۔ ردکلام کو نیز محتمل ہو جیسا کہ لفظ اخرجی اذہبی، قومی دوسری وہ قسم کہ ردکلام کے سوا معنی سب وشتم وزجر کا احتمال رکھے جیسا کہ الفاظ خلیہ، برتیہ، تبتہ، حرام، مامن تیسری وہ قسم کہ ردکلام کا اس میں احتمال ہو نہ سب، گالی کا حالت رضامندی میں یعنی وہ حالت کہ مذکورہ طلاق ہو نہ حالت غضب ہو ہر سہ اقسام کے تلفظ سے طلاق بدون نیت واقع نہیں ہوتی حالت رضا مین وقوع طلاق نیز نیت پر موقوف ہے اور حالت غضب مین قسم اول اور قسم ثانی دونون وقوع طلاق نیز نیت پر موقوف ہے اور اگر نیت نہین گو حالت غضب ہے طلاق واقع نہین ہوئی ہان قسم ثالث کے الفاظ کہنے سے بحالت غضب طلاق بغیر نیت واقع ہو جاتی ہے۔ اور حالت مذاکرہ طلاق میں یعنی جس وقت مین یا تو زوجین مذاکرہ طلاق کر رہے ہون۔ قسم اول کے الفاظ موقوف علی النیت ہین اور قسم ثانی اور قسم ثالث کے الفاظ اگر غایت مذاکرہ طلاق زبان سے سرزد ہون تو بغیر نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

واللہ اعلم علمہ اتم

خادم الطلبہ احقر الزمن

۲۸ جمادی الثانی چہارشبہ ۱۳۱۵

۶۲۔جواب سوال برآمدہ از کاٹھیاواڑ

الجواب واللہ تعالیٰ ملہم بالحق والصواب

اولیاء کرام کی تعظیم بے شک از جملہ شعائر اسلام ہے اور ان سے عقیدت راسخہ اور محبت صادقہ رکھنے والا بے شبہ من جملہ آثار کمال ایمان ہے حضور سرور عالم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

من احب اللہ والغیض اللہ واعطی اللہ ومنع للله فقد استکمل ایمانہ مگر ہر چیز کا حسن اوراس کی خوبی اسی وقت تک محفوظ رہتی ہے کہ وہ شئے اپنے اندازے پر رہے نہ کم ہو نہ زیادہ ورنہ حسن کہاں ۔ بیشک بعد کمی بیشی کے وہ شئی قبیح و مذموم ہو جاتی ہے حسیات میں دیکھئے ۔ کھانے میں خوبی طعام وخوش ذائقگی مطعومات جملہ نمک کے ساتھ وابستہ ہین یہ خوبی ذائقہ ولذت طعام جملہ اسی وقت محفوظ ہے کہ نمک اپنے اندازے پر محفوظ رہے نہ کم ہو نہ زیادہ ورنہ درصورت کمی بیشی نمک کے عمدہ عمدہ اغذیہ کیسی بدمزہ ہو جاتی ہین اور کس درجہ باعث تلخکامی ۔ دینیات مین ملاحظہ فرمایئے حضرت عیسی علیہ السلام سے حسن اعتقاد رکھنا کیسا اچھا اور کس درجہ ضروری کہ بغیر اس کے ایمان میسر نہیں لیکن اگر اس درجہ افراط کے ساتھ کہ ان حضرت کو عین اللہ یا ابن اللہ سمجھا جائے یا اس مرتبہ کم کہ ان کی نبوت پر اقرار نہ ہو ایمان کہاں اور حسن کجا ۔ اس درجہ قبیح و مذموم کہ عین کفر ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عقیدت اور محبت راسخہ رکھنی کیسی اچھی اور کیسی ضرور بغیر اس کے فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت سے خارج لیکن اگر اس مرتبہ افراط کے ساتھ ہو کہ ان حضرات کو اوّل الخلفاء اعتقاد کیا جاوے یا ہم مرتبہ حضرت رسالت یا اتنا کم کہ بجائے حسن عقیدت کے بداعتقادی ہو حسن کہاں اس مرتبہ قبیح کہ بعد اس افراط وتفریط کے یا رافضی قرار پائے یا خارجی ۔ بدعت جو شرعاً مذموم ہے اور وہ بھی اس مرتبہ کہ ارشاد فرماتے ہیں کل بدعت ضلالت وکل ضلالت فی النار یا فرماتے ہیں البدعت شرک الشرک یعنی جیسا کہ شرک منافی ہے لا الہ الا اللہ کے اور اس اول جز و ایمان کے مخالف ہے علی ھذا بدعت دوسرے جز و ایمان کے خلاف ہے اور محمد رسول اللہ کے منافی ۔ بنا اس درجہ مذمومیت کے اس امر پر ہے کہ امور شرعیہ اور مسائل احکام دینیہ جس اندازہ کے ساتھ شارع کی طرف سے ثابت ہین ۔ بعد احداث بدعت وایجاد امور جدیدہ اس انداز شرعیہ پر محفوظ نہین رہتے بلکہ ان میں یا افراط زیادتی من عند النفس واقع ہوتی ہے یا کمی وتفریط ۔ بالجملہ مدار حسن اعمال وخوبی افعال نیز اس پر ہے کہ وہ اعمال وافعال اپنے اندازہ شرعی پر محفوظ رہین ورنہ وہ اعمال اگرچہ از جملہ حسنات تھے بعد افراط وتفریط از جملہ سیئات ہونگے ۔ اکابرین واولیاء ومقربان امت سے محبت صادقہ اور عقیدت

راسخہ رکھنے اس وقت تک حسن اور از جملہ آثار ایمان ہے کہ وے حضرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین
اپنے انداز عبودیت و مرتبہ بندگی سے متجاوز نہ ہون۔ ورنہ اس مرتبہ افراط کے ساتھ کہ ان کو عین خدا
سمجھا جائے یا کارخانہ قدرت قادر مختار مین دخیل کار محبت رکھنے اور اس زیادتی کے ساتھ اعتقاد کرنا
عین شرک ہے اور کھلا کفر اعاذنا اللہ وسائر المسلمین منہ۔ مضمون مندرجہ سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ مرتکبان ان اعمال قبیحہ و حرکات شنیعہ کے حضرت شیخ علیہ الرحمہ والرضوان کو عین خدا سمجھتے ہین
اور کارخانہ قدرت مین پورا دخیل اور وہ بھی اس مرتبہ کہ خود حضرت شیخ علیہ الرحمہ یک طرف وہ لکڑی
جس کو خود اپنے ہاتھون سے کاٹ تراش چھیل چھالکر بندش کیا ہے اور وہ پھول جس کو آپ نے
گوندھا۔ بعد اس شرف کے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ والرضوان کی جناب اقدس تک منسوب ہون
اور ان حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف انتساب کر کران کے نام زد کے جائے اس مرتبہ
مقبول ہو جائے کہ ان کے روبرو مراتب عبودیت بجالانا اور سجدہ و طواف وغیرہ کرنا جملہ جائز ہو جاتا
ہے۔ ان سے مرادات مانگنا صحیح ہے اور ان کو پورا کرنے مرادات کی اور بیٹا وغیرہ دینے کی قدرت
ہے اعاذنا اللہ من ذلک کلہ۔ بعد جملہ حرکات شنیعہ از جملہ شرکیات من جملہ بدعات سئیہ مرتکب ان
کا کافر ہے یا اعلیٰ درجہ کا بدعتی ان کو چاہیے اپنی ان حرکات شنیعہ سے توبہ صادقہ کرین اور ایسی رسوم
باطل کو بالکلیہ چھوڑ دین ورنہ حشر اپنا کفار و مشرکین کے ساتھ سمجھیں۔ وما علینا الا البلاغ واللہ یہدی
من یشاء الی صراط مستقیم وھو بکل شئی علیم

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن

احمد حسن الحسینی الامروہوی الچشتی الصابری غفرلہ

والوالدیہ واحسن الیہما والیہ

۶۳۔ تعظیم مسجد

الجواب

تعظیم مسجد از جملہ ضروریات دین ہے اور وہ بھی اس مرتبہ کہ وضوء باین کہ از جملہ عبادات ہے مگر چونکہ منافی تعظیم مسجد ہے سطح مسجد پر کرنا جائز نہین مکروہ تحریکی ہے اور تھوکنا نیز ممنوع ہے۔

یکرہ المضمضہ والوضوء فی المسجد الا ان یکون ثمہ موضع اتخذ لذلک لا یصل فیہ او توضأ فی الاناء ولا یبزق فی المسجد لا فوق البواری ولا تحت الحصیر لانا امرنا تعظیم المسجد وصونہا عن النجاسۃ فیاخذ النجاسۃ فی ثوبہ ویلقیہا فی المسجد

ملتقط من فتاوی قاضی خان

پس تھوکنا نہایت تعظیم مسجد کی بناپر از جملہ نجاسات ناجائز رہا اور وضو اور مضمضہ توہین مسجد کو ملتزم ہوا۔ کتون کا یا اور جانورون کا مسجد مین بیٹھنا اور بول و براز کرنا کیونکر جائز ہوگا اور کیون نہ تعظیم مسجد کے خلاف اور اس کی توہین کا باعث ایسی حالت مین اہل اسلام پر لازم ہے جس طرح ہو سکے مسجد کو اس کھلی اہانت سے محفوظ کرین اور اس کی عظمت کو قائم۔ بے شک مسجد کا شکستہ ہو کر نا آباد پڑا رہنا باعث اس اہانت دلی تعظیمی کا ہوا جس طور ممکن ہو خواہ تعمیر کر کر خواہ بطور ترحم اس بقعہ پاک کو جس مین مدتون نماز پڑھی گئی ہے آباد کرین اور جس تعظیم کا وہ بقعہء پاک مستحق ہے وہ عظمت کرتے رہین۔ یہ خیال غلط ہے کہ ہوتے مسجد سابق کے بوجہ آنے آواز آذان کے باوجود اسی بعد کے دوسری بنانا یا اس کی مرمت کرنی جائز نہین۔ البتہ جمعہ اس مسجد مین جو مسجد سابق ہے ادا کرین۔ آباد کرنا اور آباد رکھنا مساجد کا از جملہ شعائر اسلام ہے و منجملہ آثار ایمان قرآن پاک مین ارشاد ہے۔ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر۔

جو صاحب اس کار نیک کی امانت مین چندہ دینگے انشاء اللہ تعالی موافق وعدہ نبی کریم ﷺ من بنی للہ مسجدا بنی اللہ بیتا فی الجنتہ۔ بیشک مستحسن ثواب ہونگے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم علمہ اتم واحکم

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامروہوی غفرلہ

ذلک من تعظیم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

عبدالرحمٰن کان اللہ لہ والوالدیہ

۶۴۔ جواز نکاح حرۃ بالغہ

کیا فرماتے ہین علماء اہل سنت و جماعت اس مسئلہ مین کہ مسماۃ ہندہ دختر زید بعمر ۱۴ سال نکاح اس کا باہتمام اس کی مان و دادی وعم کلان کے بلاموجودگی واجازت زید کے ساتھ ایک شخص مسمی عمرو مذہب واہل سنت و جماعت کے واقع ہوا۔ مسماۃ ہندہ خود اور تمام خانہ اس کا مذہب شیعہ ہے اور کلمہ ایجاب کی جگہ موافق رواج ملک ہندہ نے سکوت کیا تو آیا مذہب اہل سنت کے موافق یہ عقد صحیح ہے یا نہین ۔ لہذا در صورت ناراضگی زید کے جو باپ دختر کا ہے یا ہونا چاہیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر عم کلان ہندہ کا منجانب زید پدر ہندہ وکیل ومجاز تھا اور عند الاستیذان بجواب اس کے ہندہ نے سکوت کیا تو یہہ سکوت ہندہ بحکم اذن ہے اور نکاح صحیح فی الدر المختار۔

فان استاذنہا ای الولی وھو السنۃ او وکیلہ او رسولہ او زوجہا ولیہا واخبرہا رسولہ او فضولی عدل فسکتت ۔ او ضحکت او بکت بلا صوت فھو اذن ومثلہ منہا۔ اور بالغہ کے نفاذ وصحتِ نکاح مین رضاء ولی ضرور نہین فیہا ایضاً ۔ ینفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ۔ البتہ اگر ہندہ نے کسی دنی القوم سے نکاح کیا ہے جو بحق ولی یعنی بحق پدر ہندہ موجب عار ہو تو باوجود صحت نکاح پدر ہندہ کو ازالت للعار اختیار ہے کہ اس نکاح کو بحکم قاضی فسخ کرادے۔ ولہ ای للولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی ۔ (الدر المختار) اور اگر عم کلان ہندہ کا منجانب پدر وکیل ومجاز نہ تھا بلکہ اس نے بطور خود بغیر

استرضاء پدر ہندہ یہہ نکاح کیا تو چونکہ ہوتے باپ ولی قریب کے چچا ولی بعید ہے اور بمنزلہ اجنبی تو عند الاستیذان ہندہ کا سکوت کافی نہین بلکہ اذنِ صریح کی ضرورت ہے پس اگر ہندہ نے عندالاستیذان صرف سکوت کیا ہے اور پھر بعد العقد منجانب ہندہ کوئی ایسا فعل مرتبہ وقوع میں نہین آیا جو شرعاً بحکم اذن صریح ہو جیسے مطالبہ مہر یا نفقہ یا تمکن علی الوطی یا قبول تہنیت یا ضحک علی وجہ السرور تو یہہ نکاح غیر صحیح ہے فی الدر المختار وان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لابد من القول او ما ہو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مہرہا اور نفقتہا او تمکنہا من الوطی اور قبول التہنیۃ والضحک سروراً وغیر ذلک۔ الملتقط منہا مقام الحاجت چونکہ بناء سوال یا عدم رضاء پدر ہندہ ہے یا سکوت ہندہ لہذا اس بناء پر جواب لکھا گیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ

۶۵۔ زوجہ کا اختیار نکاح ثانی

کیا فرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ مین کہ ایک شخص نے اس شرط پر ایک عورت سے نکاح کیا کہ بدون اجازت زوجہ کہین باہر نہ جاؤن گا اور درصورت جانے کے دوسال سے زیادہ قیام نہ کرونگا اور چھ ماہ کا سامان خورد ونوش دے کر جاؤنگا اور اگر مین دوسال سے زیادہ قیام کرونگا تو زوجہ کو اختیار ہے کہ نکاح کسی اور شخص سے کرلے۔ اب اس شخص مذکور کو گئے ہوئے چھ سال ہوئے اور ہنوز نہین آیا اور نہ اس نے اپنی خیریت کا خط بھیجا گو ہمین یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ وہ شخص مذکور صحیح وتندرست زندہ ہے آیا ایسی حالت مین زوجہ نکاح ثانی کی مختار ہے یا نہین؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں صورت تفویض الطلاق الی الزوجہ وصوت خیار الزوجہ ہے اور یہ ظاہر کہ تفویض طلاق وخیار والامر بالیہ جملہ بحکم طلاق ہین۔ یعنی فی ملک النکاح یا مضافاً الی ملک النکاح ہون تو صحیح ورنہ غیر صحیح۔ اور یہہ خود ثابت کہ نکاح ایجاب وقبول سے قبل متحقق نہین اور مضمون

سوال سے یہہ ثابت نہین کہ اول من جانب الزوج ایجاب وبھذا الشرط تھا وبجوابہ من جانب قبول بھذا الشرط۔ پس جواب علی کلا الشقین لکھا جاتا ہے اگر شق اول ہے یعنی زوج نے اولاً ایجاب بھذا الشرط کیا ہے اور پھر زوجہ نے قبول بھذا الشرط تو چونکہ مرتبہ ایجاب مین متحقق نہین لہذا یہہ تفویض قبل از نکاح ہوئی نہ فی حال النکاح ونی ملک النکاح۔ اوراضافت الی ملک النکاح خود مفقود پس یہ تفویض خود صحیح نہین باطل ہے۔ اس صورت مین زوجہ کو بر بنا اس تفویض باطلہ کے کوئی اختیار نہین ہوسکتا۔ اور اگر شق ثانی ہے یعنی اول ایجاب من جانب زوجہ ہے اور بجوابہ قبول من جانب زوج تو البتہ یہہ تفویض صحیح ہے اور خیار درست۔ لیکن چونکہ معلق بالشرط ہے بعد وجود شرط متحقق ہوگی بعد علم بوجود الشرط زوجہ کو بحکم ہذا التفویض وہذا الخیار اختیار ہوگا فی مجلس العلم اپنے آپ کو طلاق دے مگر صورت مستفسرہ مین زوجہ نے بعد علم بوجود الشرط مجلس علم کیا معنی چار سالہ مدت تک اپنے کو فی نکاح الزوج قائم رکھا اور اس مدت طویلہ تک طلاق نہین لی۔ اب وہ بحکم تفویض سابقہ اس مدت چار سالہ کے بعد کچھ نہین کرسکتی۔ فی الفصول العمادیۃ ذکر فی کتاب الحیل۔ الحیلۃ للمطلقۃ ثلاثا اذا خافت ان تمسکہا المحلل ان تقول لہ زوجتُ نفی منک علی ان امری بیدی وقال الزوج قبلتُ جاز النکاح وصار الامر بیدہا ولو بداء الزوج وقال تزوجتکِ علی ان امرکِ بیدک وقبلت جاز النکاح ولا یکون الامر بیدہا۔ والفرق ان الزوج حین قال لھا امرک بیدک لم تکن فی نکاحہ والامر بالید انما یصح فی الملک اومضافا الی الملک وقد انعدم الامران جمیعا فلا یصح وفی الفصل الاول حین قبل الزوج یصیر الامر بیدہا مقارنا لصیرورتہا منکوحۃ لہ۔ وفی فتاویٰ قاضیخان فی فصل الوکیل بالنکاح وان وکل رجلا بان یزوجہ امرءۃ فزوجہ امراءۃ علی ان امرہا بیدہا، االنکاح ویبطل الشرط۔ وایضاً فی فصول العمادیہ فان کانا معلقا بالشرط فانما یصیر الامر مابعد فی لالمفوض الیہ اذا وجد الشرط واذا اوجد فان کان الامر مطلقا غیر مؤقت ابوقت صار الامر بیدہا فی مجلس علمہا۔ بالجملہ ان روایات مذکورہ سے حکم شقین ثابت ہوکر واضح ثابت ہوا کہ علے کلا الشقین اب زوجہ کو بعد گزرنے اس مدت طویلہ کے کوئی اختیار نہین اور بغیر طلاق جدید من جانب الزوج زوجہ بحکم ہذا التفویض کچھ نہین کرسکتی۔ واللہ سبحانہ

تعالے اعلم وعلمہ اتم واحکم

٦٦۔ ہندو کے گھر کا کھانا

ایک ہندو نے کہ جو بیمار تھا تو جز شفایابی علماء کی دعوت کی بر بنائے خوش اعتقادی اتفاقاً وہ اچھا ہو گیا علماء کو اسکے ہان ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

ہندو کے گھر کا کھانا چندان مضائقہ نہیں لابأس البتہ بہتر نہ تھا کہ علماء دین حفظاً لحرمتہ الدین واہل الدین وارغاماً للکفر ولہلہ اس ضیافت سے برطرف رہتے۔ واللہ سبحانہ تعالے اعلم

٦٧۔ اجرت استفتاء وفرائض لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اصل مذہب یون ہے کہ اجرت لینی علے العبادہ کا الاذان والامامتہ وتعلیم القرآن والافتاء والفقہ وغیرہا جائز نہیں مگر متاآخرین فقہاء وعلماء وقت نے حالت موجودہ پر نظر فرما کر یعنی اس حالت پر کہ علماء وصلحاء کی خدمت کرنیکی نہ کسی کو توفیق نہ سلاطین وقت کی طرف سے انکا کوئی ذریعہ قوت مقرر والضروریات تبیح المحذورات اس امر المحذور یعنی اجرتہ علے ہذہ العبادات کو جائز ولابأس بھی لکھا ہے۔

فی الھدایۃ والاستیجار علی الاذان والحج وکذا الاقامتہ وتعلیم القرآن والفقہ والاصل ان کل طاعتہ یختص بہا المسلم لاتجوز الاستیجار وقال فی حاسیتہا ہذا علی راء المتقدیمن وقال فی الھدایۃ بعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن۔

فی الجملہ نظر لضروریات فی زماننا ہذا اجرت لینا جائز ہے مگر کیا اچھا ہو جو بلحاظ اصل مذہب ونظر تقویٰ اس اجارہ سے حذر ہو اس اجرت لینے کے بارے مین کوئی حیلہ شرعیہ کرلیا

جائے۔ واللہ سبحانہ تعالے اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حرّرہ وخادم الطلبہ احمد حسن الامروہوی غفرلہ

۶۸۔ حضرت عیسی علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانا

لا ریب فی ان المسیح بن مریم رفعہ اللہ تعالی الی السماء حیا و ماقتلوہ و ماصلبوہ یقیناً بل شُبّہ لہم وسینزلہ اللہ تعالی عند قرب الساعت بعد خروج الدجال فی جامع دمشق عند منارۃ الشرقیہ بین مہرودتین واضعا یدیہ علی الملکین یقطر الماء من راسہ کانہ خرج من دیماس فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیہ ویقتل علی یدیہ الدجال الاکبر دعوت الکافر من نفسہ الشریعت یقتل الی حیث ینتہی بصرہ الملطیفہ قول حق لا یاتیہ الباطل من یدیہ ولا من خلفہٖ کما نطق بہ کتاب اللہ واخبر بہ النبی الصادق المصدوق ولا ینبئک مثل خبیر فمن قال انہ مات وادعٰی نفسہ بانہ المسیح الموعود فقد شاق اللہ ورسولہ واعرض عن النصوص الظاہرہ فی کتابہ وکتاب رسولہ وخالفہما وخالف الامر الثابت فی الدین ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الہدی ویتبع غیر سبیل المومنین۔ نولہ ماتولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔ الا انہم لیقولون منکراً من القول وزورا الا انہ ضربہ بلا مریہ کبرت کلمہ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا الا انہم فی مریۃ من لقاء عیسیٰ الا انہم فی شک منہ وسیبطل اللہ مایقول ویفتح بیننا وبینہ بالحق واللہ خیر الفاتحین وھو علی ذلک کل وکیل وکفی بہ وکیلا فیا ایھا الذین آمنوا وصدقوا بکتاب اللہ ورسولہ وصدقو علیکم ان تکونوا من ہذا الضال المضل علی طرف بعید وحذر شدید فانہ من دجال عند ہذہ الامت صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ الکریم لا تقوم الساعت حتی یبعث کذابون دجالون قریب من ثلثین کلہم یزعم انہ رسول اللہ واللہ سبحانہ وتعالی یہدی من یشاء الی صراط مستقیم وھو بکل شئی خبیر وعلیم ھو اعلم علمہ اتم واحکم

٦٩۔ واعظ اور مفتی کی علمی استعداد

نوازش نامہ شرف صدور فرمایا۔ ترکیب از زید۔ نوازش صفت مقدم، نام اسم موصوف صفت موصوف مل کر مبتدا ہوا۔ شرف صفت مقدم۔ صدور اسم موصوف صفت اور موصوف ملکر مرکب غیر صفت فرمایا ماضی مطلق، مفرد اسم موصوف اور فعل ماضی مفرد ملکر خبر ہوا مبتدا کا مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ایک چیز کے حرمت کے قائل نہ ہونے سے حلت کا قائل ہونا لازم آتا ہے یا نہیں؟ جواب از زید آتا ہے اب انصافاً آپ ہی فرمایئے حرمت کا نقیض کیا ہے۔ حلت ہے یا نہیں۔ حرمت کا قائل ہونا بعینہ اس کی حلت کے ہونیکا نتیجہ ہے۔ دیکھو بحث تصدیقات میں ان کانت الشرطیہ منفصلہ مانع الجمع ینتج من وضع کل رفع الاخر لامتناع اجتماعہما کقولنا اما ان یکون ہذا العدد زوجا او فردا لکنہ لیس بفرد فہو زوج انتہی۔ تو آپ ہی کے کلام سے قیاس استثنائی کے طور پر حلت ہی کا نتیجہ نکلتا ہے۔ انتہی تحریر زید بالفاظ پس جس شخص کی لیاقت علمی مطابق جملات مذکورہ کے ہو ایسا شخص بحکم شریعت امت محمدیہ کا واعظ ہو سکتا ہے۔

الجواب

مفتی اور واعظ ہونے کے لئے یہ صرف اسقدر استعداد علمی کافی نہیں کہ عربی عبارت کا فی الجملہ ترجمہ اسکے یا قصص چند یاد ہوں یا اردو، فارسی زبان میں چند رسائل جو مسائل دین کے بارے میں ہوں ان کو دیکھا ہو یا پڑھا ہو بلکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو۔ آیات واحادیث میں تعارض کو رفع کر سکے علی ھذا مسائل فقہیہ واحادیث میں تطبیق دے سکے مسائل فقہ کے بارے میں جو اقوال مختلفہ ہوں ان میں راجح ومرجوح اور قول مفتی بہ پر اطلاع رکھتا ہو زید جس کے حال سے سوال کیا جاتا ہے ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی استعداد کا آدمی ہے جو ترکیب اس نے لکھی اکثر غلط ہے۔ علی ہذا جو عبارت عربی کی لکھی اور اسے اپنے مدعا کو ثابت کیا وہ بھی ٹھیک نہیں مانعۃ الجمع کا یہہ حکم صحیح کہ قضیہ مانعۃ الجمع وضع کل جزء سے رفع الاخر کا نتیجہ دیتا

ہے۔مگر مثال صحیح نہیں وہ مثال مفصلہ حقیقیہ کی ہے جس مین وضع کل جزء رفع الاخراور رفع کل جزء وضع الاخر کو منتج ہو۔چنانچہ زید نے رفع احدالجزئیین سے وضع آخر کا نتیجہ لکھا ہے مانعت الجمع مین رفع جزء وضع آخر کو مسلتزم نہیں جواز الخلو مانحن فیہ مین رفع احدالجزئیین یعنی رفع حرمت سے وضع الاخر یعنی وضع حلت وثبوت حلت کا نتیجہ مقصود ہے اور وہ تاوقتیکہ فیما بین حلت وحرمت انفصال حقیقی اور نسبت تناقض نہ ثابت کی جائے۔ثابت نہیں ہوسکتا۔پس زید کے طرز استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ منقصلہ حقیقیہ ومنفصلہ مالغت الجمع مین فرق کرسکتا ہے اور نہ وہ فیما بین وضع ورفع کوئی امتیاز۔نہ اس کو طرز استدلال سے آگاہی نہ اس کو تطبیق الدلیل علی المذکور کا سلیقہ۔ایسا شخص لائق اس کے نہیں کہ مفتی بنے یا واعظ۔ایسے شخص کا واعظ ومفتی بننا یا دوسرون کا اس کو واعظ ومفتی بنانا بے شک مصداق ہے اس حدیث کا علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ یرفع العلم ویکثر الجہل واتخذ الناس رؤسھم جہالاً فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا اوکما قال واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بسرائر احوال عبادہ وھوا للطیف الخبیر

۷۰۔ظہار،طلاق،کفارہ

زید کا ہمیشہ اس کی منکوحہ سے لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ایک دن زید نے بہت سے آدمیون کے سامنے اپنی منکوحہ کو خطاب کر کے کہا کہ تو تو میری مان جیسی ہے بلکہ اس لفظ کو مکرر کئی مجلسون مین کئی آدمیون کے سامنے کہا اب بعد گزرنے مدت تین ماہ کے جب کہ اس عرصے مین زید نے کفارہ ظہار ادا نہیں کیا تو اس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

یہہ لفظ ظہار صریح نہیں بلکہ از جملہ کفایات ظہار ہے اس مین کہنے والے کی نیت معتبر ہوگی اگر بہ نیت ظہار ہوگا اور بہ نیت طلاق کہا ہے طلاق بائنہ واقع ہوگی جس مین تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور اگر یہہ بہ نیت کرامت کہا ہے نہ طلاق واقع ہوگی نہ ظہار نہ کفارہ ظہار کی ضرورت

نہ تجدید نکاح کی حاجت اور اگر کوئی نیت نہین کلام لغو ہوگا اور کوئی حکم شرعی اس پر مرتب نہ ہوگا۔ علی قول الامام فی الوقایۃ۔ وفی انت علیّ مثل اُمی او کامی ان نوی الکرامتہ او الظہار صحت وان نوی الطلاق بانت وان لم ینو شیئاً لغا۔ مگر جھگڑا باہمی کی حالت مین یہہ لفظ نظر بہ دلالہء حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہہ لفظ خواہ بہ نیت ظہار کہا ہے اور خواہ بہ نیت طلاق اور اگر نیت طلاق ہے تو کفارہ ظہار کی ضرورت ہے اور اگر نیت طلاق ہے تجدید نکاح کی حاجت۔ غصہ یا جھگڑے کے وقت مین کہنا دلالت حال وقضاء بحکم نیت سمجھا جائے گا ایضاً فیہا وکنایت مالم یوضع لہ واحتملہ وغیرہ فلا تطلق الا بہ نیت او دلالہء حال۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حرّرہ خادم الطلبہ احمد حسن الامروہوی غفرلہ

۷۱۔ نقل خط مولینا امروہی بخدمت مولینا گنگوہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوۃ علے رسولہ الکریم

کمترین خادمان احقر الزمن احمد حسن باعلے خدمت حضرت مولینا المعظم ادامھم اللہ تعالے والقابہم سلام مسنون مکلّف ہے والا نامہ پہونچا سرمایہ عزت ہوا مجھکو کیا حوصلہ وکیا مجال جو جوابات شبہات جناب والا قلم اُٹھاؤن اور کچھ لکھون یا جس کو آپ غلط فرمائین مین اسکو صحیح قرار دون بے شک جو مین نے لکھا غلط تھا اور ہے آپ نے خود اصلاح فرمادی ہوتی مجھ تک نوبتہ نہ پہونچتی مین اپنی غلطی کا معترف ہوکر آپ کی تحریر مرسلہ پر مہر کرتا ہون ہان اسقدر عرض کرنا ضرور ہے کہ مرے پاس جو سوال آیا ہے اس مین اور سوال مندرجہ تحریر ہذا مین بڑا فرق ہے اسمین صاف طور پر لکھا ہے کہ زید اصل مالک نے اپنی حیات مین وفات سے دو برس پہلے جملہ جائداد جو مالیتی پانچ ہزار کے تھی بموجودگی دختران ودیگر خاندان اپنے کے بعوض دین مہر کے جو نیز تعداد پانچ ہزار روپے کے تھا اپنی زوجہ کے ہاتھ بیع کردی اور اوسکو بیع ورہن جملہ تصرفات مالکانہ کا اختیار دیدیا۔ زوجہ بعد اس عقد کے اسی سنہ سے تا مدت دو سالہ زمانہ حیات شوہر ہمہ جہت اس تمامی جائداد و

آمدنی جائداد پر مالکانہ قابض و متصرف رہی اور زوج اصل مالک کو کوئی تعرض نکیا اس سوال مین
بجواب ایجاب عقد کے زوجہ کی طرف سے قبول کرنا البتہ مذکور نہین ۔ سو یہ عدم الذکر ہی ذکر العدم
نہین تا متعین طور پر لکھا جائے کہ تنہا ایجاب سے عقد منعقد نہین ہوتا بلکہ واقع کی رو سے دونون
احتمال ہین قبول ہوا اور مذکور فی سوال نہ ہو یا سرے سے قبول ہی نہ ہو مگر ظاہر احتمال اول ہے اور
احتمال ثانی مجرد احتمال ۔ نظر سیاق سوال بے تکلف ظاہر ہے کہ زوجہ نے اس عقد بیع کو قبول کیا اور اگر
قبول نہ کرتی زمانہ حیات زوج جو مالک اصلی تھا اس جائداد پر تا مدت دو سال کیونکر مالکانہ قابض
رہتی اور کس طرح اوسکی آمدنی سے متمتع ہوتی ۔ اس مدت طویلہ تک زوجہ کا یون متصرف رہنا اور رفع
اصل مالک کا تمامی جائداد اور آمدنی جائداد سے بے تعلق رہ کر متعرض نہ ہونا واضح دلالت کرتا ہے
کہ زوجہ نے اس بیع کو قبول کر لیا تھا اور قبول منجانب زوجہ صراحتاً مرتبہ وجود مین آچکا تھا ۔ ہان سائل
نے اپنی کوتاہ بیانی سے اسکو ذکر نہین کیا ۔ لہذا مسئلہ جزئیہ ہے کہ اگر زوجہ کسی سے یون کہے بعتک ہذا
العبد اور شخص ثانی قبلت نہ کہے مگر بجواب زید یون کہے فاعتقت پس قبول صریح نہین مگر مال زید
مین لجواب ایجاب بیع یہ تصرف اس کا مقتضی قبول عقد ہے اور بحکم اقتضاء ایجاب و قبول دونوں متحقق
پس عقد بیع نیز صحیح یہان پر بھی چونکہ بعد ایجاب عقد زوجہ زید اسوقت سے مالک ہو کر رہی اس لئے
اقتضاء و قبول عقد ثابت پس یہہ بیع نیز صحیح اب جائداد مملوکہ زید ہے نہ متروکہ زید مرے جواب کا
مدار اس بیان پر ہے ۔ دختران زید کو چونکہ علم اس عقد کا تھا اور جانتی تھیں کہ یہ جائداد متروکہ پدری
نہین دین مہر مادری مین بیع ہو چکی ہین اس لئے انہون نے اپنے کو غیر مستحق سمجھکر اپنا نام درج
کاغذات سرکاری میں نہین کرایا اور یہ عذر کیا کہ یہ جائداد ہماری مان کی ہے یہ نہین کہ انہون نے
اس جائداد کو متروکہ پدری جانا ۔ اس بات سے دستبرداری کی تا کہ ان کو دستبرداری نامعتبر ہو یا اس کو
ہبہ شائع قرار دیا جائے ۔ میرے پاس جو سوال آیا ہے اسمین برادر زادگان زید کا نیز ذکر نہین ۔
دوسرا جواب جو حضور نے مرسل فرمایا ہے اس کا مدار اس سوال پر ہے جس مین صرف دستبرداری
دختران کو بناء ملک زوجہ قرار دیا ہے نیز اس سوال میں برادر زادگان زید کا وارث رہنا نیز لکھا گیا

ہے۔ بے شک وبالیقین اس مضمون سوال کا ہی جواب ہے جوارسال کیا گیا ہے بعد وفات زید زوجہ نے جوموافق میری تحریر کے مالک جائداد قرار پائی اس تمامی جائداد وسکنی صحرائی مین سے اسقدر جائداد کوجس کی قیمت چار ہزار پانچ سو روپیہ تخمیناً قرار پائی بنام دختر کلان اپنی کے ہبہ کیا وہ بہی غالباً ہبہ مشاع نہین۔ ہبہ مشاع جب ہوتا ہے کہ کل جائداد کا کوئی حصہ ہبہ کیا جاتا یہان قطعات متعلقہ سکنائی وصحرائی میں وہ قطعات چند جنکی قیمت ہو ہبہ کی باقی جائداد اپنے قبضہ مین رکھی رجسٹری وغیرہ جملہ مراتب کا جس میں داخل خارج سمجھا جاتا ہے مکمل کرادینا قبضہ کرادینے پر نیز دلالت کرتا ہے۔ بالجملہ کوتاہی یہان سائل پر محمول کر کے ان وجوہ کے بعد اس ہبہ کو صحیح کہہ سکتے ہین البتہ باقی ماندہ جائداد کا ہبہ صحیح نہیں بلکہ وہ ہبہ نہین وصیت بالہبہ ہے مع ہذا اگر دونون ہبہ ناجائز۔ ان کو غیر ثابت مانا جائے تاہم ہوتے ہونے دختر کے جواز جملہ ذوالفروض ہے جائداد مذکورہ جسکو ترکہ زوجہ سمجھا گیا اولاد دختران کو جو منجملہ ذوی الارحام ہین کیونکر مل سکتی ہے دختر کلان ردا فرضاً سب کی مستحق ہوگی۔ نیز اگر بیع کو نادرست کہا جائے اور اس ہبہ کو غیر صحیح دین مہر زوجہ چونکہ مقداری پانچ ہزار کا ہے اور جائداد مقرر کہ نیز اسقدر مالیت کی ہے پس متفرق ہوگی وارثان زید تاوقتیکہ دین مہر نہ ادا کرین اپنے اس جائداد کے کیونکہ مستحق ہوسکتے ہین بغیر ادا دین جملہ جائداد متفرق بدین ہوکر دختر کلان زوجہ متوفیہ کی فرضاً رداً اسکے لینے کی مستحق ہے میرے نزدیک ایتام کے مستحق ہونے کی کوئی صورت نہین اور بناء جواب ان جملہ خیالات پریشان پر ہے۔ اگر صحیح ہون فبہا ورنہ غالباً صحیح نہ ہون گے مگر مجھ کو یاد نہین سوال کہان سے آیا تھا اور سائل کون اس کا مرتبہ پتہ ونشان سے مطلع فرمایئے چونکہ یہہ واقعہ حضور کو غالباً بالتفصیل معلوم ہے لہذا میری سمع خراشی بجائے خود معاف فرمایئے۔ مکلف احقر الزمن احمد حسن امروہوی (بعد مین حضرت مولینا گنگوہی کا مکرمت نامہ پہنچا اور مولینا امروہوی سے اتفاق رائے کیا)

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی

رحمتہ اللہ کا مزار مبارک

دارالعلوم جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانب جنوب

حضرت کی قبرگاہ پھولوں کے درمیان ہے

پروفیسر وقار احمد رضوی کے جدامجد حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ
کا قائم کردہ دارالعلوم اسلامیہ اور جامع مسجد امروہہ کا دل کش منظر